OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. ٩٢٠٫٥٠٣٦٨ Accession No. ١٠٣٨٣

Author محمد لسان الدين ل - ا

Title الاحاطة فى اخبار غرناطة

This book should be returned on or before the date last marked below.

سلسلۂ نصابیات علمیہ جامعہ عثمانیہ

الاحاطہ فی اخبار غرناطہ

حصۂ اول

تالیف

الوزیر محمد لسان الدین بن الخطیب

ترجمہ

مولوی سید احمد اللہ صاحب ندوی

سنہ ۱۳۵۰ھ م سنہ ۱۳۴۱ف م سنہ ۱۹۳۲ء

دارالطبع جامعہ عثمانیہ سرکار عالی حیدرآباد دکن

فہرست مضامین اخبار غرناطہ

حصۂ اوّل

مضامین	صفحہ نمبر
۱	۲
دیباچۂ مصنف۔	۱ تا ۱۰
غرناطہ کا نام اور اس کی تعمیر کی مختصر تاریخ۔	۱ تا ٦
غرناطہ کی فتح، دمشقی لشکر، اور شامی عربوں کی آمد، انکی سرگزشت وغیرہ تاریخی حالات۔	۷ تا ۱۱
صوبۂ البیرۃ کے مسلمانوں کے ساتھ ذمّی نصاریٰ کا برتاؤ اور اُن کے مختصر واقعات۔	۱۱ تا ۱۵
مقامات اور مفصلات کے باغات اور مواضعات کا ذکر۔	۱٦ تا ۱۹
فصل:	۲۰ تا ۲۴
فصل: باغات، عمارات، زرخیز اراضی اور قریوں کی تفصیل	۲۵ تا ۲۸
فصل: اخلاق، عادات، اور دیگر حالات۔	۲۹ تا ۳۳

مضامین	صفحہ نمبر
۱	۲
سلاطین غرناطہ کا اجمالی تذکرہ از ابتدائے تاسیس دارالامارت تا اینندم۔	۳۴ تا ۳٦
احمد بن خلف بن عبد الملک غسان قلعی۔	۳۷ تا ۳۹
احمد بن محمد بن اضحیٰ بن عبد اللطیف بن غریب ابن یزید بن الشعر بن عبد الہمدانی الالبیری۔	۳۹ تا ۴۲
احمد بن محمد بن حمد ہشام القرشی۔	۴۲ تا ۴۵
احمد بن محمد بن احمد بن محمد بن عبداللہ بن یحییٰ ابن عبد الرحمٰن بن یوسف بن سعید بن جزی الکلبی۔	۴٦ تا ۵۱
احمد بن محمد بن احمد بن عبد الرحمٰن بن علی بن محمد بن سعدہ ابن سعید بن مسعدۃ بن ربیعۃ بن صخر بن سرایل بن عامر ابن الفضل بن بد ال	

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

دیباچہ مصنف

خدا نے کتابوں کو علمی عجائب و غرائب کی تحصیل کے لئے ایک ذریعہ بنایا ہے، اگر ان کا وجود نہ ہوتا تو دنیا میں آنے والے انسان جانے والوں سے بے خبر ہو جاتے، اور محاسن و محامد مرنے والوں کے ساتھ مدفون ہو جاتے، اور فضل و کمال کے ستارے دیکھنے والوں کی نظروں سے اوجھل ہو جاتے پھر نہ کوئی خبر ملتی جو نقل کی جاتی، نہ کوئی دلیل ملتی جس پر غور کیا جاتا۔ اور نہ کوئی طریقۂ سیاست ملتا جو حاصل کیا جاتا، اور نہ کوئی اصل ملتی جس کی طرف کچھ منسوب کیا جاتا، لیکن خدائے عزوجل نے ہمیں ہدایت کا راستہ دکھایا، اور انسانوں کو قلم کے ذریعے سے وہ قیمتی معلومات بنائے جن سے وہ کبھی واقف نہیں ہو سکتا تھا، اس لئے ہم نے نشانات کو مشعلِ ہدایت پایا، خبروں کو مندرج پایا، روایت کے سلسلوں کو مربوط پایا، سیر و تواریخ کو مرتب پایا، آثار و علائم کو منقول پایا، فضائل اور مناقب کو جانے والوں کے بعد بھی باقی پایا، اور یادگاروں کو شاہد پایا، گویا کاغذ جو بمنزلۂ دن کے ہے اور سیاہی جو بمنزلۂ رات کے ہے اس عالم کون و فساد میں دن و رات کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ جب گردشِ لیل و نہار کسی شے کو تہ کر دیتی ہے تو کاغذ و سیاہی اسے پھر شائع کرتے ہیں اور جب وہ کسی واقعہ کو دفن کر دیتی ہے تو یہ دونوں پھر اسے زندہ کرتے ہیں،

اگر زمانے کی زبان گویا ہوتی اور اس مناقضہ کی تحقیق کرنے میں تامل کرتا تو

بہت کچھ غصہ اور ملامت کرتا اور اپنا ہر روز کا علم شائع کر دیا کرتا۔

چونکہ فن تاریخ انسانی ضروریات کا منبع ہے۔ اور مختلف معلومات کے اجتماع کا ذریعہ ہے، انسان اس سے اپنے شرعی اور طبعی حسب ونسب کو معلوم کرتا ہے اور اطمینان و راحت کے زمانے میں تجارب حاصل کرتا ہے، زمانے کے ظاہر اور مخفی حالات سے استدلال لاتا ہے اہل نظر کو خدا کی قدرت کے کرشمے نظر آتے ہیں جس سے ان کے سینے نور ایمان کے لئے کھل جاتے ہیں، اور خود کلام مجید میں قصص اور حکایات کا ہونا اس فن کی تکمیل کے لئے بیّن شہادت ہے، چنانچہ خدا فرماتا ہے:۔

کُلاً نقص علیك من انباء الرسل	اور سب چیزیں بیان کرتے ہیں تیرے سامنے رسولوں کے
ما نثبت فوادك	احوال سے جس سے تسلی دیں تیرے دل کو۔ (سورۃ ھود)

اور ایک دوسری جگہ پر یہ ارشاد ہوتا ہے۔

ونحن نقص علیك احسن القصص	ہم تجھے بہترین قصّہ سناتے ہیں بذریعہ اس قرآن کے جس کی
بما اوحینا الیك ھذا القرآن	وحی ہم نے تمھاری طرف نازل کی ہے اور تو تھا
وان کنت من قبلہ لمن	اس سے پہلے البتہ بے خبروں میں۔ (یوسف)
الغافلین	

اس لئے اب راستہ صاف ہو گیا، اور یہ معلوم ہو گیا کہ تاریخ کی ضرورت کو عقل اور مذہب دونوں یکساں محسوس کرتے ہیں۔ بعض مصنفین نے اس کے لئے راتوں کو نیند حرام کر دی ہے، اور اپنی جوانی کی بہترین قوتوں کو گھلا کر ایسی مصنفہ کتابوں میں ودیعت رکھدیا ہے جن کی طرف لوگ ہمہ تن متوجہ رہا کرتے ہیں، اور جن کو پسندیدہ نظروں سے دیکھتے ہیں۔

مصنفین کے اغراض ومقاصد مختلف ہیں بعضوں نے صرف واقعات کو محفوظ کر دیا ہے بعض نے لوگوں کے احوال کی طرف توجہ کی ہے، اور اس موضوع پر تمام لوگوں کے حالات کے احاطہ سے عاجز آ کر عمائد کو چن لیا ہے، ان میں عموماً تو اکثر ممالک کے عمائد کے حالات بھی لکھے گئے ہیں اور خاص طور پر خاص شہروں کے عمائد کے حالات، لکھے گئے ہیں۔

علمی میدانوں کے شہسواروں نے علوم کو اپنا مطمح نظر بنایا، اور ذاتی معلومات

اور امکانی جد و جہد کے مطابق اس کو وسعت دی ہے، اور اپنے وطن مالوف کی خصوصیات اور ان کے ان حقوق کی بنا پر جو سکونت کی وجہ سے عائد ہوتے تھے تخصیص کی طرف بھی متوجہ ہوئے انھوں نے وطن کی ذمہ داریوں اور ایفاءِ عہد کا خیال کرتے ہوئے خاص ان لوگوں کے حالات لکھے جن کا ان سے تعلق تھا، اس لئے ہم ان لوگوں کی تصنیفات کی ایک فہرست درج کرتے ہیں جنھوں نے اپنے وطن کی تاریخیں لکھی ہیں۔ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ؛

۱۔ تاریخ بخارا، مصنفہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد سلیمان الغنجاری۔
۲۔ تاریخ اصبہان، مصنفہ ابو نعیم احمد بن عبد اللہ صاحب الحلیہ۔
۳۔ تاریخ اصبہان، مصنفہ ابو زکریا احمد بن عبد الوہاب بن مندۃ الحافظ۔
۴۔ تاریخ نیسا پور، مصنفہ حاکم ابو عبد اللہ بن البیع، اور عبد الغافر بن اسماعیل نے اس کی ذیل لکھی ہے۔
۵۔ تاریخ ہمدان، مصنفہ ابو شجاع بسرویہ بن شہردار بن شیرویہ محمد ابن فناخسرو دیلمی۔
۶۔ تاریخ طبقات اہل شیراز مصنفہ ابو عبد اللہ محمد بن عبد العزیز بن القصار۔
۷۔ تاریخ ہرات، مصنفہ ابو عبد اللہ الحسن بن محمد الکتبی۔ اس مصنف کا نام مشکوک ہے،
۸۔ تاریخ ہرات، مصنفہ ابو اسحٰق احمد بن یٰس الحداد، اس کتاب میں ان تابعین اور محدثین کے حالات بھی درج ہیں جنھوں نے ہرات میں اقامت اختیار کی تھی،
۹۔ تاریخ سمرقند، مصنفہ عبد الرحمٰن بن محمد ادریسی۔
۱۰۔ تاریخ نسف، مصنفہ جعفر بن محمد المعز المستغفری۔
۱۱۔ تاریخ جرجان، مصنفہ ابو القاسم حمزۃ بن یوسف بن ابراہیم السہمی۔
۱۲۔ تاریخ رقہ، مصنفہ ابو علی محمد بن سعید بن عبد الرحمٰن القشیری۔
۱۳۔ تاریخ بغداد، مصنفہ خطیب ابوبکر بن ثابت، اور ابو سعید عبد الکریم بن محمد بن منصور السمعانی کی اس کتاب پر ذیل ہے۔
۱۴۔ اخبار بغداد، مصنفہ احمد بن طاہر۔
۱۵۔ تاریخ واسط، مصنفہ ابو الحسین بن علی ابو الطیب الکلافی۔
۱۶۔ تاریخ حمص، مصنفہ ابو القاسم عبد الصمد بن سعید القاضی، اس کتاب میں ان صحابہ کے حالات درج ہیں جو حمص آئے تھے۔ جو وہاں سکونت پذیر ہوگئے، جو وہاں سے چلے گئے ان میں سے کون واپس آیا اور کون نہیں آیا کس نے حدیث سنائی اور کس نے

حدیث نہیں سنائی۔
۱۷۔ تاریخ دمشق مصنفہ ابو القاسم علی بن الحسن بن عساکر
۱۸۔ تاریخ مکہ۔ مصنفہ ازرقی۔
۱۹۔ تاریخ مکہ۔ مصنفہ ابن النجار۔
۲۰۔ تاریخ مصر۔ مصنفہ عبد الرحمٰن بن احمد بن نواس۔
۲۱۔ تاریخ اسکندریہ۔ مصنفہ وجیہہ الدین ابو المظفر منصور بن سلیمان بن منصور بن سلیم الشافعی۔
۲۲۔ تاریخ طبقات فقہاء تونس۔ مصنفہ ابو محمد عبد اللہ بن ابراہیم بن ابو العباس بن خلف التمیمی۔
۲۳۔ عنوان الدرایہ۔ مصنفہ ابو العباس الغفری، اس کتاب میں بجایہ کی ساتویں صدی کے عمائد کے حالات درج کئے گئے ہیں۔
۲۴۔ تاریخ تلمسان۔ مصنفہ ابن الاصفر۔
۲۵۔ تاریخ تلمسان۔ مصنفہ ابن ہدیہ۔
۲۶۔ تاریخ فاس۔ مصنفہ ابو عبد الکریم۔
۲۷۔ تاریخ فاس۔ مصنفہ ابن ابی ازرع۔
۲۸۔ تاریخ فاس۔ مصنفہ نوفلی۔
۲۹۔ تاریخ سبتہ المسمٰی بالفنون الستہ۔ مصنفہ ابو الفضل عیاض بن موسیٰ بن عیاض، مصنف نے اس کتاب کو مسودہ کی حالت میں چھوڑا۔
۳۰۔ تاریخ بلنسیہ۔ مصنفہ ابن علقمہ۔
۳۱۔ تاریخ البیرۃ۔ مصنفہ ابو القاسم محمد بن عبد الواحد الغافقی الملاذی۔
۳۲۔ تاریخ شقورہ۔ مصنفہ ابن ادریس۔
۳۳۔ تاریخ مالقہ۔ مصنفہ ابو عبد اللہ ابن عسکر، مصنف نے اس کتاب کو نا تمام حالت میں چھوڑ کر وفات پائی، اس کی تکمیل مصنف کے برادر زادے ابو بکر ابن خمیس نے کی۔
۳۴۔ الاعلام و مجلس اعلام اہل مالقہ۔ مصنفہ ابو العباس اصبغ بن العباس۔
۳۵۔ "الاحتفال فی اعلام الرجال"۔ مصنفہ ابو بکر الحسن بن محمد بن مفرج القیسی۔

۳۶- تاریخ قرطبہ۔ جو منتخب ہے کتاب الاحتفال کی" طلیطلہ کے رؤسار، فقہار اور قضاۃ کی تاریخ۔ مصنفہٗ ابوجعفر بن مظاہر۔
۳۷- منتخب تاریخ الرؤسار والفقہار والقضاۃ در طلیطلہ۔ مصنفہٗ ابو القاسم بن بشکوال۔
۳۸- تاریخ فقہار قرطبہ۔ مصنفہٗ ابن حیان۔
۳۹- تاریخ جزیرہ خضرار۔ مصنفہٗ ابن حسین۔
۴۰- تاریخ قلعہ یحصب المسمی طالع السعدی مصنفہ ابو الحسن ابن سعید۔
۴۱- تاریخ بضیرہ۔ مصنفہٗ ابو عبداللہ بن الموزن۔
۴۲- الدرۃ المکنونۃ در اخبار ستقونۃ۔ مصنفہٗ ابو بکر بن محمد بن ادریس اللاولی الغلوسی۔
۴۳- مزیۃ المریۃ۔ مصنفہٗ ابو جعفر احمد بن خاتمہ یکے از اصحاب ما۔
۴۴- تاریخ مریۃ، دباجۃ۔ مصنفہٗ یکتائے زمانہ شیخ ابو البرکات بن الحاج زاد اللہ فیوضہ۔
اس کتاب کی مبیضہ تک نوبت پہونچی پھر مصنف کو اسکی طرف توجہ کا موقع نہیں ملا۔

ان مصنفین کے کارنمایاں دیکھکر مجھے بھی ایک ایسا جوش پیدا ہوا جو نہ کسی بدیہی اصول سے اور نہ کسی مرتبہ کے لحاظ سے معیوب تھا، اور نہ کوئی متعصب اس کے لئے مذموم ہو سکتا ہے، بلکہ ہر طریقہ پر مستحسن تھا۔

خدا نے بلاشبہ اس مشہور شہر غرناطہ کے عروج و ترقی کے اسباب وافر کر دیئے اس کے مرتبے کی عظمت کے ذرائع پیدا کر دیئے اس کو اسلامی آبادی کا سرحد بنا دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قبیلہ یعنی رؤسار عرب کا جلوہ گاہ بنا دیا، آب و ہوا کا اعتدال، نہروں کی روانی، عمارات کی وسعت، اور درختوں کی کثرت سے ممتاز کر دیا۔

شرفار عرب اس سرزمین میں اسوقت داخل ہوئے، جبکہ وہ تمام ساز و سامان کے ساتھ خطۂ عرب کو چھوڑ چکے تھے، اور یہاں پہنچنے کے ساتھ ہی وہ برابر اس شہر کی ترقی کے کوشاں رہے چنانچہ وہ بکثرت آباد ہو گئے، اور ان کے فضل و کمال کا ہر طرف ڈنکا بجنے لگا، رفتہ رفتہ یہ شہر ان کی حکومت کا پائیتخت اور دوسرے ممالک کے مقابلے میں سرتاج بن گیا، یہی نہیں بلکہ یہ خطہ شان و شوکت، جاہ و جلال کے اعتبار سے بھی بازی لے گیا! گرم بازاری اور دکانوں کی کثرت سے ہر طرف چہل پہل پیدا ہو گئی، اس کی دیواروں نے ایسے بہادر سرداروں کو جگہ دی جن کے ناگہانی داخلے سے صبح ڈرتی ہے، اور ان کے حملے سے رات خوف کھاتی ہے، ان میں ایسے

روسارزندگی بسر کرتے ہیں، جن کے جود وسخا کا یہ عالم ہے کہ گویا ابر بھی اپنی بارش کے برسانے میں ان کی فیاضی اور دریا دلی کا محتاج ہے ایسے متبحر علمار موجود ہیں جن کے سامنے جملہ علوم وفنون سرِ تسلیم خم کرتے ہیں اور جو مشکل سے مشکل مسائل کو حل کرتے ہیں، ایسے اولیار اور زہاد بھی ہیں جن کی جبین نیاز پر سجدہ کرتے کرتے نشان پڑ گئے ہیں، ظاہرا پراگندہ حال اور پریشان صورت ہیں، لیکن دربارِ خداوندی میں ایسے مقبول ہیں کہ جب کسی چیز پر اڑ جاتے ہیں تو خدا بھی ان کی خوشنودی کے لئے پورا کر دیتا ہے، بہت سے فصحار اور بلغار بھی ہیں جنکی انشا پردازی کا کمال ان کے مضامین سے نمایاں ہوتا ہے، وہ دریائے فصاحت و بلاغت میں موتیوں کی تلاش میں غوطے لگاتے ہیں اور انھیں کتابوں کے دلچسپ حاشیوں پر جڑ دیتے ہیں۔

درحقیقت شہر غرناطہ کا حق کسی مصنف نے ادا نہ کیا، اور نہ اس کے جواھر داعراض میں تمیز کی حالانکہ قلم کی روانی جاری ہے اور بیان کا میدان بھی بہت وسیع ہے غرض وہ ایک خوبی ہے جسکی مذمت کرنے والا کوئی نہیں اور وہ زمانے کی زینت ہے، اور اگر کہا جائے تو نفس اس کے معانی پر شیدا ہے، مگر اس کے مداح پر زمانہ تنگ ہے، عاشق جمال کا عذر مقبول ہے، ابو الطیب متنبی نے کیا خوب کہا ہے۔

ضروب الناس عشاق ضروبا	مختلف انسان مختلف لوگوں پر فریفتہ ہیں، لیکن معذور ترین وہ عاشق
فاعذرهم اشفهم حبيبا	ہے جس کا محبوب افضل ترین ہو۔

میں وطن کا پہلا عاشق نہیں ہوں اور نہ ان لوگوں میں ہوں جنھوں نے پہلے پہل اپنے گھر کی محبت کا ثبوت دیا ہو، بلکہ وطن کی الفت ہر باشندہ کے خمیر میں ہے، اسکی نگاہ تمام محاسن پر لگی رہتی ہے۔

علی بن عباس نے اسکی توجیہ خوب عمدہ بیان کی ہے۔

وحبب اوطان الرجال اليهم	ان اغراض نے لوگوں کو وطن سے الفت پیدا کرا دی جن کو انھوں
مآرب قضاها الشباب هنالكا	نے عہد شباب میں وہاں پورا کیا تھا۔
اذا ذكروا اوطانهم ذكرتهم	جب وہ اپنے گھروں کو یاد کرتے ہیں تو انھیں بچپن کے زمانے
عهود الصبا فيها فحنوا لذلكا	یاد آتے ہیں اس لئے وہ اس کے مشتاق ہو جاتے ہیں۔

انھیں مضامین پر میں نے طبع آزمائی کی ہے۔

احبك يا مغنى الجلال بواجب	اے بہترین مقام میں تجھے سچے دل سے محبوب رکھتا ہوں

واقطع فی اوصافک الغر اوقاتی — اور تیرے عمدہ اوصاف کی مدح سرائی میں عمر گذارتا ہوں۔
تقسم منک الترب قومی وجیرتی — تیری پاک مٹی کو میری قوم اور میرے پڑوسیوں نے تقسیم کر لیا ہے۔
ففی الظہر احیائی وفی البطن اموانی — تیری پشت پر میرے زندہ اعزا و اقارب ہیں اور تیرے پیٹ میں مردہ اصحاب ہیں۔

ابوالقاسم غافقی نے جو غرناطہ کا باشندہ تھا اس فرض کی انجام دہی کا احساس کیا، مگر افسوس کہ تمام معلومات پر حاوی نہ ہو سکا، اس بنا پر نہ تو شائقین علم کی اس تصنیف سے پیاس بجھی اور نہ اس میں عمدہ مضامین تھے جن سے دوبارہ تصنیف کی ضرورت رفع ہو جاتی، اس لئے میں بھی اس ارادے سے اٹھا کر اس فرض سے سبکدوشی حاصل کرنے کے لئے ایک کتاب تصنیف کروں، صحت کی قلت اور ضروری مشاغل کی کثرت کے باوجود میں نے اسکی توقع کی کہ میں اس مقصد کے اس دشوار مقام پر چڑھوں جس کے سامنے بہت سی گردنیں جھک گئی ہیں، اور اس مقام تک پہنچ جاؤں جس نے بڑے بڑے بہادروں کو خوف زدہ بنا رکھا ہے، چنانچہ اس کام کے لئے میں نے کمر ہمت باندھی اور رات کو اس سواری کا کجاوہ بنایا، سبحان اللہ کیا عمدہ سواری تھی کہ ان شمعوں کے سوا جو رات کی ظلمت اور تاریکی کو سامنے سے ہٹا رہی تھی، اور ان کتابوں کے سوا جن میں حروف ہجا کی کثرت تھی، اور ان خیالات کے سوا جو فضل و کمال کے آسمان پر چڑھنا چاہتے تھے نہ کوئی مونس تھا، نہ کوئی غمخوار، نہ کوئی ہمدم تھا اور نہ کوئی رفیق۔

چونکہ عمل کے ساتھ نیت خالص بھی ہمراہ تھی اس لئے توفیق کی ہر گھاٹی پر پہنچا، اور ہدایت کے ہر روشن مقام پر چمکا، لیکن خدا جانتا ہے، کہ میں دنیا طلبی کی غرض سے نہیں اٹھا، اور نہ کسی مرتبہ کے حصول کے لئے اس کا قصد کیا، بلکہ یہ ایک روشن صبح تھی اور ایک حق تھا جسکو میں اپنے نفس پر واجب سمجھتا تھا، میں نے راتوں کو جاگ کر محض اس غرض سے جد و جہد کی کہ یہ شہر دوسرے شہروں کی مانند تاریکی نظر سے منتظم ہو جائے، اس کی پوشیدہ خوبیاں ظاہر ہو جائیں، اس کے محاسن ناروں میں پرو دئے جائیں، اور یہ کہ اسکی ہر فانی ہستی اپنی فنا کے بعد بھی اکناف عالم میں بطور یادگار کے رہ جائے۔

وما فتوا لثلاثۃ ام عمرو — اے ام عمرو میں جسے تو صبح کی شراب نہیں پلاتی ان تینوں میں
بصاحبک الذی لا تصبحینا — برا نہیں ہوں۔

اثنائے تالیف میں کوئی چیز مع اپنے متعلقات کے ایسی نہ تھی جس کو میں نے پایا ہو اور اسے محفوظ نہ کرلیا ہو اور نہ کوئی گم شدہ چیز تھی جسکو میں نے تلاش نہ کرلیا ہو، مگر اس میں سعی و کوشش کرنیوالا درحقیقت جتنی محنت و جانفشانی کرے وہ کم ہے، اور مصنف جتنی طوالت دے وہ دریا کے ایک قطرہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا، کیونکہ جن چیزوں کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ غیر مذکور احوال سے نسبت نہیں رکھتا، اور جو معلومات بتائے گئے ہیں وہ مجہولات کے لحاظ سے بالکل کم ہیں، سیاہی کے دریا لبریز ہیں، اور خوبی کا انتہائی درجہ پر پہنچنے سے انسان فطرتاً قاصر ہے۔

جو صاحب اس کتاب کا موازنہ دوسری کتابوں سے کرنا چاہتے ہوں، ان سے میری گذارش ہے کہ وہ سب سے پہلے اس کتاب کی اصلی غرض و غایت معلوم کرلیں اس وقت اس کی حقیقت خود بخود روشن ہوجائے گی، اور صداقت ان پر پوشیدہ نہ رہیگی اور بجائے برائی کے انھیں خوبی نظر آئے گی، عالم انسان میں قابل ترین آدمی بھی غلطیوں سے پاک نہیں اس سے کم درجے والوں کا تو کیا ذکر ہے۔

اور ہمارے معاصرین کو یہ موقع ہے کہ واقعات مذکورہ کی خود جانچ پڑتال کرلیں۔
وہ اصحاب جو حقانیت کے متلاشی ہیں، اور اپنے دلوں کی صرف تسلی چاہتے ہیں توان کے سامنے سے ظلمات کے پردے ہٹ جائیں گے، اور وہ انتہائی متانت اور سنجیدگی سے اس کا مطالعہ کریں گے، اور ایسے ہی اصحاب کی روحیں اپنی سعادت اور نیکی کی بنا پر قیامت کے دن آب رحمت اور نظر شفاعت کی تلاش میں چکر لگائیں گی، لیکن وہ لوگ جن کے فسق و فجور کی بنا پر شرع نے ان کی پردہ دری مباح کردی ہے، اور وہ بدخصلت انسان جنکی پیشانی پر نحوست نے ان کے اعمال سیئہ اور افعال مذمومہ کی بنا پر ٹیکے لگا دیئے کبھی عزت اور وقعت کے تاجدار نہیں بن سکتے، کیا دنیا میں ان لوگوں کا بھی ذکر باقی رہ سکتا ہے، جنھوں نے اپنے باپ کے نام کی بھی تحقیق نہ کی ہو اور نہ ان کے مرنے کے بعد کوئی عمل صالح کیا ہو۔ کتنے ایسے لوگ ہیں جنھوں نے اپنی مصیبت میں کسی ہمدرد و شفیع کو پایا ہے، یا کوئی ایسا شخص ملا ہے جس نے انھیں کسی بلند مرتبے تک پہونچا دیا ہے، اور کسی ذلت اور رسوائی کے موقع پر معین و مددگار ہوگیا ہے، کتنے ایسے انسان ہیں جن کے لئے دولت و ثروت کا خزانہ کھلا ہوا ہے، کتنے ایسے غریب بلا نان ونفقہ آدمی ہیں جنھیں مال و دولت حاصل ہوگیا

ہے، کتنے تیز رو ہیں جنھوں نے عاجزوں کی خدمت کی ہے، اور کتنے جاگنے والے ہیں جنھوں نے سوئے ہوؤں پر غارتگری کی، لیکن میں اس پر راضی ہوں کہ میرے کام کا اگر شکریہ ادا نہ کیا جائے تو اس کی برائی بھی نہ کی جائے، اور اگر اس کا کوئی اجر نہ ملے تو کم از کم اس سے حسد بھی نہ کیا جائے کیونکہ بہتر انسانوں کا یہ ہی حال ہے جسکی طرف اشارہ کیا گیا لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم

اس کتاب کی جو ترتیب میرے ذہن میں آئی ہے اور جسکی میرے خیال نے بھی تائید کی ہے وہ یہ ہے کہ میں شہر غرناطہ کا اس طور پر ذکر کروں کہ اسمیں اس کی قدیم حالت بھی شامل کر دی جائے۔ اور اس کی آب وہوا کی لطافت اور وہاں کے انسانوں کی شرافت بھی بیان کر دی جائے، نیز اس کے مشہور ومعروف مقامات اور عمدہ سرزمینوں کا بھی ذکر کر دیا جائے، اور اس کے بعد اہل شہر کے مختلف طبقوں کے حالات پر روشنی ڈالی جائے جسمیں عام باشندے ہوں، رؤسا رقوم ہوں، اور وہ لوگ بھی ہوں جو مختلف قبائل اور جہتوں ہیں آکر آباد ہوئے، تاکہ اس شہر کا پورا نقشہ کھنچ جائے۔

میں نے اسمار کو ابواب حروف کے سلسلہ میں درج کیا ہے، اور ان کے مراتب کو ترتیب وار حالات کی روسے جدا جدا کر دیا ہے، چنانچہ سب سے پہلے سلاطین کا تذکرہ کیا ہے، اس کے بعد امراء اور اعیان، اس کے بعد فضلاء، پھر قضاۃ اور علماء، پھر قرار اور محدثین اور فقہاء، اور تمام طلبائے علم کا ذکر کیا ہے، اس کے بعد مصنفین، شعراء، اور امراء کے عمال، کے حالات ہیں اور سب سے آخر میں زاہدین، عابدین، صوفیاء اور فقراء کا گروہ ہے، تاکہ ابتدا حکمراں سے ہو اور انتہا اس طبقہ پر ہو جو کسی قوم کا عطر ہوتے ہیں، اور تاکہ تمام ایک ہار میں موتیوں کی طرح پرو دئے جائیں۔

ہر طبقہ ان لوگوں پر مشتمل ہے جو اصالۃ اور استقرارا شہر کے باشندے تھے۔ یا جو اطراف وجوانب سے پناہ گزیں ہوئے تھے، یا جو دور ودراز مسافرت سے گھبرا کر یہاں مقیم ہوئے تھے، یا جو صرف چند دنوں کے لئے یہاں ٹھہر گئے تھے، اس سلسلہ میں جب اسماء بہت زیادہ ہوگئے تو میں نے انواع کے تحت میں ان کو تفصیل وار ذکر کر دیا، اور جہاں کم ہوئے انھیں مختلف طور پر یکجا کر دیا ہے۔

جن لوگوں کے تذکرے کئے گئے ہیں ان کی ترتیب میں نہ صرف ان کے ناموں کے حروف تہجی

کا لحاظ کیا گیا ہے۔ بلکہ ان کے آباؤ اجداد کے ناموں کا بھی لحاظ کیا گیا ہے، اور یہ اس لئے کیا گیا ہے کہ ہر شخص کی تاریخ وفات و پیدائش صحیح طور پر معلوم ہو جائے، اسی بنا پر میں نے اول اول ہر شخص کا حسب و نسب بیان کیا ہے اس کے بعد اس کے وطن، مولد، اور مذہب کا ذکر کیا ہے، پھر اس کی ان خصوصیات کا بیان ہے جس کی بنا پر وہ معروف و مشہور ہوا ہے، اگر اس نے کوئی کتاب لکھی ہے یا کسی فن میں کمال حاصل کیا ہے تو اس کی علمی قابلیت کا تذکرہ ہے، اور اگر وہ کوئی ادبی کمال رکھتا تھا تو اس کے اخلاق و عادات کا تذکرہ ہے، اور اگر وہ شاعر یا مضمون نگار ہے تو اس کے اشعار اور مضامین کا تذکرہ ہے، اور اگر وہ زمانے کے گرداب بلا میں پھنسا ہے تو اس کے مصائب کا بیان ہے، پھر اس کی وفات کا ذکر ہے۔

بہر حال میں نے اس کتاب کو دو حصوں میں منقسم کیا ہے:۔

۱ مقامات و منازل کی زینت کا بیان۔

۲ زائرین و ساکنین، اور آمد و رفت رکھنے والے قبائل کا ذکر۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حصۂ اول

غرناطہ کا نام اور اسکی تعمیر کی مختصر تاریخ

غرناطہ

اس شہر کا نام غرناطہ ہے، بعض اسے اغرناطہ بھی کہتے ہیں، یہ دونوں عجمی نام ہیں، غرناطہ دراصل صوبہ البیرۃ کا ایک شہر ہے، ان دونوں آبادیوں (یعنی شہر غرناطہ اور شہر البیرۃ کی آبادیوں) میں ۲ ½ فرسخ یعنی ۸ میل کا فاصلہ ہے۔

صوبۂ البیرہ

البیرہ[1] اندلس کے صوبوں میں سب سے بڑا صوبہ ہے، اور بلاد مفتوحہ کے ٹھیک وسط میں واقع ہے، اردمیوں کی قدیم تاریخ میں اسکا (یعنی شہر البیرہ کا) نام سنام الاندلس (اندلس کی چوٹی) ہے اور گذشتہ زمانے میں اسے قسطیلہ کہا کرتے تھے، یہ بڑا مشہور و معروف مقام تھا، اس زمانے میں اس کے باشندے دولت و ثروت سے مالا مال تھے، یہاں بہت بڑے بڑے نامور علماء اور فقہاء بھی موجود تھے۔

شہر البیرہ کی جامع مسجد

ابو مروان بن حیان نے اہل البیرہ کی کثیر دولت کا ذکر کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ شہر البیرہ کی جامع مسجد کے دروازہ کے قریب ایسے پچاس گھوڑے مجتمع ہوتے تھے جن کی لگاموں کے دہانے تمامتر چاندی کے ہوتے تھے، کیونکہ وہاں شرفاء اور رؤساء بکثرت آباد تھے، اور ان کی اس امارت پر (یعنی شہر البیرہ) کے قدیم آثار اور محو شدہ نشانات صاف دلالت کرتے ہیں، مثلاً جامع مسجد کے وہ آثار جو اب تک دیرینہ سالی کی بوسیدگی کا مقابلہ کر رہے ہیں

---

[1] البیرہ صوبہ کا نام بھی ہے اور اس شہر کا نام بھی ہے جو اس صوبہ کا دار الحکومت تھا پرانا نام اس دار الحکومت کا قسطیلہ تھا اور اسی کو پہلی صدی ہجری کے اواخر میں مسلمانوں نے فتح کیا تھا اس وقت غرناطہ کا وجود نہ تھا۔

اور جو اس طویل مدت کے گذرنے کے باوجود زمانے کے دستِ ہلاکت سے محفوظ رہ گئے ہیں۔

یہ مسجد امیر المومنین محمد بن عبد الرحمٰنؒ خلیفۂ قرطبہ کے حکم سے بنائی گئی تھی، اور اس کا سنگ بنیاد حنش بن عبداللہ صنعانی شافعیؒ نے رکھا تھا، اب تک اس کی محراب پر یہ کتبہ موجود ہے:۔

"بسم اللہ بنیت للہ امر ببنائھا الامیر محمد بن عبد الرحمٰن اکرمہ اللہ رجاء ثواب العظیم وتوسیعا لرعیتہ فتم بعون اللہ علی ید عبد اللہ عاملہ علی کورۃ البیرۃ فی ذی القعدۃ سنۃ خمسین ومأتین۔

بسم اللہ، یہ مسجد اللہ کے لئے بنائی گئی، اسکی تعمیر کا حکم امیر المومنین محمد بن عبد الرحمٰن نے ثواب عظیم اور رفاہ عام کے لئے دیا، خدا اسے معزز فرمائے، اور بفضلہ اس کی تعمیر عبد اللہ حاکم صوبہ البیرہ کے ہاتھ سے ذی قعدہ ۲۵۰ھ میں تکمیل کو پہونچی۔

شہر البیرہ کی تباہی اور غرناطہ کی آبادی

زمانہ ہمیشہ شہر البیرہ کے باشندوں کو اپنی ہولناکیوں سے خوف زدہ بناتا رہا، ان کے مکانوں پر برابر تباہی آتی رہی، عہد اسلامی کے فتنے ان کے گھروں کو برباد کرتے رہے، حتیٰ کہ عام طور سے شہر پر ویرانی چھاگئی، اور انھیں آفتوں نے اہل شہر کو پریشان کرکے جلاوطن ہونے پر مجبور کیا، بربری جھگڑوں کے زمانے میں جو ۴۰۰ھ میں اور اس کے بعد میں واقع ہوئے یہاں کے لوگوں نے غرناطہ میں جاکر پناہ لی، اسی وقت سے غرناطہ اس اقلیم کا دارالملک وام البلاد (شہروں کا رکھوالا) ہوگیا، وہ بزرگی جو تمدن اسلام نے پیدا کی تھی، اس کا مرکز بن گیا، جس کا سبب یہ تھا کہ اس شہر کی ساخت استوار تھی، ہوا خوشگوار تھی، پانی کی روانی غلہ کی فراوانی عام تھی، خوف زدوں کو یہاں امن ملا، پراگندگی کی جگہ نظام نے لی، قدم جم گئے، اور شہریت کو قرار واستحکام نصیب ہوا، وغیر ذلک

اب غرناطہ اندلس کے شہروں میں قطب کی حیثیت رکھتا ہے، حکومت کا پایۂ تخت ہے، شاہی فرودگاہ ہے، اور خدا سے دعا ہے کہ جب تک زمین وآسمان اور تمام کائنات باقی ہیں اسوقت تک اس شہر کو جلوہ گاہ شاہی بنائے رکھے۔

لہ حضرت حنش تابعی صنعاء وشام کے رہنے والے تھے یہاں لفظ شافعی یاتو دراصل صنعانی ہے یا تابعی ہے قاضی بالکل غلط ہے ۱۲

شہر البیرہ کے واقعہ نگاروں میں سے کسی نے اس کے تذکرے میں یہ لکھا ہے کہ شہر البیرہ کے اُجڑ جانے کے بعد ولایت البیرہ کے بڑے اور قدیم شہروں میں صرف غرناطہ نے اس کی صحیح جانشینی کی ہے اور جب آبادی شہر البیرہ سے غرناطہ کو منتقل ہو گئی، تو اسی کے محور پر بلاد اندلس کے آسمان کی گردش ہونے لگی، اب یہ شہر دوسرے شہروں کا مرکز، سلطان کا مستقر، اور عدل و انصاف کا گہوارہ ہے، اندرونی اور بیرونی شہروں میں کوئی اسکا مقابلہ نہیں کر سکتا، آبادی کی وسعت اور آب و ہوا کی لطافت کے لحاظ سے بھی کوئی خطہ اس کے ہمپایہ نہیں ہو سکتا، اور نہ کسی شہر پر اس کے اوصاف جمال کا اطلاق ہو سکتا ہے، کلک بیان اس کی جلالت کے اظہار سے قاصر ہے، خداوند تعالیٰ اسلام اور اہل اسلام کی عزت و حرمت کو یہاں باقی رکھے، خصوصاً اس کی، اس کے سلطان، اور اس کے انصار علمبردار کی حفاظت اس بیدار نظر سے فرمائے جو کبھی نہیں جھپکتی، اور اسکا استحکام ایسے پتھروں سے کرے جس کی طرف کوئی دشمن نظر تک نہ اٹھا سکے۔

غرناطہ کا جغرافیۂ طبعی

غرناطہ اقلیم خامس میں داخل ہے، جو مشرق سے شروع ہو کر ممالک یاجوج و ماجوج سے گذرتی ہے، اور شمالی خراسان اور سواحل شام کے شمالی علاقوں سے گزر کر اندلس کے مشہور شہر قرطبہ اور اشبیلیہ اور ان کے متصل مقامات سے ہو کر بحر محیط کے غربی ساحل پر ختم ہو جاتی ہے۔

صاعد بن احمد نے کتاب الطبقات میں بیان کیا ہے کہ اندلس کا بڑا حصہ اقلیم خامس میں واقع ہے اور کچھ حصہ اقلیم رابع میں داخل ہے، جس میں حسب ذیل شہر داخل ہیں۔
اشبیلیہ، مالقہ، غرناطہ، المریہ، اور المرتیہ۔

علماء نجوم نے لکھا ہے کہ جس ساعت غرناطہ کی داغ بیل ڈالی گئی تھی، اس وقت طالع قران السعدین کا تھا، اسی بناء پر اس نے ہر طرف سے مدارج ترقی کو طے کر لیا، کیونکہ اس وقت ستاروں کی گردش اسی طور پر واقع ہوئی تھی۔

شہر غرناطہ کا طول بلد (۲۷) درجہ اور (۳۰) دقیقہ ہے، اور عرض بلد (۳۷) درجہ اور (۱۰) دقیقہ ہے، طول بلد میں یہ شہر تقریباً قرطبہ، میورقہ، اور المرتیہ کے برابر ہے، اور عرض بلد میں اشبیلیہ، المریہ، شاطبہ، طرطوشہ، سروانیہ، انطاکیہ، اور رقہ سے تقریباً ایک

درجہ کم ہے، اور اعتدال آب وہوا اور اکثر حالات کے لحاظ سے وہ گویا شامی علاقہ ہے،
غرناطہ، اور قرطبہ کی درمیانی مسافت (۹۰) میل ہے، (خدا قرطبہ کو اسلامی
سلطنت میں لوٹا دے) اور وہ قرطبہ سے شرقی وجنوبی سمت میں واقع ہے! بحر شام
(بحر متوسط) جو اندلس اور افریقیہ کے درمیان مغرب وجنوب کی سمت میں حائل ہے وہ غرناطہ
سے (۴۶) میل کے فاصلہ پر واقع ہے، کوہستانی سلسلہ غرناطہ سے مشرقی اور جنوبی سمت میں
چلا گیا ہے، اور براجلات یا جبال البراجلا اس کے مشرق وجنوب کے درمیان میں واقع ہیں، اور کنبانیہ
(میدان) اس شہر کے مغرب اور جنوب کی سمت میں ہے، غرض ساحل کی قربت کی وجہ سے
ساحلی مقامات کے خوشرنگ نئے موسمی پھلوں اور بحری قافلوں کا یہ شہر گذرگاہ ہے، سامنے
کوہستانی سلسلہ ہے جسکے سبب سے آخری فصل میں جسقدر میوے پیدا ہوتے ہیں ان کے
ذخائر کا یہ خرمن ہے، کنبانیہ اور براجلات کی وجہ سے گیہوں کا ایک دریا بہتا ہوا نظر آتا ہے
اور دیگر غلوں کا بھی انبار لگا رہتا ہے، دنیا کے مشہور برفستانی پہاڑوں میں ایک کوہ شُلیر ہے
جسپر موسم سرما وگرما میں برابر برف جمی رہتی ہے، یہ پہاڑ غرناطہ سے جنوب کی جانب دو فرسخ
یعنی ۶ میل پر واقع ہے، اسکی آبشاروں سے (۳۶) دریا نکلے ہیں، اور دامن کوہ سے
جا بجا چشمے ابلے ہیں، ان خصوصیات کی بنا پر غرناطہ کی ہوا نہایت خوشگوار ہے، اطراف
وجوانب میں پانی افراط رہتا ہے، مرغزاروں اور باغوں کی کثرت ہے، ہر طرف
درختوں کے جھرمٹ نظر آتے ہیں، نباتی دواؤں اور جڑی بوٹیوں کے تلاشی سبزہ
زاروں اور خاص خاص مقامات میں چلتے پھرتے رہتے ہیں، موسم سرما میں سردی
کڑاکے کی پڑتی ہے، جس کی وجہ سے ہر قسم کا روغن اور سیال منجمد ہو جاتا ہے،
کسی سال اتنی برف گرتی ہے کہ مکانات کے صحن اَٹ جاتے ہیں، عمدہ ہوا کی وجہ سے
یہاں کے لوگ تنومند ہوتے ہیں، ان کا چہرہ روکھا اور ہاضمہ قوی ہوتا ہے، اور حرارت
غریزی کے سبب وہ دلیر ہوتے ہیں۔ الغرض یہ شہر ایک مضبوط مورچہ، ایک مستحکم مقام
اور ایک شاہی پائے تخت ہے۔

ابن غانیہ نے مرابطین کی تحریک دعوت کے موقع پر ان مجاہدین سے جو
مرسیہ میں آباد تھے کہا "اندلس مثل ڈھال کے ہے اور غرناطہ اسکا دستہ ہے، اے مرابطین
کی جماعت! اگر تم دستے کو مضبوط پکڑے رہوگے تو پھر ڈھال تمہارے ہاتھوں

سے کبھی نہیں نکل سکتی ہے،،

قاضی ابو بکر بن شیرینؒ نے اپنے چند اشعار میں غرناطہ کی شدید سردی کی کیا خوب توجیہ کی ہے،، اشعار یہ ہیں۔

رعى الله من غرناطة متبوأ — خدا غرناطہ کو محفوظ رکھے یہ ایسی جگہ ہے کہ یہاں غمگین
یسر كئيبا ويجير طريدا — کو مسرت اور جلاوطن کو پناہ ملتی ہے۔
تبرم منها صاحبي عند ما رأى — میرا دوست اس منظر کر دیکھکر گھبرا اٹھا
مسارحها بالبرد عادت جليدا — کہ تمام چراگاہیں سردی سے برفستان ہو گئی ہیں۔
هي الثغر صان الله من اهلت به — غرناطہ ایک ثغر (سرحدی مقام) ہے خدا اس کے ساکنین کو
وما خير ثغر لا يكون برودا — محفوظ رکھے۔ اور جو ثغر (دانت) اولوں کی طرح نہ ہو وہ خوشنما نہیں ہوتا

صوبہ البیرہ

رازی نے صوبہ البیرہ کے ذکر کے سلسلہ میں بیان کیا ہے کہ صوبہ البیرہ کے مضافات قبرہ سے متصل ہیں، اور صوبہ البیرہ قبرہ سے شرق اور جنوب کے درمیان واقع ہے اس صوبہ کی زمین سیر حاصل ہے، یہاں نہریں بکثرت جاری ہیں، پھل پھلاریاں بے شمار ہوتی ہیں، درختوں کے جھنڈ ہر جگہ نظر آتے ہیں، زیادہ تر اخروٹ کے درخت دکھائی دیتے ہیں، گنے بہت اچھے پیدا ہوتے ہیں، سونے، چاندی، سیسہ، اور لوہے کی قیمتی کانیں یہاں موجود ہیں، تمام صوبوں میں البیرہ سب سے بہتر صوبہ ہے، دمشقی لشکر اسی صوبے میں آکر فروکش ہوا تھا۔

شہر قسطیلہ

رازی کا بیان ہے کہ صوبہ البیرہ کے بہترین شہروں میں ایک قسطیلہ ہے، جو اس صوبہ کا دار الحکومت ہے، اس شہر کے قطعات ایسے ہیں کہ بجز غوطہ دمشق کے دنیا کا کوئی خطہ خوبی اور عمدگی میں ان کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔

غرناطہ کی کانیں اور خاص پیداوار

بعض مورخین بیان کرتے ہیں کہ غرناطہ کی خوبی یہ ہے کہ سال بھر تک یکے بعد دیگرے کسی فصل سے کھیت خالی نہیں رہتے اور ہر وقت کشت زار سرسبز و شاداب رہتے ہیں، اس کے علاوہ

میں سونے، چاندی، سیسہ، لوہا، اور توتیا کی بیش قیمت کانیں پائی جاتی ہیں، نواح ولایتہ میں بلنوج ایک قسم کی لکڑی پیدا ہوتی ہے جو خوشبو اور مشکبیزی میں عود سے کہیں زیادہ ہوتی ہے، یہ لکڑی حاکم المریۃ خیران کے پاس بھیجی جاتی ہے، اس کے اُگنے کی جگہ عام طور سے پتھریلی زمین ہے کوہ شلیر پر سنبل پیدا ہوتا ہے جو نہایت خوشبودار ہے، حنظیانا ایک چیز یہاں ہوتی ہے جو یہیں سے تمام دنیا میں جاتی ہے یہ تریاقی دواؤں میں اعلیٰ درجہ کی شے ہے، ابوجعفر منصور نے بھی اسکی خواہش کی تھی، مختلف قسم کی مرقشیثا اور لاجورد سے یہ سرزمین مالا مال ہے، غرناطہ کے قطعات اور اطراف میں قرمز، جڑی بوٹیاں، اور معدنی اور نباتی دوائیں اسقدر پیدا ہوتی ہیں کہ ان کا تفصیل وار بیان کرنا بہت مشکل ہے، ریشم کی پیداوار پر غرناطہ کو فخر ہے اسکی منفعت عظیم، اور کسب معیشت کی بناء پر اسکو دوسرے ملکوں پر خاص امتیاز حاصل ہے، اور اس سے جس قدر منافع حاصل ہوتے ہیں اس فضیلت میں بجز بلاد عراق کے کوئی شہر اسکا شریک نہیں ہے۔

غرناطہ کے وسیع قطعات جو غوطہ دمشق کے مانند ہیں ان کی تعریف میں راستہ چلنے والے رطب اللسان رہتے ہیں، اور ان کی داستانیں شب گذاری کے لئے بیان کیجاتی ہیں،

خداوند تعالیٰ نے ان قطعات کو ایسی ہموار اور کشادہ زمین عطا کی ہے کہ کم وبیش چالیس میل کے قطعہ[1] میں ہر وقت پانی کے نالے بہتے رہتے ہیں، متعدد چھوٹی بڑی نہریں جاری رہتی ہیں، ہر چہار طرف کوٹھیاں اور باغات کشت زاروں میں پھیلے ہوئے ہیں ان مناظر پر نظر ڈالنے سے آنکھیں خیرہ ہوجاتی ہیں، اور یہ تمام خوبیاں اس قطعہ سے متجاوز نہیں ہونے پاتی ہیں، اونچے پہاڑ ایک مثلث کی شکل میں اس کو گھیرے ہوئے ہیں، اس قطعہ کا قبلہ رخ (جنوبی) حصہ مرکز شہر سے ظاہر البلندی پر ہے، اور اونچی اونچی پہاڑیوں کا سہارا لئے ہوئے ہے، غرض اس شہر میں حسن کی انتہا ہے، نظر اس پر جم جاتی ہے اور اوج وکمال کا مفہوم اسپر ختم ہوجاتا ہے، خداوند کریم اس شہر اور یہاں کے مسلمانوں پر اپنی حفاظت کا بازو پھیلائے رہے، اور اپنی قدرت سے دشمنان دین کو دفع کرے۔

[1] اسی چالیس میل کے لاریغیر قطعہ کو کمبانیہ کہتے ہیں ۱۲

غرناطہ کی فتح، دمشقی لشکر، اور شامی عربوں کی آمد، ان کی سرگذشت وغیرہ تاریخی حالات

فتح اندلس کی ایک روایت

مؤلف کہتا ہے کہ فتح اندلس کی بابت مورخین کا اختلاف ہے، ابن قوطیہ کی روایت ہے، کہ رزریق (روڈرک) شاہ اندلس سے انتقام لینے کے لئے یلیان رومی (جولین) نے عربوں کو اندلس میں بلایا، اس نے طارق بن زیاد سے کہا "تم عیسائی لشکروں کو زیروزبر کر چکے ہو، اور وہ تم سے مرعوب بھی ہو چکے ہیں، اب تمہارا مطمح نظر ان کا ملک ہونا چاہئے، ہمارے آدمی تمہاری رہنمائی کریں گے" اپنی فوجوں کو شہروں میں پھیلا دو، اور تم خود طلیطلہ کی طرف بڑھو، جہاں اس قوم کے مقتدر لوگ موجود ہیں، ان کو اپنے معاملات میں غور کرنے اور اہل الرائے سے مشورہ لینے سے قبل جا گھیرو۔

طارق نے اپنی فوجیں استجہ سے کئی طرف روانہ کیں، مغیث رومی (مولیٰ ولید بن عبدالملک بن مروان) کی سرکردگی میں ایک لشکر قرطبہ روانہ کیا، دوسرا لشکر مالقہ کی طرف بھیجا، اور تیسرے لشکر کو صوبۂ البیرہ کے شہر قسطیلیہ کو (جس کے بعد کو غرناطہ آباد ہوا) جانے کا حکم دیا، اور خود طارق لشکر گراں لیکر طلیطلہ کی طرف چلا گیا،

طارق نے جس لشکر کو مالقہ بھیجا تھا اس نے شہر پر فتح پائی، عیسائیوں نے جو اس شہر کے باشندے تھے وہاں کے امن بخش پہاڑوں میں جاکر پناہ لی، پھر یہ لشکر اس فوج سے جا ملا جو صوبۂ البیرہ کے فتح کے لئے بھیجی گئی تھی، اور دونوں نے شہر قسطیلیہ کا (جو بعد کو غرناطہ ہو گیا) محاصرہ کرکے بالآخر اس کو بزور فتح کرلیا۔

یہودیوں کی آبادی

قسطیلیہ کی فتح کے بعد یہاں کے یہودی باشندوں کو اس کے قصبہ میں آباد کردیا، چنانچہ پھر اہل عرب کا یہی طریقہ رہا کہ جب کسی شہر کو فتح کرتے تو وہاں کے یہودیوں کو اس کے قصبے میں آباد کردیا کرتے تھے، اور حفاظت کے لئے ایک گروہ مسلمان ان کے ساتھ متعین کردیتے تھے۔

پھر فوج نے تدمیر کا رخ کیا،

طارق بن زیاد کا اندلس میں داخلہ بروز دوشنبہ ۵ رجب ۹۲ھ کو ہوا، اور بروایت دیگر شعبان یا رمضان مطابق اگست جو ایک عیسائی مہینہ ہے وہ اس سرزمین میں داخل ہوا۔

فتح اندلس کی دوسری روایت

معاویہ بن ہشام اور دوسرے مورخین کی روایت ہے کہ یہ مقامات (یعنی البیرہ۔ تدمیر۔ مالقہ۔ طلیطلہ) موسیٰ بن نصیر کے آنے کے بعد ۹۳ھ میں زیرنگیں ہوئے، چنانچہ اس کا فرزند عبدالاعلی تدمیر پر حملہ کرنے والی فوج کا افسر تھا، وہ اسے فتح کرکے البیرہ آیا اور اسے بھی فتح کرتا ہوا یہاں سے مالقہ چلا گیا۔

اندلس میں عام عربوں کی آمد

مؤلف کہتا ہے کہ جب جزیرۂ اندلس میں اسلامی بادشاہی قائم ہوگئی تو اس کے شہر زیرنگیں ہوتے چلے گئے، اسلام کو دن دونی ترقی ہونے لگی، تو پھر عرب قرطبہ اور دیگر مقامات میں آنے لگے، ان عربوں نے یہاں مکانات بنائے، اور شہروں کو آباد کیا۔

اس سرزمین میں پہلے موسےٰ بن نصیر کے ساتھ عربوں کے گھرانے آئے، اور پھر الصیں کے زمانے میں اور عربی گھرانے آتے رہے، اس کے بعد بلج بن بشر القشیری کی سرکردگی میں عربوں نے یہاں قدم رکھے، یہ لوگ شامی کہے جاتے تھے، بلج بن بشر القشیری کے ساتھ جو عرب اندلس میں داخل ہوئے تھے ۱۲۵ھ میں وہ (مختلف مقامات اندلس میں) آباد ہوئے۔

عربوں کی باہمی جنگ

جس وقت شامیوں کا قافلہ لشکر بلج کی سرکردگی میں (بربر سے ہزیمت اٹھاکر افریقہ سے) اندلس پہونچا، تو چونکہ یہ لوگ کثرت تعداد و قوت و بہادری میں شیر جیسے تھے، اس لئے ان عربوں کو جو اندلس میں پہلے پہل آکر قرطبہ میں بس چکے تھے ان نوواردین کا آنا بہت شاق گذرا، فوراً انھوں نے ان نوواردوں سے قرطبہ سے چلے جانے کا مطالبہ شروع کیا، کیونکہ گمان یہ تھا کہ دونوں جماعتوں (یعنی جو عرب پہلے سے آباد تھے اور ان نوواردوں) کی ماند و بود کے لئے قرطبہ بالکل ناکافی ہے، آخرش ان نوواردین سے لڑنے کے لئے قرطبہ کے عربوں نے آستینیں چڑھالیں، اور باہمی جنگ کا سلسلہ شروع ہوگیا، یہاں تک کہ جب ابوالخطار حسام بن ضرار الکلبی والی اندلس مقرر ہوکر ساحل تونس سے سمندر کو عبور کرکے اندلس پہونچا اور چپ چاپ قرطبہ میں آیا، اور پہلے سے اپنی آمد کی اطلاع کسی کو نہ دی اس وقت بھی خانہ جنگی کے شعلے بھڑک رہے تھے، بایں ہمہ حنظلہ بن صفوان والی افریقہ کے حکم سے (اندلس

میں)، سبھوں کو ابوالخطار کی اطاعت قبول کرنی پڑی، اس نے (جیساکہ مشہور ہے) شامی قبائل کے سرداروں کو گرفتار کر کے اندلس سے چلے جانے پر مجبور کیا، مگر شامی قبائل کو صوبجات اندلس کے متفرق مقامات میں آباد کرنا مناسب سمجھا، تاکہ فتنہ کا سد باب ہو، چنانچہ اس تجویز پر اس نے عمل کیا، اور عیسائی ذمیوں کی تہائی مالگذاری ان قبائل کے لئے مخصوص کردی[1]، تمام شامی قبائل ایک ایک کر کے قرطبہ سے نکل گئے۔

قبائل عرب کی آبادی

ابومروان کا بیان ہے کہ ایک شخص ارطباس نامی جو اندلس کے عیسائیوں کا سرگروہ، ذمیوں کا سردار، اور ان سے فرماں روایان اسلام کے لئے خراج لینے پر مامور اور علم و سیاست میں بہت مشہور تھا، اسی نے شروع میں ابوالخطار کو مشورہ دیا تھا کہ "شامی لشکر و قبائل کو دارالامارۃ قرطبہ میں نہ رہنے دیا جائے، کیونکہ یہ شہر ان کے قیام کا متحمل نہیں ہوسکتا ہے، بلکہ اندلس کے مختلف صوبجات میں وہ اس طرح آباد کئے جائیں جس طرح وہ بلاد شام کے مکانات میں رہتے تھے"، ابوالخطار نے اس مشورہ پر عمل کیا[2] ساتھ ہی ان قبائل کی پسندیدگی کا بھی لحاظ رکھ کر ان کو اس طرح آباد کیا کہ دمشقی لشکر کو صوبہ البیرہ میں جگہ دی، اردنیین کو صوبہ جیان میں بسایا، مصری لشکر کو صوبہ باجہ میں رکھا، اور بعض قبائل کے رہنے کا انتظام صوبہ تدمیر میں کیا، غرض یہ مقامات لشکری عربوں کے رہنے کے لئے قرار پائے، اور ان کے آذوقہ کے لئے ذمیوں کی مال گذاری کی ایک تہائی مقرر کردی، ان کے علاوہ اور جو لوگ باقی رہ گئے یعنی (پہلے سے آئے ہوئے) عرب، شہر کے دوسرے باشندے، اور بربری قوم کے افراد یہ سب ساتھ رہنے لگے، یہ تمام قبائل آباد ہو کر قابل رشک زندگی بسر کرنے لگے، افزائش نسل، اور فراوانی دولت میں روز بروز بڑھتے چلے گئے، البتہ جن لوگوں کے قدم فتوحات کے سلسلہ میں ابتداءً یہاں آئے تھے، انھیں شہروں سے نکلنے پر مجبور نہیں کیا گیا تھا بلکہ خود انھوں نے جب ہمارے شہروں کو اپنے شامی شہروں کے موافق

---

[1] مطلب یہ ہے کہ جہاں جہاں یہ لوگ آباد کئے گئے وہاں کے عیسائی کاشتکاروں کو حکم ہوا کہ مالگذاری کا تہائی حصہ جو پہلے وہ سرکار میں داخل کرتے تھے اب ان نوآباد لوگوں کو ادا کریں۔ ۱۲

[2] ارطباس عیسائیوں میں شاہی خاندان کا آدمی تھا اسکو شام کے حالات کیا معلوم تھے کہ وہ والی اندلس ابوالخطار کو اس بارے میں مشورہ دیتا، یہ کوئی ذمیوں کا مسئلہ تو تھا نہیں، یہ قول غلط معلوم ہوتا ہے خود مسلمان حاکموں نے مصلحت دیکھ کر یہ انتظام کیا۔ ۱۲

پا یا تو وہ سکونت پذیر ہوئے خوش و خرم زندگی بسر کرنے لگے ان کی تعداد میں اضافہ ہو گیا اور وہ مالا مال ہو گئے۔

جو لوگ اپنی پسند کے مقامات میں آباد ہو چکے تھے انھوں نے اپنی جگہ سے ہٹنا پسند نہیں کیا، بلکہ وہاں شہریوں کے ساتھ مل جل کے رہنے لگے، جب کوئی جنگ چھڑتی یا وظیفہ تقسیم ہوتا تو اپنی اپنی فوج میں جا ملتے، یہی وہ لوگ ہیں جو ان دنوں "شادہ" کہے جاتے تھے۔

فوجی انتظام احمد بن موسیٰ کا بیان ہے کہ وظیفہ دو قسم کے جھنڈے ان عربوں کے لئے مقرر کرتا تھا، ایک غازیوں کا دوسرا مقیمین کا، غازی کو اپنی جنگی خدمت کی وجہ سے دو سو دینار ملتے، اور مقیم تین ماہ تک بلا کسی وظیفہ کے رہتا، اور جب اس کی یہ مدت ختم ہو جاتی تو اس کو کسی غازی کی جگہ پر بھیجا جاتا جو اس کے خاندان سے یا اس کا کوئی مماثل ہوتا تھا، اور غازی تین ماہ آرام کرتا تھا، غازی معاہدین کے بھائی، اولاد، اور برادر عمزاد کو جو شامی فوجوں میں ہوتے انھیں اختتام جنگ پر دس دس دینار دئیے جاتے تھے، معاہدین کا یہ فرض تھا کہ وہ سپہ سالار کے ساتھ رہ کر ان لوگوں کے حالات کی تحقیقات کیا کریں جو جنگی خدمات میں اپنے آپ کو انعام و اکرام کا مستحق بناتے تھے؛ چنانچہ معاہدین کے اعزاز کی بنا پر جس جس کی وہ سفارش کرتے تھے انھیں صلہ و انعام دیا جاتا تھا، ان معاہدین کی خدمات صرف فوج سے متعلق ہوتی تھیں، اور جو شامی غازی معاہدین کے خاندان سے نہ ہوتے انھیں اختتام جنگ پر پانچ پانچ دینار ملتے تھے، باشندگان شہر میں سے بجز معاہدین کے کسی کو کچھ نہیں دیا جاتا تھا، اور شہریوں کے لئے بھی دو قسم کے جھنڈے مقرر تھے، ایک غازیوں کا، دوسرا مقیمین کا، ہر غازی کو سو دینار ملتے اور چھ ماہ کے بعد اسکو رخصت دیجاتی تھی، اور اسکی جگہ مقیم کام کرتا تھا۔

محاسب اور منشی خاص کر شامیوں میں سے ہوتے تھے، تمام شامیوں کو عشر (زمین کی پیداوار کا دسواں حصہ) کی ادائی سے آزاد کر دیا گیا تھا، البتہ جنگی خدمات کیلئے انھیں ہر وقت آمادہ و مستعد رہنا پڑتا تھا، اور سوائے ان ذمیوں کی مالگذاری کے جن کے کاشتکار عیسائی اور مالک وہ خود تھے انھیں اور کوئی محصول نہیں دینا پڑتا تھا، بقیہ شہری عربوں کو دیگر باشندگان شہر کیطرح عشر ادا کرنا پڑتا تھا، ان میں جو خاندان اور کنبے والے ہوتے انھیں

شامیوں کی طرح جنگ میں بھی شریک ہونا پڑتا، اور اسکا کوئی صلہ یا معاوضہ نہیں دیا جاتا، اور ان کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا جاتا جسکا ذکر سابق میں کیا گیا، باشندگان شہر کو جنگی خدمات کیلئے نام درج کرانا لازمی تھا۔

جنگ کی یہ صورت ہوتی تھی کہ خلیفہ دو لشکروں کو دو طرف بھیجدیتا تھا جسکا انھیں پہلے سے علم نہیں ہوتا تھا، اور تیسرا گروہ جسکا نام "نظرا" تھا جو کہ شامی اور باشندگان شہر کا ہوتا تھا مخالفوں سے نبرد آزما ہوتا، اس کے ساتھ ہر فریق کے دیگر شہری باشندے بھی سرگرم پیکار ہوتے تھے۔

عربوں کی یہ مختصر حالت تھی جسکو میں نے بیان کر دیا، رہ گئی تفصیل وہ اس کتاب کی غرض و غایت سے باہر ہے۔ کیونکہ کسی چیز پر محیط ہونا یہ صرف شان خداوندی ہے۔

صوبہ البیرۃ کے مسلمانوں کے ساتھ ذمی نصاریٰ کا برتاؤ اور انکے مختصر واقعات

مؤلف کہتا ہے کہ جب صوبہ البیرۃ میں مسلمان ممکن ہوگئے، اور امیر ابو الخطار نے شامی قبائل کو ذمیوں کی مالگذاری کی تہائی آمدنی دیکر اس صوبہ میں آباد کیا، تو عیسائیوں کے ساتھ مل کر رہنے لگے، اور ان کے ساتھ زراعت اور دیہات کی آبادی میں مصروف ہوگئے، ان عیسائیوں کی سیادت ان کے ہم مذہب شیوخ کرتے، جو نہایت آزمودہ کار، مدبر، با اخلاق اور رعایا کی مالگذاری کی مقررہ شرح سے واقف ہوتے تھے، آجکل ان میں سب سے زیادہ عاقل ابن غلاس تھا، جسکی شہرت ناموری اور دبدبہ کا غلغلہ امرار اور رؤسا تک پہنچ گیا تھا۔

گرجا کا انہدام | عیسائیوں کی ایک مشہور عبادتگاہ[۱] (گرجا) دار الحکومت (غرناطہ) سے

---

[۱] یعنی مصنف کا زمانہ ۱۲، ۵ھ یوسف بن تاشفین کا زمانہ ۴۸۶ھ تا ۵۰۰ھ ہے گرجائے انہدام کا واقعہ ابو الخطار کے ۲۰۰ برس بعد کا ہے ۱۲

کچھ فاصلے پر باب البیرۃ کے مقابل راستہ اور ایک چشمہ کے درمیان مقام قولجر کے پاس واقع تھی، جسکوان کے کسی مذہبی پیشوا نے بنایا تھا۔ اور بعض امرار روم[1] کی خاص توجہ نے اس کو ایسا مزین اور مرصع کیا کہ کاریگری میں وہ بے مثل و یکتا ہوگئی تھی فقہار کے شدید اصرار اور فتاوٰی سے متاثر ہوکر امیر یوسف بن تاشفین (مراکش کا بادشاہ تھا) نے اس عبادتگاہ کو منہدم کرنے کا حکم دیا ابن صیرفی کا بیان ہے کہ اس شاہی حکم کے بعد دوشنبہ کے دن ماہ جمادی الاخری ۴۹۲ھ کو تمام باشندگان شہر غرناطہ اسکو مسمار کرنے کے لئے مجتمع ہوئے، اور آنا فاناً اس عالیشان عمارت کو مسمار کرکے چٹیل میدان کردیا، اور ہر شخص جو کچھ پاسکا لے گیا، آج تک یہ جگہ مشہور ہے، اور اس کی بوسیدہ دیواریں اپنی زبان حال سے اسکی مضبوطی اور استحکام کی خبر دے رہی ہیں، اور اسی کے ایک مقام پر اب ابن سہل بن مالکؒ کا مزار ہے۔

ابن رذمیر کی جنگ جب طاغیہ دشمن اسلام ابن رذمیر نے جنگوں کا سلسلہ شروع کیا تو حکومت مرابطین نے جو اس وقت بہت شان و شوکت سے قائم تھی، نصاریٰ سے ایک معاہدہ لکھوایا تاکہ حکومت ہاتھ سے نہ جانے پائے، لیکن اطراف و جوانب کے باغی نصاریٰ نے ابن رذمیر سے گفتگو شروع کی، اور متواتر خطوط اور قاصد روانہ کئے تاکہ وہ (ابن رذمیر) غرناطہ کو فتح کرے، مگر جب اس کے آنے میں تاخیر ہوئی تو نصاریٰ نے بارہ ہزار نوجوان عیسائیوں کی ایک جماعت اس کے پاس بھیجی، جس نے اس کے جذبۂ شوق و ہوس اور طمع کو برانگیختہ کرنے کے خیال سے غرناطہ کے اوصاف، فضائل دوسرے ملکوں کے مقابلے میں بیان کرتے ہوئے کہا، یہاں کے وسیع میدان، یہاں کی پیداوار، جو، گندم، السی، ریشم، انگور، زیتون، اور انواع اقسام کے فواکہ، چشموں کی کثرت، نہروں کی زیادتی، مستحکم قلعے، رعایا کی اطاعت پذیری، باشندوں کا اتفاق، بلند مقامات، اور اونچے پہاڑوں کے عمدہ مناظر، یہ سب ایسی خصوصیات ہیں جنکی بنا پر قدیم عیسائی سلاطین نے قسطیلہ (غرناطہ) کا نام (سنام الاندلس) رکھا تھا۔

بالآخران باغی عیسائیوں نے ابن رذمیر کو راضی کرلیا، چنانچہ اس نے لشکر کو ترتیب

[1] روم سے عیسائی مراد ہے ۱۲۔

دیا، اور اوائل شعبان ۵۱۹ھ میں روانہ ہوا، لیکن اپنی غرض پوشیدہ رکھی، وہ بلنسیہ آیا، وہاں سے مرسیہ گیا، پھر البیرہ[1] پہنچا، اس کے بعد منصورہ میں آیا، اور وادی برشانہ سے اتر کر وادی تاجلہ میں پہنچا، پھر بسطہ میں آیا، اور وہاں سے وادی آش کی طرف گیا، وہاں سے قریہ قصر میں داخل ہوا، بالآخر غرناطہ کا مصافحہ جنگی ہاتھوں سے کیا[2]، اور وہاں اپنی ناکامی پر ایک ماہ کیلئے ٹھہر گیا۔

مصنف انوار جلیلہ نے لکھا ہے کہ ابن رذمیر کے آتے ہی غرناطہ میں اس معاہدے کا (جو حکومت مرابطین نے غرناطہ کے عیسائیوں سے لکھوایا تھا) قصہ چھڑ گیا، اور عیسائیوں کی غرض بن رذمیر کو غرناطہ بلانے کی ظاہر ہوگئی، غرناطہ کے موجودہ حاکم نے نصاریٰ کی سرزنش کا ارادہ کیا، مگر اس میں اسکو ناکامی ہوئی، نصاریٰ ہر طرف سے بھاگ بھاگ کر ابن رذمیر کے پاس پہنچ گئے، جب دشمن کے عندیہ کی اطلاع اندلس، اور افریقیہ کی اسلامی فوجوں کو ملی تو یہاں پہنچکر انھوں نے غرناطہ کو اپنے حصار میں لے لیا، حتیٰ کہ وہ ایک دائرے میں مثل نقطۂ مرکز کے بن گیا، دشمن (یعنی ابن رذمیر) وادی آش سے قریہ دجبہ میں چلا آیا، اسوقت خطرے کی یہ حالت تھی کہ مسلمانوں نے غرناطہ میں عید الضحیٰ کے روز مسلح رہ کر صلوۃ الخوف ادا کی، دوسرے روز ظہر کے بعد عیسائی فوجیں مقام تیل پر جو غرناطہ سے مشرق کی سمت واقع ہے نمایاں ہوئیں اور چھ میل کے فاصلے سے جنگ شروع ہوگئی، مجاہدین اسلام بھی اس شہر میں بکثرت آگئے یہاں تک کہ سواد غرناطہ ان سے پر ہو گیا، آسمان سے مسلسل اولے بھی برسنے لگے، اور پھر موسلا دھار بارش ہونے لگی، دشمن اپنی جگہ ۹-۱۰ دن تک اور متواتر جمے رہے مگر وہ کوئی فائدہ نہ حاصل کر سکے، صرف معاہدے[3] کی رو سے رسد مہیا کر لیتے تھے، مگر وہ بھی بند کر دی گئی، غرناطہ کو حاصل کرنے کی جو امید

---

[1] یہ غالباً حصن بیرہ ہے ۱۲

[2] اگر یہ بیان اسطرح ہوتا تو از روئے جغرافیہ درست ہو جاتا۔ ابن رذمیر پہلے بلنسیہ آیا یہاں سے مرسیہ میں پہنچا، پھر وادی منصورہ اتر کر حصن بیرہ میں آیا اور یہاں سے برشانہ پہونچکر اور وادی تاجلہ عبور کرکے بسطہ پہونچا اور بسطہ سے وادی آش کی طرف چلا اور قریہ قصر میں آکر بالآخر غرناطہ کا مصافحہ جنگی ہاتھوں سے کیا۔ ۱۲

[3] یہ وہ معاہدہ نہیں معلوم ہوتا جس کا اوپر ذکر آیا ہے۔ ۱۲

قائم تھی وہ خاک میں مل گئی، ناچار ۲۶ ذی الحجہ کو ابن ردمیر نے یہاں سے کوچ کر جانے کا ارادہ کر لیا، اور جن عیسائیوں نے اسکو بلایا تھا جنمیں ابن غلاس مشہور عیسائی سردار بھی تھا ان کی سرکوبی کرنی چاہی تو ان لوگوں نے خود ابن ردمیر پر اسکی سستی اور تاخیر کرنے کا الزام لگایا اور کہا کہ اسی وقفہ میں اسلامی فوجیں آگئیں جسکی وجہ سے وہ بھی مسلمانوں کے ساتھ ایک مصیبت اور ہلاکت میں پڑ گئے۔

بالآخر ابن ردمیر قریہ مرسانہ سے بیش روانہ ہوا، اور غد سے سکہ میں آیا، اور قلعہ یحصب کے کنارے کنارے دربیا نیہ میں وارد ہوا، اور وہاں سے قبرہ اور ساتہ کی طرف اتر گیا، لیکن اسلامی فوجیں اسکے تعاقب میں تھیں، اور قبرہ میں پہونچکر کچھ دن ٹھہر گیا، اور اس کے بعد مقام بلی میں گیا، یہاں بھی اسلامی لشکر میدان دنیسول میں مقابلے کے لئے تیار تھا، کبھی کبھی دونو جوں میں مقابلہ بھی ہو جاتا اور غلبہ اسلامی لشکر کو حاصل ہوتا،

ایک دن رات گئے اسلامی لشکر کے سردار نے اپنے خیمہ کو نشیبی زمین سے اٹھا کر بلند مقام پر نصب کرنے کا حکم دیا، اس سے مسلمانوں میں بدگمانیاں پیدا ہو گئیں، اور اسقدر ابتری واقع ہوئی کہ کچھ لوگ بھاگ گئے، دوسری طرف دشمن کا خوف برابر طاری رہا، بالآخر ابن ردمیر رات گذرنے دنیسول میں داخل ہوا اور اسپر قبضہ کر لیا، دوسرے روز وہ ساحل کی طرف روانہ ہوا، اور اپنی فوج کو جو مختلف ممالک کی تھی لکڑیوں کے بیڑے پر دریا[1] سے عبور کرایا۔

بعض شیوخ کا بیان ہے کہ ابن ردمیر وادی شلوبانیتہ میں پہونچا جس کے کنارے بہت اونچے تھے اور راستہ محفوظ و مستحکم تھا یہاں پہونچکر اس نے اپنی زبان میں کہا کہ " یہ کونسی قبر ہے؟ کاش کوئی ہوتا جو ہم پر مٹی ڈالدیتا"، الغرض وہ یہاں سے دائیں سمت بلندی کی جانب بسنس گیا، اور وہاں اس کے سامنے لگن میں مچھلی رکھ کر پیش کی گئی جو اس نے کھائی، گویا اس نے نذر مانی تھی جسکو پورا کیا یا اس مہم کی یادگار کے لئے یہ رسم ادا کی، پھر وہ یہاں سے غرناطہ کی طرف دوبارہ بڑھا مگر اب اس کے قدم اس قریہ میں جو غرناطہ سے جانب جنوب و مشرق ۲ میل کے فاصلہ پر تھا نہ جم سکے اس لئے وہ دو دن کے بعد قریہ ہمدان چلا گیا، یہاں جانو سطہ لشکر ایکر شہر سے باہر آیا حالانکہ اس سے اور اسلامی لشکروں سے خوشگوار تعلقات تھے، اہل غرناطہ کا خیال تھا کہ اس مقام پر آیندہ کسی زمانہ میں انھیں سخت مصائب کا سامنا کرنا پڑیگا۔

[1] غالباً دریائے شنیل ہوگا۔

ابن صیرفی کا بیان ہے کہ کتب جفر میں یہ لکھا تھا کہ یہ سرزمین برباد ہوگی جہاں صرف یتیم اور بیوہ عورتیں باقی رہ جائیں گی اور اس روز تو یہ موقع آ ہی گیا تھا مگر اللہ نے بچا لیا اور وہ اس کے بعد ایک کھلے میدان کی طرف چلا گیا جو اس پر تنگ ہو رہا تھا اور اسلامی رسالے اسے دق کر رہا تھا۔

دشمن عین اطہ چلا آیا، عظیم الشان فوج ساتھ تھی اور وہ مستعد ہو کر اور پوری احتیاط کے ساتھ بغیر کہیں آرام لئے ہوئے براجلات کو طے کرتا ہوا القوق میں آیا، اور وادی آش تک پہونچ گیا، اس شہر میں اس کے بہت سے ساتھی ہلاک ہو گئے، پھر وہ مشرق کی طرف روانہ ہوا، اور مرسیہ اور شاطبہ پہونچا، اسلامی فوجیں اس کے تعاقب میں تھیں کہیں کہیں مقابلہ بھی ہو جاتا تھا، امراض و بائی بھی اس کی فوج میں پھیل گئے اسی حالت میں وہ اپنے شہر پہونچا جب وہ پیچھے مڑ کر اپنی حالت کو دیکھتا تو سکتا بکتا رہ جاتا کیونکہ یہ کسی لڑائی کے آگے یہ پسپائی بہت ہی ذلت آمیز تھی جن میں کہ قریب تھا کہ بخت اس کی تمام عزت و منزلت کو خاک میں ملا دے۔

غرناطہ سے ذمیوں کا اخراج

جب مسلمانوں کو ذمیوں کا یہ فریب معلوم ہوا جسکی وجہ سے جھگڑا طول پکڑ گیا تھا تو انہیں ایک جوش پیدا ہوا ان کے دل آتش غیظ و غضب سے جلنے لگے، اور سینوں میں اسلامی جذبہ پیدا ہوا، قاضی ابوالولید بن رشد نے مسافرت اختیار کر کے یوسف بن تاشفین سے ملاقات کی اور اس سے یہاں کا تمام حال بیان کیا، اور جو کچھ کہ ذمیوں نے شرارتیں کی تھیں وہ سب کہہ سنایا، مثلاً رومیوں کو بلانا، نقض عہد کر کے ذمیت سے خارج ہونا غرض تمام باتیں کہکر ان کو جلا وطن کرنے کا فتویٰ صادر کیا اور یہ کہا کہ یہ سزا بھی ان کے لئے کم ہے، یوسف بن تاشفین نے اس فتوے پر عمل کیا اور اس کے حکم سے رمضان کے مہینہ میں وہاں سے ایک بڑی جماعت افریقیہ کو جلا وطن کر دی گئی، راستوں کی دشواری اور آب و ہوا کی غیر مناسبت سے انھیں سخت تکلیف اٹھانی پڑی وہ تتر بتر ہو گئے ان میں سے بہت بڑی تعداد ہلاک ہو گئی جسمیں اکثر یہودی تھے ایک گروہ اہل وہاں کی سفارش سے ۵۲۹ھ تک غرناطہ ہی میں رہا۔ جہاں ان کی تعداد پھر کثیر ہو گئی۔

لہ کتاب میں یہ جگہ خالی ہے جس کی وجہ سے عبارت کا تسلسل اور ربط قائم نہیں ہے۔

بیرون غرناطہ عربوں کے مقامات اور مفصلات کے باغات اور مواضعات کا ذکر

اطرافِ غرناطہ کے مناظر

مولف کہتا ہے کہ شہرِ غرناطہ (خدا اس کو محفوظ رکھے) بڑے بڑے شاہی باغوں اور اونچے اونچے گھنے درختوں سے گھرا ہوا ہے، فصیلِ شہر اس طرح قائم ہے کہ اس کے کنگروں کی چوٹیاں درخت ساگوان کے سبزہ میں ہر وقت چمکتی رہتی ہیں، اس منظر کو میں نے دو بیتوں میں کسی موقع پر ظاہر کیا تھا جو حسب ذیل ہے۔

بلد تحف بہ الریاض کانہ	غرناطہ ایک ایسا شہر ہے کہ اس کے ہر چہار طرف باغ ہی باغ ہیں
وجہ جمیل والریاض عذارہ	گویا وہ کسی حسین کا چہرہ ہے اور باغ اس کے رخسار ہیں
وکانما وادیہ معصم غادۃ	اور اسکی وادی کسی نازک اندام کی کلائی ہے
ومن الجسور المحکمات سوارہ	اور اردگرد کے مستحکم پل اس کے کنگن ہیں،

شہر کے اطراف میں کوئی جگہ انگور کی بیلوں اور دوسرے باغوں سے خالی نہیں ہے۔ اگر کہیں چند گز زمین خالی رہ گئی ہے تو وہ چنداں قابل اعتبار نہیں ہے، اطراف شہر کا نشیبی حصہ اسقدر سرسبز ہے کہ اسکی قیمت کی کوئی حد قائم نہیں کیجاسکتی، اہل ملک کے سوا دوسرے اسکی قیمت کی ادائی سے قاصر ہیں، اس میں بعض ایسے باغ ہیں کہ ان کے سال بھر کی پیداوار سے تقریبًا ایک ہزار دینار حاصل ہوتے ہیں، اور ان کی اچھی اچھی سبزی، عمدہ عمدہ میوہ جات، اور دوسرے پھلوں کے ذخائر سے دکانیں ہر وقت بھری رہتی ہیں،

شاہی باغات

شاہی باغات شہر کے اطراف میں بہ شکل طوق محیط ہیں، ان کی تعداد تقریبًا سو ہے جن میں سے بعض یہ ہیں:۔

باغ عدان المیتہ، باغ عدان عصام، باغ عردہ، باغ قداح بن سحنوق، باغ ابن موذن، باغ ابن کامل، باغ نخلۃ العلیا، باغ نخلۃ السفلی، باغ ابن عمران، باغ نافع، باغ مقبل، باغ عرض، باغ حنفرۃ، باغ جرف، مدرج نجد، مدرج سبک، باغ عریف۔

یہ تمام باغات اپنی خوبصورتی، منظر، سرسبزی، سیرابی، زمین کی عمدگی، اور اشجار کی کثرت کے لحاظ سے بے مثل ہیں، ان کے قرب وجوار میں بعض موقوفہ اور بعض لوگوں کی مملوکہ زمینیں ہیں یہ بھی بہت عمدہ شمار کیجاتی ہیں۔

وادی سنجل یا شنیل وادی سنجل تمام باغوں کے متصل واقع ہے، اس پر نظر نہیں کام کرتی، اور زبان اس کی تعریف سے قاصر ہے، اسکی نہریں ہر وقت لہریں لیتی رہتی ہیں، جب ان میں اشجار کا عکس، اور بلند مقامات کی روشنی پڑتی ہے تو ان میں باغوں کی تصویر اتر آتی ہے، ان باغوں میں بعض ایسے درخت بھی ہیں جو بار بار پھل لاتے رہتے ہیں، یہ تمام چیزیں اس شہر کی خصوصیات میں داخل ہیں جن سے دوسرے قطعے قطعاً محروم ہیں، بلاشبہ یہ وادی غرناطہ کے محاسن میں داخل ہے، اسمیں پانی برف اور اولوں سے پگھل پگھل کر رواں رہتا ہے، اسکا بہاؤ ایسی ریت پر ہے جو زراعت کیلئے اکسیر ہے اس وادی پہ درختوں کی چھاؤں برابر رہتی ہے اور یہ غرناطہ کی مشرقی وجنوبی سمت سے نکلکر عالیشان مکانات بلند مقامات، اور اونچے اونچے محلات کو طے کرتی ہوئی اسکی مغربی سمت کو چلی گئی ہے۔

اہل شہر ان باغوں سے لطف ودلچسپی حاصل کرتے ہیں، اور کاروبار سے فارغ ہو کر جب وہ یہاں آتے ہیں تو اس وادی کی نہر پر ریت کا مرصع تخت اور گھنے درختوں کا عروسی کمرہ موجود پاتے ہیں، کہیں کہیں اخروٹ کے درخت بھی نصب ہیں جو نائل کیطرف منسوب کئے جاتے ہیں، یہ شخص دولت بادیسیہ کا ایک خادم تھا

غرناطہ کی شان میں ابوالحجاج یوسف بن سعید بن حسان نے حسب ذیل اشعار لکھے ہیں:۔

احن الی غرناطة کلما هفت	جب بادنسیم چلتی ہے تو غرناطہ کے اشتیاق میں
نسیم الصبا تهدی الجوی وتشوق	سوزش قلب اور شوق دید پیدا ہوتا ہے،
سقی الله من غرناطة کل منهل	خدا غرناطہ کی ہر ایک گھاٹی کو
بمنهل سحب ماؤهن هـ ـسـ يق	برسنے والے بادلوں سے سیراب فرمائے،
دیار یدو رالحسن بین خیامها	یہ وہ ملک ہے جس کے گھروں میں حسن رچ گیا ہے،
وارض بها قلب الشجی مشوق	اور یہ وہ سرزمین ہے جس کے شوق دید میں غم غلط ہوتا ہے،
اغرناطة العلیاء بالله خبری	اے بلند ترین غرناطہ تجھے خدا کی قسم ہے بتا

بیرون غرناطہ عربوں کے مقامات اور مفصلات کے باغات اور مواضعات کا ذکر

اطرافِ غرناطہ کے مناظر

مولف کہتا ہے کہ شہر غرناطہ (خدا اس کو محفوظ رکھے) بڑے بڑے شاہی باغوں اور اونچے اونچے گھنے درختوں سے گھرا ہوا ہے۔ فصیل شہر اس طرح قائم ہے کہ اس کے کنگروں کی چوٹیاں درخت ساگوان کے سبزہ میں ہر وقت چمکتی رہتی ہیں، اس منظر کو میں نے دو بیتوں میں کسی موقع پر ظاہر کیا تھا جو حسب ذیل ہے۔

بلد تحف بہ الریاض کانہ	غرناطہ ایک ایسا شہر ہے کہ اس کے ہر چہار طرف باغ ہی باغ ہیں
وجہ جمیل والریاض عذارہ	گویا وہ کسی حسین کا چہرہ ہے اور باغ اس کے رخسار ہیں
وکانما وادیہ معصم غادۃ	اور اسکی وادی کسی نازک اندام کی کلائی ہے
ومن الجسور المحکمات سوارہ	اور ارد گرد کے مستحکم پل اس کے کنگن ہیں،

شہر کے اطراف میں کوئی جگہ انگور کی بیلوں اور دوسرے باغوں سے خالی نہیں ہے۔ اگر کہیں چند گز زمین خالی رہ گئی ہے تو وہ چنداں قابل اعتبار نہیں ہے، اطراف شہر کا نشیبی حصہ اسقدر سرسبز ہے کہ اسکی قیمت کی کوئی حد قائم نہیں کیا سکتی، اہل ملک کے سوا دوسرے اسکی قیمت کی ادائی سے قاصر ہیں، اس میں بعض ایسے باغ ہیں کہ ان کے سال بھر کی پیداوار سے تقریباً ایک ہزار دینار حاصل ہوتے ہیں، اوران کی اچھی اچھی سبزی، عمدہ عمدہ میوہ جات، اور دوسرے پھلوں کے ذخائر سے دکانیں ہر وقت بھی رہتی ہیں،

شاہی باغات

شاہی باغات شہر کے اطراف میں بشکل طوق محیط ہیں، ان کی تعداد تقریباً سو ہے جن میں سے بعض یہ ہیں :-

باغ عدان المیتہ، باغ عدان عصام، باغ عرہ، باغ قداح بن سحنوق، باغ ابن موذن، باغ ابن کامل، باغ نخلۃ العلیا، باغ نخلۃ السفلی، باغ ابن عمران، باغ نافع، باغ مقبل، باغ عرض، باغ حفرۃ، باغ جرف، مدرج نجد، مدرج سبک، باغ عریف۔

یہ تمام باغات اپنی خوبصورتی، منظر، سرسبزی، سیرابی، زمین کی عمدگی، اور انہار کی کثرت کے لحاظ سے بے مثل ہیں، ان کے قرب و جوار میں بعض موقوفہ اور بعض لوگوں کی مملوکہ زمینیں ہیں یہ بھی بہت عمدہ شمار کیجاتی ہیں۔

وادی سنجل یا شنیل

وادی سنجل تمام باغوں کے متصل واقع ہے، اس پر نظر نہیں کام کرتی، اور زبان اس کی تعریف سے قاصر ہے، اسکی نہریں ہر وقت لہریں لیتی رہتی ہیں، جب ان میں اشجار کا عکس، اور بلند مقامات کی روشنی پڑتی ہے تو ان میں باغوں کی تصویر اتر آتی ہے، ان باغوں میں بعض ایسے درخت بھی ہیں جو بار بار پھل لاتے رہتے ہیں، یہ تمام چیزیں اس شہر کی خصوصیات میں داخل ہیں جن سے دوسرے خطے قطعاً محروم ہیں، بلاشبہ یہ وادی غرناطہ کے محاسن میں داخل ہے، اسمیں پانی برف اور اولوں سے پگھل پگھل کر رواں رہتا ہے، اسکا بہاؤ ایسی ریت پر ہے جو زراعت کیلئے اکسیر ہے اس وادی پہ درختوں کی چھاؤں برابر رہتی ہے اور یہ غرناطہ کی مشرقی و جنوبی سمت سے نکلکر عالیشان مکانات بلند مقامات، اور اونچے اونچے محلات کو طے کرتی ہوئی اسکی غربی سمت کو چلی گئی ہے۔

اہل شہر ان باغوں سے لطف و دلچسپی حاصل کرتے ہیں، اور کاروبار سے فارغ ہوکر جب وہ یہاں آتے ہیں تو اس وادی کی نہر پر ریت کا مرصع تخت اور گھنے درختوں کا عروسی کمرہ موجود پاتے ہیں، کہیں کہیں اخروٹ کے درخت بھی نصب ہیں جو مائل کیطرف منسوب کئے جاتے ہیں، یہ شخص دولت بادیسیہ کا ایک خادم تھا

غرناطہ کی شان میں ابوالحجاج یوسف بن سعید بن حسان نے حسب ذیل اشعار لکھے ہیں:۔

احنّ الی غرناطۃ کلما ھفت	جب بادنسیم چلتی ہے تو غرناطہ کے اشتیاق میں
نسیم الصبا تھدی الجوی و تشوق	سوزش قلب اور شوق دیدپیدا ہوتا ہے،
سقی اللہ من غرناطۃ کل منھل	خدا غرناطہ کی ہر ایک گھاٹی کو
بمنھل سحب ماؤھن ھریق	برسنے والے بادلوں سے سیراب فرمائے،
دیار یدور الحسن بین خیامھا	یہ وہ ملک ہے جس کے گھروں میں حسن رچ گیا ہے،
وارض بھا قلب الشجیّ مشوق	اور یہ وہ سرزمین ہے جس کے شوق دید میں غم غلط ہوتا ہے،
اغرناطۃ العلیاء باللہ خبری	اے بلند ترین غرناطہ تجھے خدا کی قسم ہے بتا

اللهائم الباکی الیک طریق　　کیا ایک سرگرداں اور گریاں شخص کیلئے تیری طرف کوئی راہ ہے۔
وماشاقنی الا نضارة منظر　　مجھے اس کے مناظر کی تروتازگی اور وادیوں کی عمدگی نے،
وبهجة واد للعیون تروق　　مشتاق بنادیا ہے، یہی چیزیں آنکھوں کی طراوت ہیں!
تامل اذا املت حوز مؤمل　　اے مخاطب دیکھ اور جب تو دیکھے گا تو نظر آئے گا،
ومد من الحمراء علیك شقیق　　کہ قصر حمراء سے تجھ تک گل لالہ کا سلسلہ قائم ہے،
واعلام نجد والسکینة قد علت　　جب غرناطہ کے بلند مقامات پر پھریرے لہراتے ہیں،
وللشفق الاعلی تلوح بروق　　اسوقت گویا شفق پر بجلیاں چمکتی ہیں،
وقد سل شنیل فرند امهن آ　　دریائے شنیل نے نیام سے ہندی تلوار کھینچ لی ہے
نضی فوق در ذر فیه عقیق　　جس پر موتی اور عقیق جڑے ہوئے ہیں،
اذا نم منه طیب نشر اراکه　　اس کے درخت پیلو سے جب خوشبو پھیلتی ہے،
اراك فتیت المسك وهو فتیق　　تو نافۂ مشک کی خوشبو کا دھوکہ ہوتا ہے،
ومهما بکت جفن الغمام تبسمت　　اور جب چشم ابر اشک ریز ہوتی ہے،
ثغور اقاح فی الریاض انیق　　تو اس کے باغوں میں بابونہ کے خوبصورت غنچے کھلجاتے ہیں،

شعراء نے وادی شنیل کی تعریف میں ترانے لکھے ہیں، اور لوگوں نے اس کو دریائے نیل پر فضیلت دینے میں کافی طبع آزمائیاں کی ہیں، اس کا دوسرا نام شنیل ہے، اور (ش)[1] کے ہزار عدد ہوتے ہیں اس بنار پر شاعرانہ انداز میں یوں کہنا چاہیئے کہ اسکو نیل پر ہزار درجہ فوقیت حاصل ہے۔ ہم نے اسی مضمون کو نظم میں شیخ حسن بن انجاب کی خاطر چیستاں کے رنگ میں ادا کیا تو آپ نے اسے بہت پسند فرمایا شعر یہ ہیں،

ما اسم اذا زدته الفا من العدد　　ایک نام ہے اسمیں ہزار عدد اضافہ کرنے سے بھی بے کم وکاست
افاد معناه لم ینقص ولم یزد　　اس کا مفہوم وہی رہتا ہے
وانما ائتلفا من بعد ما اختلفا　　دونوں اگرچہ رتبہ اور شہر کے لحاظ سے مختلف ہیں مگر نہیں کیوجہ
معنی بشین ومن قل دومن بلد　　معنی میں متحد ہیں، بتاؤ کیا ہے؟۔

دریائے شنیل کے دو حصے ہیں ہر ایک حصہ نہایت خوبصورتی اور پائداری کے ساتھ مضبوط چٹانوں سے استوار کیا گیا ہے، اس دریا کے متصل ایک قدیم اور مستحکم عمارت قائم ہے، جسکے سامنے "ملعب عیدی" جسر اور جدار الرابط کے درمیان واقع ہے اس کے علاوہ ایک اور خوبصورت ملعب

[1] بقاعدہ ابجد (ش) کے عدد ۳۰۰ ہیں لیکن اہل اندلس کی اصطلاح میں اس کے عدد ایک ہزار ہیں۔ ۱۲ نفح الطیب جلد اول ۱۲۰

(بازیچہ گاہ) ہے جسکی دائیں جانب ایک گوشہ میں نہر رواں ہے اور بائیں جانب چمن ہے اس ملعب کی انتہا، رابطہ پر ہوئی ہے جو قصر سید کے باب کے پاس ہے اس قصر کا تذکرہ آیندہ آئے گا، اور اس شیریں دریائے شنیل سے بہت سی چھوٹی چھوٹی نہریں نکالی گئی ہیں، جن سے کافی تعداد میں پن چکیاں چلتی ہیں۔

فصل

شہر غرناطہ کی تین سمتوں کو جن کی سطح مرتفع ہے انگور کے باغوں نے بہ شکل طوق گھیر لیا ہے، اور ان کے سامنے پاس ہی میں پہاڑ کھڑے ہیں، یہی وجہ ہے کہ نشیب و فراز اور بلندی و پستی ہر جگہ نمایاں ہے، اس شہر کی صرف ایک سمت میں نہایت ہموار وکشادہ میدان ہے، جو شرقی باب البیرہ سے گذر کر ایک عمیق خندق تک چلا گیا ہے، اس کا نام المشائخ ہے، اس میدان کی پہنائی طول و عرض میں بہت زیادہ ہے اسمیں بے شمار برج اور کارخانے قائم ہیں، اور ان کی عمارتیں انواع و اقسام کے پھل، زیتون، بادام، آلو بخارا، بہی وغیرہ میوہ جات کے اشجار، انگور کی بیل، اور پھولوں کے گھنے درختوں میں روشن و تاباں نظر آتی ہیں، غرض اس خطہ میں بکثرت باغ بھی ہیں، اور گلزار بھی، قلعہ جات بھی ہیں، اور مملوکہ اراضی بھی اور رہنے کے لئے ایک دوسرے سے علیحدہ علیحدہ مکانات بنے ہوئے ہیں

قاضی ابوالقاسم بن ابی العافیہ فقیہ تھے جن کے ایام طفولیت یہاں بسر ہوئے تھے، عروس الشعراء ابواسحاق ساحلی ادیب سیاح کے جواب میں انھیں چیزوں کی طرف اپنے قصیدے میں اشارہ کیا ہے، قصیدہ یہ ہے :-

یا نازحا لعب المطی بکورۃ	اے بعید الوطن تیرا اونٹ سفر میں پالان سے خوب کھیلا،
لعب الریاح الھوج بالاملود	جسطرح تند ہوائیں شاخوں سے کھیلتی ہیں،
وردت بہ مطیۃ القصوی التی	اور تو اس سواری کے ذریعہ دور و دراز مقام پر پہونچا،
ماوردھا السواہ بالمورود	جہاں کوئی نہ پہونچ سکا،
ھلاحننت الی معاھد نا التی	تو ہمارے مقامات و مساکن کا مشتاق کیوں نہ ہوا،
کنت الحلی لنھورھا والجید	حالانکہ تو ان کے گلے اور سینے کا ہار تھا،
ورياض انس بالمشائخ طارحت	ان مقامات میں ایک المشائخ ہے جس کے فرحت افزا باغوں میں

فیہ الحمائم صوت سجع العود	قمریاں ستار کے سرود کی طرح نغمہ سرا رہتی تھیں،
ومبیتنا فیہا وصفو مدامنا	اور ہماری خوابگاہ یہیں واقع تھی نیز یہاں کی شراب
صفو المدامۃ لابنۃ العنقود	انگوری شراب کیطرح صاف وشفاف ہوتی تھی،
والعیش اخضر والھوی یدنی جنا	اور زندگی یہاں خوش وخرم بسر ہوتی تھی اور خواہش نفس
زہرات ثغر او ثمار نہود	غنچۂ دنداں وثمر بالیدہ (بوسہ وکنار) سے بہرہ اندوز ہوتی تھی،
والقضب رافلۃ تعانق بعضہا	جسوقت یہاں کی نازک قد وقامت والیاں معانقہ کرتی تھیں
بعضاً اذا اعتنقت غصون قدود	تو معلوم ہوتا تھا کہ درخت کی شاخیں ایک دوسرے سے گلے مل رہی ہیں
لہفی علی ذاک الزمان وطیبہ	افسوس! وہ زمانہ، اسکی خوبیاں اسکی تمنائیں
وعلی مناہ وعیشہ المحمود	اور اسکا عیش نشاط سب مفقود ہوگیا،
تلک اللیالی لاالیالی بعدھا	اس زمانے کی راتیں ایسی ہوتی تھیں
عطلان الا من جوی وشہود	کہ بے مایہ بھی دوسری راتوں کی پرواہ نہ کرتا تھا
کانت قصارا ثم طلن فہا انا	وہ کوتاہ اور دراز راتیں ہوتی تھیں
نائی علی المقصود والممدود	مگر اب میں ان دونوں سے محروم ہوں

رہ گیا وہ قطعہ جو پہاڑ سے سہارا لگائے ہوئے ہے اسکے ایک طرف بیار ریز ہے جو دامن کوہ میں ہے اس سے ملحق کدیہ عین الدمع ہے جو جبل فخار کے قریب اور عین القبلۃ کی جانب واقع ہے، یہ قطعہ ہر وقت پانی سے سیراب رہتا ہے، اسکی وضع اور ہیئت نوادر سے شمار کی جاتی ہے اس میں نہایت عمدہ عمدہ باغ وچمن لگے ہوئے ہیں جو ہوا کے اعتدال، پانی کی شیرینی میں اپنا نظیر نہیں رکھتے اس کے اطراف مرتفع ہیں جہاں قصر وایوان، منارے، عالیشان مکانات، چاندی کی عمارتیں اور بہتر سے بہتر پھولوں کے درخت ہیں، بڑے بڑے ہوشیار اور ماہرین صناع کے ذریعہ ان عمارتوں میں چاندی کی ملمع کاری کی گئی ہے، اور اس پر زر وجواہر کوڑیوں کی طرح صرف کئے گئے ہیں، اور ہر زمانہ میں عہدہ داران حکومت اور دوسرے لوگوں میں تعمیری سلسلہ کی منافست ہوتی رہی ہے، ان وجوہ سے یہ بقعہ اپنے حسن وجمال میں اعجوبۂ روزگار ہوگیا اور بطور ضرب المثل کے اسکی شہرت ہوگئی، چنانچہ یہاں کے ساکنین وزائرین میں جو لوگ فصیح وبلیغ تھے انھوں نے اپنی نظموں میں اس کا ذکر کیا ہے۔ اسکی تعریف میں بہترین شعر شیخ ابو البرکات نے لکھا ہے۔

الاقل لعین الدمع تھمی بمقلتی — میری ان اشک بہانے والی آنکھ سے کہدو کہ وہ مقام عین الدمع

لفرقۃ عین الدمع و قفا علی الدم — کے فراق میں اتنے آنسو بہائے کہ ان کی انتہا خون پر ہو،

میں نے بھی مقام عین الدمع کی شان میں ایک قصیدہ لکھا تھا جس کے دو شعر یہ ہیں:۔

یا عھد عین الدمع کم من لؤلؤ — اے عین الدمع تیری یاد میں بے شمار لولوئے اشک

للدمع جاد بہ عساک تعود — نثار کئے گئے ہیں شاید تیرا زمانہ واپس آئے

تسری نواسمات اللذان بلیلۃ — جب راتوں کو بادِ نسیم چلتی ہے

فیھن لی شوق الیک شدید — تو تیرا شوق میرے دل میں چٹکیاں لیتا ہے،

میں نے عین الدمع میں اپنا ایک قصر تعمیر کیا، جس کے قبہ پر اپنے یہ چند شعر لکھوائے وہ یہ ہیں:۔

اذا کان عین الدمع عینا حقیقۃ — اگر عین الدمع حقیقی آنکھ ہوتا

فانسانھا ما نحن فیہ ولا دعوی — تو ہمارا یہ مقام اسکا دیدہ ہوتا

فدام لخیل الانس واللھو ملعبا — خدا اسکو عیش و عشرت کی جگہ باقی رکھے

ولازال مثواہ المنعم لی مثوی — اور اسکی بہترین منزل میرے لئے ہمیشہ رہے

تود الثریا ان تکون لہ ثری — ستارۂ ثریا اسکی مٹی بننا چاہتا ہے

وتمدحہ الشعری وتحرسہ العوا — اور ستارۂ شعری اسکی ستایش کرتا اور عوا اسکا محافظ ہے،

ابو القاسم بن قرطبۃ فقیہہ نے ایک طویل قصیدہ اس مقام کی شان میں لکھا ہے جس کے چند شعر اس موقع پر درج کئے جاتے ہیں:۔

اجل ان عین الدمع قید النواظر — مقام عین الدمع آنکھوں کی حد نظر ہے،

فسرح عیونا فی اجتلاء النواظر — اے مخاطب نور افروزی چاہتا ہے تو اسپر اپنی نظر ڈال

وعرج علی الاوزان ان کنت ذاھوی — اور شوق رکھتا ہے تو مقام اوزان پر جا

فان رباہ مسرتع للجآذر — کیونکہ اسکی بلندیوں پر گاوان ختنی (حسیناں) کی چراگاہ ہے۔

وصافح بھا کف الربیع مسلما — وہاں فصل بہار کو سلام اور مصافحہ کرنا

وقبل عذار الانس بین الازاھر — پھر گلوں کے جگمگٹ میں انس کے رخسار کو بوسہ دینا۔

وخذھا علی تلک الاباطح والربی — اور ان بلندیوں پر شراب کہنہ نوش کرنا

معتقۃ تجلو الصدا للخواطر — جو تیرے دل کے زنگ کو دور کردیگی

من امتحان انسأالدھر عمرھا	یہ شراب اتنی کہنہ ہے کہ زمانے کو اسکی عمر یاد نہیں
فلم تخش احداث الدھور الدواثر	اور حوادث زمانہ سے بے خوف رہتی آئی ہے،
تحدث عن کسری وساسان قبلہ	وہ کسریٰ اور ساسان کے حالات بھی بتاتی ہے۔
وتخبر عن کرم ونخلد داثر	اور سر سبز قدیم درخت انگور کی خبر دیتی ہے،

نقیبہ مدوح کے ایک دوسرے قصیدے کے چند اشعار یہ ہیں:۔

ولیلاً بعین الدمع وصلا قطعتہ	ہم نے چند راتیں متواتر عین الدمع میں گذاریں۔
والنجم بین النجوم سعود	جب کہ اسکا طالع سعد تھا۔
نشر الحسن نشور اللواء بسرہ	حسن وجمال اسپر اپنا جھنڈا بلند کئے ہوئے تھا
وظل الامانی فی رباہ مدید	اور لوگوں کی تمنائیں اسکی بلندیوں پر پھیلی ہوئی تھیں۔
فبتنا ومن ورد الخدود ازاھر	ہم نے اس طرح شب باشی کی کہ گلابی رخسار کے گلعذار
لدینا ومن روض الریاض خدود	اور باغ کے گلاب ہمارے ہم کنار تھے
وتفاحنا وسط الریاض مورد	باغ میں سیب برنگ گلاب تھے
ورماننا وسط الریاض نھود	اور گلزار کے وسط میں انار ابھرے ہوئے تھے۔
وقد عرفت نصل الھوی وذمیلہ	اور ہمارے جگر کی بلندی و پستی نے
تھائم من اکبادنا ونجود	عشق ومحبت اور اسکی رفتار کو اچھی طرح دریافت کرلیا تھا۔

آپ کے اور چند اشعار ملاحظہ ہوں:۔

ومل بنا نحو عین الدمع نشربھا	عین الدمع نے ہمیں بے حد ملول کر دیا۔
حیث السرور بکاس الانس یسقینا	کیونکہ وہاں شادمانی جام محبت سے ہمیں سیراب کرتی تھی۔
حیث الھنا وفنون اللھو راتعۃ	وہاں ہر قسم کے عیش ونشاط کے سامان میسر تھے۔
والطیر من طرب فیھا تناجینا	یہاں تک کہ چڑیاں بھی وجد میں آکر ہم سے سرگوشی کرتی تھیں
وجدول الماء یحکی فی اجنتہ	وہاں پانی کی نہریں ان تلواروں کے مشابہ تھیں
صوارما جردت فی یوم صفینا	جو جنگ صفین میں بے نیام کی گئی تھیں
واعین الزھر فی الاغصان جاحظۃ	اور وہاں ڈالیوں پر چشم گل تیز نگاہوں سے دیکھتی تھی۔
کانھا اعین الغزلان تغمزینا	گویا وہ ہرن کی آنکھیں تھیں جو ہمیں مشتاق کرتی تھیں۔

ایک شاعر کے دو شعر اور ملاحظہ ہوں:۔

سهرت بعين الدمع ارعى ربوعه — میں نے عین الدمع میں ایک ایسی رات بسر کی کہ میں صرف اسکے مقامات
وحسبي من الاحباب رعى المنازل — ہی کو دیکھتا رہا اور اس نے مجھے احباب کی محبت سے بے نیاز کر دیا
ينافحني عرف اذا هبت الصبا — جب باد صبا چلتی تھی تو خوشبو مجھ سے ہمکنار ہو جاتی تھی اور اسکی خوابگاہ
ويقنعني طرف الحبيب المراسل — ہوائیں مجھے محبوب کی آنکھوں کی عدم موجودگی سے صبر دلا دیتی ہیں،

الغرض اس خطہ کی تعریف و توصیف میں اس کثرت سے لوگوں کے اقوال ہیں کہ ان کا احاطہ کرنا ناممکن ہے، اگرچہ دیگر مقامات بھی فوائد و منافع سے خالی نہیں مگر وہ اس خطہ کے رتبہ کو نہیں پہونچے۔ تمام باغ و کشت زار کا سلسلہ غرناطہ کی مشرقی و جنوبی سمت سے شروع ہو کر مغربی سمت تک چلا گیا ہے، اس خطہ میں اونچے اونچے پہاڑ، وسیع میدان، کشادہ وادیاں اور خوفناک غار بکثرت ہیں، انگور کی بیلوں اور بڑے بڑے درختوں کی کوئی انتہا نہیں، مکانات و قصور بے حد بے حساب ہیں، اسوقت بھی قصور کی تعداد چودہ ہزار ہے۔

خدا سے ہماری دعا ہے کہ اس سرزمین کو قحط سالی، دشمنوں کی سرکشی، اور ظالموں کے ظلم سے بچائے۔

فصلؑ

باغات، عمارات، زرخیز اراضی اور قریوں کی تفصیل وغیرہ

شہر پناہ کے باہر باغات عمارات اور زرخیز اراضی

غرناطہ کی شہر پناہ کے باہر باغوں اور عمارتوں کا ایک وسیع سلسلہ ہموار زمین پر قائم ہے، جن کے گرداگرد نہایت زرخیز اور کثیر المنفعت اراضی واقع ہیں، ان میں سال بھر متواتر کئی فصلیں ہوتی ہیں، ہر وقت ان میں کبوتر دانے چگتے ہوئے نظر آتے ہیں، اور ان کا کوئی حصہ زراعت سے کبھی خالی نہیں رہتا ہے، اس زمانے میں اراضی کا ایک بڑا قطعہ پچیس[۲۵] خالص طلائی دینار تک فروخت ہوتا ہے۔

شاہی اراضی

چونکہ یہ اراضی شاہی ہیں، اور ان کی زراعت، انتظام، اور حالت بھی قابل رشک ہے اس لئے ان کی قیمت کا اندازہ نہیں ہوسکتا ہے، پورے علاقے میں اونچے اونچے مکانات، عالیشان برج، وسیع خرمن، اور کبوتر نیز دیگر پالتو جانوروں کے لئے چراگاہیں بنی ہوئی ہیں، اور یہ سب علاقے غرناطہ اور اسکی شہر پناہ کے ہر چہار طرف بہ شکل طوق نظر آتے ہیں، اور اس کے پاسبان و محافظ کا کام دیتے ہیں، ان علاقوں کے نام یہ ہیں۔

شاہی علاقوں اور قریوں کے نام

دارنؔویل، دار ابن مرضی، دار بیضاؔر، دار سنیاتؔ، دار نبلہ و دتر، کہیں کہیں چراگاہیں دریا کے کنارے کنارے دور تک پھیلی ہوئی ہیں، مثلاً قریۂ ورکری چراگاہ ہے اس قریہ میں قلعہ خرید اور باغ وحشی عیون بھی ہے، دار خلعۃ عین الابراج، باغ ضحاف، قریۂ رومہ، اس قریہ میں ایک

قلعہ اور باغ ہے، دارِ عطشی، اس قریہ میں ایک قلعہ ہے، دارِ ابن جزی بن مسلمہ، قلعۂ ابو علی، قریۂ ناحرہ، فضل بن مسلمہ کا یہ وطن ہے، اس قریہ میں ایک قلعہ بھی ہے، جس کے ہر چہار طرف لوگ آباد ہیں، قریۂ شبانیہ، یہاں ایک قلعہ ہے، قریۂ اشکر، قریۂ بشر، ذواطہ، ان دونوں قریوں میں بھی ایک ایک قلعہ ہے۔ مزواط عبدالملک بن حبیب،

قریوں کی کیفیت

ان قریوں میں جو پر رونق اور بڑے بڑے ہیں، کاشتکاری کے جانور، اور وہ لوگ رہتے ہیں جو زمین کو جوتنے اور زراعت کی خدمت پر مامور ہیں، اکثر گاؤں کا رقبہ بڑا ہے، اور ان میں مسجدیں بھی ہیں، ان کے ماسوا جسقدر شاہی قریے ہیں ان کی تعداد بھی کافی ہے، مگر ان کی شہرت زیادہ نہیں ہے، ان قریوں میں ایسے بیش قیمت قطعات شامل ہیں جنھیں زراعت کی روح کہنا زیبا ہے،

رعایا کے قریے اور اُن کی تعداد

ان کے علاوہ باقی جسقدر قریے رعایا کے قبضے میں ہیں ان کی سرحد ان سے متصل واقع ہے اور یہ بمنزلہ فروع کے شمار کئے جاتے ہیں، رعایا کے قریے دو قسم کے ہیں، ایک وہ جو بڑے بڑے ہیں اور ان کے شرکا کی تعداد ہزاروں تک ہے جس کی وجہ سے ان کی تشکیل گوناگوں ہوگئی ہے، اس موقع پر ہم ان کی کثرت و تعداد کا لحاظ نہ کریں گے، بلکہ صرف ان کا نام ظاہر کردیں گے، دوسری قسم کے قریے وہ ہیں، جو ایک یا دو یا چند مالکوں کے قبضہ میں ہیں ان کی تعداد بہت کم ہے، الغرض تمام قریوں کی تعداد تین سو سے متجاوز ہے، ان میں وہ قریے شریک نہیں ہیں جو خاص پائے تخت کے حوالی میں یا اس کے متصل قلعہ جات کی حدود میں واقع ہیں۔ اکثر قریوں کے نام یہ ہیں۔

قریوں کے نام

حوز الساعدین، یہ متعدد قریوں کا مجموعہ ہے، حوز و تر، ابراہیم ابن زید المحاربی کا یہ وطن ہے، قریۂ قلمار، قریۂ باجر الشامیین، قریۂ باجر البلدیین، قریۂ قشتالہ، قاسم بن امام جو اصحاب سحنون میں سے ہیں ان کا یہ وطن ہے، اور عطیہ بن المحاربی کے جد بزرگوار اسی قریہ میں فروکش ہوئے تھے، قریۂ امجر، قریۂ ارملہ کبری، قریۂ ارملہ صغری، قریۂ رقاق و ہمدان بنی اضحی کے جد یعنی غریب بن یزید بن شمر کا یہ وطن ہے، قریۂ غیضون، قریۂ لسانہ، حارۃ الجامع، حارۃ الغرار، قریۂ غرلیانہ، حشن البکر، غویر الصغری، غویر الکبری، یہ قریہ اقلیم بلاط میں شمار کیا جاتا ہے، یربوع بن عبدالجلیل کا یہ وطن ہے اور ان کے جداعلی یعنی یربوع بن عبدالملک بن حبیب تے

یہاں آکر سکونت اختیار کی تھی، قریۂ قوار، قریۂ حرلیانہ، قریۂ حارۃ عمروس، حش الظلم، قریۂ مطار
قریۂ صرموریہ، قریۂ بایسانہ، قریۂ جشان، قریۂ غشوش، قریۂ عرثقہ، قریۂ جیانہ، قریۂ مسیجہ،
قنب قیس، قریۂ برذنار، قریۂ دوریتاوش، قریۂ اقلہ، قریۂ اجر، قریۂ تجوجر، قریۂ دالہ، قریۂ انقر
قریۂ عروم، قریۂ دار وصدان، قریۂ بیرہ، قریۂ قصبیہ، قریۂ انکس، قریۂ فنتیلاق، قریۂ سنبودہ، حش
زرنجیل، قریۂ اشتر، قریۂ فساں، (مطرف بن عیسیٰ کا یہ وطن ہے) قریۂ شودر سنتشر، قریۂ ابن ناطح
قریۂ ملاحہ (ابو القاسم محمد بن عبد الواحد غافقی ملاحی کا یہ وطن ہے) قریۂ عمر، (اصبغ بن مطرف
یہیں کے باشندہ ہیں) قریۂ نعجر، دغرنطلہ، قریۂ بیرہ، (قرات بن حبیب کی مسجد اسی قریہ میں
ہے) قریۂ قولجر، (سہل بن مالک کا یہ وطن ہے) قریۂ شور، (محمد بن ہانی شاعر باکمال، اور
محمد بن سہل جو خاندان بنی سہل ابن مالک کے جد اعلیٰ تھے اسی قریہ میں رہتے تھے) قریۂ بلیانہ،
قریۂ برقاش، قریۂ صنوجر، قریۂ بلوط، قریۂ انتیانہ، قریۂ مرسانہ، قریۂ دویر، قریۂ سشلان،
قریۂ طعن (طعن صاحب فلاحت کا یہ وطن ہے) قریۂ حبش الدجاج، قریۂ حبش نوح، قریہ
حبش حلیفہ، قریۂ طرف الوبائی، حش المدینہ، حش المعیشہ، حش السلسلہ، قریۂ الطرف،
قریۂ البیرہ، قریۂ شکروجہ (عیسیٰ بن محمد بن زنین کا یہ وطن ہے) عین الکورۃ، حش الغول، قریۂ
یلومان، قریۂ زق المنیص، قریۂ عیضون الحوزہ، قریۂ اشغطمو، قریۂ دیموس الکبریٰ، قریۂ دیموس
الصغریٰ، قریۂ دار الغازی، قریۂ سوبدۃ، قریۂ الرکن، قریۂ القنت (صخر بن ابان کا یہ وطن ہے)،
قریۂ الکدیہ، حش صحلی، حش بنی رسیلہ، حش رقیب، حش باوطہ، حش رواس،
حش مرزدق، قریۂ قبار، قریۂ بنالہ، قریۂ غیرن، برج ہلال، قریۂ فلشیس، قریۂ قنار، قریۂ
اریل، قریۂ بربل، قریۂ قوباسہ، قریۂ المسکید قلنبیرۃ، قریۂ سعدی، قریۂ علقاجج، قریۂ فتن،
قریۂ مرنیطا، قریۂ ذوشطر، قریۂ شتمانس، قریۂ اذالش، قریۂ والبشر، قریۂ فعلوش، قریۂ نیل،
قریۂ فخار، قریۂ قصر، (محمد بن احمد بن مرعیان ہلالی کا یہ وطن ہے) قریۂ بشر، قریۂ بنوط، قریۂ کورۃ،
قریۂ لص، قریۂ بیش، قریۂ قس، قریۂ ددر، قریہ قلنفر، قریۂ غلجی، (ہشام بن عبد العظیم
بن یزید الخولانی اسی قریہ کے باشندہ ہیں) قریۂ ذرذر، قریۂ دیجر، قریۂ قنالش، قریۂ ابتالیس
قریۂ بج، قریۂ منشتال، قریۂ الوطا، قریۂ دانا، قریۂ قریش، قریۂ زادیہ، قریۂ نشتال، ۔

بڑے قریے

ہم بیان کرچکے ہیں کہ ان میں اکثر ایسے قریے ہیں جنہیں قصبات کی
حیثیت حاصل ہے، ان میں تقریباً پچاس خطیب خطبہ دینے کیلئے

مقرر ہیں، جب یہ منبروں پر جلوہ افروز ہوگئے ہیں تو لوگ ہمہ تن خدائے عزوجل کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں، اور اسی کی طرف دست بدعا ہوتے ہیں،

مقطعوں کی تعداد ان تمام مقطعوں کی تعداد جن میں بارانی جو سال کے ہر موسم میں آباد رہتے ہیں اور نہری جو نہایت ہی قیمتی اور سرسبز ہیں، باسٹھ ہزار سے زیادہ ہے

اگر ان میں شاہی املاک اوقاف مسجد اور دوسرے اوقاف جو رفاہ عام کے لئے مخصوص ہیں شامل کئے جائیں تو ان کی کل تعداد پانچ لاکھ ساٹھ ہزار ہے۔

شاہی اراضی کی پیداوار تین لاکھ قدح[1] سے متجاوز ہے اور اس میں مختلف قسم کے غلے شامل ہیں۔

پن چکیاں غرناطہ کی شہر پناہ کے اندر اور باہر ایک سو تیس[1] پن چکیاں چلتی ہیں۔

خدا سے ہماری دعا ہے کہ وہ اس شہر پر امن کے بازو پھیلائے رکھے، اور اپنے فضل و کرم سے اپنی رحمت کو اس سے جدا نہ فرمائے۔

---

[1] قدح، کی مقدار مولف نے نہیں بتائی ہے۔ ۱۲

فصل

اخلاق، عادات، اور دیگر حالات

اب تک ہم نے سرزمین غرناطہ کے آثار و مقامات، مواضعات و باغات، ایوان اور سیر گاہوں کا تذکرہ کیا ہے، اور ان سب کی پوری تصویر کھینچکر دکھا دی ہے، اب ہم یہاں کے باشندوں کے بعض اخلاق و عادات، اور دیگر حالات اجمالاً بیان کریں گے،

مذہب، اخلاق اہل غرناطہ مذہب اور اعمال میں اہل سنت واقع ہیں، تمام مشہور فرقے امام دار الہجرت حضرت مالک بن انس رح کے پیرو ہیں، لوگ امرا اور افسروں کی اطاعت کرتے ہیں اور مال گذاری اور خراج کی ادائی کو خندہ پیشانی سے قبول کرتے ہیں۔

حلیہ یہاں کے لوگ خوبصورت ہوتے ہیں، ناک متوسط درجے کی، بال کالے کالے اور لمبے، قد میانہ، اور پستی کی طرف مائل، رنگ سپید و سرخ، اور زبان فصیح عربی ہے، گفتگو میں اکثر اعراب ظاہر کرتے اور زیادہ تر امالہ سے یعنی الفاظ کے مخارج کو گھٹاکر باتیں کرتے ہیں، اور نزاعی معاملات میں وہ نہایت خود دار رہتے ہیں۔

نسب وہ عربی النسل ہیں، ان میں بربری بھی ہیں، اور مہاجر بھی، اور مہاجرۃ کی تعداد زیادہ ہے۔

لباس موسم سرما میں وہ علی العموم رنگین پوشاک استعمال کرتے ہیں۔ کتان، ریشم، سوت، اور موعر کے کپڑے پہنتے ہیں، امارت اور رتبے کے لحاظ سے کپڑوں میں تفاوت ہوتا ہے اور موسم گرما میں افریقی چادریں، تیونسی کرتے اور لنگیاں ہوتی ہیں، جب وہ پوشاک بدل کر جامع مساجد میں آتے ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ

گویا خوشنما چمنستان میں نرم نرم ہواؤں سے غنچے شگفتہ ہو رہے ہیں۔

قبائل

وہ قبائل عرب ہیں جیسا کہ پروانجات، سندات، اور شاہی کاغذات سے پتہ چلتا ہے، ان میں زیادہ تر حسب ذیل قبائل ہیں۔

قرشی، فہری، اموری، اموی، انصاری، اوسی، خزرجی، قحطانی، حمیری، مخزومی، تنوخی، غسانی، ازدی، قیسی، مغافری، کنانی، تیمی، ھذلی، بکری، کلابی، نمری، یعمری، ازنی، ثقفی، سلمی، فزاری، باھلی، عبسی، عنسی، عذری، ضبی، سکونی، تیمی، ہتمی، مری، عقیلی، فہمی، قریحی، ہذلی، قشیری، کلبی، قضاعی، اصبحی، مرادی، رعینی، یحصبی، تجیبی، صدفی، غافقی، حضرمی، لخمی، جذامی، سلولی، حکمی، ہمدانی، مذحجی، خشنی، بلوی، جھنی، مزنی، طائی، اسدی، اشجعی، عاملی، خولانی، ایادی، لیثی، خثعمی، سکسکی، زبیدی، تغلبی، کلاعی، دوسی، حواری، سلمانی۔

ان قبائل میں سلمی، دوسی، حواری، اور زبیدی کی تعداد کم ہے، اور انصاری، حمیدی، جذامی، قیسی، اور غسانی زیادہ تر ہیں، قبائل کے یہ نام ان کی اصالت، اور عربی النسل ہونے کے شاہد اور دلیل ہیں۔

فوج

غرناطہ کی فوج دو قسم کی ہے، ایک اندلسی، اور دوسری بربری، اندلسی فوج کا قائد خود اسی قوم کا کوئی رئیس ہوتا ہے، ورنہ ملک کے شیوخ میں سے جو عاقل اور فرزانہ ہو وہ مقرر کیا جاتا ہے،

قدیم زمانے میں یہاں کی فوجی وضع فرانسیسی وضع کے مشابہ تھی، جسکا بڑا سبب پڑوس کا اثر تھا، یعنی پورے جسم کی زرہ، اور ڈھال بڑے بڑے خود، چوڑے نیزے، بیڈھنگی زین، اور پس پشت جھنڈیاں استعمال کیجاتی تھیں، مگر اب ان کے بجائے مختصر جوشن، پتلی دھارکی تلوار، عربی ڈھال، سادے تیر، اور لچکدار نیزے کام میں لائے جاتے ہیں۔

بربری فوج میں قبائل مرینیہ، زناتیہ، تجانیہ، مغراویہ، عجیسیہ اور مغربی عرب[۱] کے آدمی لئے جاتے ہیں، ہر قبیلہ کا ایک سردار اپنے قبیلہ والوں کی نگرانی کرتا ہے، اور یہ سب ایک بڑے سردار کی قیادت میں رہتے ہیں۔

عمامہ کا رواج

اہل غرناطہ کے لباس میں عمامہ کا رواج بالکل کم ہو گیا ہے، البتہ شیوخ، علماء، قضاۃ، اور عربی فوج میں ابھی کچھ کچھ رواج باقی ہے،

عصا کا استعمال

لوگ عام طور سے عصا بطور حربہ کے ہاتھ میں رکھتے ہیں، یہ

[۱] غالباً مراد ان عربوں سے ہے جو ممالک مغرب میں مدت سے آباد تھے ۱۲

لانبے، اور گرہ دار ہوتے ہیں، ان میں لچک اتنی ہوتی ہے کہ ہر جگہ سے مڑ سکتے ہیں، اور ہلکے اتنے کہ انگلیوں سے اٹھ جاتے ہیں، اور یہ "اداس" کے نام سے مشہور ہیں، نیزہ و فرانسیسی کمانیں اپنے ساتھ رکھتے ہیں، جس سے ان کی مشق ہمیشہ جاری رہتی ہے، اور متوسط درجہ کے تیر استعمال کرتے ہیں، اس ملک کے تہوار بہت خوش آیند ہوتے ہیں، اور ان میں اقتصادی اصول کا لحاظ رکھا جاتا تھا۔

دولت و ثروت یہاں کے تمام شہروں میں دولت و ثروت امنڈتی ہوئی نظر آتی ہے، حتیٰ کہ ان کی دوکانوں سے بھی یہ بات عیاں ہے جہاں انکی مصنوعات فروخت ہوتی ہیں، مثلاً جوتے بیچنے والوں وغیرہ کی دوکانوں سے ان کی دولت ظاہر ہے۔

غذاء غذا میں زیادہ تر عمدہ گیہوں سال بھر تک استعمال کئے جاتے ہیں، مگر غربا، بادیہ نشین، اور کھیتوں کے مزدور موسم سرما میں عربی جوار، اور عمدہ قسم کے اناج مثلاً چنا، مسور، مٹر وغیرہ کھاتے ہیں۔

میوہ جات ہر قسم کے خشک میوہ جات سال بھر میسر آتے ہیں، انگور بافراط نصف سال تک ملتے ہیں، انجیر، منقیٰ، سیب، انار، قسطل، بلوط، ناریل، بادام اور دیگر میوہ جات کبھی ختم نہیں ہوتے، صرف ان ایام میں وہ کمیاب ہو جاتے ہیں، جب لوگوں کو ان کی طرف رغبت ہی نہیں ہوتی ہے۔

سکے کاروبار میں مبادلہ خالص سونا اور چاندی کے ذریعہ ہوتا ہے، سونا عمدہ قسم کا ہوتا ہے، اور اس میں کھوٹ بالکل نہیں ہوتی ہے۔

درہم مربع شکل کے ہیں جنکا وزن مہدی کے مقرر کردہ وزن کے مطابق موحدین کی حکومت کے زمانے سے قائم چلا آتا ہے، یعنی ایک اوقیہ چاندی میں ستر درہم بنائے جاتے ہیں، دراہم میں تحریریں ہمیشہ مختلف ہوتی آئی ہیں، ہمارے زمانہ میں درہم کی ایک طرف لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور دوسری طرف "لا غالب الا اللہ غرناطۃ" منقوش رہتا ہے، نصف درہم کو قیراط کہتے ہیں اس کے ایک رخ پر "الحمد للہ رب العالمین" اور اسکی پشت پر "وما النصر الا من عند اللہ" مرقوم رہتا ہے، اور آدھے قیراط بھی بنتے ہیں جسکے ایک جانب "ھدی اللہ ھو الھدی" اور دوسری جانب "والعاقبۃ للتقوی" درج کیا جاتا ہے،

دینار ایک اوقیہ سونے میں چھ مضروب ہوکر ایک دینار کا دو ثلث سونا بچ رہتا ہے، یعنی ہر ایک دینار کا وزن (⅙ اوقیہ سونا) ہوتا ہے، اس کے ایک طرف "قُلِ اللّٰھُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ بِیَدِکَ الْخَیْرُ" اور اطراف میں "وَاِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ"، دوسری طرف "اَلْاَمِیْرُ عَبْدُ اللّٰہِ یُوْسُفُ بْنُ اَمِیْرِ الْمُسْلِمِیْنَ اَبِی الْحَجَّاجِ بْنِ اَمِیْرِ الْمُسْلِمِیْنَ اَبِی الْوَلِیْدِ اِسْمَاعِیْلَ بْنِ نَصْرٍ اَیَّدَہُ اللّٰہُ نَصْرَہٗ" اور اطراف میں "وَلَا غَالِبَ اِلَّا اللّٰہُ"، لکھا جاتا ہے،

اس کتاب کے اختتامِ تالیف کے دوران میں یہ تحریریں بھی بدل گئیں، اور دینار کے ایک رخ پر "یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ"، حاشیہ پر "وَلَا غَالِبَ اِلَّا اللّٰہُ"، دوسرے رخ پر "الامیر عبد الغنی باللہ محمد بن یوسف بن اسماعیل بن نصر ایدہ اللہ واعانہ"، اور اس کے ربع دائرہ میں "بمدینۃ غرناطۃ حرسہا اللہ"، لکھا جانے لگا۔

موسمی سفر

غرناطہ کے باشندوں کی خاص عادت یہ ہے کہ وہ انگور کی فصل میں اپنے اپنے گھروں کا سازوسامان اور اہل وعیال کو ساتھ لے کر تاکستان میں چلے جاتے ہیں، جہاں انگور کا شیرہ نکالا جاتا ہے، اس وقت جانوروں کی پشت پر اسلحے بار کرکے اپنی شجاعت وبسالت پر اعتماد کرتے ہیں، اور چونکہ شہروں کی باہمی قربت ہے اس لئے اس سے بھی انھیں بہت کچھ ڈھارس ہوتی ہے۔

زیورات

سونے کے زیورات میں گلے کے ہار، کنگن، بالیاں، اور پازیب، خوش حال طبقے میں استعمال کئے جاتے ہیں، دوسرے طبقے کے لوگوں میں پاؤں کے اکثر زیورات چاندی کے ہوتے ہیں۔

جواہرات

نفیس اور عمدہ عمدہ بیش قیمت جواہرات یاقوت، زبرجد اور زمرد وغیرہ بڑے طبقے کے لوگوں میں جو حکومت کے اعیان وارکان، یا دولتمند اور مشہور خاندانوں کے افراد ہیں بکثرت رائج ہیں۔

بیگمات

یہاں کی بیگمات خوبصورت ہوتی ہیں ان کا حسن شہرۂ آفاق ہے، وہ نازک اندام، گیسو دراز، دُر دنداں، عنبر فشاں، سبک رفتار، خوش گفتار اور نیک کردار

ہوتی ہیں اور شاذ و نادر ہی ان کا قد دراز ہوتا ہے، اب ان کے زیب و زینت کی بوقلمونی انتہا کو پہونچ گئی ہے، رنگین پوشاک، زریں ملبوسات، اور اقسام کے زیورات کی نمائش اور مقابلہ کی حد ختم کر چکی ہیں۔

ہم اللہ تعالےٰ سے دعا کرتے ہیں کہ انھیں زمانے کی نظر بد سے محفوظ رکھے، آفات و مصائب کی دراز دستیوں سے بچائے، کسی چیز کو آزمائش و فتنہ نہ قرار دے، ہر شخص کی پردہ پوشی کرے، اور بہ طفیل عزت و قدرت اپنے لطف خفی سے بھی کسی کو محروم نہ فرمائے۔

سلاطینِ غرناطہ کا اجمالی تذکرہ

از ابتدائے تاسیسِ دارالامارت تا انہدام

سلاطینِ غرناطہ مؤلف کہتا ہے کہ جس شخص نے اولاً غرناطہ کو اپنا دارالحکومت، اور مسکن بنا کر مطلق العنانی سے حکومت کی وہ حاجب منصور ابو مثنیٰ زادی بن زیری بن مناد صنہاجی تھا، اسی کے زمانے میں (مروانی شہزادے) امیر سلیمان بن الحکم نے بربری فوج کی مدد سے حکومت قرطبہ ۴۰۳ھ میں حاصل کی، اسکے بعد کے سنین میں زادی نے اندلس کی اکثر ولایات کو مسخر کر لیا، اور یہاں کی بدنظمی کا خاتمہ کر دیا، زادی کی حکومت کی شہرت دور دور تک پھیل گئی، یہاں تک کہ غرناطہ کو بھی اپنے قبضۂ تصرف میں لے لیا، اور اس نے سات سال تک حکمرانی کر کے ۴۱۰ھ میں اپنے وطن افریقیہ کو سمندر عبور کر کے چلا گیا، اور اپنا جانشین حبوس بن ماکس کو بنایا جو اسکا برادر زادہ تھا، چونکہ یہ دور اندیش، اور مدبر تھا اس لئے اس نے فراخ حوصلگی اور وسیع النظری سے حکومت کی، ۴۲۹ھ میں اس نے وفات پائی، اور اس کا نبیرہ عبداللہ بن بلکین بن بادیس تخت نشین کیا گیا، مگر یہ ۴۸۳ھ میں معزول کر دیا گیا۔

عہدِ امرارِ لمتونہ یعنی مرابطین عبداللہ کی معزولی کے بعد غرناطہ کی عنانِ حکومت ابو یعقوب یوسف بن تاشفین شاہ لمتونہ کے ہاتھ میں آئی جو اسوقت سارے اندلس کو زیرنگیں کر چکا تھا، اس کے بعد اسکا فرزند علی بن یوسف جانشین ہوا، اور پھر غرناطہ پر امرارِ لمتونی کی اولاد اور رشتہ دار باری باری سے حکمرانی کرتے رہے جن کے نام یہ ہیں۔

امیر ابوالحسن علی بن الحاج، موسیٰ برادر امیر مذکور، امیر ابو زکریا یحییٰ بن ابی بکر بن ابراہیم، امیر ابو طاہر تمیم، امیر ابو محمد مزدلی، امیر ابو بکر بن ابی محمد، ابو طلحہ زبیر بن عمر، عثمان بن بدر لمتونی ۵۴۰ھ میں امرارِ لمتونی کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

عہدِ موحدین لمتونی حکومت کے زوال کے بعد حکومت غرناطہ موحدین کے ہاتھوں میں

چلی آئی، اس خاندان کا پہلا حکمراں ابو محمد عبدالمومن بن علی تھا، اس کے بعد اسکی تمام اولاد اور رشتہ داروں نے یکے بعد دیگرے یہاں حکومت کی جن کے نام یہ ہیں۔
سید ابو سعید عثمان بن الخلیفہ، سید ابو اسحاق بن الخلیفہ، سید ابو ابراہیم بن الخلیفہ، سید ابو محمد بن الخلیفہ، سید ابو عبداللہ،
سنہ ۶۲۶ھ میں متوکل علی اللہ امیر ابو عبداللہ محمد بن یوسف بن ہود نے موحدین کی حکومت کا خاتمہ کردیا، اور خود غرناطہ پر حکمرانی کرنے لگا۔

عہد بنو نصر امیر ابو عبداللہ کی حکومت کو زیادہ دن نہیں گذرنے پائے تھے کہ غرناطہ پر امیر المسلمین غالب باللہ محمد بن یوسف بن نصر خزرجی کا تسلط ہوا، یہ امیر ہمارے امرائے آقایان نامدار کا جد اعلیٰ ہے (خدا اسکے جانشینوں کی مدد کرے اور اسلاف پر رحم فرمائے)، سنہ ۶۹۱ھ میں اس امیر نے وفات پائی، اور اسکا ہمنام فرزند محمد بن محمد جانشین قرار پایا، اسکا عہد حکومت نہایت ممدوح اور قابل ستائش تھا، سنہ ۷۰۱ھ میں یہ مرگیا، اور لوگوں نے ایک دوسرے محمد نامی کو بادشاہ بنایا، مگر یہ سنہ ۷۰۸ھ میں بروز عید الفطر معزول کردیا گیا، اور ۳ شوال سنہ ۷۱۱ھ میں اس نے وفات پائی، اس کے بھائی نصر بن مولانا امیر المسلمین ابو عبداللہ کو تاج و تخت عطا کیا گیا، مگر اس کی حکومت مشتبہ نظروں سے دیکھی گئی، بالآخر مولانا امیر المسلمین ابو الولید اسماعیل نے ۲ ذی قعدہ سنہ ۷۱۳ھ میں اس سے حکومت چھین لی، نصر معزول ہوا اور غرناطہ کو الوداع کہکر وادی آش چلا آیا، اور زندگی کے بقیہ دن پورے کرکے سنہ ۷۲۲ھ میں راہی ملک عدم ہوا۔
سلطان امیر المسلمین ابو الولید کی معزولی کی فکر بھی ۲۶ رجب سنہ ۷۲۵ھ تک جاری رہی، آخر کار اسکے کسی رشتہ دار نے اسے قتل کر ڈالا، اور جو لوگ اس کے ساتھ موجود تھے انھوں نے بھی اس قتل میں شرکت کی، مقتول ابو الولید کا فرزند محمد تاج و تخت کا وارث ہوا اور ذی الحجہ سنہ ۷۳۳ھ تک حکومت کرتا رہا، مگر اسے بھی اپنی جان شیریں جبل فتح کے میدان میں قاتلوں کے حوالے کرنی پڑی، اب اس کے بھائی مولانا سلطان ابو الحجاج کو غرناطہ کی حکومت تفویض کی گئی، یہ سلطان اپنے خاندان کا گوہر، اس سلک کا در بے بہا، اور اس زیور کا نقش و نگار تھا، مگر ممر در نامی ایک بازاری خبیث اسکی ہلاکت کا باعث ہوا!
چونکہ سلطان ابو الحجاج کی شہادت مقدرات الٰہی میں سے تھی، اس لئے

اللہ تعالیٰ نے اس خبیث شخص کو اسکی سعادت کا سبب و ذریعہ بنایا شہادت کا واقعہ اسطرح ہے، سلطان عید الفطر کی نماز محراب کے سامنے ادا کر رہا تھا، دوسری رکعت کے سجدے میں گیا، اور خشوع و خضوع کی حالت اسپر طاری تھی، درحقیقت یہ وہ وقت ہے کہ بندہ اپنے رب سے تقرب حاصل کرتا ہے، عین اسی حالت میں دفعتہً قاتل نے وار کیا، اور ایک خنجر آبدار جس کو اس نے مدت سے تیز کر کے رکھ چھوڑا تھا سلطان کے بائیں پہلو میں دل کے پاس چبھو دیا جس سے وہ اسی وقت جاں بحق تسلیم ہوا، قاتل فوراً گرفتار ہوا اور اسکی گردن تن سے جدا کی گئی۔

ابوالحجاج کی شہادت کے بعد اس کے بڑے فرزند محمد کو عنان حکومت سپرد کی گئی، جو اسکی اولاد میں بلحاظ اخلاق و عادات، جود و سخا، وقار و تمکنت، سلامت روی و نیک مزاجی، اور شرم و حیا کے سب سے افضل تھا، اور ایک ایسے شخص نے جو خدا کے نزدیک کسی رتبے کا نہ تھا اس کی حکومت کو مزید تقویت پہونچائی، اور بتائید حق سبحانہ اس حکومت میں جسقدر کمزوریاں تھیں ان کا علاج و تدارک کیا گیا۔ یہ بادشاہ اسوقت مسلمانوں کا امیر ہے، آئندہ جو کچھ اسکے حالات اپنے اپنے موقع پر آئیں گے وہ انشاءاللہ کافی و وافی ہوں گے۔

خدا سے ہماری دعا ہے کہ اس بادشاہ سے رعایا کو نفع پہونچے، اس کا عہد پائدار ہو، تاریخ میں وہ سعید لکھا جائے، اسکا دست خیر دراز رہے، مراسم شریعت کا پابند، مالک یوم الدین سے خائف، اور اس کے فضل کا ہمیشہ امیدوار رہے۔

دارالحکومت غرناطہ کی جو ممکن تعریف ہوسکتی تھی ہم نے مختصراً بیان کر دی ہے اگر تائید حق شریک حال رہی تو اسکا تتمہ اور اس اجمال کی تفصیل و وضاحت رجال غرناطہ کی تعریف کے سلسلے میں آئے گی۔

احمد بن خلف بن عبد الملک غسان قلعی

احمد نام، ابوجعفر کنیت ہے، غرناطہ کے جلیل القدر اعیان میں سے تھے، بڑی نہر جو دارالحکومت (غرناطہ) کے ایک کنارے سے ہوکر البیرہ اور آس پاس کے مقامات تک چلی گئی ہے وہ انھیں کی طرف منسوب ہے۔

حالات ابن الصیرفی کا بیان ہے کہ فقیہ ابوجعفر قلعی غرناطہ کے باشندے تھے، علم وفضل، نیکی، اور قران پاک کی تلاوت کرنے میں یگانۂ روزگار اور یکتائے زمانہ تھے، ہر رات کو ایک حزب ختم کر لیتے تھے، اور بہت جلد آبدیدہ وچشم پرنم ہو جاتے، ان سے روایتیں بہت زیادہ مروی ہیں، لوگ مشکلات اور مصائب میں اُن سے مشورے کرتے تھے، ارباب حل وعقد میں ان کا شمار تھا، یہ ہر کام میں ہمیشہ پیش پیش رہا کرتے، اہم امور میں وہ اپنی قوت آزمائی کرتے، بڑے بڑے بارگراں کو اٹھالیتے، اور نہایت بلند ہمت واقع ہوئے تھے،

حفید بادیس بن حبوس کو فراست سے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ اسکی سلطنت کی تباہی کے باعث ابوجعفر ہوں گے، اس لئے ان کے ستانے کو گتے چھوڑ رکھے تھے، اور آپ کے قتل کے لئے اس کی تلوار ہر وقت بے نیام رہتی تھی، لیکن خدائے علیم آپ کا حامی تھا، اس لئے حفید بادیس کی تلوار نیام میں آ گئی، اور اس کے ہاتھ اس فعل کے کرنے سے رک گئے، اور خداوند تعالی کو جو کچھ کرنا تھا وہ پورا ہو کر رہا۔

مشائخ جن مشائخ سے ابوجعفر نے روایت کی ہے ان کے نام یہ ہیں:- علی بن القطان، ابوعبداللہ ابن عتاب، ابن زکریا قلعی، ابومروان بن سراج، ابوجعفر ثقہ اور صدوق تھے، لوگوں نے ان سے حدیث روایت کی ہے۔

یوسف بن تاشفین امیر لمتونہ جب دوبارہ اندلس میں آیا، اور قلعہ البط پر برسر پیکار ہوا تو تمام ملوک طوائف آکر مجتمع ہوئے، امیر ابوعبداللہ بن بلکین بن بادیس شاہ غرناطہ بھی جنگ میں شریک ہوا، وزیر ابوجعفر بن قلعی بھی ساتھ آئے، باوجودیکہ یہ عالی

منصب اور اپنے رتبے کے لحاظ سے مشہور تھے، مگر ان کا جنگ میں شریک ہونا اجر ثواب کے شوق و ذوق کی بناء پر تھا، ان کے وہ اعزہ و رشتہ دار جو اطراف و جوانب کے سرگروہ تھے وہ بھی پہونچ گئے تھے، آپ کا خیمہ امیر ابو عبداللہ کے خیمہ کے پاس نصب کیا گیا تھا۔

چونکہ امیر یوسف بن تاشفین آپ کو قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھتا تھا، اس لئے انھوں نے امیر کے پاس زیادہ آمد و رفت شروع کردی اور دیر دیر تک اس کے ساتھ تخلیہ میں رہ کر استبدادی کارروائی کرنے لگے، جس سے امیر ابو عبداللہ انکی کج رفتاری کو سمجھ گیا، اور ان کا سخت مخالف ہو گیا۔

مورخ مذکور کا بیان ہے کہ حالات جس قسم کے بھی ہوتے تھے مگر ابو جعفر قلعی عوام اور امیر المسلمین کو پند و نصائح کرنے سے باز نہیں آتے تھے،

امیر ابو عبداللہ اپنے رد گ کو اچھی طرح جانتا تھا (خداوند تعالے ہمارے قدموں کو شر و فساد کی طرف چلنے سے محفوظ رکھے) اس لئے جب وہ غرناطہ واپس آیا تو ابو جعفر قلعی کو طلب کیا، وہ حاضر ہوئے تو ان کے ساتھ بری طرح پیش آیا، اور غضب آلود ہو کر دربار سے اٹھ گیا اس کے خدام ابو جعفر کے بدن سے چمٹ گئے، پاسبانوں اور چوبداروں نے چاروں طرف سے انھیں گھیر لیا اور زدوکوب کے لئے تیار ہو گئے، اسوقت ابو عبداللہ کی ماں آڑے آئی اور بیٹے سے انھیں زندہ رکھنے کی سفارش کی، امیر نے انکی سزا موقوف کرکے اپنے قصر کے ایک مکان میں مقید کردیا، آپ اس مجلس میں بھی عبادت الٰہی، دعا اور تلاوت قرآن پاک میں مشغول رہنے لگے، چونکہ وہ بلند آواز اور خوش الحانی سے تلاوت کرتے تھے، اس سے سارا قصر گونج اٹھتا تھا، ان کی آواز سے شور و غوغا موقوف ہو جاتا ہر طرف خاموشی چھا جاتی اور لوگوں کے بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے،

ابو عبداللہ کی ماں کو سخت خطرہ لاحق ہوا کہ ایسا نہ ہو ان کی وجہ سے اس کے بیٹے پر عذاب الٰہی نازل ہو، اس لئے اس نے بیٹے کو سمجھا کر ان کی بیڑیاں کٹوادیں اور وہ قید خانے سے رہا کردیئے گئے، انھوں نے اس رہائی کو بہت مغتنم شمار کیا۔

چونکہ ابو جعفر نہایت صائب الرائے، دلیر اور بہت ہی محتاط واقع ہوئے تھے اسلئے انھوں نے عربی مثل "الصید بغراب الکیس" پر عمل کیا اور اسی شب کو غرناطہ سے روانہ ہو گئے، صبح کو قلعہ یحصب میں پہونچے، یہ قلعہ نظیر بن عباد کا تھا، یہاں سے وہ

تیز گامی کیساتھ قرطبہ چلے گئے، اور یوسف بن تاشفین کو اس طرح مخاطب کیا کہ اس کے دل میں بھی خاص تحریک اور طمع پیدا ہوگئی، اندلس میں اس کی آمد، ابوعبداللہ بن بلکین کا عزل اور غرناطہ پر ابن تاشفین کا تسلط یہ تمام واقعات ابوعبداللہ، اور یوسف بن تاشفین کے ناموں کے ضمن میں انشاءاللہ آئیں گے۔

جب امیر ابوعبداللہ پر ابوجعفر قلعی کے معاملہ کی حقیقت روشن ہوئی کہ اس نے احتیاط کے بالکل خلاف عمل کیا، اور ان کے مستقبل کے متعلق کچھ نہ سوچا، تو اس نے سارے شہر میں تفتیش و جستجو شروع کردی، مگر کوشش بے سود ثابت ہوئی اور ابوجعفر کا کوئی سراغ نہیں ملا، دفعتہً اس کو یہ خبر پہونچی کہ وہ بچکر اپنے مامن میں پہونچ گئے ہیں، اسوقت اس نے اپنی ماں کو سخت ملامتیں کیں، مگر اب ندامت اور ملامت لاحاصل تھی۔

ابوجعفر تادم مرگ ملوک لمتونہ کی حکومت میں مقرب، عالی مرتبہ، اور راست باز سمجھے گئے، اور ان کی شہرت زبان زد عام وخاص تھی۔

احمد بن محمد بن اضحیٰ بن عبداللطیف بن غریب ابن یزید بن الشمر بن عبد الہمدانی الالبیری

نام وسکونت احمد نام، اور ابن غریب کے عرف سے مشہور تھے، اصل وطن قریۂ ہمدان میں تھا، بعد کو البیرہ میں سکونت اختیار کرلی تھی۔

مناقب ابن حبان، غافقی، ابن مسعدۃ، اور دوسرے لوگوں نے بالاتفاق بیان کیا ہے کہ احمد ہمدانی البیری فنون بلاغت، بیان، ادب اور شعر میں ماہر تھے۔

ایک دفعہ وہ خلیفہ ابومطرف عبدالرحمٰن کے دربار میں باریاب ہوئے تو اس کے روبرو کھڑے ہو کر حسب ذیل تقریر کی:-

"حمد وستائش خدا کے لئے ہے جو اپنی عظمت وجلال کے نور کے سبب مخلوقات کی آنکھوں سے روپوش ہے، جسکی اولیت اور قدامت پر خلق کی صفت حدوث دلالت کرتی ہے، اور جو عجائب روزگار کو استحکام بخشتا اور شان صمدیت وبے نیازی

میں یگانہ و یکتا ہے، میں شہادت دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں، وہ تنہا ہے اسکا کوئی شریک نہیں، اس کی ربوبیت کا اقرار کرتا ہوں، اس کی عظمت و جبروت کے سامنے سر نیاز خم کرتا ہوں، اور میں شہادت دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کے بندے اور رسول ہیں جنھیں خدا نے اشرف ترین خاندان سے پیدا کیا، اور پاک نسل سے منتخب فرمایا، اور آپ کی مساعی اور امانت کی ادائی کو قبول فرما کر آپ کو پردۂ دنیا سے اٹھالیا، اور اپنے تقرب سے ممتاز فرمایا، آپ پر اللہ کا درود اور سلام نازل ہو۔

بعد ازاں چونکہ اللہ تعالےٰ نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اشرف ترین مخلوقات سے مبعوث کرکے اپنی رسالت سے مشرف و معزز کیا، آپ پر قرآن مجید نازل فرمایا، آپکے اصحاب اور پیرؤں میں ایک جماعت منتخب کرکے اس میں سے کچھ لوگوں کو امام و مقتدا بنایا جو راستی کے ساتھ ہدایت کرتے اور راستی سے عدل و انصاف کرتے تھے، اس بنا پر اللہ تعالےٰ نے ان ائمہ کے متروکہ مقامات و معابد کا وارث امیر کو بنایا (خدا اسے معزز فرمائے) اور جن مشاہد کی بنیاد ائمہ نے رکھی تھی ان کی تکمیل و تعمیر امیر سے کرائی، جسکی وجہ سے تمام راستے محفوظ و مامون ہوگئے، خوفزدہ اور مسافروں کو اطمینان و سکون نصیب ہوگیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہے کہ اس نے امیر کو خلعتِ کرامت سے آراستہ کرکے فضیلت کا طوق اس کے گلے میں ڈالا، بیشک اللہ اپنا ملک جسکو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے وہ بڑے فضل والا ہے:۔

اللہ اعطاک التی لا فوقہا	اے امیر اللہ نے تجھے ایسی نعمت بخشی ہے جس سے کوئی نعمت بالاتر نہیں ہے
وقد اراد الملحدون عوقہا	اگرچہ منکرین و مخالفین نے اس کو تجھ سے باز رکھنا چاہا تھا۔
عنک ویابی اللہ الا سوقہا	مگر اللہ نے اسکو تیری ہی طرف بھیجنا چاہا
الیک حتی قلدک طوقہا	تو منکروں نے بھی اس نعمت کا ہار تیرے گلے میں ڈالا۔

پھر حسب ذیل اشعار پڑھ کر سنائے:۔

ایا ملکا تزھو سیوف الھدی بہ	اے بادشاہ! تیغ ہدایت تجھ سے روشن ہے!
اذا المعت بین المغامد والسرد	خواہ اس کی چمک نیام میں ہو یا فوج میں۔
ومن باسہ فی منہل الموت وارد	جسکی شجاعت آنسو اس پر خطر مقامات میں لیجاتی ہے جہاں جانے سے بڑے بڑے
اذا النفس الابطال کلت عن الورد	بہادر گھبرا جاتے ہیں۔

ومن البس الله الخلافة نعمة — تجھے اللہ نے لباس خلافت بطور نعمت کے عطا کیا ہے،
به فاقت النعماء وجلت عن الحد — تیری وجہ سے یہ نعمت تمام نعمتوں سے بڑھ گئی اور بیحد جلیل القدر ہو گئی ہے،
فلو نظمت مروان فی سلك فخرها — اگر فخر خلافت کی لڑی میں مروان منسلک کیا جائے۔
لاصبح من مروان واسطة العقد — تو ممدوح سلک مروان میں درمیان کا موتی ہوگا۔
تجلى على الدنيا فاجلى ظلامها — جب ممدوح دنیا پر ظاہر ہوا تو اسکی تاریکی دور ہوگئی۔
كما انجلت الظلماء عن قمر السعد — جس طرح چاند کی روشنی سے تاریکی دور ہو جاتی ہے۔
امام هدى اضحت به العرب غضة — وہ ہدایت کا امام ہے اس نے عربوں کو
ملبسة نورا كواشية البرد — تروتازہ کر کے نورانی جامہ پہنایا
يؤكد ما يدلى به من مثابه — اس سپاہی اور شہسوار غلام کی بیان کردہ خوبیوں کی تائید
خلوص البنه عبده الفارس الجند — لوگوں کے خلوص سے ہوتی ہے
بلى من راه والرماح شواجر — ہاں جو شخص اسکو نیزہ بازی اور شہسواروں کی
وخيل الى خيل بابطالها تردى — نبرد آزمائی کی حالت میں دیکھے
رأى اسدا وردا يخف الى الوغى — تو وہ بہادر شیر نظر آئیگا جو لڑائی کے میدان میں دہاڑتا ہوا پہونچا ہے
ورأيته اربى على الاسد الورد — لیکن مجھے وہ بہادر شیر سے بھی بالاتر نظر آئیگا۔
فانعم عليه اليوم يا خير منعم — اے خدائے منعم آج ممدوح پر تو اپنے انعام و افضال نازل فرما
باظهار تشريف وعقد يد عندی — اور ممدوح مجھ پر اپنا احسان رکھے اور مجھے مشرف فرمائے۔
ولا تشمت الاعداء ان جئت قاصدا — اور دشمنوں کو شماتت کا موقع نہ دے کہ میں امیدوار
الى ملك الدنيا فاحرم من قصدی — شاہ عالم کے پاس آیا اور اپنے مقصد میں محروم رہا۔
فعند الامام المرتضى كل نعمة — اس پسندیدہ امام کے پاس ہر ایک نعمت موجود ہے۔
وشكر لما يسديه من نعمة عندی — اور اس کی ہر نعمت احسان کا شکر میرے پاس ہے۔
فلا زال فی الدنيا عزيزا مظفرا — اے خدا اس ممدوح کو دنیا میں ہمیشہ غالب اور کامران رکھ۔
وبوئ فی الاخرى جنة الخلد — اور آخرت میں بہشت بریں میں اسکو جگہ دے۔

ابن غریب کا خاندان جود و کرم اور فصاحت و خطابت میں مشہور تھا جسکی وجہ سے

سلہ مروان۔ موتی ۱۲

آپ کے ذاتی فضل و شرف میں چار چاند لگ گئے، بنو ہود کے عہد میں ارجتہ، اور حصن نبیل، میں کسی ایسی خدمت پر بحال ہوئے کہ جس سے آپ کے وسائل اور رسائل کی نوعیت بالکل بدل گئی۔

مؤلف کہتا ہے کہ ابن غریب[۱] کا زمانہ ۳۱۶ھ سے قبل گذرا ہے۔

احمد بن محمد بن احمد ہشام القرشی

نام و نسب احمد نام، ابوجعفر کنیت، اور ابن فرکون عرف ہے، غرناطہ کے باشندے اور نسباً قرشی تھے نسب کی ابتدا معلوم کرنے کے لئے آپ کا قرشی ہونا کافی ہے

میں نے عائد الصلہ میں ان کے کچھ حالات لکھے تھے، وہ یہ ہیں:۔

حالات ابن فرکون اندلس کے اس خطہ (غرناطہ) میں قاضیوں کے صدر تھے، مسائل میں ید طولیٰ رکھتے تھے، مشتبہ احکام میں دسترس حاصل تھی، مطالعہ اور تجربہ وسیع تھا، فصل مقدمات میں اس قدر سخت گیر تھے کہ اپنا فیصلہ نافذ کئے بغیر نہیں رہتے، مسائل میں اجتہاد اور دقت نظر سے کام لیتے، فنون عربیہ، فقہ، قرأۃ، اور فرائض میں یکساں دخل رکھتے تھے، قرآن شریف خوش الحانی سے پڑھتے اور اسکی تلاوت نہایت عمدگی سے کیا کرتے تھے، لوگوں کے دلوں میں ان کا وقار تھا، مزاج میں ذرا نخوت تھی، کمتر درجہ کے فقہا اور عاقدین شروط کو حقیر و ذلیل نگاہوں سے دیکھتے تھے، یہاں تک کہ مخاطبت میں بھی لوگوں کی کنیتوں کو حذف کر دیتے تھے، اور جو سلوک وہ نوعمر لوگوں کے ساتھ پسند کرتے وہی سن رسیدہ لوگوں کے لئے بھی روا رکھتے تھے، اور اسکو وہ برا نہیں جانتے، حتیٰ کہ فصل مقدمات کے اجلاسوں میں بھی وہ اپنی تیز ترو نادر روزگار زبان کی باگ ڈھیلی کر دیتے تھے۔ آخر کار بعض لوگ ذاتی اغراض کی بناء پر انھیں مطعون کرنے لگے

منصب قضا وہ اپنی ذاتی قوت اور عالی فضائل کی بناء پر رندۃ، مالقہ، اور دیگر مشہور

---

[۱] کتاب میں بجائے ابن غریب کے (فرکون) لکھا ہوا ہے، شاید طباعت میں نام غلط چھپ گیا ہے ۱۲

مقامات میں منصب قضا پر فائز ہوئے، اور آخر میں وہ جاہ و جلال اور حرمت و احترام کے زیر سایہ قاضی جماعت بنا دیئے گئے۔

ابن مسغور کی شاگردی استاد صالح ابو عبداللہ ابن مسغور کا ایک انگور کا باغ دارالحکومت (غرناطہ) کے باہر چند میل کے فاصلے پر تھا، اس باغ میں ابن فرکون ابن مسغور سے پڑھا کرتے تھے، اسوقت ان کا عالم شباب تھا، وہ اپنا اس زمانے کا ایک واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں:۔ کہ "عصیر (شیرۂ انگور) کی فصل تھی، استاد نے مجھے رُب کی ایک مقدار دی، کہ شہر سے بیچکر لا دوں، میں رُب لے کر چلا، راستہ میں خوب بارش ہوئی جس سے میں نہایت خستہ و پریشاں ہوگیا، جب کام پورا کرکے واپس آیا، تو استاد کے بڑے بھائی نے چھوٹے بھائی کو سخت ملامت کی اور کہا "تم ایک کمزور بچہ سے کام لیتے ہو اور ذاتی مصالح کی خاطر اسکو مشکل کاموں میں الجھائے رکھتے ہو، حالانکہ وہ تمہارے پاس تعلیم حاصل کرنے کو آتا ہے، یہ علماء اور صالحین کی شان کے خلاف ہے،، استاد نے بڑے بھائی سے کہا آپ اس لڑکے کو اپنے حال پر چھوڑ دیجئے وہ یقیناً ایک دن غرناطہ کا قاضی جماعت ہو کر رہے گا، بعد کو جب مجھے یہ پیشین گوئی یاد آئی تو استاد کی فراست کی تصدیق ہوگئی، خدا کی ان پر رحمت نازل ہو،،۔

اساتذہ جن اساتذہ اور شیوخ سے انھوں نے تعلیم پائی تھی ان کے نام یہ ہیں۔ استاذ ابوالقاسم بن اصفر، قاضی ابوالحسین محمد بن یحییٰ بن ربیع اشعری، شیخ مفتی ابوبکر محمد بن ابراہیم بن مفرح اوسی بن دباغ اشبیلی، خطیب ابوالحسن علال، استاد نحوی ابوالحسن علی بن محمد بن علی بن یوسف ابن صائغ معروف ابن مسغور، اول الذکر کے علاوہ باقی اساتذہ سے غرناطہ میں تعلیم پائی۔

جب حکومت میں انقلاب پیدا ہوا تو معزول بادشاہ کی اتباع میں وفاداری اور جبلی کے طور پر ان سے کچھ ایسے واقعات رونما ہوئے کہ جب حکومت سلطان ابوالولید کے ہاتھ میں چلی آئی تو وہی واقعات ان کے زوال اور گمنامی کا باعث ہوئے، حاسدین نے دام تزویر پھیلا کر چند نقائص کا ان پر الزام لگایا، جسکی وجہ سے وہ عہدۂ قضاء سے برطرف کر دئے گئے، مدت تک خانہ برباد، تارک وطن، اور ہر قسم کے چارۂ کار سے محروم ہو کر اپنی املاک میں جو پایۂ تخت سے باہر تھیں، گوشہ گیر ہو گئے، سر و سامان میں کچھ بے قیمت اثاثہ اور

معمولی کتابیں تھیں جنکی طرف وہ متوجہ رہا کرتے، ان سے اپنی طبیعت بہلاتے اور اس طرح اوقات گذاری کرتے تھے،

وزیر ابوبکر بن الحکم نے ایک دفعہ مجھ سے بیان کیا کہ میں نے ان کی معزولی کے بعد ان کے گھر پر جا کر ملاقات کی اور ایک امران کی طرف منسوب کیا جو ان کے لئے بالکل ناسزاوار تھا تو انھوں نے مجھے یہ چند اشعار سنائے جو ان کے دلی قلق اور آزردہ خاطری کی خبر دیتے تھے۔

انا عن الحکم تائب	میں فصل قضایا سے تائب ہو چکا ہوں
وعن دعاوی یہ هارب	اور اسکے دعاوی سے بھی گریزاں ہوں
بعد التفقہ عمری	اپنی عمر تفقہ میں صرف کرنے
ونیل اسنی المراتب	اور اعلیٰ عہدوں پر فائز ہونے کے بعد
وبعد ماکنت ارقی	اور اس کے بعد کہ میں منبروں پر
علی المنابر خاطب	خطبہ دیا کرتا تھا
اصبحت ارمی بعار	اب تیر ملامت کا نشانہ بنایا جاتا ہوں
للحال غیر مناسب	صرف اس لئے کہ میری حالت ناسزاوار ہو گئی ہے۔
اشکو الی اللہ امری	میں اپنی شکایت اللہ سے کرتا ہوں
فھو المثیب المعاقب	ثواب اور عذاب اسی کے ہاتھ میں ہے

میں نے "التاج" میں جو میری ایک تاریخ کی کتاب ہے ان کا تذکرہ کیا ہے جو بعینہ حسب ذیل ہے:-

"ابن فرکون جماعت کے شیخ اور قاضی تھے، احکام کے نافذ اور منسوخ کرنے کا انھیں پورا اختیار حاصل تھا، جماعت کی تیز تر تلواریں ان کے ادنےٰ اشارے سے نیام سے نکل پڑتی تھیں، اور پھر انھیں کے حکم سے وہ نیام میں واپس جا سکتی تھیں، ذاتی فضیلت کی بنا پر انھوں نے سیادت و سرداری حاصل کی، ایوان قضاء کے نقش و نگار جو مٹ چکے تھے ان کو از سر نو درس و تدریس کے ذریعہ قائم کیا، اجتہاد کی زمین میں بیداری کے تخم ڈالے اور اپنے لگائے ہوئے پودوں کے پھل بھی انھوں نے توڑے، انھوں نے اس قدر وقار حاصل کیا کہ وہ وقار کی گرانباری بھی محبوب ہو گئی، اور فخر کے ایسے مرتبہ پر فائز ہوئے

کہ فخر کی زمین قابل رشک زمینوں کے لئے بھی محسود ہو گئی، ہر نادر شے بلا توقف ان کی دعوت پر لبیک کہتی تھی، وہ عصائے نادر زمین پر ڈالدیتے تھے اور وہ اژدہا بن جاتا تھا، وہ ہمیشہ اپنے ارادے بلند تر رکھتے اور مشکلات کا مقابلہ پوری طاقت سے کرتے تھے، آخر کار وہ بلند رتبہ پر فائز کیے گئے، اور جو شایان شان حالت ہو سکتی تھی وہ انھیں حاصل ہوئی، ادب کے تمام شعبوں میں انھیں یکساں دخل تھا، اور شاعری میں انھیں وافر حصہ ملا تھا،،

یہ مضمون اس قول پر آکر ختم ہوتا ہے کہ سلطان ابو عبداللہ بن نصر کو جب مایۂ دراز کے بعد مرض سے شفا حاصل ہوئی، تو انھوں نے تہنیت میں یہ اشعار پیش کئے۔

شفاءك للملك اعمّ انهو تائيد	اے ممدوح تیری شفا سے ملک کو عزت اور قوت حاصل ہوئی
وبرءك مولانا به عيد ناعيد	اور تیری صحت سے ہم نے عید منائی
مرضت فلم تاوالنفوس لى احة	جب تو بیمار تھا تو لوگوں کو آرام نصیب نہ ہوا
ولاكان للدنيا قس ار وتمهيد	اور دنیا بھی تیرے لئے بیقرار و بے چین تھی
لے	....

ولازمها طول اعتقالك تسهيد

علم و فضل کے جس طبقہ اور مرتبہ میں ان کا شمار ہے اس نقطہ نظر سے ان کے تمام اشعار بلحاظ حسن و خوبی کے ایک قسم کے نہ تھے اس لئے میں نے یہ چند شعر منتخب کئے۔

سنہ ولادت و سنہ وفات

۶۴۹ھ میں وہ پیدا ہوئے، اور ۲۶ ذیقعدہ ۷۲۶ھ میں وفات پائی۔ کتاب عائد الصلة میں میں نے انھیں صرف قاضی لکھا ہے مگر کتاب التاج المحلی میں ان کا تذکرہ قاضی اور ادیب کے اوصاف کیسا تھ کیا ہے، اور ابو بکر بن الحکیم نے بھی اپنی کتاب الفوائد المستغربہ والوراد المستعذبہ میں ان کا ذکر کیا ہے

لے کتاب میں اس مصرعہ کی جگہ بیاض ہے ۱۲

احمد بن محمد بن احمد بن محمد بن عبداللہ بن یحییٰ
ابن عبدالرحمن بن یوسف بن سعید بن جزی الکلبی

نام و نسب احمد نام، اور ابن جزی کے عرف سے مشہور ہیں، غرناطہ آپکا وطن ہے، آپ کی اولیت و اصالت معروف و مشہور ہے جسکا تذکرہ آپ کے اسلاف کے بیاں میں گذر چکا ہے، اور آیندہ بھی بحوال اللہ مذکور ہوگا۔

علم و اخلاق آپ صاحب فضل، باہمت، مکروہات سے پاک، نیک روش، جادۂ مستقیم پر قائم، اور سرتاپا وقار ہیں، البتہ طبیعت میں ذرا انقباض ہے، آپ نے اسلاف کے مراتب حاصل کئے، مختلف فنون مثلاً فقہ، ادب، شاعری، عربیت، اور حفظ قرآن میں یکساں اور اچھا دخل رکھتے ہیں اور بعض فن میں آپکی برتری اور عمدگی حد کمال کو پہونچ گئی ہے۔

اساتذہ آپ نے تعلیم اپنے والد خطیب ابوالقاسم سے پائی، اور پدر بزرگوار کیساتھ برابر وابستہ رہے اور اپنے والد کے بعض خاص موضوع کو نمایاں طور سے حاصل کیا، ادب کی تعلیم بھی انھیں سے حاصل کی، اور پدر بزرگوار کے بعض معاصرین سے بھی شرف تلمذ حاصل کیا اور ان سے روایتیں کیں، باپ نے اکثر اساتذہ کو نواح غرناطہ اور دیگر مقامات سے طلب کر کے بیٹے کو تعلیم دلائی۔

حالات جب ابن جزی ملوک نصر کے مغتنم حکمراں ابوالحجاج بن نصر کے شاہی کاتب مقرر کئے گئے تو ان کی فطرت کے چقماق سے شرارے نکلنے لگے، اور طبع رواں سے انکار ہویدا ہوئے۔ بادشاہ کی مدح میں بکثرت قصیدے لکھے، بعد کو وہ شرعی صیغہ میں منتقل ہو گئے، اور برجہ پھر اندرش کے قاضی بنائے گئے، اور آج کل وہ شہر وادی آش کے قاضی ہیں، اور پاک سیرت، پاک خصلت کے اوصاف کیساتھ مشہور ہیں، درحقیقت انھیں اوصاف نے آپ کو سربلند کر کے سلف کے رتبے پر پہونچایا۔

کتاب "التاج"، میں آپ کا تذکرہ اسطرح مذکور ہے۔

"ابن جزی نہایت فاضل، اور وقار و تمکنت کے زیور سے آراستہ ہیں، سکون و طمانیت، اور نیکی کی طرف طبعی میلان یہ آپ کے وہ اوصاف ہیں جن سے آپ کے اسلاف متصف نہ تھے، ہوش سنبھالتے ہی آپ نے اپنی روش اور رجال وطن کو محفوظ رکھنے کی کوشش کی، علم کی خدمت میں ہمیشہ منہمک رہے اور کبھی اس سے کنارہ کش نہ ہوئے، مرحوم باپ کی میراث میں آپ نے گویا ایک سرسبز و شاداب چراگاہ پائی ہے جس سے برابر سیری حاصل کرتے رہتے ہیں، سلامت روی اور حسن مسلک میں آپ نے ہو بہو اپنے اسلاف کی پیروی کی اور انھیں مآثر و محامد سے اپنے آپ کو آراستہ کیا، عالم شباب ہی میں اس قدر صلاحیت پیدا کرلی تھی کہ وہ بڑے رتبے پر سرفراز کئے گئے، ان اوصاف کے علاوہ وہ دریائے فقہ کے بھی شناور ہیں، آپ نے اپنے والد کی بعض کتابوں کی شرح بھی لکھی ہے، علم ادب کے آپ گوہر تاباں ہیں اور آپ کے کلام میں بندش نہایت چست ہوتی ہے، مثلاً آپ نے جو نظم مجھے لکھ بھیجی تھی اسکا ایک شعر یہ ہے جسکا جواب میں نے بھی اسی نظم کے اسلوب پر دیا تھا۔ شعر

فدیناك یا سیدی مسلما	اے سردار جس طرح تجھ پر زمانہ فدا ہے
فدالك الزمان الذی زنته	اسی طرح میں بھی تجھ پر فدا ہوں۔

قطعۂ دیگر بطرز توریہ

کم بکائی لبعدکم و انینی	تمہاری دوری سے میرے گریہ و بکا کا سلسلہ جاری ہے
من ظهیر علی الاسی من معینی	اس غم پر بھلا کون میرا مددگار ہو سکتا ہے۔
جرح الخد دمع عینی ولكن	اور گریہ سے اشک چشم نے رخسار کو زخمی کر دیا ہے۔
عجب ان یجرح ابن معینی	گو تعجب ہے کہ آنسوؤں سے زخم لگے،

دیگر

اری الناس یولون الغنی کرامة	لوگ غنی کو اسکی سخاوت سے اپنا والی بناتے ہیں
وان لم یکن اهلا لرفعة مقدار	اگرچہ وہ بڑے رتبہ کا اہل نہیں ہوتا ہے
ویلوون عن وجه الفقیر وجوههم	اور گدا سے اپنا منہ موڑتے ہیں
وان كان اهلا ان یلقی باكبار	گو وہ تعظیم و تکریم کا مستحق ہوتا ہے
بنوا الدهر جاءتهم احادیث جمة	ابن الوقت بہت سی باتیں سنتے ہیں۔

فما صحّحوا الاحادیث ابن دینار۔ مگر وہ تصدیق سخن ارباب زر کی کرتے ہیں۔

قصیدۃ مشہورۃ بطرز سقطسی

اقول لعزمی او لصالح اعمالی — میں اپنے عزم اور اعمال صالح سے کہتا ہوں۔

الا عم صباحا ایها الطلل البالی — کہ اے آثار کہنہ تمہاری صبح بخیر گذارے خبردار رہو۔

اما واعظی شیب سما فوق لمتی — کہ پیری مجھے درس نہیں دیرہی ہو اور وہ سر کے بالوں میں اسطرح نمایاں ہے

سمو حباب الماء حالا علی حال — جس طرح پانی میں بلبلے پے در پے نمایاں ہوتے ہیں

انار به لیل الشباب کانہ — ان سفید بالوں سے شباب کی رات روشن ہوگئی ہے۔

مصابیح رهبان تشب لقفال — گویا وہ راہبوں کا چراغ ہے جو قافلہ والوں کیلئے روشن کیا گیا ہے۔

نهانی عن غیی و قال منبّها — پیری نے کجروی سے مجھے روکا اور متنبہ کر کے کہا

الست تری السمار والناس احوالی — کیا میرے گرد داستان گو اور لوگوں کو تو نہیں دیکھتا۔

یقولون غیّر ولتنعم برهة — لوگ کہتے ہیں کہ علامت پیری کو بدل دو تو کچھ دیر تک راحت پاؤ گے

وهل یعمن من کان فی العصر الخالی — کیا اس عمل سے گذشتہ زمانہ میں لوگوں نے راحت پائی ہے؟

اغالط دهری وهو یعلم انّنی — میں ایسا کردوں تو زمانے کو دھوکا دونگا کیونکہ وہ جانتا ہے

کبرت وان لا یحسن اللهو امثالی — کہ میں بوڑھا ہو چکا ہوں اور لہو ولعب مجھ جیسے لوگوں کو ناسزاوار ہے۔

ومونس نار الشیب یقبح لهوه — جو شخص پیری سے مانوس ہے اسے کسی دوسرے سے انس حاصل کرنا

بآنسة کانها خط تمثال — قبیح ہے گو وہ خوبصورت ہی کیوں نہ ہو

اشیخا وتاتی فعل من کان عمره — اے پیر مرد تو اپنی ہر سہ گانہ حالت میں

ثلاثین شهرا فی ثلاثة احوال — ڈھائی سال کے بچوں کی سی حرکتیں کرتا ہے

وتشغفك الدنیا وما ان شغفتها — گو تجھپر دنیا فریفتہ ہو لیکن اسپر تیری فریفتگی سے

کما شغف المهنوّة الرجل الطالی — تو مرد حسین نہ بن سکیگا

الا انما الدنیا اذا ما اعتبرتها — ہاں دنیا کی تعبیر یہی کی جاسکتی ہے

دیار لسلمی عافیات بذی خال — کہ معشوقہ سلمیٰ کے دیار ہیں جو مٹ رہے ہیں

فاین الذین استاثروا قبلنا بها — چنانچہ جو لوگ دنیا میں ہم سے پہلے خود مختار تھے

لناموا فما ان من حدیث ولا صالی — وہ موت کی نیند سو رہے ہیں اب ان کا نہ ذکر ہے اور نہ کوئی خبر لینے والا ہے

ذهلت بها غیا فکیف الخلاص من — دنیا کی گمراہی میں اسقدر مبتلا ہوں کہ اس سے نجات پانی مشکل ہے۔

لعوب تنسيني اذا قمت سربالي	یہاں تک کہ اسکے لہو ولعب نے اپنی ستر پوشی کو بھی یاد نہیں رکھا۔
وقد علمت مني مواعد توبتي	میرے وعدۂ توبہ کو متواتر معلوم ہو چکا ہے۔
بان الفتى يهذي وليس بفعال	کہ یہ شخص بکتا ہے اور کرتا کچھ بھی نہیں
ومذ وثقت نفسي بحب محمد	ہاں جب سے محمد اصلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ملیں جاگزیں ہوئی ہے
هصرت بغصن ذي شماريخ ميال	اسوقت سے میں ایک ثمردار اور نرم شاخ کو جھکا رہا ہوں
واصبح شيطان الغواية خاسئا	اور شیطان نابکار بھی نامراد ہو کر رہ گیا ہے۔
عليه القتام سيء الظن والبال	اسپر خاک ہو، وہ خیال اور دل کو خراب کرتا ہے۔
الا ليت شعري هل تقول عزائمي	اے کاش میرے عزائم اسپ تیزگام سے یہ کہتے
لخيلي كري كرة بعد اجفال	کہ چل اور شتاب چل
فانزل دارا للرسل نن يلها	تاکہ رسول کریم کے گھر جا کر فروکش ہوں کیونکہ آپ کے مہمان
قليل همومها يبيت باوجال	بےغم اور بے خوف شب باش ہوتے ہیں
فطوبى لنفس جاورت خير مرسل	بشارت ہو اسکو جو جوار رسول اکرم میں ہو
بيثرب ادنى دارها نظر عالي	کیونکہ یثرب کا ادنے گھر بھی بڑے رتبے کا ہے
ومن ذكره عند القبول تعطرت	آپکی وہ اقدس ذات ہے کہ بوقت مقبولیت آپ کے تذکرے سے
صبا وشمال في منازل قفال	بادصبا وشمال بھی رہروؤں کی منزلوں میں معطر ہو جاتی ہے
جوار رسول الله مجد مؤثل	اللہ کے رسول کا جوار پائدار بزرگی سے معمور ہے۔
وقد يدرك المجد المؤثل امثالي	اور مجھ جیسے لوگوں کو یہ بزرگی کمتر حاصل ہوتی ہے
ومن ذا الذي يثني عنان السري وقد	کون ہے جو نفس و شرف کی باگ (جانب شب) موڑ دے
كفاني ولم اطلب قليل من المال	بیشک مجھے تھوڑا مال کافی ہے، اور زیادہ کی طلب نہیں،
الم تر ان الظبية استشفعت به	آپ کا یہ معجزہ تھا کہ ایک ہرنی آہستہ آہستہ آپ کے پاس آئی
تميل عليه هونة غير مجفال	اور سفارش کی طلبگار ہوئی
وقال لها عودي فقالت له نعم	آپ نے کہا جا پھر واپس آنا ہرنی نے کہا میں آؤنگی
ولو قطعوا راسي لديك واوصالي	اگرچہ لوگ آپ کے سامنے میرے سر اور اعضاء کو کاٹ بھی لیں
فعادت اليه والهوى قائد لها	چنانچہ وہ دوبارہ آئی حالانکہ محبت اس سے کہہ رہی تھی
وكان عداء الوحش مني على بال	کہ وحشی جانوروں کی دشمنی دل میں پوشیدہ ہے

وثور ذبیح بالرسالۃ شاھد آپکی رسالت کی شہادت ایک مذبوح ثور نے دی

طویل القرا والروق اخنس ذیال جس کے سینگ، پشت، دم دراز تھا اور ناک اٹھی ہوئی تھی

وحن الیہ الجذع حنۃ عاطش آپ کے لئے استن حنانہ اسطرح رویا

لغیث من الوسمی رائد خال جسطرح کوئی پیاسا بے آب موسمی بادلوں کو دیکھکر روتا ہے

واصلین من نخل قد التأما لہ آپ کی خاطر کھجور کے دو درخت باہم مل گئے

فما احتبسا من لین مس وتسہال اور زمین میں سہولت و نرمی ہوگئی جس سے وہ نہ رکے

وقبضۃ ترب منہ جالت لہا الظبا آپ کی ایک مشت خاک سے ہرن اور غول بیابانی کی طرح

ومسنونۃ زرق کانیاب اغوال نیلگوں دانت رکھنے والے جانور رام ہو گئے

واضحی ابن جحش بالعسیب مقاتلا ابن جحش نے کھجور کی شاخ سے دشمن کا مقابلہ کیا

ولیس بذی رمح ولیس بنبال اور اس کے پاس نہ تیر تھا اور نہ نیزہ

وحلت من سوط الطفیل اضاءۃ طفیل بن عمرو کے کوڑے میں روشنی پیدا ہو گئی

کمصباح زیت فی قنادیل ذبال جسطرح چراغ میں روشنی ہوتی ہے

وبدت بہ العجفاء کل مطہم آپ کی برکت سے ایک لاغر و نحیف بکری

لمحجات مشرفات علی الفال بڑے بڑے مضبوط گھوڑوں کے مقابلے میں طاقتور ہو گئی

ویاخسف ارض تحت باغیہ اذ علا جب آپ کے ایک دشمن نے ایک تیز رو گھوڑے پر سوار ہو کر

علی ھیکل نہد الجزارۃ جوال آپ کی طرف رخ کیا تو وہ زمین میں دھنس گیا

وقد اخمدت نار لفارس طالما آتشکدۂ فارس آپ کے معجزے سے ٹھنڈا ہو گیا

اصابت غضی جزلا وکفت باجذال جسمیں زمانہ تک جھاؤ اور دوسرے درختوں کے تنے کاٹکر ڈالے گئے تھے

ابان سبیل الرشد اذ سبل الہدی آپ نے راہ ہدایت کو اس قدر روشن کر دیا کہ وہ

یقلن لاھل الحلم ضلا بتضلال حلیم لوگوں سے کہنے لگی کہ گمراہی کے عوض اسے قبول کرو

لاحمد خیر العالمین انتقیتہا میں نے اس راہ کو آپ کے سبب سے اختیار کیا ہے

وردت فذلت صعبۃ ای اذلال اور سر اٹھا چلا کر اسکی دشوار منزل آسان ہو گئی ہے

وان رجائی ان الاقیہ غدا مجھے امید ہے کہ بروز محشر آپ کے دیدار سے مشرف ہونگا۔

ولست بعقل الخلال ولا قالی اور میں اس امید میں خلل خیال نہیں پکار رہا ہوں

فادرک آمالی وما کل آمل پھر آپ سے میری امیدیں بر آئیں گی اگرچہ ہر امیدوار

بمدرک اطراف الخطوب ولا والی اہم امور میں کامیاب نہیں ہوتا ہے

اس نظم کی خوبی، بندش کی چستی، اور کلام کا زور ارباب بصیرت سے مخفی نہیں ہے۔

آپ کے والد کی ایک کتاب "القوانین الفقہیہ" کے نام سے فقہ میں تھی آپ نے اسپر حاشیہ لکھا، بحر رجز میں ایک کتاب لکھی جو علم فرائض میں ہے، اور جس میں ہر مسئلہ کا عمل بھی تحریر کیا ہے، الغرض لوگوں پر آپ کے احسانات بہت ہیں۔

عہدۂ قضا غرناطہ کا منصب قضا آپ کو عطا کیا گیا، اور ۷۶۰ھ میں شاہی مسجد کی خدمت خطابت سے بھی سرفراز کیے گئے، کچھ دنوں کے بعد اس خدمت سے سبکدوش ہو گئے، مگر ۷۶۳ھ میں دوبارہ آپ کو یہ خدمت تفویض کی گئی، آپ عفیف اور پابند وضع مشہور ہیں۔

ولادت ۱۵ر جمادی الاولیٰ ۷۱۵ھ میں آپ پیدا ہوئے، اور اسوقت تک بقید حیات ہیں۔

احمد بن محمد بن احمد بن عبدالرحمن بن علی بن محمد بن سعدہ ابن سعید بن سعدۃ بن ربیعۃ بن صخر بن سرائیل بن عامر ابن الفضل بن ہلال بن بکار بن البدر بن سعید بن عبداللہ العامری

نام ونسب احمد نام، ابوجعفر کنیت ہے، غرناطہ کے رہنے والے تھے، عامر جو اس خاندان کا مورث اعلیٰ ہے اسکا نسب نامہ یہ ہے:-
عامر بن صعصعۃ بن ہوازن بن منصور بن عکرمہ بن حفصہ بن قیس بن غیلان بن مضر بن نزار ابن معد بن عدنان۔

مناقب خاندانی اُم المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا زوجہ مطہرہ حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم، اکمرہ بن عامر صحابی، عاصم بن عبداللہ الجعلی، اور یزید بن الحمیر اس خاندان کے بمنزلہ اجداد کے ہیں، اس خانوادہ کا پہلا شخص جو اندلس میں آیا وہ بکر بن بکار[1] ابن البدر بن سعید بن عبداللہ ہے، جس نے قریۂ طغنس میں جو ولایت البیرہ کی اقلیم براجلہ میں ہے سکونت اختیار کی تھی، ابن صیرانی نے تاریخ صغیر میں لکھا ہے کہ سعدہ کا خاندان نہایت محترم اور قابل ستائش سمجھا جاتا ہے، یہ لوگ عامری کہے جاتے ہیں، اس خاندان میں بڑے بڑے اعیان دولت، شہسوار، حاجب، کاتب، اور وزراء پیدا ہوئے، اس کے مفاخر، اور اولیات مشہور ہیں، اور اس کی ابتدا وانتہا کارناموں سے پر ہے، باوجود قدیم خاندان ہونے کے اسمیں اب بھی بعض جلیل القدر اور سربراوردہ ہستیاں موجود ہیں، وشیع بن جراح نقیہ اسی کے ایک رکن ہیں، اس خاندان کی خصوصیت یہ ہے کہ کسی شخص نے اپنا ہاتھ فتنوں میں کبھی نہیں ڈالا، اور باوجود قدرت کے کسی مسلمان یا ذمی کو کبھی ایذا نہیں پہنچائی، اور یہ ایسا فخر ہے جو ہمیشہ باقی رہیگا۔

سنہ ۹۴ھ میں بنو مروان کے معاہدہ کی رو سے اس خاندان کا جداعلیٰ اندلس میں آیا آیندہ اس خاندان کے اکابر کا تذکرہ آئے گا جس سے اسکی شرافت اصالت، اور جلالت کا اندازہ ہوگا۔

[1] عماما میں یہ نام بکر بن بکار ہے ۱۲

ذاتی حالات ابو جعفر احمد بلند پایہ فقیہ، اور جماعت علمار کے صدر جلیل تھے، آپکو بحث کی عادت تھی، نظر صائب رکھتے تھے، مسائل میں عبور حاصل تھا، اکثر فنون میں یکساں دخل تھا، فصیح اور قادر الکلام تھے، اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلتے تھے، اور عربیت میں پورا ملکہ تھا۔

کتاب سیبویہ سمجھ کر پوری ختم کی، فقہ پڑھی، کتاب التلقین کو از بر کیا، الاحکام الجیدۃ کو پڑھکر ایک ہی مجلس میں اسکو بیان کر دیا، اصول فقہ پڑھی، المستصفی کی نہایت عمدہ شرح لکھی، اور الارشاد والنہایۃ پڑھی، فرائض اور حساب میں صدر تسلیم کئے جاتے تھے، آپ نے اپنی قوم اور اہل قرابت کی ایک تاریخ بھی لکھی ہے۔

عہدہ قضا اندلس کے مختلف مقامات میں آپ قضا کے عہدہ پر مامور رہے، اور بہت زیادہ نیکنامی حاصل کی، ان مقامات میں پانچ سال تک مامور رہنے کے بعد تین سال تک لوشہ میں اس خدمت کو انجام دیا، بعد ازاں بسطہ اور برشانہ میں مامور ہوئے، اور پھر مالقہ میں متعین ہوکر پانچ سال تک اپنے فریضہ کو انجام دیا۔

میں نے آپکی ہر جگہ کی اقامت کی مقدار اس لئے بیان کی ہے تاکہ ان جگہوں میں طول المدت اقامت سے آپ کی راست روی کا اندازہ ہو۔

اندلس کے امیر المسلین کے نزدیک آپکی اتنی قدر و منزلت تھی کہ دوسرے لوگ اس سے محروم تھے، آپ نے یہ رتبہ تملق و خوشامد اور سحر انداز لطف و مدارات سے حاصل کیا تھا اور اس کے اسباب و وسائل کو نہایت پائدار اور استوار کر لیا تھا۔

بعض اساتذہ نے مجھ سے ایک واقعہ بیان کیا جسکا راوی سلطان کے حالات سے زیادہ باخبر تھا، راوی کہتا ہے کہ ایک روز ابن مسعود نے مالقہ سے اپنے بیٹے کو ایک خط دیکر بھیجا جس میں ضروری اغراض مندرج تھیں اور یہ بھی گذارش تھی کہ بندہ زادہ کو بالمشافہ گفتگو کرنے کی عزت عطا فرمائی جاوے تاکہ وہ نیابتاً میری طرف سے کچھ عرض معروض کر سکے جس وقت صاحبزادے پیشگاہ سلطانی میں حاضر ہوئے تو پائے سلطانی کو بوسے دیئے اور عرض کی کہ باباجان نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں مخصوص ان کی طرف سے نیابتاً ان مبارک اور مجاہد پاؤں پر جبہہ سائی کروں۔

اس قسم کی باتوں سے اولاً آپ کا مقصد یہ تھا کہ معلوم نہیں آیندہ کیا کیا واقعات

پیش آئیں اس لئے جسقدر جلد ممکن ہو نفع عاجل حاصل کیا جائے، ثانیاً آپ کو مالقہ میں جو ترقی دی گئی تھی اور اس کے متعلق دار الاعلام، اور دیوان العقد میں جو پر زور کارروائی ہوئی تھی وہ آیندہ باقی رکھی جائے، یہ صاحبزادے جو پیام لے کر آئے تھے نوجوان اور سن بلوغ کو تقریباً پہونچ چکے تھے مگر اب تک علم سے بالکل عاری تھے، بالآخر وہ اپنے مقاصد میں اس وقت تک کامیاب رہے جب تک زمانے نے کروٹ نہ لی، اور حالت دگرگوں نہ ہوئی۔

اساتذہ

جن مشائخ سے آپ نے تعلیم حاصل کی ان کے نام یہ ہیں:۔ اول ابو الحسن بن عامر بن ربیع قاضی جماعت، دوم قاضی ابو عامر یحییٰ بن عبدالرحمن سوم ابو یحییٰ بن عبدالمومن مخزومی چہارم ابو الولید عطار عدل الروایۃ، پنجم ابو اسحٰق بن ابراہیم بن منزح خشنی ششم استاذ ابو الحسن کتانی ہفتم محمد بن ابراہیم ادیب وباغ ہشتم ابو جعفر احمد بن علی ربعینی، نہم ابو علی بن ابی الاوس۔

ایک گروہ نے آپ پر یہ الزام لگایا ہے کہ جب آپ کا انتقال ہوا تو آپ کے ذخیرے سے ایک نوشتہ برآمد ہوا جس میں باشندگان غرناطہ کے آئے دن کے عیوب اور لغزشوں کا ذکر تھا جن سے ان لوگوں کی عصمت دری ہوئی تھی، لوگوں کے خیال میں وہ نوشتہ آپ کے فرزند ابو الفضل کے پاس تھا پھر بعد کو اس کا کوئی سراغ نہیں ملا، خداوند تعالےٰ اپنی رحمت سے ہماری پردہ پوشی فرمائے۔

وفات

یکشنبہ ۲۰ ذی الحجہ ۶۹۹ھ میں بوقت مغرب مالقہ میں آپ کی وفات ہوئی اور اسی شہر میں باب فسالتہ سے باہر رابعہ بنو عمار کے قریب بنو یحییٰ کے روضہ میں آپ کی نعش پیوند خاک کی گئی۔

میں نے واقعۂ وفات آپ کے فرزند ابو الفضل کے ایک خط سے نقل کیا ہے۔

احمد بن محمد بن احمد بن قعنب ازدی

نام و نسب احمد نام، ابو جعفر کنیت اور ابن قعنب کے عرف سے مشہور تھے۔
استاد ابن زبیر نے صلۃ میں نیز دیگر مورخین نے بیان کیا ہے
کہ غرناطہ میں ایک قوم قعنبی کے نام سے مشہور تھی، اگر ابن قعنب اسی قوم سے تعلق رکھتے ہوں
جب بھی ان کے نسب میں کوئی ہرج نہیں ہے۔

حالات ابن قعنب بلحاظ مسائل کی واقفیت اور احکام میں تبحر رکھنے کے کاتبین
شروط کے شیوخ میں شمار کئے جاتے تھے، وثیقہ نویسی میں آپ کا کوئی
ثانی نہ تھا، اپنے زمانے کے زیرک تر انسان تھے، اور ملک کے مشائخ پر نکتہ چینیاں کرنے
میں بے باک تھے، اکثر ضعیف العقل اور احمقوں کی جماعت میں پہونچتے تو عجیب و غریب لطیفے
گھڑ کر بیان کرتے تھے کہ ہنسی سے لوگوں کے پیٹ میں بل پڑ جاتے تھے مگر آپ کے ہونٹوں پر ذرا
بھی تبسم نہیں آتا تھا، اور نہ جسم میں کسی قسم کی جنبش ہوتی تھی، بنو مسعود کے اجلاسوں میں جسقدر فیصلے
صادر ہوتے تھے ان کو استہزاء اور خوردہ گیری کرکے بدنام کرتے اور ان کے فیصلوں میں
فاش غلطیاں نکالتے تھے، عیب جوئی میں ابن قعنب کو اپنی ذلت کی بھی پرواہ نہیں ہوتی تھی،
اور اپنی زبان کو کبھی نہیں روکتے تھے، بسا اوقات جب آپ کو پاسبان قضاۃ کی خفگی
کے ڈر سے بر سر اجلاس جانے سے روکتے تھے تو سختی سے انھیں جھڑک کر کہتے کہ قاضی صاحب
کو میرے پاس بلا لاؤ دیکھوں وہ کیا کر لیتے ہیں، ابن قعنب کی بہت سی اس قسم کی
باتیں مشہور ہیں۔

ظرافت ابو القاسم بن شیخ الرئیس شیخ ابو الحسن بن الحباب جو ابن قعنب کے ملازم
خاص تھے بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ابن قعنب کے فرزند نے اپنے
استاذ شیخ ابو عبد اللہ ساحلی صاحب الاتباع والطریقۃ کی ملاقات کے لئے مالقہ جانے کی
تیاری کی، ابو عبد اللہ شیعہ تھے، اور اپنے مذہب میں حد سے زیادہ غلو رکھتے تھے، ابن قعنب
کے صاحبزادے نے چھوٹے بھائی کو بھی ساتھ لیا، ابو القاسم نے اس کے متعلق سوال
کیا تو کہا ہاں میرے بھائی کو بھی لیتے چلو، ابو القاسم نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ ابتک اس بچہ
کے پانی میں غوطے دیے جانے کی رسم انجام نہیں پائی ہے، یہ سنکر ابن قعنب نے بچہ کو اٹھالیا

اور اسکو پانی میں غوطے دئیے، تمام حاضرین یہ دیکھکر ہنس پڑے، لیکن خود ابن قعنب کو ذرا بھی ہنسی نہ آئی:۔

شیخ ابوالقاسم نے مجھ سے آپ کا ایک اور واقعہ بیان کیا کہ ایک عورت ایک ذخیرہ دار شخص سے کسی بات میں جھگڑتی ہوئی آپ کے پاس آئی جو اسکو کسی شہر سے آتے ہوئے راستہ میں مل گیا تھا، اس شخص کے ہاتھ میں ایک مالا بھی تھا، اس کے ایک پڑوسی نے گواہی میں بیان کیا کہ "یہ شخص اس عورت کے ساتھ فلاں مقام سے فلاں مقام تک آیا ہے" الفاظ یہ تھے "اِنَّہٗ جَا مَعَہَا مِنْ مَوْضِعِ کَذَا اِلٰی کَذَا"، مگر جاہَ کے ہمزہ کو تلفظ نہیں کیا (جس سے معنے یہ ہو گئے کہ اس مرد نے اس عورت کے ساتھ مجامعت کی ہے) آپ نے اس عورت سے پوچھا کیا اس شخص نے تیرے ساتھ راستہ میں مجامعت کی ہے؟ وہ عورت کان پکڑنے لگی، اور اس سوال سے بے حد کبیدہ ہوئی، آپ نے گواہ کیطرف اشارہ کرکے کہا کہ اسی فقیہ نے اسکی گواہی دی ہے، الغرض آپ کے اس قسم کے واقعات بہت ہیں۔

عہدۂ قضا — آپ لوشہ، بسطہ، السند، برجہ، ارجبہ اور دیگر مقامات میں عہدۂ قضا پر مامور رہے۔

اساتذہ — آپ کے اساتذہ کے نام یہ ہیں، استاذ ابوجعفر بن زبیر، خطیب صالح ابوعبداللہ بن فضیلہ، ابومحمد بن سماک، ابوالحسن بن منظور۔

سنہ ولادت اور سنہ وفات — ۶۸۰ھ میں پیدا ہوئے، اور ۱۶ ار شعبان ۷۳۳ھ میں مرض فرمن سے وفات پائی اسوقت وہ برجہ کے قاضی تھے، نعش ایک چوبی ظرف میں رکھکر شہر البیرہ میں لائی گئی، اور یہاں کے مقبرہ میں سپرد خاک کی گئی۔ خدا ان سے درگذر کرے اور ان پر رحم فرمائے

احمد بن ابی سہل بن سعید بن ابی سہل خزرجی

نام، سکونت حالات — احمد نام، ابوجعفر کنیت، اور حمۃ کے رہنے والے ہیں۔ آپ شریف النسب عفیف اور پاکدامن ہیں، اہل خیر میں آپ کا

شمار ہے، نہایت تندرست صحیح القویٰ ہیں، مزاج میں انقباض ہے، شہر حمۃ میں آپ کا پرانا خاندان مشہور ہے، خود بہت بڑے سخنور ہیں، غرناطہ میں تعلیم پائی، اور نہایت محنت سے علوم حاصل کئے، استاذ ابو عبداللہ فخار اور دیگر ہمعصر علماء کے ساتھ وابستہ رہے، شہر حمۃ کے آپ قاضی بنائے گئے، پھر مغربی مالقہ میں اسی خدمت پر مامور ہوئے، اور بعدازاں اپنے وطن شہر حمۃ میں دوبارہ عہدۂ قضا کا جائزہ لیکر اب تک اس فریضہ کو انجام دے رہے ہیں، اور لوگ آپکی سیرت کے بہت مداح ہیں۔

احمد بن عمر بن یوسف بن ادریس ابن عبداللہ بن ورد تمیمی

نام، سکونت احمد نام، ابوالقاسم کنیت، اور ابن ورد کے عرف سے مشہور تھے غرناطہ آپ کا مسکن تھا۔

حالات ملاحی کا بیان ہے کہ ابن ورد کا شمار اجلۂ فقہاء اور محدثین میں ہے، ابن زبیر نے اس وصف پر یہ اضافہ کیا ہے کہ ابن ورد کو ادب، نحو، اور تاریخ میں کامل دسترس حاصل تھی، علم اصول اور تفسیر میں بلند درجہ رکھتے تھے، وہ حافظ تھے، اور طبیعت میں تفنن تھا۔

لوگ کہتے ہیں کہ مذہب مالکی کے علم کی ریاست قاضی ابوبکر ابن عربی، اور ابن ورد پر ختم ہوگئی، اور ان دونوں کے حین حیات میں ابوالولید ابن رشد کی وفات کے بعد کوئی ان سے بڑھ نہ سکا۔

ابن زبیر کا بیان ہے کہ ابو عبداللہ بن جوہر نے جو ایک ثقہ ہیں بروایت ابو عمرو ابن عات مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ ابن عربی اور ابن ورد میں باہم باتیں ہونے لگیں، اور اس گفتگو میں پوری رات گذر گئی، مناظرہ اور مذاکرہ کی مجلس خوب گرم رہی، دونوں کی بحثیں عجیب وغریب تھیں، جس وقت ابوبکر ابن عربی کلام کرتے تھے تو سامعین کو گمان ہوتا تھا کہ کوئی کسر انھوں نے اٹھا نہیں رکھی ہے، مگر جب ابوالقاسم ابن ورد کی باری آتی تو اسا

عمدگی اور خوبی سے جواب دیتے تھے کہ سامعین ابن عربی کی تمام پہلی باتیں فراموش کر جاتے تھے، الغرض یہ دونوں نفوس اپنے زمانے میں اعجوبۂ روزگار تھے، ابن ورد کی ایک مجلس تھی جس میں وہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیثیں بیان کرتے اور ان پر بحث کرتے تھے، اور تفسیر کے لئے پنجشنبہ کا روز مخصوص کر دیا تھا۔

سکونت غرناطہ مورخین کا بیان ہے کہ ابن ورد نے بیس سال تک غرناطہ میں قضا کے فرائض عدل و انصاف کیساتھ انجام دئے، اور اپنی سیرت کو خوش آیند بنائے رکھا، اس عرصہ میں غرناطہ کے طلباء آپ سے فقہ کی تعلیم بھی حاصل کرتے رہے۔

اساتذہ ابن ورد نے جن مشائخ سے روایت کی ہے ان کے نام یہ ہیں۔ ابو علی غسانی، ابو الحسن بن سراج (ان سے ابن ورد نے زیادہ تر روایت کی ہے) ابو بکر ابن اسحاق صقلی، ابو محمد بن عبد اللہ بن فرج معروف بہ عسال زاہد، یہ آخری شیخ ہیں جن سے ابن ورد نے روایت کی ہے، اور ان کی صحبت میں بھی زیادہ رہے ہیں، ابن ورد نے سجلماسہ کا سفر اختیار کر کے وہاں عبد اللہ ابن عواد سے مناظرے کئے، شیخ ابو الحسن مبارک معروف بہ خشاف سے بھی ابن ورد نے روایت کی ہے، اور خشاف ابو بکر بن ثابت خطیب وغیرہ سے روایت کرتے ہیں،

تلامذہ ابن ورد کے تلامذہ کی ایک جماعت ہے جو ان سے روایت کرتی ہے مثلاً ابو جعفر بادش، ابو عبید اللہ، ابو رفاعہ، ابن عبد الرحیم، ابن حکیم وغیرہم، آخری تلامذہ میں ابو القاسم ابن عمران خزرجی ہیں جنھوں نے ابن ورد سے فاس میں روایت کی ہے۔

وفات ۱۲ رمضان ۵۴۰ھ میں بمقام مریہ ابن ورد نے وفات پائی۔

احمد بن محمد بن علی بن احمد بن علی اموی

نام و سکونت احمد نام، ابو جعفر کنیت، اور ابن بطال عرف ہے۔ ابن بطال کے خاندان کی اصل ایک قریہ سے شروع ہوتی ہے،

جو حارۃ البحر کے نام سے مشہور ہے، یہ قریہ وادی طرش نصر حسن منتماش[1] میں ہے، جو شرقی مالقہ میں واقع ہے، آپ کا تعلق ایک شریف اور محترم گھرانے سے ہے، آپ کے اسلاف مالقہ میں آکر سکونت پذیر ہوئے، اور یہاں کے معزز خاندانوں سے شادی بیاہ کے تعلقات قائم کرلئے۔

حالات ابن بطال کا شمار مخیر لوگوں میں ہے، آپ کی روش نیک تھی، نہایت خاموش، انصاف پسند، اور وضعدار تھے، طبیعت میں ذکاوت اور مزاج میں انقباض تھا، نیز وہ ہر چیز میں اپنی خصوصیت کا خیال رکھتے تھے، نیک کاموں میں کافی حصہ لینا، اور مروت کا ظاہر کرنا ان کا شیوہ تھا، شرافت میں مشہور، وقار اور عفاف میں نیک نام تھے، طبیعت بے لوث تھی، اور آبرو کا بہت پاس رکھتے تھے، وثیقہ نویسی کا پیشہ تھا، مگر اس سے آزردہ رہا کرتے تھے،

غرناطہ میں ورود ابن بطال مالقہ کے قاضی بنائے گئے، جو آپ کا وطن تھا، پھر ترقی کرکے غرناطہ کے قاضی ہوئے، جب وہ یہاں آئے تو مزید برآں دوسری خدمات بھی آپ کے سپرد کی گئیں، یعنی غرناطہ کی بڑی مسجد کے امام، اور قلعہ حمرا کی جامع مسجد کے خطیب مقرر کئے گئے، مگر علمی کمزوری، ضعف لسانی، اور کوشش کی کوتاہی کی بنا پر ۹ رجمادی الثانیہ ۷۴۳ھ میں ان مزید خدمات سے مستعفی ہو گئے، اس واقعہ کے متعلق شیخ ابوالبرکات ابن الحاج نے یہ اشعار لکھے ہیں:۔

ان تقدیم ابن بطال دعا	ابن بطال کی ترقی سے
طالب العلم الی ترک الطلب	طالبانِ علم کو ترک طلب کا سبق ملا ہے،
حسبوا الاشیاء عن اسبابها	لوگوں کا خیال ہے کہ ہر چیز کی علت ہوتی ہے
فاذا الاشیاء عن غیر سبب	مگر بہت سی چیزیں بغیر سبب کے ہوتی ہیں

امامت اور خطابت سے مستعفی ہونے کے بعد ابن بطال نے قضا کے احکام نافذ کرنے میں جرأت اور اپنے تجربہ کو دخیل کار بنایا، جس کی وجہ سے ان کے فیصلوں میں کوئی چیز مزاحم نہیں ہوتی تھی، اصابت رائے کی وجہ سے تمام فیصلوں پر عملدرآمد ہوتا، اور سختی سے برتنے سے بے پروائی کا الزام بھی دور ہو گیا، الغرض ابن بطال کی سیرت پسندیدہ ہو گئی، اور وہ نیک روش

[1] کتاب میں اسی طرح مذکور ہے ۱۲

پر چلنے لگے!

اساتذہ ابن بطال نے اپنے والد اور دیگر محدثین سے علوم حاصل کئے۔ آپ کے والد شیخ القضاۃ تھے، اور بلند درجہ رکھتے تھے لاد ران کی روایت اعلیٰ سمجھی جاتی تھی، اس کا بیان ان کے نام کے سلسلہ میں آیندہ آئیگا، لیکن جہانتک مجھے علم ہے ان کی روایت عام نہیں ہوئی۔

اشعار وزیر ابو بکر بن ذوالوزارتین ابو عبداللہ بن الحکم نے قاضی ابو جعفر ابن بطال سے یہ چند اشعار مجھے سنائے جنکو انھوں نے بوقت سفر وداع کہتے ہوئے پڑھا تھا۔ اشعار یہ ہیں۔

استودع اللہ الاولی اودعتھم	میں اپنے دل اور روح کے امین کو
قلبی وروحی اذحلوا لوداعی	بوقت وداع خدا کے سپرد کرتا ہوں
بانوا وطن لی والفواد ومقولی	وہ مجھ سے جدا ہو رہے ہیں اور حالت یہ ہے کہ ان کے لئے
بالعو مسلوب العزاء وداعی	میری چشم گریاں، دل ناصبور، اور زبان دعا گو ہے۔
لتول یا مولائی حفظھم ولا	اے مہربان! پھر واپس آنا خدا تمھیں اپنی حفاظت میں رکھے۔
تجعل تفرقنا فراق وداعی	اور اس جدائی کو ہمیشہ کی جدائی نہ بنانا

سنہ ولادت اور سنہ وفات مالقہ میں شدید طاعون پھیلا اس میں ابن بطال مبتلا ہوئے، اور ۵ رصفر ۵۰۲ھ میں جمعہ کی نصف شب کو وفات پائی، جنازہ شب وفات کے دوسرے روز تقریباً بارہ سو جنازوں کے ساتھ اٹھایا گیا، مالقہ میں اموات کا یہ سلسلہ مدت تک جاری رہا تھا، خدا کی رحمت اور غفران کے شامل حال ہو۔

ابن بطال کی ولادت ۴۲۹ھ میں ہوئی تھی۔ خدا انھیں غریق رحمت فرمائے۔

احمد بن عبداللہ بن محمد بن الحسن بن عمیرہ مخزومی بلنسی شقوری

نام و نسب احمد نام، ابو مطرف کنیت تھی، ابو مطرف کا تعلق کسی مشہور خاندان سے نہیں تھا، شقوری الاصل کہے جاتے تھے، ابن عبد الملک نے آپ کے نسب کے متعلق ایک روایت نقل کی ہے اگر یہ فی الواقع درست ہے جب بھی اس سے گریز کرنا بہتر ہے۔

حالات ابن عبد الملک کا بیان ہے، کہ ابتدا میں ابو مطرف کی تمام تر توجہ روایات کی تحصیل میں مبذول رہی تھی، بکثرت حدیث کی سماعت کی اور اپنے خاندان کے مشائخ سے اسکی تعلیم پائی، دیگر علوم میں اچھی استعداد تھی، عقلیات اور اصول فقہ میں بصیرت رکھتے تھے، جب ادب کی طرف میلان ہوا تو اس میں اتنی مہارت پیدا کی کہ بڑے بڑے خوش گو شاعروں میں ان کا شمار ہونے لگا، انشا پردازی میں مشہور اور یگانہ تھے، زمانہ ان کی مانند دوسرا انشا پرداز پیش کرنے سے قاصر تھا، خصوصاً جب وہ اپنے برادران و اخوان کو مخاطب کرتے تھے تو اسوقت ان کی انشا حسن کے انتہائی درجہ پر ہوتی تھی، اس کے نمونے مطول و منتخب بھی موجود ہیں اور مختصر و چیدہ بھی، آپ کا کلام نثر ہو یا نظم تاریخ کے افادہ سے لوگوں کو معلوم ہو جاتا تھا، وہ اپنے کلام میں مختلف قسم کے علمی مسائل نہایت روشن طریقے پر درج کرتے تھے،

میری ذاتی رائے یہ ہے کہ جملہ حیثیتوں کا لحاظ کر کے ابو مطرف ان مضامین میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے جن سے انھیں دلی شغف تھا، علوم میں بصیرت، تفنن، اور درک ان کا ذاتی جوہر تھا، وہ محدث تھے، اور بہت زیادہ روایت کرتے تھے، نیز روایت بہت صحیح ہوتی تھی، تاریخ اور واقعات میں تبحر حاصل تھا، اور ان دونوں اصول یعنی حدیث و تاریخ میں ید طولیٰ رکھتے تھے، کلام بہت شیریں ہوتا تھا اور اس میں مواد کی کثرت و معانی کی بہتات، اور حسن کی فراوانی ہوتی تھی، الفاظ شستہ ہوتے، اور معنی صاف ہوتے تھے۔

الحاصل وہ اپنے پیشہ کی شکایت، قسمت کا گلہ، ساتھ ہی کلام کی رونق، ماخذ کی خوبی، اور نثر کو نظم کے قالب میں ڈھالکر دکھانے میں ثانی بدیع الزماں تھے۔

اساتذہ ابو مطرف کے اساتذہ کے نام یہ ہیں، ابوالخطاب بن واجب، ابوالربیع بن سلام، ابوعبداللہ بن فرج، ابوعلی بن شلوبیین، ابوعمر بن عات، ابومحمد بن حوط اللہ، ان اساتذہ سے ابومطرف نے ملاقاتیں کیں، پڑھا، سماعت کی، اور روایت کی اجازت لی تھی۔ اور اہل مشرق میں ابوالفتوح نصر بن ابوالفرج وغیرہ سے روایت حدیث کی اجازت حاصل کی۔

تلامذہ جن تلامذہ نے ابو مطرف سے روایت اور حدیث بیان کی ہے ان کے نام یہ ہیں: ابومطرف کے فرزند ابوالقاسم، ابوبکر بن الخطاب، ابواسحٰق طیبی، جید، حسن طاہر بن علی قسقوری، ابوعبداللہ بزی، ابوجعفر بن زبیر، ابن شنیف، ابن ربیع، ان کے علاوہ دوسرے تلامذہ بھی ہیں جنکا ذکر باعث طوالت ہے۔

خدمات ابومطرف نے سب سے پہلے ابوعبدالعزیز بن عبداللہ بن خطاب کی مصاحبت اختیار کی جو اس وقت تک اپنے شہر میں منصب ریاست پر فائز المرام نہیں ہوا تھا تاہم اس زمانے میں بھی لوگوں کو اس سے بہت فائدہ پہونچا، اس کے بعد ابومطرف نے شرقی اندلس کے رئیس ابوجمیل زیان بن سعد اور دوسرے رؤسا کی طرف سے مکاتبت کی خدمات انجام دیں، پھر وہ عدوۃ (افریقیہ) گئے، وہاں رشید ابومحمد بن ابوالولید نے مراکش میں انھیں اپنا کاتب مقرر کیا، کچھ دنوں کے بعد اس خدمت سے ہٹا کر ملیانہ کا جو شرقی اندلس میں واقع ہے قاضی بنایا، پھر وہ رباط الفتح بھیجے گئے، اسی اثنا میں رشید نے وفات پائی اور اسکا بھائی ابوالحسن معتضد جانشین ہوا، اس نے ابومطرف کو عہدۂ قضا پر برقرار رکھا مگر مکناسۃ زیتون میں منتقل کر دیا، جب معتضد کے قتل کا واقعہ پیش آیا تو وہ سبتہ کی طرف کوچ کر گئے، اثنائے سفر میں ان پر سخت مصائب نازل ہوئے، سبتہ سے دریائی سفر اختیار کر کے افریقیہ پہونچے اور بجایہ کے امیر ابوزکریا کے پاس حاضر ہو کر تونس چلے آئے، یہاں زمانے نے ان کی مساعدت کی اور شہر اربس کے قاضی مقرر ہوئے، پھر قابس میں منتقل کر دئے گئے جہاں بہت دنوں تک اس خدمت کو انجام دیا، آخر میں مستنصر باللہ محمد بن ابوزکریا نے اپنے پاس طلب کر کے انکی نہایت قدر افزائی کی یہاں تک کہ

وہ مستنصر کی خاص تفریحی مجلسوں میں شریک ہونے لگے، اور رفتہ رفتہ اس کے مزاج میں بہت دخیل ہو گئے جس کی وجہ سے وہ مطعون خلائق بنے اور ان پر نکتہ چینیاں ہونے لگیں۔

کمال علمی انشار پردازی اور شاعری میں کمال رکھتے تھے، بیان کیا جاتا ہے کہ ایک روز انھوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چند قلم عطا فرماتے ہوئے خواب میں دیکھا، لوگوں نے اس کی یہ تعبیر بیان کی کہ انشا پردازی میں ان کی شہرت ہو گی۔ اور اس میں وہ سربلند ہوں گے، واللہ اعلم،

عباس ابن امیہ کے خط کے جواب میں توریہ کے طرز پر ابو مطرف نے ایک خط لکھا جو اپنے رنگ میں بالکل نرالا تھا، اس خط میں بلنسیہ میں رومیوں کے غالب آنے کی خبر دی ہے، مضمون یہ ہے،

"للہ یہ تو فرمائیے کہ آپ کا مقصد کیا ہے، آپ کس فیصلے کو باقی رکھنا چاہتے ہیں اور کس کو مٹائیں گے، اصل وزوائد سب فنا ہو گئے، انعام وصلہ کا دور ختم ہو گیا، سراسر تعجب، یاس اور ناامیدی کی حالت طاری ہے، بلندی کی علامت مٹ گئی، جمعیت مفقود ہے، علت اور صحت کی جنگ برپا ہے، مثلث اور فصیح کا مقابلہ ہے، جماعت میں گردش کی طاقت باقی نہیں ہے، اس حشو وزوائد قائم ہیں، ملت کے ستون جھک گئے، اور ہماری تعداد جمع قلت کے برابر ہو گئی ہے، پستی کی علامت نمایاں ہے اور بدل البعض کی جگہ بدل الکل نے لے لی ہے"۔

اشعار کے نمونے ایک قطعہ ہے جس میں ابو مطرف نے علوم کا توریہ کیا ہے، اس کے بعض اشعار یہ ہیں:-

قد عکفنا علی الکتابۃ حینا	ہم ایک مدت تک عہدۂ کتابت پر قائم رہے
ثم جاءت خطۃ القضاء تلیہا	اس کے بعد ہمیں عہدۂ قضا حاصل ہوا
مع کلّ لم یبق للجھد الا	باوجود خستگی اور پریشانی کے اب ہماری جد وجہد کے لئے
منزل نا ثیا وعیشا کریہا	بجز منزل بعید اور ناخوشگوار زندگی کے کچھ باقی نہیں ہے
نسبۃ بدلت ولم تتغیر	ہماری نسبت بدلی اور نہیں بھی
مثل ما یزعم المھندس فیہا	جیسے کہ ایک مہندس نسبت کا خیال کرتا ہے

خطوط کی ابتدا میں اشعار لکھا کرتے تھے ان کے نمونے ذیل میں لکھے جاتے ہیں، مثلاً

یا غائبا سلبتنی الانس غیبته — اے شخص تیری غیبت نے مجھ سے انس چھین لیا ہے
فکیف صبری وقد کابدت بینهما — میں کیونکر صبر کروں جبکہ تیری غیبت اور اپنے صبر میں تکلیف ہوتی ہے
دعوای انك فی قلبی نعارضها — میرا یہ دعویٰ ہے کہ تو میرے دل میں ہے لیکن ترے دیدار کا اشتیاق
شوقی الیك فکیف الجمع بینهما — اسکی تردید کرتا ہے ان دو باتوں میں تطبیق کسطرح دیجائے۔

دیگر

ان الکتاب الی وساحة طرسه — خط پہونچا اوس کے کاغذ کی پہنائی بڑے درخت کیطرح ہے۔
دوح توشح بالبدیع مبرقع — اور وہ نادر کلام سے آراستہ اور برقع پوش ہے
ولہ حقوق ضاق وقت وجوبها — جب وہ لفافہ میں رکھا جاتا ہے تو تنگ ہو جاتا ہے
ومن العجائب ضیق و موسع — اور یہ عجب بات ہے کہ خط تنگ بھی ہے اور فراخ بھی۔

دیگر

کبرت بالبشری انت وسماعها — خوش خبری سنکر میں نے اللہ اکبر کہا کیونکہ اسکی سماعت
عید الذی لشهوده تکبیر — میرے لئے عید تھی جسکی آمد سے مجھ پر تکبیر واجب ہوئی۔
وکذلك الاعیاد سنة یومها — جیساکہ بروز عید چند زیادہ تکبیریں
مختصة بزیادة التکبیر — مخصوص اور مسنون ہیں

دوسری قسم کے اشعار

بایعونا مودة هی عندی — لوگوں نے مجھ سے محبت کی بیع کا معاملہ کیا مگر وہ
کالمصرات بیعها بالخداع — مصرات[1] کی مانند تھی جنکی بیع فریب میں داخل ہے
فسأقضی بردها ثم اقضی — اس لئے میں اس محبت کو واپس کرونگا مگر اس کے بعد
بعدها من مدامعی الف صاع — اپنے آنسوؤں کے ہزار پیانۂ صاع ادا کرونگا

دیگر

شرطت علیهم عند تسلیم مهجتی — بوقت انعقاد بیع اور تسلیم جان میں نے یہ شرط لگائی تھی
وعند انعقاد البیع حتما یواصل — کہ وصل ضرور حاصل ہوگا
فلما اردت الاخذ بالشرط اعرضوا — مگر جب میں نے شرط کا مطالبہ کیا تو وہ اعراض کرنے لگے

---

[1] مصرات وہ بکریاں جن کے تھنوں میں کئی روز کا دودھ چھوڑ کر فروخت کیا جائیں۔

وقالوا یصح البیع والشرط باطل — اور کہا کہ بیع صحیح ہے مگر شرط باطل ہے

تصانیف ابومطرف کی تصانیف میں ایک کتاب شہر مرسیہ کے متعلق ہے جسمیں اس شہر پر رومی عیسائیوں کے غالب آنے کا تذکرہ بھی کیا ہے، اس کتاب کی تالیف میں عماد اصفہانی کی کتاب "الفتح القدسی" کا تتبع کیا ہے، ایک کتاب فخرالدین بن الخطیب رازی کی کتاب "المعالم" کے نہج پر جو اصول فقہ میں ہے لکھی ہے، ایک کتاب "التبیان" علم بیان میں کمال الدین ابومحمد عبدالکریم سماکی کی تردید میں تالیف کی ہے، ابن صاحب الصلوۃ کی تاریخ کا نہایت عمدہ اختصار کیا ہے، ان کے علاوہ ابومطرف نے متعدد حواشی اور مقالات لکھے ہیں۔

ابومطرف کے تمام مضامین اور اشعار کو استاذ ابوعبداللہ ابن ہانی سبتی نے نہایت عمدگی سے ترتیب دیکر دو جلدوں میں جمع کر دیا ہے اور اس کتاب کا نام "بغیۃ المستطرف وغنیۃ المتطرف من کلام امام الکتابۃ ابن عمیرۃ ابی المطرف" رکھا ہے

غرناطہ میں ورود شیخ ابوالحسن بن الجیاب اپنے شیوخ اور ایک شخص سے جو ابومطرف کے حالات اور اخبار کی تلاش میں رہا کرتا تھا ابومطرف کے غرناطہ میں آنے کی خبر بیان کرتے ہیں، راوی کہتا ہے کہ میں ابومطرف کے ساتھ زمانۂ دراز تک رہا ہوں، وہ دُبلے پتلے زرد رنگ کے تھے اور ناک چوڑی چپٹی تھی، وہ سخت حاجتمند ہوگئے تھے مالقہ میں ان پر مصیبت آئی اور ان کا تمام مال ومتاع جاتا رہا جس سے وہ محتاج ہوگئے، اسوقت ان پر بڑھاپا طاری ہوچکا تھا اور اپنی بدبختی کے آماجگاہ بن چکے تھے۔

غارتگری کا واقعہ شیخ ابوالحسن رُعینی کا بیان ہے کہ ابومطرف نے مجھے خط لکھا جسمیں اپنے مال ومتاع کے لوٹے جانے کی اطلاع دی تھی، واقعہ یہ ہے کہ جب المستنصر قتل کیا گیا تو ابومطرف نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور مکناسہ کو چھوڑ کر سبتہ کی راہ اختیار کی اسوقت آپ کے پاس نقد رقم، سونا، اور زیورات تھے جن کی مجموعی مالیت چار ہزار عشری دینار کے برابر تھی، اسفر میں جن رفقا کا ساتھ ہو گیا تھا ان میں بنی مرین کی ایک جماعت بھی تھی اسی جماعت نے آپ کا سارا سامان لوٹ لیا اور آپ کے دوسرے رفقائے سفر کے اسباب کو بھی نہ چھوڑا۔

ولادت ابومطرف کی ولادت رمضان ۵۸۲ھ میں جزیرۂ شقر اور بقول

بعض بلنسیہ میں ہوئی تھی،

وفات ۲۰ ذی الحجہ ۵۶۵ھ میں شب جمعہ کو تونس میں وفات پائی، عبدالملک کا قول ہے کہ ابن الزبیر کو ابو مطرف کی تاریخ وفات میں وہم پیدا ہو گیا ہے کیونکہ اس نے سنہ وفات تقریباً ۵۶۰ھ یا اس سے کچھ بعد قرار دیا ہے۔

احمد بن عبدالحق بن محمد بن یحییٰ ابن عبدالحق جدلی

نام وسکونت احمد نام، ابوجعفر کنیت اور ابن عبدالحق عرف تھا، صوبۂ غرناطہ کے رہنے والے تھے،

حالات سرزمین اندلس کے خطۂ غرناطہ میں ابن عبدالحق ارباب علم و فن کے صدر تھے، اور خطابت، وقار اور عمدہ روش کی اتباع میں آپ کا کوئی ثانی نہ تھا، مبلغ علم وسیع رکھتے تھے، نظر صائب تھی، بہت سی خصوصیات کے جامع اور رسم و وضع کے پابند تھے، مستحق لوگوں کے حقوق کے ایجاب و تسلیم میں کوتاہی نہیں کرتے، اور ابنائے جنس کے معاملات میں میانہ روی و اعتدال قائم رکھتے تھے، آپ کو ورثہ میں بہت کچھ دولت ملی تھی تاہم اقتصادی اصول کا لحاظ کرتے تھے، اور تمام کاموں میں اپنے اعزہ کو ترجیح دیتے تھے، آپ کی فکر روشن اور پرسکون تھی اور طبیعت میں لچک اور تیزی تھی، آپ کے تمام اوصاف حمیدہ سے پختہ کاری کا ثبوت ملتا تھا، زبان عربی کی صنعتوں میں بہت مشاق، اس میدان کے شہسوار، اور احکام و فروعی مسائل کے علامہ تھے، مختلف فنون مثلاً اصول، طب، اور ادب میں یکساں درک تھا، نہایت خوش نویس، نہایت اچھے قاری، اور وثیقہ نویسی میں امام تھے، شکل و شباہت ملیح، اور گفتار شیریں تھی، عہد و پیمان میں صاف اور مردانگی کے تمام اوصاف سے متصف تھے۔

باوجودیکہ آپ کے شہر میں اہل علم کی کثرت تھی مگر قراء کے صدر آپ ہی تھے، اور اپنے تمام معصروں سے گوئے سبقت لے گئے تھے، اپنی عدیم المثالی، تفنن طبع، اور حسن کلام کی بناء پر مرجع خلائق تھے، بلش اور دیگر مقامات میں جو آپ کے شہر کے جانب غرب میں تھے قاضی مقرر کئے گئے، ان جگہوں میں لوگ آپ کی سیرت کے مداح رہے، آپ نے طریق کار میں کافی شہرت پائی، اور نہایت ستودہ خصائل شمار کئے گئے، اس کے بعد مالقہ

میں عہدۂ قضا پر فائز ہوئے اور ذاتی وجاہت اور اعزاز کی بنا پر اوقاف کی نگرانی بھی آپ کے سپرد کی گئی، علاوہ ازیں شہر کے تمام اہم معاملات میں مشیر کار بنائے جاتے، اور آپ کے مشورے سے ہر کام میں فلاح ہوتی تھی، تمام عام و خاص بالاتفاق آپ کی فضیلت اور پاکیزہ مزاجی کے قائل اور آپ کے خاندانی شرف کے معترف تھے۔

مالقہ میں آپ کا سلسلۂ ملازمت اس اخیر عہد تک قائم رہا ہے، آپ کا بڑے عہدہ پر فائز ہونا، اور زمانۂ دراز تک قضا کی خدمت کو انجام دینا اس پر دلالت کرتا ہے کہ آپ بہت صابر تھے، آپ پر جرح و قدح کم ہوئی، اور آپ نے ہر ایک اتہام کا سدباب کر دیا تھا، میری دعا ہے کہ خدا آپ کا کارساز ہو اور اپنے احسان و کرم سے آپ کو فائدہ بخشے۔

اساتذہ

آپ نے استاذ ابوعبداللہ بن بکر سے تعلیم پائی اور ان کے ارشد تلامذہ میں آپ کا شمار تھا، بلکہ استاذ موصوف کے ترکش کے آپ وہ تیر تھے جو کبھی خطا نہ کرتا ہو، ابوعبداللہ کی صحبت میں زیادہ عرصہ تک رہے، ان سے فقہ پڑھی، قرآن شریف کی تعلیم حاصل کی، اور ان سے بہت کچھ استفادہ کیا، دیگر اساتذہ کے نام یہ ہیں احمد بن ایوب، ابوالقاسم بن عریف، قاضی ابوالقاسم بن عریف سے وثیقہ نویسی کی تعلیم حاصل کی، ابوعثمان بن عیسیٰ، اور ابوعبداللہ طنجالی جو دونوں محدث اور خطیب تھے ان سے اور دیگر شیوخ سے حدیث کی روایت کی۔

غرناطہ میں آپکا ورود

آپ کئی دفعہ غرناطہ تشریف لائے، بعض دفعہ اپنی خاص ضروریات سے آئے، بعض دفعہ برسرکار ہونے سے پہلے اپنے شہر کے جلیل القدر وفود کے ساتھ تبعاً آئے، اور پھر خود سردار وفد بن کر تشریف لائے جبکہ عہدہ پر فائز ہو چکے تھے۔

اشعار

ایک نہر کے متعلق آپ کے یہ اشعار ہیں:-

وَمقارب للشّطین احکم صقلہ	اس نہر کے دونوں کنارے قریب قریب ہیں اور اس کا پانی نہایت شفاف
کالمشرفی اذا اکتسی بفرندہ	گویا وہ مشرقی تلوار ہے جو اپنی آب و تاب سے چمک رہی ہے
فخمائل الدیباج منہ حمائل	مرغزار اس نہر کے گلے سے پیوستہ ہیں
ومعانق فیھا البھار لورده	اور بہاران مرغزاروں سے گلاب کے پھول لیکر معانقہ کر رہی ہے
وقد اختفی طرف لہ فی دوحۃ	اور اس نہر کے کنارے درختوں میں نہاں ہیں

كالسيف رد ذبابه في غمده — گویا وہ تلوار ہے جو نیام میں ڈالدی گئی ہے۔

نارنگی کے درخت میں پھول کھلے ہوتے تھے اسکو دیکھ کر یہ اشعار کہے۔

وثمار نارنج غدت ازهارها — نارنگی کے پھل اور پھول

مع ناتي النارنج في متنضيد — ایک دوسرے سے متصل ہیں

فاذا نظرت الى تالفها انثت — ان کی باہم پیوستگی تمہیں ایسی نظر آئے گی

كمباسم اومت للشوخد ود — کہ گویا دندان رخساروں کا بوسہ لینا چاہتے ہیں

وفات بروز جمعہ ۱۲ رجب ۷۶۵ھ میں زوال کے وقت وفات پائی۔

احمد بن عبد الرحمن بن محمد بن عبد الرحمن بن محمد بن صغیر انصاری الخزرجی

نام و اصالت احمد نام، ابو العباس کنیت ہے، ثغر اعلیٰ کے رہنے والے تھے۔ آپکی اصل سرقسطہ سے شروع ہوتی ہے، جہاں انصار کے گھرانے آباد تھے، جب یہاں فتنوں کا سلسلہ شروع ہوا تو آپ کے پردادا عبد الرحمن چھوٹے بیٹے کو لے کر بلنسیہ چلے گئے، آپ کے والد عبد الرحمن یہیں پیدا ہوئے انہیں آپکے دادا ساتھ لیکر مریّہ میں جابسے، اور آپ کی ولادت بھی یہیں ہوئی، پھر آپ کے والد آپ کو سبتہ لے آئے، اور مدت تک یہاں مقیم رہے۔

حالات آپ محدث تھے، روایت زیادہ کرتے تھے اور اسمیں ثقہ وضابط تسلیم کئے گئے، قرأت اور علم تجوید میں ماہر تھے، فقہ از بر یاد تھی، مسائل بہت محفوظ تھے، اصول فقہ میں کافی درک تھا، علم کلام میں فوقیت رکھتے تھے، دستاویز اور وثیقہ تحریر کرنے اور اس کی کنہیات میں کافی بصیرت حاصل تھی، احکام اور فیصلہ جات کی دانست میں مہارت تھی، نہایت بلیغ انشا پرداز، اور باکمال شاعر تھے، خوش نویسی میں تمام ہمعصروں پر فضیلت رکھتے تھے، دنیاوی مال و متاع سے بے نیاز، دنیا کی آلودگی سے پاک، اور بہت قناعت پسند تھے، اور اپنی بے مائیگی پر شاد و خرم رہتے تھے، طبیعت بہت خوددار اور ہمت بلند تھی، اور ساری عمر اسی طرح گذاری، بہت سے دواوین اور کتابوں کے بہت سے

دفتر نہایت خوشخط اور نہایت ضبط کے ساتھ نقل کئے۔

جب آپ چھوٹے تھے تو آپ کے والد نے متعدد شیوخ کے پاس لے جاکر آپ سے سماعت کرائی، اور خود بھی کبھی اس سماعت میں شریک ہو جاتے تھے، خدا انھیں نفع پہونچائے

ملازمت ابو عبد اللہ بن حسون قاضی مراکش نے آپ کو اپنے پاس طلب کرکے کتابت کے عہدہ پر مقرر کیا، بعد کو اس عہدہ سے علٰحدہ کرکے فصل خصومات اور مسجد مراکش کی امامت آپ کے سپرد کی، کچھ عرصہ کے بعد فصل خصومات کی خدمت چھوڑ کر صرف مسجد کی امامت کرنے لگے۔

جب عنان حکومت موحدین کے ہاتھ میں آئی تو عبد المومن نے آپ کو طالبان علم کے زمرہ میں شمار کیا اور آپ کے اعزاز و تکریم میں ذرا بھی کمی نہ کی، یہاں تک کہ مراکش کے دار السلطنت میں فصل خصومات کے لئے آپ ہی کو تجویز کیا ازاں تک اس خدمت کو آپ نے انجام دیا، پھر غرناطہ میں عہدۂ قضا پر مامور کئے گئے، اور پھر اشبیلیہ میں اسی خدمت پر منتقل کرکے ولی عہد کے ہمرکاب بھیجے گئے، جب حکومت ابو یعقوب کو ملی تو اس نے خزانۂ علمیہ کی خدمت آپ کے سپرد کی، اس زمانہ میں اکابر اہل علم اور فضلاء میں سے کسی کا تقرر اس خدمت پر ہوا کرتا تھا۔ آپ کو عبد المومن کے خاندان سے جس قدر مواہب و عطیات ملے ان کی مقدار بہت زیادہ ہے۔

اساتذہ آپ نے قرآن شریف اپنے والد سے پڑھا، اور زیادہ تر انھیں سے تعلیم پائی، اور ان سے سند لی، آپ کے اساتذہ میں ایک ابو الحسن قطلی بھی ہیں، آپ فرمایا کرتے تھے کہ ابو الحسن پہلے شخص ہیں جن کے سامنے میں نے زانوئے تلمذ تہ کیا ہے۔

تلامذہ جن تلامذہ نے آپ سے روایت کی ہے ان کے نام یہ ہیں، ابو عبد اللہ، ابن خالد یزید بن یزید بن رفاعۃ، ابو محمد بن محمد بن علی بن وہب القضاعی۔

غرناطہ میں آپکی آمد آپ قاضی ابو القاسم بن حمزہ کی صحبت میں غرناطہ پہونچے، قاضی صاحب آپ کی تعریف میں برابر رطب اللسان رہے، جب وہ غرناطہ کے قاضی مقرر کئے گئے تو آپ کو انھوں نے اپنا جانشین بنایا آپ نے بھی ہمیشہ ان کی مزاج داری کی، جب قضا کا عہدہ ابو الفضل عیاض بن موسیٰ کے سپرد ہوا تو وہ بھی دوستی اور قرابت کا پاس کرتے ہوئے آپ کے پشت پناہ بنے رہے، اور باہم شیر و شکر رہا کئے، جب ابو الفضل عیاض اس عہدہ سے

سبکدوش ہوگئے تو آپ وادی آش چلے آئے، اور یہاں قضا اور امامت مسجد کی خدمت پر مامور کئے گئے، ۵۹۰ھ میں غرناطہ واپس آئے، اور ابو محمد بن عبدالمومن بن علی کے دورِ حکومت میں یہاں کے قاضی بنائے گئے، اس وقت سے آپ کی سیرت کی بہت ستائش کیجانے لگی، آپ کے عدل وانصاف کے گیت گائے جانے لگے۔ اور آپ کی پاکیزگی اور پاکدامنی لوگوں پر آشکارا ہوگئی۔

آپ کے اشعار جو شخص قادر الکلام اور وسیع المعلومات ہو وہی زہد کی زمین میں شعر کہہ سکتا ہے، چنانچہ آپ کے یہ چند اشعار اسی زمین کے ہیں۔

الٰھی لک الملک العظیم حقیقۃ	اے خدا در حقیقت تیرا ملک بڑا ہے
وما للوریٰ مما منعت نصیر	جب تو کسی امر میں مانع ہو تو مخلوق کا کوئی مددگار نہیں ہے
تجافیٰ بنوالدنیا مکانی فسرنی	دنیا والوں نے مجھ پر ستم ڈھائے لیکن میں خوش ہوں
وما قدر مخلوق جزاہ حقیر	کیونکہ اسکا ثواب کم نہیں ہے۔
وقالوا فقیر وھو عندی جلالۃ	لوگوں نے کہا وہ فقیر ہے حالانکہ فقر میرے نزدیک بڑی چیز ہے
نعم صدقوا انی الیک فقیر	ہاں! وہ لوگ سچے ہیں، اے خدا بیشک میں تیرا فقیر ہوں

اس مفہوم کے آپ کے اشعار بکثرت ہیں جن کی بندش نہایت چست ہے، اس سے آپ کی جودتِ طبع کا پتہ چلتا ہے، دیگر اشعار ملاحظہ ہوں۔

ارضی العدو بظاھر متصنع	میں دشمن کو ظاہر ابناوٹ سے خوش کر دیتا ہوں
ان کنت مضطرا الی استرضائہ	اگر مجھے اس کے خوش کرنے کی ضرورت لاحق ہوتی ہے
کم من فتی القی بوجہ باسم	بہت سے نوجوانوں سے میں ہنسکر ملتا ہوں
وجوانحی تنقد من بغضائہ	حالانکہ ان کی دشمنی سے میرا سینہ چاک چاک رہتا ہے

تصانیف آپ نے جس قدر مفید کتابیں تصنیف کی ہیں ان سے آپ کی طبع روشن اور مبلغ علم کا اندازہ ہوتا ہے، ایک کتاب "شہاب" کی شرح میں ہے جو نہایت نادر سمجھی جاتی ہے، دوسری کتاب "انوار الافکار" ہے اس میں ان زہاد اور ابرار کے حالات قلمبند کئے ہیں جو جزیرۂ اندلس میں وارد ہوئے تھے، ابھی یہ کتاب مکمل نہیں ہوئی تھی کہ آپ کی وفات ہوگئی، اس کی تکمیل آپ کے فرزند عبداللہ نے کی۔

مصیبت کے ایام آپ ان لوگوں میں سے تھے جن پر مراکش میں موحدین کے داخلے

روز سخت مصائب نازل ہوئے تھے، موحدین نے روز شنبہ ۱۸ شوال ۵۴۱ھ میں علی الاعلان تمام بالغ مردوں کا خون مباح کر دیا تھا، تین روز تک قتل عام ہوا، صرف وہ لوگ قتل سے بچ سکے جو کسی غار، یا بالاخانہ، اور یا کسی پوشیدہ مقام میں چھپ گئے تھے، اس قتل عام کے بعد جن لوگوں کے قتل کا حکم خاص طور سے جاری ہوا تھا انکی عام معافی کا اعلان کیا گیا ان کی تعداد کم و بیش ستر تھی، بقیۃ السیف مشرکین قیدی اور ان کی اولاد کی طرح فروخت کئے گئے اور یا انھیں معافی دی گئی۔ ابو العباس ان خوش قسمت لوگوں میں سے تھے جو موت کے چنگل سے چھوٹ گئے اور جذبۂ عفو نے غلامی کے پھندے سے انھیں رہا کر دیا، یہ واقعہ مراکش کی تباہی معلوم کرنے کے لئے کافی ہے، اس ہنگامے اور دیگر حوادث میں آپ کی کتابوں کا بڑا ذخیرہ ضائع ہوا، یہ کتابیں آپ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھیں اور نہایت بیش قیمت تھیں۔

ولادت آپ کی ولادت آخر ربیع الاول ۵۰۲ھ میں ہوئی تھی۔

وفات روز یکشنبہ ۸ رجمادی الاولی ۵۹۵ھ میں ظہر اور عصر کے درمیانی اوقات میں وفات پائی دوسرے روز دوشنبہ کو نماز ظہر کے بعد تجہیز وتکفین عمل میں آئی، قاضی ابو یوسف حجاج نے جنازہ کی نماز پڑھائی، جنازہ میں بڑا اژدحام تھا، خلقت چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی، مرد عورتیں سبھی شریک تھے ہاتھوں ہاتھ لوگوں نے جنازہ اٹھایا، خدا غریق رحمت فرمائے۔

آپ کا مرثیہ ابوبکر بن الطفیل جو آپ کے ایک پڑوسی اور دوست تھے اور اسوقت اشبیلیہ میں تشریف رکھتے تھے وفات کی خبر سن کر انھوں نے آپ کا مرثیہ لکھا اور اپنے فرزند کی معرفت ایک خط کے ساتھ تعزیت کی غرض سے روانہ کیا، اس مرثیہ کے دو شعر یہاں لکھے جاتے ہیں۔

لامر ما تغيرت الدهور	کس حادثہ سے زمانہ بدل گیا ہے
واظلمت الكواكب والبدور	اور چاند تارے کیوں تاریک ہو گئے ہیں؟
وطال على العيون الليل حتى	رات اسقدر کیوں دراز ہو گئی ہے؟
كان النجم فيه لا يغور	ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب تارے نہیں ڈوبیں گے۔

احمد بن ابو القاسم بن عبد الرحمٰن

نام و سکونت	احمد نام، ابو العباس کنیت، اور ابن القباب عرف ہے، فاس کے رہنے والے ہیں،
حالات	پائے تخت فاس کے صدر عدول، اس گروہ کے فرد کامل، علم کے جویا،

فقیہ، ذہین، اور نہایت زیرک واقع ہیں، فہم و فراست اور نظر و فکر نہایت عمدہ اور صائب رکھتے ہیں، بادشاہ کے سامنے درس کے لئے پیش کئے گئے، اس کے بعد جبل فتح کے قاضی بنائے گئے، وہاں وہ اپنی تیزی اور خوش گفتاری میں بہت مشہور تھے، میری ملاقات ان سے شہر فاس میں ہوئی تھی، اس وقت ان کا حسن و جمال مجھے بہت پسند آیا تھا۔

وہ شہر سلا فی اس غرض سے گئے تاکہ شاہی حالات معلوم کرکے تجربہ حاصل کریں، میں نے انھیں اپنے پاس طلب کیا، مگر انھوں نے بعض معقول عذرات کی بنا پر معذرت کی، جس کا جواب میں نے ذیل کے اشعار میں دیا تھا۔

ابیتم دعوتی اما لکبر	یا تم نے میری دعوت کو نخوت سے رد کر دیا ہے۔
وتابی لوم مثلی الطریقہ	گو عمدہ طریقہ اس کی ملامت نہیں کرتا ہے۔
وغیر غریبۃ ان رق حر	کیونکہ کسی آزاد کا غلام بن جانا سزاوار نہیں
علی من حالہ مثلی رقیقہ	اگرچہ اس کی حالت میری طرح نازک ہو۔
واما ازاجرا لورع اقتضاھا	اور یا تقویٰ اس رد کا مقتضی تھا
ویابی ذاک دکان الوثیقہ	تو وثیقہ کی دکان داری اس کے منافی ہے
وغشیان المنازل لاختباد	اور لوگوں کے گھروں پر اتفاقاً آنا
یطالب بالجلیلۃ والدقیقہ	اور ان سے تھوڑے یا بہت کا مطالبہ کرنا بھی تقویٰ کے منافی ہے
شکرت مخیلۃ کانت مجازا	میں اپنے خیال کا مشکور ہوں کہ وہ تمہارے متعلق
لکم وحصلت بعد علی الحقیقہ	مجازی تھا مگر بعد کو حقیقی ہو گیا۔

ان اشعار کی بنیاد دراصل اس مصرعہ پر ہے۔ "ویابی ذاک دکان الوثیقہ"

غرناطہ میں آپکی آمد

وہ ۷۶۲ھ میں سلطان مغرب ابو سالم ابن ابو الحسن کی طرف سے نذر و نیاز پوری کرنے کے لئے جو کسی خانقاہ کے لئے مانی تھی غرناطہ آئے، اس وقت بھی وہ عدل کا پیشہ شہر فاس میں کرتے تھے، اور وہاں اچھی شہرت و اعزاز حاصل کر لیا تھا، پھر بعد کو مجھے معلوم ہوا کہ انھوں نے اس پیشہ کو اکثر فضلاء کی طرح ترک کرکے زاہدانہ زندگی اختیار کی ہے۔

احمد بن ابراہیم بن الزبیر بن محمد ابراہیم بن الحسن بن الحسین ابن الزبیر بن عاصم بن مسلم الثقفی بن کعب

نام و نسب

احمد نام، اور ابو جعفر کنیت ہے، آپ کے سلسلۂ نسب میں ایک شخص کعب کا نام آیا ہے اس کا نسب نامہ یہ ہے :۔

کعب بن مالک بن علقمہ بن حباب بن مسلم بن عدی بن مرۃ بن عوف بن ثقیف۔

شہر جیان سے جو اہل قنسرین کی فرودگاہ ہے آپ کی اصل شروع ہوتی ہے، آپ ان عربوں کی نسل سے ہیں جنھوں نے باہر سے آکر اندلس میں بود و باش اختیار کرلی تھی، شہر جیان میں آپ کا بہت بڑا خاندان آباد ہے، آپ خاندانی شریف تھے، اور آپ کی خوش حالی مشہور تھی۔

حالات

جب ۶۲۳ھ میں دشمنوں نے شہر جیان پر حملہ کرکے اس کو فتح کرلیا تو آپ کے والد آپ کو لے کر وہاں سے نکل گئے، اس وقت آپ کے والد کے پاس دولت و ثروت کی خطیر رقم موجود تھی جو آپ کی تحصیل علم میں معاون ہوئی، قرطبہ اور اشبیلیہ کے وہ بعید الوطن اور مہاجر علماء جنھیں زمانے کے شدائد نے محتاج بنا دیا تھا مثلاً ابو الحسن صایغ وغیرہ ان کی بھی اس رقم سے امداد کی جس کی وجہ سے یہ لوگ آپ کے معاون اور مخلص ہوگئے۔

ذاتی خصوصیات

آپ اکابر علماء، و اساتذہ اور محدثین کے آخری یادگار تھے، پاکیزگی اخلاق میں آپ کا کوئی ثانی نہ تھا، علوم و فنون کی تحصیل میں

آپ نے کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا، سماعت درس میں صبر و استقلال، تعلیم و تدریس کا انہماک آپ کی مشہور خصوصیت تھی، باوجودیکہ عمر اسّی سال کی ہو چکی تھی پھر بھی آپ کے درس و تدریس میں کسی قسم کا خلل واقع نہیں ہوا، اور نہ اس میں آپ کو کبھی کوئی تکلیف محسوس ہوتی، خشوع و خضوع اور خوف الٰہی کی کیفیت ہر وقت آپ پر طاری رہتی تھی، ہمیشہ آنکھوں سے سیل اشک رواں رہتا تھا، امر حق میں تشدد فرماتے تھے، اہل بدعت کے سخت مخالف، اور اتباع سنت کے نہایت پابند تھے، گفتگو فصاحت آمیز ہوتی، چہرہ سے ہیبت ٹپکتی تھی، عوام و خواص آپ کی بڑی عظمت کرتے تھے، اور اس قدر شیریں گفتار تھے کہ ہم جلیس آپ کی صحبت سے لطف اندوز ہوتے تھے، آپ کے متعلق بہت سی حکایات بیان کی جاتی ہیں جو تمامتر وقار، عظمت اور جلالت پر مشتمل ہیں۔

علمی خصوصیات سرزمین اندلس میں فن ادب، تجوید قرآن، اور روایت حدیث کی ریاست آپ پر ختم ہو گئی ہے، فقہ اور تفسیر میں بھی دوسرے علماء کے ہمپایہ تھے،

اساتذہ آپ نے جلیل القدر مغربی لوگوں سے علوم حاصل کئے تھے، ان میں ایک ابو عبد اللہ محمد بن ابراہیم بن مشہور غرناطی طائی بھی تھے۔

عہدہ پایۂ تخت غرناطہ میں نکاح اور خطبہ کے قاضی مقرر کئے گئے تھے، آپ کی شہرت دور دور تک پھیل گئی تھی، گھر گھر آپ کا چرچا تھا، اور اس وصف میں آپ کا کوئی مماثل نہ تھا۔

تصانیف آپ کی تالیفات کی تفصیل یہ ہے (۱) کتاب صلۃ الصلۃ لابن بشکوال، میں نے بھی اس سے اپنی ایک کتاب کو ربط دیکر اس کا نام عائد الصلۃ رکھا ہے، اور اس کا افتتاح بھی آپ کے نام سے کیا ہے، (۲) ملاک التاویل، اس میں قرآن شریف کے متشابہ الفاظ کا بیان ہے، یہ کتاب اپنے موضوع میں نہایت نادر سمجھی جاتی ہے (۳) البرہان اس میں قرآن پاک کی سورتوں کی ترتیب کا ذکر ہے، (۴) شرح الاشارہ للباجی، یہ اصول میں ہے، (۵) سبیل الرشاد جہاد کی فضیلت کے بیان میں ہے، (۶) ردع الجاہل عن اعتساف المجاہل، اس میں شوذیہ کا رد ہے یہ کتاب نہایت قیمتی ہے اس سے آپ کے تفنن طبع اور کمال کا پتہ چلتا ہے، (۷) کتاب الزمان والمکان یہ کتاب آپ کے لئے ایک داغ ہے،

خدا آپ سے در گذر فرمائے

اشعار

آپ کے اشعار اچھے نہیں ہوتے تھے تاہم اس قابل ہیں انکا ذکر کیا جائے شیخ ابوالبرکات نے اپنی ایک کتاب میں جس کا نام "شعر من الشعراء" رکھا ہے آپ کے حسب ذیل اشعار درج کئے ہیں، اس کتاب میں شاعروں کے وہی اشعار نقل کئے ہیں جن کا شمار اساتذۂ فن شاعری کی کسی صنعت میں نہیں ہو سکتا ہے۔

مالی وللتساٰل لا ادلی	میرے اور میرے سوال کے لئے یہ امر مذموم نہیں ہے
ان سالت عمن لیعزل اولی	کہ میں اپنے قریب یا بعید سے سوال کروں
حسبی ذنوب اثقلت کاھلی	گناہوں نے میرے کندھوں کو بوجھل کر دیا ہے
ما ان اری ظلامھا ینجلی	اور ان کی ظلمت اور جو تی نظر نہیں آتی ہے
یارب عفوا انھا جمۃ	اے خدا میں طالب عفو ہوں میرے گناہ بہت ہیں
ان لم یکن عفوک لا اقرلی	اگر تیرا عفو نہ ہو تو میرے لئے برائی ہے

دور ابتلاء

بنی اشقیلولۃ کے ایک تجیبی رئیس سے جس نے مالقہ میں اقتدار حاصل کیا تھا آپ کے تعلقات خراب ہو گئے تھے، اور منوشعوذہ کے ایک شخص نے جو نہایت مفتری اور کرامت کا مدعی تھا چند لوگوں کو بہکا کر ان سے آپ کی بدنامی کرا کے تعلقات کو اور بھی زیادہ خراب کر دیا تھا۔

اس مفتری شخص کے متعلق لوگوں کا خیال تھا کہ وہ کرامت کے ذریعہ نبوت کا دعویٰ کرنا چاہتا ہے، اس کا نام ابراہیم اور فزاری عرف تھا، وہ نہایت ہشیار، چابکدست، اور فتنہ پرداز تھا، آیندہ کی خبریں دیتا اور تقشف و مکاری کے ذریعہ لوگوں کے عادات و اطوار سے باخبر رہنے کی کوشش کرتا تھا، عوام الناس جو بہائم صفت ہوتے ہیں گونگے بہرے بن کر اس کے پیرو ہو گئے تھے، اور اس کی خاطر ان لوگوں نے آپ کی جان کو خطرہ میں ڈالدیا تھا۔

ایک زمانے کے بعد جب یہ مفتری شخص آپ کے ہاتھ سے غرناطہ میں قتل کیا گیا تو اس تجیبی رئیس کی قرار واقعی سزا کے لئے بھی آپ نے عجلت کی ہر چند اس نے فریاد کی مگر اس کی کچھ شنوائی نہ ہوئی

بہر حال آپ کو تجیبی رئیس کے مقابلہ کی اطلاع ملی، آپ نے اسی وقت مالقہ سے راہ فرار اختیار کی، تاہم آپ کے گھر پر حملہ کیا گیا اور لوگوں نے آپ کی کتابوں کے ذخیرہ پر قبضہ کر لیا،

اس ذخیرہ میں آپ کے شیوخ کے چند مفید حواشی بھی تھے، جن کے ضائع ہونے کا صدمہ آپ کو مدت تک رہا تھا، اور اس صدمہ سے آپ کی مصیبت اور زیادہ ہو گئی تھی، اسی حالت میں آپ غرناطہ چلے آئے اور سلطان امیر ابو عبداللہ بن امیر غالب باللہ ابو نصر کے زیر سایہ آپ نے پناہ لی، سلطان نے آپ کے ساتھ عمدہ سلوک کیا، اور آپ کی حقیقت سے آگاہ ہوا، رفتہ رفتہ آپ سے استفادہ کرنے کے لئے جم غفیر کا اژدہام ہونے لگا

آپ کے پڑوس میں ایک بزرگ صالح نصری سلسلہ کے رہا کرتے تھے، جن سے نسبت حاصل کرنے کے لئے آپ وہاں جایا کرتے تھے، وہ بزرگ صالح لوگوں کی نمامی کیوجہ سے شاہی عتاب میں تھے، ان کے پاس آپ کی آمد و رفت کی بھی مخبری کی گئی، مگر چونکہ ابھی آپ کی آمد و رفت مشکوک تھی اس لئے صرف اسی قدر سزا کی گئی کہ آپ ان متہم بزرگ کے پڑوس والے گھر سے نکال دیئے گئے، اور کہیں آنے جانے کی آپ کو اجازت نہ دی گئی، بجز اس کے کہ آپ اپنے گھر میں اس طرح گوشہ گیر ہو کر رہیں کہ لوگ آپ سے نہ مل سکیں اور نہ آپ کے متعلق کچھ مداخلت کریں۔

اسی حالت میں آپ پر ایک زمانہ گذر گیا، آخر کار مصیبت کی گھڑی دور ہوئی، کالے بادل پھٹ گئے، اور یہ بدر کامل بے حجاب ہو کر باہر نکل آیا، اس کے بعد آپ کی حالت سنور گئی، آپ کے عقیدت مندوں کی کثرت ہوئی، اور آپ کے علم کے غاشیہ بردار بہت پیدا ہو گئے، اس وقت آپ نے کتابوں کی تدوین شروع کی، اور طلبہ کو سماعت، روایت، اور تجربہ حاصل کرنے کا موقع دیا، طلبہ آپ سے پڑھکر فارغ ہوئے اور اپنے اپنے حلقۂ درس و تدریس میں شہرت پائی، پھر آپ کو اپنے دشمنوں پر قدرت حاصل ہوئی اور آپ کے انجام نے خوش گوار صورت اختیار کر لی، بہت سی ضائع شدہ کتابیں بھی مل گئیں، اور جب مالقہ میں امیر ابو عبداللہ بن نصر کی حکومت قائم ہو چکی تو آپ نے فزاری مذکور کو طلب کیا، گواہوں کے ذریعہ اس پر غالب آئے اور اس کی تحریک دعوت کو مردہ کرنے کی انتہائی کوشش کی، یہاں تک کہ فزاری آپ کے ہاتھ سے غرناطہ میں قتل کیا گیا۔

شیخ ابو الحسن بن الجیاب نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ جب فزاری قید خانہ سے مقتل میں لایا گیا تو وہ زور زور سے سورۂ (یٰس) پڑھنے لگا، ایک شریر شخص نے جو سزائے قید میں اس کا شریک تھا اس سے کہا، اپنا قرآن پڑھو، آج ہمارے قرآن کے کیوں طفیلی بنتے ہو، یا اسی کے مثل کوئی اور جملہ کہا تھا جو بطور ضرب المثل کے رہ گیا۔

ولادت	آپ کی ولادت شہر جیان میں ۵۶۲ھ کے آخر میں ہوئی۔
وفات	۸ ربیع الاول ۶۳۰ھ غرناطہ میں آپ کی وفات ہوئی، جنازہ میں خلقت کا ہجوم تھا، ہر سمت سے لوگ کھنچ کر چلے آئے تھے نعش کو طلبہ اپنے سروں

پر اٹھا کر قبر تک لائے، اس وقت سخت کہرام برپا تھا، اور ہر شخص کی زبان پر آپکی تعریف کے کلمات جاری تھے، اللہ تعالیٰ آپ پر رحمت نازل فرمائے، آپ کے تلامذہ میں ایک جماعت نے آپ کا مرثیہ لکھا،

منجملہ ان کے قاضی ابو جعفر بن ابی جبل نے جو مرثیہ لکھا تھا اس کے ابتدائی چند اشعار یہ ہیں،

عزيز على الاسلام والعلم ماجد	وہ اسلام اور علم کے عزیز اور بزرگ فرد تھے
فكيف بعيني ان يلم بها الكرى	آپ کی وفات سے میری آنکھوں میں کیونکر نیند آسکتی ہے
وما للمآقي لا تفيض متونها	آنکھوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ اپنی رگوں سے
تجمعاً على تلك المصيبة احمراً	اس حادثہ پر سرخ وسیاہ خون نہیں برساتی ہیں
فوالله ما تقضى المدامع بعض ما	بخدا اگر سیل اشک رواں ہو کر دریا بن جائے
يحق ولو كانت سيولاً وابحرا	جب بھی مرحوم کا ادنےٰ حق ادا نہ ہوگا۔
حقيق لعمري ان تفيض نفوسنا	قسم ہے زندگی کی اس صدمہ سے ہماری روحوں کا پگھل جانا
وفرض على الاكباد ان تتفطرا	اور جگر کا ٹکڑے ٹکڑے ہو جانا ضرور ہے

احمد بن عبد الوالی احمد الرعینیؒ

نام	احمد نام، ابو جعفر کنیت، اور عواد مشہور لقب تھا، آپ کے والد عود، یعنی ستار بجایا کرتے تھے، اس لئے آپ کا لقب عواد ہو گیا۔
حالات	آپ ایک ایسے خاندان کے رکن تھے جو اتباع سنت، دینداری، عفاف اور پرہیزگاری میں مشہور تھا، غرناطہ کا یہ خاندان بلحاظ شاعری، تجوید قرآن،

اور حفظ و خدمت قرآن کے اشبیلیہ کے خاندان بنو عطیہ اور غرناطہ کے خاندان بنو باخوشش کے مماثل تھا۔

آپ قرآن شریف کے علم میں، اس کے حقائق کی تحقیقات میں، اس کی تجوید کے اچھی طرح

جاننے میں، اس کی تعلیم کی مداومت میں، اور بطریق صلحاء، لوگوں کو قرآنی نصائح کرنے میں مشہور تھے، تمام لوگوں سے ملنے میں آپ کو تکدر پیدا ہوتا تھا، اور ارباب جاہ کی ملاقات سے گریزاں رہتے تھے، قول وفعل میں آپ کا درجہ بڑا تھا، تمام حالات میں آپ کی مخصوص شان تھی، کپڑے موٹے پہنتے بجز مسند درس وتدریس کے ہر وقت خاموش رہتے، کسب معاش میں میانہ روی، دینی معاملات میں پرہیزگار، اور اپنے اوراد کے محافظ تھے، ان مذکورہ اوصاف کی بناء پر آپ کا شمار ان چند لوگوں میں تھا جو انگلیوں پر گنے جاسکتے تھے۔

ایک روز آپ کی ہدایت سے کسی شخص نے لوگوں کے لئے ایک رقعہ لکھا اس نے آپ سے خود رقعہ نہ لکھنے کی بابت استفسار کیا، آپ نے کہا اے شخص! بخدا میں نے بجز قرآن شریف کے اب تک کچھ نہیں لکھا ہے اور میری یہی تمنا ہے کہ میں خدا سے اسی حالت میں ملوں اگر اس کی توفیق اور صوابدید شریک حال ہو۔

اساتذہ آپ کے اساتذہ کے نام یہ ہیں، استاذ ابوجعفر بن الزبیر، استاذ ابو جعفر حربولی کفیف، اور ابو عبداللہ بن رشد وغیرہم۔

وفات ذی الحجہ ۷۵۸ھ میں آپ کی وفات ہوئی، باب الفخارین کے قبرستان میں قصور حکمیہ کے قریب صحن قبرستان کے زیریں حصہ میں دفن کئے گئے، وفات کے بعد لوگوں نے آپ کی بے انتہا ستائش وتعریف کا اظہار کیا۔

احمد بن علی بن احمد بن خلف انصاری

نام وسکونت احمد نام، ابوجعفر کنیت، اور ابن باذش عرف تھا، غرناطہ کے باشندے تھے۔

حالات آپ کی اصل شہر جیان سے شروع ہوتی ہے، خیر اور پرہیزگار گھرانے کے آپ ایک فرد تھے، قاضی ابومحمد بن عطیہ کا قول ہے کہ "ابن باذش تمام معلمین کے امام، اور ماہرین اساتذہ کے پیشوا تھے، آپ کی مرویات بہت ہیں، علوم قرأت میں تفنن کے علاوہ تبحر تھا، ادب اور اعراب میں کامل دستگاہ تھی، اسانید کے اس قدر مبصر اور نقاد تھے کہ شاذ اور معروف کو پرکھ لیتے تھے"۔

ابن الزبیر کا قول ہے کہ "جہاں تک میری نظر اور علم وسیع ہے میں نے کسی کو ابن باذش

سے بڑھکر طرق قرآت کا نقاد اور اس علم کا ماہر نہیں دیکھا ہے آپ کا کوئی ہمعصر اور آپ کے بعد آیندہ کوئی شخص اس رتبہ کا نہ ہوگا"

اساتذہ

فقہ کی تعلیم اپنے والد ابوالحسن سے حاصل کی، روایت بھی زیادہ تر والد ہی سے کرتے تھے اور جس قدر پدر بزرگوار کی علمی استعداد تھی اس سے پورا استفادہ کیا، اور اپنے والد کے اکثر شیوخ سے بھی علوم حاصل کئے، قرآن شریف کی تعلیم معلم القرآن امام ابوالقاسم بن خلف بن النحاس، سے حاصل کی، اس غرض سے آپ نے قرطبہ کا سفر کیا اور امام موصوف کی صحبت میں بہت دنوں تک رہے، جعفر ابو ہابیل بن محمد خلاسی مقری، ابوبکر بن عیاش بن خلف مقری، ابوالحسن بن زکریا، ابوالحسن شریح بن محمد، ابومحمد عبداللہ بن احمد ہمدانی جیانی سے بھی قرآن پڑھا اور ان شیوخ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا، آخرالذکر سے پڑھنے کے لئے شہر جیان گئے، بکثرت علماء سے قراءت، سماعت، اور اجازت حاصل کی، چند علماء کے نام یہ ہیں، ابوداؤد، ابوالحسن بن اخی الدش، ابوعلی غسانی، ابوالقاسم خلف بن صواب مقری، ابوعامر محمد بن حبیب جیانی، ابوعبداللہ محمد بن احمد تجیبی الشہیر، ابومحمد بن السید، ابوالحسن بن الاخضر، ابومحمد عبداللہ بن ابی جعفر الحافظ، ان میں ثانی الذکر سے سند اجازت لی، اور ابوعلی غسانی سے امامت اور اتقان کی سند اجازت کے علاوہ سماعت بھی حاصل کی، ان کے علاوہ آپ کے اساتذہ میں دیگر علماء بھی ہیں جن کا ذکر موجب طوالت ہے۔

تلامذہ

آپ کے تلامذہ کے نام یہ ہیں، ابومحمد عبداللہ، ابوخالد بن رفاعۃ، ابوعلی قلی مقری، ابوجعفر بن حکیم، ابوالحسن بن الضحاک، اور ان کے فرزند ابومحمد عبدالمنعم یہ آپ کے آخری شاگرد ہیں جنھوں نے آپ سے حدیث کی روایت کی ہے۔

تصانیف

آپ نے متعدد کتابیں تالیف کیں جن میں ایک وہ کتاب الاقناع قرأت میں ہے اس موضوع پر یہ بے مثل کتاب ہے، دوسری تالیف میں قرأت کے مروج طریقوں کو بیان کر کے قرأت کو اچھی طرح مستحکم کیا ہے، اس کی اسانید لکھی اور اسانید کے استحکام اور صفائی کی پوری کوشش کی ہے، آپ کی زندگی نے وفا نہکی ورنہ طرق قراءت میں جس قدر اختلافات تھے وہ بھی واضح کر دیتے۔

ولادت آپ کی ولادت ربیع الاول ۶۹۱ھ میں ہوئی۔

وفات ۲؍ جمادی الاخرہ ۷۶۰ھ میں وفات پائی اس وقت آپ کی عمر انہتر سال کی تھی۔

احمد بن عبد النور بن احمد بن راشد

نام و سکونت احمد نام، ابو جعفر کنیت ہے، مالقہ کے رہنے والے تھے، آپ کا خاندان بنو راشد کے نام سے مشہور تھا، شیخ ابو البرکات کا بیان ہے کہ میں نے احمد بن عبد النور کا نام انھیں کے ایک خط سے نقل کیا ہے، آپ نے اپنے نسب کے متعلق کچھ نہیں لکھا تھا اس لئے اس کا علم نہ ہو سکا، آپ کا مشہور نام ابن عبد النور تھا۔

حالات ابن عبد النور کو عربیت میں کامل دستگاہ حاصل تھی، اور یہی آپ کا اصلی سرمایہ تھا، تاہم قدماء کی منطق، عروض، فرائض عبادات، اور شاعری میں دخل تھا، معمے اور چیستاں کے حل کرنے میں طبیعت کو خاص مناسبت تھی، قرآن شریف نہایت خوش الحانی اور خشوع و خضوع سے پڑھتے تھے۔

آپ نے مالقہ سے سبتہ کا سفر کیا، پھر اندلس آئے اور وادی آش میں مدت تک تعلیمی خدمت انجام دی، مریہ اور برجہ میں بھی اکثر آیا کئے اور یہاں بھی قرآن شریف اور دیگر علوم کی جن میں دخل رکھتے تھے لوگوں کو تعلیم دی، کبھی کبھی نیابت عہدۂ قضا کی خدمت بھی انجام دی، سفر کے سلسلے میں غرناطہ بھی آئے۔

اساتذہ آپ نے قرآن شریف کی تعلیم ابو عمرو الدانی کی قراءت کے طریقہ پر خطیب ابو الحسن الحجاج بن ابی ریحانہ مربلی سے حاصل کی، یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ آپ کے شہر میں شیخ موصوف کے سوا کوئی دوسرا استاذ بھی تھا یا نہیں کیونکہ آپ کو شیوخ سے ملنے اور ان سے استفادہ کرنے کا چنداں شوق نہ تھا، البتہ مجھے اتنا علم ہے کہ آپ ابو الحسن بن الاخضر مغربی عروضی سے سبتہ میں ملے تھے اور عروض میں ان سے مذاکرہ کیا تھا لیکن ان سے استفادہ کرنے یا نہ کرنے کی اطلاع نہیں ملی۔

میں نے اپنی یادداشت دیکھی تو معلوم ہوا کہ قاضی ابو عبد اللہ بن بطال نے بیان کیا تھا کہ وہ اور ابن عبد النور دونوں نے ایک ساتھ ابن مفرج مالقی سے جزء ولیتہ پڑھی تھی اور ابن عبد النور سے

اس پر حاشیہ لکھ کر ابن مفرج کی خدمت میں پیش کیا تھا، ابن مفرج کا پورا نام محمد بن یحییٰ بن علی بن مفرج مالقی ہے الحجاج موصوف سے ابوعمرو الدانی کی تیسیر، زجاجی کی جمل اور احمد بن یحییٰ ثعلب کی فصیح اور اشعار الستہ روایت کی ہے۔

مجھے ایک کتاب کی اطلاع ملی ہے جو جعلی پر لکھی ہوئی تھی اس کی اجازت آپ نے کسی شیخ سے حاصل کی تھی مگر اس میں اس کی صراحت نہ تھی کہ الحجاج سے اس کی تحصیل کس طور پر کی ہے اسی کتاب میں میں نے ایسے او لم لکھے ہوئے دیکھے جن سے پتہ چلتا تھا کہ ابن عبدالنور نے اس کتاب کی تحصیل میں عقل و شعور سے بالکل کام نہیں لیا تھا، یہ کتاب آپ کے التفات کے قابل ہرگز نہ تھی۔

میں نے ابن عبدالنور کے بعض اصحاب کی تحریر دیکھی ہے جس سے معلوم ہوا ہے کہ انھوں نے فقہ ابو ریحانہ سے پڑھی تھی غالباً یہ واقعہ آپ کے بچپن کا ہوگا جبکہ طلب علم کی خلش دل میں پیدا نہ ہوئی ہوگی، کیونکہ جن علوم و فنون کو آپ نے حاصل کیا تھا ابو ریحانہ کو ان میں دستگاہ نہیں تھی اور نہ وہ ان فنون کے ساتھ منسوب تھے۔

تصانیف

ابن عبدالنور کی تصانیف حسب ذیل ہیں:۔

کتاب الحلیۃ، بسم اللہ اور درود کے بیان میں ہے، کتاب رصف المبانی حروف معانی میں ہے، یہ آپکی بلند پایہ تصنیف ہے اس سے عربیت میں آپ کی استادی کا اندازہ ہوتا ہے، ایک جزء عروض میں ہے، ایک جزء عروض کے شواذ میں ہے، ابوموسیٰ جزولی کی کتاب کامل کی شرح لکھی ہے، جس کی ضخامت تقریباً موطا کے برابر ہے، ابوعبداللہ بن ہشام الفہری المعروف ابن الشواش کی کتاب مقرب کی بھی شرح لکھی ہے یہ شرح پوری نہ ہو سکی صرف ہمزۂ وصل تک لکھ سکے تھے اور ابوعلی کی ایضاح کی مانند ہے، جمل پر حاشیہ لکھا ہے لیکن وہ بھی ناتمام ہے۔

شاعری

آپ کے اشعار متوسط درجے کے ہوتے تھے نہ جیّد اور نہ ردی، شاعری کی طرف زیادہ توجہ نہ تھی، شعر نہ بہ تکلف کہتے تھے اور نہ اس کے لئے خاص ارادہ کرتے تھے، جس کا عذر یہ تھا کہ وہ اچھے شعر نہ کہتے تھے۔

شیخ ابوالبرکات کا بیان ہے کہ میں نے ان کے ایک جزو اشعار بہ نظر امعان پڑھ ڈالے تاکہ ان میں جو اچھے ہوں انھیں منتخب کر کے اس تذکرہ میں درج کر دوں مگر بعض اشعار تو بالکل دو کوّے کی کائیں کائیں کے مشابہ تھے میں نے ان کے ایسے اشعار بھی [illegible] لئے ہیں اس لئے نہیں

کہ میں نے ان کو دیگر اشعار پر ترجیح دی ہے بلکہ اس لئے کہ یہ ان کا نقش اول تھا۔

منجملہ اشعار کے ایک قصیدہ کے چند اشعار یہاں درج کئے جاتے ہیں جن کو میں نے خود شاعر کی تحریر سے نقل کیا ہے۔

محاسن من اهوی یضیق لها الشرح — میرے محبوب کے محاسن کی جس قدر شرح لکھی جائے کم ہے

له الهمة العلیا و الخلق السمح — اس کی ہمت عالی ہے اور خلق وسیع ہے

له بهجة یغشی البصائر نورها — اس کا نور جمال ارباب بصیرت کو مبہوت کر دیتا ہے

وتعشی بها الابصار ان غلس الصبح — اور اگر صبح تاریک ہو جائے تو اس کے نور جمال سے آنکھیں خیرہ ہو جائیں

اذا ما دنا فاللحظ سهم مفوق — جب قریب آتا ہے تو اس کی نظر تیر جگر خراش بنجاتی ہے

وفی کل عضو من اصابته جرح — اور جس جس عضو میں پہونچتی ہے اس کو زخمی کر دیتی ہے

اذا ما انثنی زهواً و ولی تبختراً — جب وہ فخر و غرور میں مڑتا اور تبختر سے پشت پھیرتا ہے

یغار لذالك القد من لینه الرمح — تو اس کے قد کی لچک سے نیزے کو بھی غیرت ہوتی ہے

وان نفحت ازهاره عند روضة — اگر اس کے دندان شکوفہ سے کسی گلزار کے پاس خوشبو اڑتی ہے

فیخجل ریّا زهرها ذلك النفح — تو گلوں کی خوشبو کو شرمندہ کر دیتی ہے

هو الزمن المأمول عند ابتهاجه — وہ زمانہ ہے اور بوقت مسرت سراپا امید بھی ہے

فلمته لیل وغرّته صبح — اس کے گیسو سیاہی میں رات سے مماثل ہیں اور اسکا چہرہ چمک میں صبح کی مانند ہے

لقد خامرت نفسی مدامة حبه — اس کی شراب محبت سے میرا نفس مخمور ہے

فقلبی من سکر المدامة لا یصحو — اس شراب کے نشہ سے میرا دل ہوش میں نہیں آتا

وقد هام قلبی فی هواه فبوحت — اس کی محبت میں دل متحیر ہے اور اخفائے محبت سے

باسراره عین لها معها سح — آنکھ کو اس قدر نوبت پہونچی ہے کہ سیل اشک رواں ہو گیا ہے

ناوانی وسادہ لوحی دنیاوی باتوں میں آپ کی ناوانی اور سادہ لوحی کے اس قدر واقعات آپ کے خدمت گزار اور دوسرے ثقہ لوگوں کی زبانوں پر چڑھے ہوئے ہیں کہ اگر وہ حد تواتر کو نہ پہونچے ہوتے تو کوئی شخص بھی ان کی تصدیق نہ کرتا، یہ تمام واقعات ابو علی شلوبین کی حکایات سے بالکل مشابہ ہیں

ایک دفعہ آپ نے چادر کا ایک ٹکڑا کسی شخص سے خریدا اور اسے پانی میں بھگو یا، پانی میں تر ہونے سے سمٹ کر وہ چھوٹا ہو گیا جیسا کہ عموماً کپڑے پانی میں ڈالنے سے چھوٹے

ہو جاتے ہیں اب اس ٹکڑے کو ناپا تو وہ پہلے سے چھوٹا تھا بائع سے باقی کپڑے کا مطالبہ کیا اس نے کپڑے کے چھوٹے ہونے کی وجہ بتائی لیکن اس کے سمجھنے سے آپ کی قوت فہم قاصر رہی۔

ایک دفعہ طلبہ کی ایک جماعت کیساتھ آپ مریۃ کے کسی باغ میں گئے، طلبہ نے دودھ اور کچھ چانول ساتھ رکھ لئے تھے، چانولوں کے گلانے کے لئے ہانڈی کی ضرورت تھی مگر وہاں دستیاب نہ ہوئی ایک ہانڈی ملی جس میں کچھ روغن زفت (تارکول) تھا جو اونٹوں کے جسم پر لگایا جاتا ہے آپ نے کہا بس اسی ہانڈی میں چانول گلاؤ ساتھیوں نے جواب دیا کہ اس میں چانول کیسے پک سکتے ہیں اگر چوپایوں کے کھانے کی کوئی چیز بھی اس میں پکائی جائے تو وہ بھی نہ کھائیں گے اور یہ تو شیر برنج ہے، آپنے ساتھیوں کو جواب دیا تم لوگ اپنے معدوں کو دھوڈالو تو یہ کھانا حلق سے فرو کرلوگے ساتھ والوں کو بڑی حیرت تھی کہ آپ کسطرح اس ہانڈی کی پکی ہوئی چیز بطیب خاطر کھانے کو تیار ہیں، اور کس طرح آپ نے معدہ کے متعلق ایسا قیاس کیا ہے۔

ایک دفعہ کچھ لوگوں نے کسی سیرگاہ میں گوشت پکایا آپ نے اس کا نمک چکھا اس میں نمک کم تھا آپ نے اس میں نمک ڈالا اور فوراً شوربے میں نمک گھلنے سے پہلے دوبارہ گوشت کو چکھا اب بھی اس میں نمک کم پایا پھر اس میں نمک ڈالا یہاں تک کہ گوشت میں اتنا نمک تیز ہوگیا کہ کوئی اس کو کھا نہ سکا۔

ایک دفعہ آپ نے ایک حوض کی نالی میں ہاتھ ڈالا اتفاق سے ہاتھ ایک بڑے مینڈک پر جا پڑا وہیں سے آواز دی لوگو! دوڑو یہاں ایک نرم پتھر ہے۔

ایک روز آپ نے قائد ابوالحسن بن کماشہ سے ایک اسپ شاہی کاغذی رنگ کا جو امراء کی سواری میں رہتا تھا مستعار مانگا اور کہا کہ یہ گھوڑا میرے پاس بھیج دیجئے، قائد نے خیال کیا کہ آپ سوار ہو کر کہیں جانا چاہتے ہیں، مگر آپ کی سادہ لوحی کا خیال کرکے پوچھا کہ آپ گھوڑا کیا کریں گے آپ نے جواب دیا کہ رہٹ سے پانی کھنچواؤنگا، قائد نے کہا کہ ان شاءاللہ گھوڑے کے علاوہ دوسرے جانور سے بھی آپ کی یہ ضرورت پوری ہوسکتی ہے، چنانچہ آپ کے لئے ایک گدھا بھیجدیا جس سے پانی کھینچا جاتا تھا، الغرض اس قسم کی باتوں میں آپ شعور و تمیز سے بالکل عاری تھے مولف کہتا ہے کہ موجودات الٰہی میں بہت سی عبرتیں ہیں ان میں نادر تر عالم انسانی ہے، مختلف خواہشات اور متضاد طبائع کے ساتھ انسان پیدا کیا گیا ہے، اسرار و غوامض کا وہ احاطہ کرتا ہے لیکن قریب تر اشیاء کے فہم سے وہ قاصر رہتا ہے۔

مجھ سے متعدد آدمیوں نے جنمیں ایک میرے چچا ابوالقاسم اور ابن زبیر بھی شامل ہیں ابوالحسن ابن سراج سے بروایت ابوالقاسم بن بشکوال بیان کیا ہے کہ ایک روز افسر شرطی (پولیس) کے سامنے فقیہ ابوعمر ہندی صاحب وثائق کی ابراہیم بن محمد سے بحث وتکرار ہوئی مگر وہ اپنی بحث میں عاجز آگئے اور اپنی ہار مان لی، افسر شرطی نے کہا ابو عمر! تمھارا عجب حال ہے دوسرں کے معاملے میں تم بڑے تیز وطرار رہتے ہو مگر جب تمھارا خاص اپنا معاملہ پیش آتا ہے تو تمھاری زبان بند ہو جاتی ہے، ابوعمر نے جواب دیا "لکن لت یبایّن اللّٰہ آیاتہ للناس" (خدا اپنی نشانیاں لوگوں پر اسی طرح ظاہر کرتا ہے) پھر تمثیلاً ایک شعر پڑھا

صرت کانی ذبالۃ نصبت	میں چراغ کے فتیلہ کے مانند ہوں
تضیئ للناس وھی تحترق	جو خود جلتا ہے مگر لوگوں کو روشنی دیتا ہے

شیخ ابوالعباس کاتب وہ آخری شخص ہیں جن کے ساتھ میں نے اصحاب ابن العمار سے حدیث لکھی ہے، انھوں نے مجھ سے بجایہ میں بیان کیا کہ میں ابوالحسن عازم قرطاجنی کے پاس تونس میں آیا اور چونکہ میں کپڑے اچھے سی لیا کرتا تھا اس لئے انھوں نے مجھ سے کہا کہ مستنصر نے اپنی پوشاک میں سے ایک جربی جبہ مجھے عطا کیا ہے لیکن اس کی قطع ہمارے شرقی اندلس کے کپڑوں کی سی نہیں ہے، میں چاہتا ہوں کہ تم اس کی آستینیں کھول کر ہمارے کپڑوں کی طرح بنادو، میں نے پوچھا یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ انھوں نے بتایا کہ آستین کا سرا کھول کر اس کا تنگ حصہ اوپر جوڑ دو اور کشادہ حصہ اطراف میں ڈالدو، میں نے کہا کہ اوپر کے حصہ میں جو کمی ہوگی وہ کس طرح پوری کی جائے گی کیونکہ جب آستین کا تنگ حصہ کشادہ جگہ وصل کیا جائے گا تو اس میں شکن پڑجائیگی ہاں پیوند لگا کر آستینیں درست کی جاسکتی ہیں اس کے سوا کوئی دوسری تدبیر نہیں ہے لیکن یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آئی بالآخر جب میں ان کی باتوں سے تنگ آگیا تو انھیں چھوڑ کر واپس آگیا، ایک طرف ان کی ذہانت کا یہ نمونہ ہے دوسری طرف اسی ذہانت سے انھوں نے مقصورہ اور دوسرا عجیب وغریب کتابیں لکھی ہیں۔

ولادت ابن عبدالنور کی ولادت رمضان ۶۳۰ھ میں ہوئی

وفات سہ شنبہ، ۲ ربیع الآخر ۷۰۲ھ میں وفات پائی، اور بیرون باب بجایہ ایک گورستان میں شیخ ابوالعباس بن مکتون زاہد کی تربت کے پاس مدفون ہوئے۔

احمد بن محمد بن علی بن محمد بن یحییٰ بن مصادف بن عبداللہ

نام، کنیت، اور وطن احمد نام، ابوجعفر کنیت، اور ابن مصادف عرف ہے، اصلی وطن بسطہ ہے، غرناطہ میں آکر بس گئے ہیں، یہیں تعلیم پائی، اور درس وتدریس کا مشغلہ بھی یہیں جاری رکھا۔

حالات ابن مصادف کا شمار ان لوگوں میں ہے جو طلب علم، فصاحت وبلاغت اور جد وجہد میں مشہور ہیں، یہ اپنی سعی ومحنت کی وجہ سے تھوڑی مدت میں تحصیل علم سے فارغ ہوگئے تھے، ان کی زبان شیریں اور دل آویز ہے، شکل وشباہت حبشیوں کی طرح عجیب وغریب ہے، اور ان کے سر کے بال پراگندہ اور عیب دار ہیں، بڑے بڑوں کے پاس پہونچنے اور شرفار سے اختلاط پیدا کرنے میں کمال ملکہ رکھتے ہیں۔

شیوخ وقت کے لئے انھوں نے اپنے آپ کو وقف کردیا تھا، اور ان کی خدمتوں میں اس طرح حاضر ہوتے تھے جس طرح بیماریاں کسی کے جسم سے چمٹ جاتی ہیں، اکثر شیوخ سے استفادہ کرنے اور ان کی حیا ومروت سے فائدہ اٹھانے میں بے باک تھے، اور حصول فائدہ کی غرض سے شیوخ کی اس طرح مدح سرائی کرتے تھے جس طرح کوئی شخص کسی شکار پر شکاری جانور مسلط کردیتا ہے۔

ابن مصادف غرناطہ میں اہل مغرب کے زمرہ میں داخل ہوکر اصول مدنیت کو بھول گئے تھے جس کی وجہ سے بزدلی اور خوشامد کا الزام ان پر عائد کیا گیا تھا سواری کے معاملہ میں ان کا حمق مشہور ہے، گھوڑوں کی زین پر ران جما کر ان کا بیٹھنا غیر ممکنات سے ہے، نیز یہ تفصیلی کیفیات کی تمیز اور تفریق کرنے میں عاجز ہیں، مختلف فنون مثلاً قرآن، تفسیر، اور عربیت میں استعداد اچھی رکھتے ہیں، کئی بار اضطراب انگیز تحریکات میں یہ اپنے نفس کو قابو میں نہ رکھ سکے، جس کی وجہ سے مصائب میں مبتلا ہوئے، آخر میں ان مصائب سے ان کی گلو خلاصی ہوئی، تاہم یہ اپنی حالت پر بدستور قائم ہیں

اساتذہ جن اساتذہ سے ابن مصادف نے علوم حاصل کئے ہیں ان کے

نام یہ ہیں:۔
بسطہ میں خطیب بسطہ، ابو الاصبع بن عامر، خطیب ابوعبداللہ، اوران کے برادر عمزاد
خطیب ابو اسحٰق سے، مدینہ میں ابوعبداللہ بن جابر، علی بن ابوعثمان بن لیون سے، اور
حمہ میں خطیب ابوعبداللہ بن العربی سے تعلیم حاصل کی ہے، شیخ ابوعبداللہ بن عبدالوالی عواد سے
قراءت سبعہ میں قرآن شریف پڑھا ہے، شیخ ابوالحسن بن الکباب سے احادیث کی روایت کی
ہے، حجاج ابوالحجاج ساحلی سے قراءت کی کتابیں پڑھی ہیں، استاذ ابوعبداللہ بیانی سے فقہ
حاصل کی، قاضی الجماعت ابوالقاسم بیانی سے مزید تعلیم پائی، اوراستاذ الجماعت ابوعبداللہ فخار کی صحبت
میں بہت دنوں تک رہے اوران سے عربی ادب حاصل کیا،
جب استاذ موصوف نے ان کی لڑکی کو اپنے عقد زوجیت میں لیا تو اس کے بعد بھی یہ ان سے
استفادہ کرتے رہے تھے، مگر پھر دونوں میں تعلقات خراب ہوگئے یہاں تک کہ استاذ نے وفات پائی؛
ابن مصادف کی حالت اب تک بدستور سابق ہے اگرچہ سن کہولت کو یہ
پہونچ گئے ہیں۔

احمد بن حسن بن باصہ سلمی موقت مسجد اعظم غرناطہ

نام وکنیت ووطن احمد نام، ابوجعفر کنیت ہے، اصلی وطن شرقی اندلس میں تھا، ان کے
والد غرناطہ میں آکر رہ گئے تھے۔

حالات احمد بن حسن علم ہیئت اور آلات فلکی کی دانست میں یگانۂ روزگار تھے،
تمام آلات اپنے ہاتھ سے بناتے اوران کا ذخیرہ اپنے پاس رکھتے تھے،
ان آلات میں خطوط کی خوش نمائی، صنعت کی یکسانیت، اور وضع کی صحت کی وجہ سے لوگوں کی
حیرت انگیز نگاہیں ان پر پڑتی تھیں، اس فن میں ان کا درجہ اتنا عالی تھا کہ متقدمین میں جو اس فن کے
ماہر گذرے ہیں ان پر انھیں فضیلت دی گئی ہے، ان کے مسی اور برنجی آلات نہایت اچھے
ہوتے تھے، لوگ ان کے بنائے ہوئے آلات کو بیش بہا قیمت دیکر خریدتے تھے۔
احمد بن حسن نے یہ فن اپنے والد سے سیکھا تھا جو اس فن کے استاد تھے اور دیگر فنون
میں بھی ماہر تھے۔

احمد بن محمد بن یوسف انصاری

نام کنیت اور وطن احمد نام، ابو جعفر کنیت، اور حبالی عرف ہے، غرناطہ کے رہنے والے ہیں!

حالات حبالی ابتدا میں ایک زمانہ تک جماعت عدول کے منتظم تھے، ان کے اخلاق میں نرمی، اور طبیعت میں سکون ہے، ہر چیز میں خصوصیت پسند اور معاملات میں صاف ہیں، مساحت، حساب، صنعت تعدیل اور ایام کی جدول بنانے میں بصیرت رکھتے ہیں، لوگ ان کے پاس گنڈوں اور تعویذوں سے ابتدائی جنون کا علاج کرانے کے لئے آتے تھے، انہیں خصوصیات کی بنا پر امراء اور دولت مندوں تک ان کی رسائی تھی!

حبالی نے اپنے ابتدائی اخلاق و عادات کو ترک کر دیا تھا جس کی بنا پر وہ اندوہگیں شہادتوں میں مبتلا ہوئے، ان کے متعلق یہ خبر بیان کی گئی ہے کہ جب سلطان نے ان کے معاملہ میں مداخلت کی اور امر و نہی کا ابتدائی سلسلہ جاری کیا تو انھوں نے خاموشی، فراست اور کوتاہ عملی اختیار کی تاہم جو سزائیں ان کے لئے تجویز کی گئی تھیں وہ انہیں جھیلنی پڑیں، حبالی اس وقت تک بقید حیات ہیں۔

اساتذہ حبالی نے شیخ ابو عبداللہ فخار معروف بہ ابو خرلیتہ جو صنعت تعدیل وغیرہ میں نہایت ذکی اور ماہر مشہور تھے اور ابو زید بن قمنی ان دونوں سے یہ صنعت حاصل کی تھی، اور شیخ ابو زکریا بن ہذیل سے طب پڑھی۔

بغاوت میں ماخوذ ہونا ایک دفعہ حکومت حوادث میں مبتلا ہو کر ایک متغلب شخص کے قبضہ میں چلی گئی تھی، اس بغاوت کے سلسلہ میں حبالی چند باتوں میں متہم پائے گئے، جو تمام حوادث کی جڑ تھیں، اور جن کی شہادت خود ان کے خط سے بہم پہونچی، بعد ازاں جب سلطان کو جو اس بغاوت سے تنگ آکر عدوہ (افریقیہ) چلا گیا تھا دوبارہ حکومت حاصل ہوئی تو اس نے انھیں سخت سزائیں دیں، ان پر کوڑے لگوائے، اور پھر ۷۶۳ھ کے اواخر میں تمام مغربی لوگوں کے ساتھ تونس میں انھیں

جلا وطن کر دیا۔

ایک دفعہ سلطان مذکور نے مجھ سے بیان کیا کہ حبالی نے مجھے شہر فاس میں ایک خط کے ذریعہ ان باتوں کی پہلے اطلاع دی تھی، اس وقت ان کی وجاہت کا زمانہ شروع بھی نہیں ہوا تھا اس بنا پر حبالی کا خبر دینا کہ حکومت سلطان کو دوبارہ واپس ملیگی اور پھر سلطان انھیں سخت سزائیں دے گا علم نجوم میں ان کی مہارت اور پختہ کاری کا بیّن ثبوت ہے بشرطیکہ اس علم کے تمام قوانین صحیح ہوں۔

خدا سے ہماری دعا ہے کہ وہ اپنے فضل و کرم سے ہماری پردہ داری فرمائے اور لوگوں کی شر انگیز زبانوں سے محفوظ رکھے۔

احمد بن محمد کزی

نام احمد نام، اور غرناطہ کے رہنے والے تھے۔

حالات احمد کزی اپنے عہد میں غرناطہ کے شیخ الاطباء اور شاہی طبیب تھے، وقار و متانت، پاکیزگی و پاکدامنی، خوش اطواری اور نیک روش کی پابندی میں بے عدیل تھے، فن طب میں نہایت معظم و محترم اور اس فن پر بہت حاوی تھے، اس کا درس دیتے اور اس کے اصول و نصوص کو از بر یاد رکھتے تھے علاج و معالجہ میں دست شفا تھے جس کی وجہ سے لوگوں کا ان کی طرف مرجوعہ زیادہ رہتا تھا، اور ان کی ذات سے امیدیں بہت زیادہ وابستہ رہتی تھیں، اس لئے انھوں نے اس فن سے منافع بہت حاصل کئے۔

علم الطبیعہ میں جس کا تعلق فن طب سے گہرا ہے کزی مرجع عام اور عالی مرتبہ تھے، مگر لوگوں کے ساتھ مدارات کرنے میں کوتاہی کرتے تھے، فن طب استاد ابو عبداللہ قوطی سے حاصل کیا تھا

ایک دفعہ شاہی دربار میں کچھ نقد رقم کے متعلق جو اطباء کو دیئے جانے کے لئے استاد رقوطی کے پاس جمع تھی اور جس کے فیصلہ کے لئے کزی مصر اور مضطر تھے ان دونوں میں تکرار ہو گئی، اور تکرار یہاں تک بڑھی کہ کزی نے قسم کھالی کہ وہ استاد رقوطی کے ساتھ کہیں یک جا جمع نہ ہوں گے، چنانچہ اس کے بعد سے وہ کبھی دربار شاہی میں ایک ساتھ مجتمع نہ ہوئے، اگرچہ علاج

میں دونوں کی طرف رجوع کیا جاتا تھا۔

کزی نے فن طب استاد رقوطی کے علاوہ ابن عروس وغیرہ سے بھی حاصل کیا تھا۔

تلامذہ کزی کے تلامذہ میں بہت سے شیوخ داخل ہیں، ان میں چند کے نام یہ ہیں، طبیب ابو عبداللہ ابن سالم، طبیب ابو عبداللہ بن سراج وغیرہما

فن طب میں کمال میرے والد نے مجھ سے کزی کے وقار اور حسن تربیت کے متعلق بہت سے واقعات بیان کئے ہیں، منجملہ ان کے یہ بیان کیا کہ میں کزی سے بہت مانوس تھا، اور فن طب میں مہارت رکھنے کے علاوہ حکمائے فن کے تمام اقوال پر جس قدر انکیں عبور حاصل تھا اس پر میں نہایت تعجب کیا کرتا تھا، چنانچہ ایک دن کا واقعہ ہے کہ ہمارے ایک مریض ان کے سامنے تشخیص کے لئے خارج شدہ کچھ خلط لائے جس میں سانپ تھا کزی نے اسے دیکھکر نہایت متانت وسنجیدگی سے کہا کہ یہ مریض اچھا ہوگا کیونکہ رئیس ابن سینا نے ارجوزہ میں لکھا ہے کہ

ان خرج المخلط مع الحیات	اگر بحران کے روز خلط میں سانپ خارج ہوں
فی یوم بحران فعن حیاۃ	تو یہ زندگی کی علامت ہے

اور آج بحران کا روز ہے، چنانچہ کزی نے جو کہا تھا وہ درست نکلا۔

کزی ۶۹۰ھ تک بقید حیات تھے۔

احمد بن محمد بن ابو الخلیل مفرج اموی

نام، کنیت، عرف احمد نام، اور ابو العباس کنیت تھی، عشاب اور ابن الرومیہ کے عرف سے مشہور تھے، ابن فرتون نے ان کی کنیت ابو جعفر لکھی ہے۔

اموی خاندان کے موالی میں ان کا شمار ہے، اشبیلیہ کے رہنے والے تھے، اس شہر کی شہرت بھی زیادہ تر انہی کی وجہ سے ہے۔

قاضی ابو عبداللہ کہتے ہیں کہ عشاب کے پرداد اکو قرطبہ کے کسی طبیب نے متبنیٰ لیا تھا، اور انھوں نے علم النباتات بھی اپنے آقا ہی سے حاصل کیا تھا۔

حالات

عشاب اپنے زمانہ میں یگانۂ روزگار تھے، ان کا کوئی ثانی نہ تھا، ان کی شخصیت اپنی جنس میں ممتاز تھی، حدیث کے امام، حافظ، اور نقاد تھے، محدثین کی تاریخ، انساب، ولادت، وفات، اور جرح و تعدیل سے بخوبی آگاہ تھے، علم نبات کی واقفیت، جڑی بوٹیوں کی تمیز و تحلیل، اور ان کے اصول کے اثبات میں وہ نہ صرف اپنے زمانہ میں بلکہ متقدمین و متاخرین کے مقابلہ میں بھی نوع انسانی کے عجیب ترنمونہ تھے، جڑی بوٹیوں کی پیداوار مشرق میں ہو یا مغرب میں، اور ان کی جائے پیدائش کے حالات میں جس قدر اختلافات ہوں، ان تمام باتوں کو تحقیق، مشاہدہ، اور حس کے ذریعہ معلوم کر لیتے تھے، اس میں کوئی شخص ان کی تردید کر سکتا تھا اور نہ تکذیب، وہ سراپا حجت تھے، جس سے کسی کو انکار نہ تھا، علم نبات میں وہ مسلم اور مرجع قرار دئے گئے تھے، علم حدیث اور علم نبات دونوں علوم میں ان کی حالت مساوی تھی، کیونکہ دونوں کا قدر مشترک بھی واحد ہے، مختلف مقامات کی سیر کرنا، ہر چیز کو لکھنا، لفظی مشکلات کی تحقیق کرنا، اور ادیان وابدان کے اصول کو محفوظ رکھنا، ازیں قبیل دوسری باتیں دونوں علم کیلئے ضروری ہیں۔

عشاب زاہد اور صاحب ایثار تھے، زندگی بہت کشادگی سے بسر کرتے تھے، ان کے پاس ہر وقت کتابوں کا ذخیرہ رہتا تھا، اور ہر علم و فن میں کتابیں برابر فراہم کرتے رہتے تھے، اکثر اپنی کتابوں میں سے اصل و نفیس نسخہ جو نادر الوجود ہوتا تھا جس کسی نے مانگا ثواب اور تعلیمی اعانت کے خیال سے اس کو دے دیتے تھے، اس بات میں ان کے بکثرت واقعات ان کے فضل و کرم کے شاہد ہیں، علمی شغف اتنا بڑھا ہوا تھا کہ نوشت و خواند کے خیال سے وہ راتوں کو جاگا کرتے تھے، کیونکہ دوسرے اوقات میں لوگوں کی ضرورتیں ان سے وابستہ رہتی تھیں، جس کی وجہ یہ تھی کہ طبی علاج میں یہ بہت خوبیوں کے آدمی تھے، اور اپنی وثاقت و تدین کے سبب سے مرجع عام بنے ہوئے تھے۔

عبد الملک کہتے ہیں کہ عشاب اپنے فن میں سارے مغرب کے امام تھے، وہ اندلس اور مغربی عدوہ (افریقیہ) کے چپہ چپہ میں پھرے، مشرق کی سیاحت کی، افریقیہ، مصر، شام، عراق، اور حجاز کے مشہور لوگوں سے ملے، ان سے استفادہ کیا، اور جو چیزیں مغرب میں نہیں ہوتی ہیں ان کا بچشم خود معائنہ کیا اور ان کے متعلق بکثرت لوگوں سے مجمع عام میں

معارضہ ومناظرہ کرکے ان پر اپنی فضیلت علمی ظاہر کی، اور ان سے خراج تحسین وصول کیا۔ یہ ہمیشہ چیزوں کے حقائق کے متعلق بحثیں کیا کرتے تھے، اور ان کے اسرار غوامض کے پردے فاش کرنے میں مصروف رہتے تھے، جس کی وجہ سے انھیں اشیاء کے متعلق اس قدر اطلاع اور آگاہی حاصل تھی کہ متقدمین اسلام میں کوئی شخص ان کا ہم پلہ نہیں گذرا، اسی وجہ سے یہ فرد روزگار اور اپنے عہد کے یکتا تسلیم کئے گئے ہیں، اس پر سب کا اجماع ہے، کسی نے اس سے اختلاف نہیں کیا ہے۔

مذہب عتاب سُنّی تھے، عقیدہ صاف رکھتے تھے، اہل الرائے کی طرف ان کا میلان تھا صلاح وتقوی اور تدین میں ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم کے ساتھ انھیں بہت غلو تھا، انھوں نے ابو محمد بن حزم کی تصانیف کی اشاعت میں کافی حصہ لیا، یہ تصانیف انھیں اس قدر پسند خاطر تھیں کہ بصرف زر کثیر پوری توجہ کے ساتھ زاویۂ خمول سے نکال کر لوگوں سے ان کو روشناس کرایا، یہاں تک کہ ابن حزم کی تمام کتابیں ایک ایک کرکے فراہم کیں، اور کوئی کتاب ان کی دسترس سے باہر نہ رہی، بجز ان کتابوں کے جن کی کوئی اہمیت ان کے دل میں نہ تھی، اس مقصد کی کامیابی میں دولت و ثروت بھی ان کی بہت زیادہ معاون ہوئی۔

اساتذہ عتاب کے اساتذہ کی فہرست ایک بحر ناپیدا کنار ہے، اندلس میں جن شیوخ سے روایت کی ہے ان کے نام یہ ہیں؛

ابو اسحٰق دمشقی، ابو عبداللہ بابری، ابو البرکات ابن داود، ابو بکر بن طلحہ، ابو عبداللہ بن ماجد، ابن العربی، ابو علی حافظ، ابو زکریا بن مرزوق، ابن یوسف، ابن میمون شریشی، ابو الحسن بن زرقون، ابو ذر مصعب، ابو العباس بن سید الناس، ابو القاسم بارقی، ابن جمہور، ابو محمد بن محمد بن الجنان، عبد المنعم بن فرس، ابو الولید ابن عفیر، ان مذکورہ اساتذہ سے عتاب نے پڑھا اور سماعت کی ہے۔

اہل اندلس اور مغرب میں جن اساتذہ سے انھیں تحریری اجازت ملی ہے، ان کے نام یہ ہیں؛

ابو البقاء بن قدیم، ابو جعفر حکم الجنار، ابو الحسن شنوری، ابو سلیمان بن حوط اللہ، ابو زکریا دمشقی، ابو عبداللہ اندرشی، ابو القاسم بن شمجوق، ابو محمد مجری۔

اہل مشرق میں بعض اساتذہ کے نام یہ ہیں، ابو عبداللہ حمدانی بن اسماعیل بن ابی صیف ابوالحسن جو یکر نزیل مکہ۔

بغداد اور عراق کے شیوخ کی ایک جماعت نے انھیں روایت کی اجازت دی ہے ان میں چند کے نام یہ ہیں۔ ظفر بن محمد، عبدالرحمن بن مبارک، علی بن محمد یزیدی، افنا خسرو، فیروز بن سعید، ابن سینہ، محمد بن نصر، صیدلانی، ابن تیمیہ، ابن عبدالرحمن فارسی، ابن الفضل موذن، ابن عمر بن مختار، مسعود بن محمد بن حسان، منصور بن عبدالنعم صاعدی، ابن ہوازن قشیری، ابوالحسن نیسابوری۔

۵۸۱ھ میں بغرض حج سفر کیا، ۵۸۲ھ میں فریضۂ حج سے فارغ ہوئے، مشرق میں محب الدین کے لقب سے شہرت پائی، اس سفر میں تین سال تک سیاحت کرتے رہے، اثنائے سیاحت میں چوٹی کے اکابر علماء سے ملاقاتیں کیں، ان میں چند کے نام یہ ہیں، بجایہ میں ابوالحسن بن نصر اور ابو محمد بن مکی سے، تونس میں ابو محمد مرجانی سے، اسکندریہ میں ابوالاصبغ بن عبدالعزیز اندلسی، ابوالحسن بن خبیر اندلسی، ابوالفضل بن جعفر بن ابوالحسن بن ابوالبرکات اور ابو محمد عبدالکریم ربعی سے ملاقاتیں کیں، اور ابو محمد عثمانی سے ملاقی نہ ہوئے لیکن ان سے اجازت حاصل کی، مصر میں ابوالیمون بن ہبتہ اللہ قریشی سے ملاقات کی، اور ابو محمد بن سحنون عماری سے نہ ملے صرف اجازت لی، مکہ میں ابو علی حسن بن محمد بن حسین اور ابوالفتح نصر بن ابوالفرج مصری سے، بغداد میں احمد بن ابوالسادات، احمد بن ابوبکر، ابن ابوخط طلمہ، ابونصر قریشی، ابراہیم بن ابویاسر قطیعی، رسلان المسدی، اسعد بن نفاق، اسماعیل بن براکش جوہری، اسماعیل بن ابوالبرکات سے ملاقاتیں کیں۔

عشاب کے شیوخ اور مرویات کی فہرست کئی سو صفحات پر مشتمل ہے، ان شیوخ کے نام عراق اور دیگر ممالک کے اعتبار سے مرتب کئے گئے ہیں، اگر میں اس پوری فہرست کو یہاں درج کروں تو اس کتاب کے اوراق اسی سے بھر جائیں گے اور میں اپنے مقصد سے دور جا پڑوں گا

قاضی ابو عبداللہ مراکشی نے اس فہرست کے ذکر کے بعد لکھا ہے کہ ابوالعباس نباتی (عشاب) نے اپنے نوشتہ جات کا تذکرہ تین قسم کی فہرستوں میں کیا ہے، البسیط، متوسط، اور مختصر، ان میں سے میں نے بعض کو خود مصنف کے قلم کا لکھا ہوا دیکھا، اور بعض کو

ان کے شاگردوں کا منقولہ پایا،

تلامذہ عشاب نے بغداد میں بڑی وسعت کے ساتھ روایات بیان کی ہیں، ابو عبداللہ بن سعید لوشی نے بغداد میں، حافظ ابوبکر بن مفوز نے مصر میں، اور ایک گروہ نے دیگر ممالک میں ان سے روایت حاصل کی، پھر انھوں نے وسیع روایت کے ساتھ وطن کی طرف مراجعت کی اور اپنے ساتھ نادر کتابوں کا ذخیرہ بھی لائے۔

تصانیف علم حدیث اور علم نباتات میں عشاب کی نہایت مفید، بلند پایہ، اور نادر تصانیف ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے، حدیث میں حسب ذیل کتابیں ہیں:۔

کتاب المعلم، اس میں مسلم سے جو زوائد حدیث بخاری میں مذکور ہیں ان کو جمع کیا ہے، دارقطنی کی "غریب حدیث مالک" کا اختصار، نظم الدراری، اس کتاب میں مسلم کی ان مفردات کو فراہم کیا ہے جو بخاری میں نہیں ہیں، توہین طرق حدیث اربعین، حکم الدعا فی ادبار الصلوات، کیفیۃ الاذان یوم الجمعۃ، ابو احمد بن علی کی الکامل فی الضعفاء والمنکرین، کا اختصار، الکافل فی تذییل الکامل، اخبار محمد بن اسحاق

علم النبات میں یہ کتابیں ہیں:۔

شرح حشائش دیاسقوریدوس، ادویۃ جالینوس، الرحلۃ النباتیہ، المستدرکہ، یہ کتاب اپنی شان میں مخصوص، اپنے فن میں معجز، اور نہایت نادر تھی، لیکن مصنف کی وفات کے بعد یہ مفقود ہو گئی، ایک کتاب ان اوہام کی تنبیہ میں لکھی ہے جو ادویہ جالینوس کے ترجمے میں ہوئے تھے، اور ایک کتاب غافقی کے اغلاط کی تنبیہ میں ہے، ان کتابوں کے علاوہ عشاب کی اور بھی جامع تصانیف، مفید مقالات، اور گوناگوں حواشی ہیں۔

سوانح عمری ابن عبدالملک، ابن الزبیر، اور دیگر تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ عشاب کے ایک شاگرد ابو محمد ابن الجزیری نے جو محدث اور نقاد بھی تھے نہایت توجہ اور خاص اہتمام سے عشاب کے حالات، اور مناقب و مآثر کو ایک مجموعہ میں جمع کر دیا ہے۔

شاعری ابوالحسن بن سعید نے "القدح المعلی" میں لکھا ہے کہ عشاب مشرقی اور مغربی بلاد کی سیاحت کر کے، جب واپس آئے تو میں اشبیلیہ

میں ان کی صحبت میں بیٹھا کرتا تھا، اس وقت انھیں ادب سے بڑی دلچسپی لیتے ہوئے دیکھا، اس فن میں وہ اس طرح لطف اندوز ہوتے تھے جس طرح بحتری حلب میں اس فن سے حظ حاصل کرتا تھا، وہ اپنی شاعری کا اظہار نہیں کرتے تھے، تاہم ان کے اصحاب ان سے اشعار سنتے اور روایت کرتے تھے، میں بھی کبھی کبھی ان سے اشعار سنتا تھا چنانچہ ان کے یہ اشعار میں نے لکھ لئے ہیں :-

دیر تخلل بین الکاس والوتر	وہ گویا ہرن ہے جو جام شراب اور قوس کے ساتھ
فی جنۃ ھی ملأ السمع والبصر	ایسی جنت میں رہتا ہے جو چشم و گوش کو مسرتوں سے بھر دیتی ہے
لمتع الطرف فی مرأی محاسنھا	اس جنت کے محاسن کی جائے دید پر اپنی نظر ڈال
یروض فکرک بین الروض والزھر	تیری فکر اس کے گل و گلزار میں سیر کرے گی۔
وانظر الی ذھبیات الاصیل بھا	یہاں شام کی سنہری رنگتوں کو دیکھ
واسمع الی نغمات الطیر فی السحر	اور بوقت صبح پرندوں کے چہچہوں کو سن
وقل لمن لام فی لذاتہ بشرا	پھر اس شخص سے کہہ جو اپنی لذتوں میں پڑا ہوا ہے
دعنی فانک عندی من سوی البشر	کہ تو مجھے اپنی حالت پر چھوڑ دے کیونکہ تیرا شمار بشریت میں نہیں ہے

ابوالحسن بن سعید کہتے ہیں کہ عتاب اکثر اپنے اشعار میں دمشق کے محاسن کو نہایت بسط و اطناب سے بیان کرتے تھے، یہاں تک کہ ان کے اشعار ابھی ختم نہیں ہوتے تھے اور میرے دل میں دمشق کی تصویر کھنچ جاتی تھی، اور شوق دل میں گدگدی پیدا کرتا تھا کہ پیام اجل کو لبیک کہنے سے پہلے وہاں جاکر اپنی تمنائیں پوری کروں اور ہزار مرتبہ بھی دمشق کو دیکھوں جب بھی آنکھیں اس کے محاسن سے سیر نہ ہوں۔

سفر غرناطہ

عتاب نے کئی مرتبہ غرناطہ کا سفر کیا، سفر کی غرض حدیث کی سماعت نباتات کی تحقیق، اور غرناطہ کے پہاڑوں میں نباتی جوہروں کی تلاش و جستجو تھی، یہ پہاڑ درحقیقت دواؤں کے خزانے ہیں، اور ان پہاڑوں سے قیمتی فوائد کے حصول کا خیال کیا جاتا ہے، جن کا بیان عتاب کی تالیفات میں مذکور ہے، اور جس کی تصدیق کے لئے کسی شاہد کی ضرورت نہیں ہے۔

ولادت

عتاب محرم ۵۶۱ھ میں پیدا ہوئے۔

وفات

۳۰ ربیع الآخر ۶۳۷ھ میں دوشنبہ کی شام کو جس وقت شفق ڈوب

رہی تھی اشبیلیہ میں وفات پائی۔

مرثیہ ابن الزبیر کا بیان ہے کہ عشاب کی وفات کے بعد ان کے تلامذہ کی ایک جماعت نے مرثیہ لکھا، چند کے نام یہ ہیں، ابو محمد جزیری، ابو امیہ اسمٰعیل بن عفیر، ابو الاصبغ عبدالعزیز کتبوری، ابو بکر محمد بن محمد بن جابر سقطی، ابو العباس بن سلیمان۔

جزیری مذکور نے ان تمام مرثیہ نویسوں کا تذکرہ ایک کتاب میں کیا ہے جسے شیخ ابو العباس عشاب رح کے فضائل میں لکھی ہے۔

احمد بن عبدالملک بن سعید بن خلف بن سعید بن خلف بن سعید بن عبداللہ بن سعید ابن الحسن بن عثمان بن محمد بن عبداللہ بن سعید ابن عمار بن یاسر صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نام، کنیت احمد نام، ابو جعفر کنیت تھی۔

خاندانی وجاہت بنو سعید عنسی کا گھرانہ قلعۂ یحصب اندلس میں مشہور ہے، اس خاندان کے مورثِ اعلیٰ عبداللہ بن سعید بن عمار بن یاسر یہاں آکر فروکش ہوئے تھے، اس خاندان کو بڑی منزلت حاصل تھی، اور قرطبہ میں بھی اس نے اہل یمن کا مرتبہ پایا تھا، قرطبہ میں جس مقام پر قنطرہ (پل) واقع ہے اس کے قریب ہی اس خاندان کے گھر معروف و مشہور ہیں، اس خاندان میں سپہ سالار، وزیر، قاضی، اور کاتب ہوتے آئے ہیں، اس بیان سے اور آئندہ جو کچھ مذکور ہوگا اس سے اس خاندان کی وجاہت معلوم ہو سکتی ہے۔

حالات ملاحی کہتے ہیں کہ احمد بن عبدالملک جلیل القدر اور مشہور طالبانِ علم میں سے تھے، ادب میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے، تحریر نہایت مفید ہوتی تھی، ان کے تمام اشعار مدون ہیں۔ ابو الحسن بن سعید نے اپنی کتاب "الطالع" میں لکھا ہے کہ احمد بن عبدالملک کی نشوونما ادب میں ہوئی، وہ اشعار کے حافظ تھے، شریف رضی، مہیار، ابن خفاجہ، اور ابن دقاق کی نظمیں انھیں ازبر یاد تھیں، جس کی وجہ سے ان کی طبیعت میں رقت پیدا ہو گئی تھی

اور مضامین میں بکثرت ایجاد و اختراع کرتے تھے۔

حفصہ بنت الحاج رکونی جو بڑی ادیبہ اور شاعرۂ روزگار تھی اس کی نشو و نما بھی ابوجعفر کے ساتھ ساتھ ہوئی تھی، اس شاعرہ سے انھیں شدید عشق تھا، اور اس کی محبت میں وہ نہایت وارفتہ ہوگئے تھے، ان دونوں کی ہم نشینی، اور باہم شعر خوانی اتنی پایۂ مدار تھی جتنی ابوعبادہ اور علوہ کے درمیان تھی، جس کا اشارہ حفصہ کے اشعار کے ضمن میں ان شاءاللہ آئے گا۔

شہرت

موحدین کے ایک حکمراں نے جبل فتح میں عیش و نشاط کی محفلیں گرم کر رکھی تھیں، اس کے دربار میں سارے اندلس کے وفد باریاب ہو رہے تھے، شعراء اپنے قصیدے اور خطباء اپنے خطبے اس کو سنا رہے تھے، اسوقت غرناطہ کے وفد میں ابوجعفر بھی جو بالکل کم سن تھے اپنے باپ، بھائی، اور قوم کے ساتھ آئے، اور اپنی جماعت کو لے کر خلیفہ کے دربار میں باریاب ہوئے، اور اپنا قصیدہ پڑھ کر سنایا۔

ابوالحسن بن سعید کہتے ہیں کہ میں نے اس قصیدہ کے چند اشعار ابوجعفر کے والد کے خط سے نقل کئے ہیں وہ یہ ہیں:-

تکلم فقد اصغی الی قولک الدهر	اے بادشاہ! زمانہ تیری گفتگو کی طرف ہمہ تن گوش ہے تو ارشاد فرما
وما لسواک الیوم نهی ولا امر	آج امر و نہی کا اختیار تیرے سوا کسی کو نہیں ہے
ورم کل ما قد شئته فهو کائن	جس چیز کا دل چاہے تو ارادہ کر وہ ہو کر رہے گی۔
وحاول فلا بر یفوت ولا بحر	اور تو قصد فرما کوئی بر اعظم اور کوئی دریا تیری فتوحات سے باقی نہ رہیگا
وحسبک هذا البحر فالا فانه	تیرے لئے یہ نیک فال ہے کہ یہ دریا
یقبل ترباداسه جیشک الغمر	تیری کثیر فوج کی پامال کی ہوئی مٹی کو بوسہ دے رہا ہے
وما صوته الا سلام مردد	دریا سے جو آواز آ رہی ہے وہ تیرے سلام کا جواب ہے
علیک دعن بشر بقربک یفتر	اور ان کی طرف سے پیام سلام ہے جو تیرے نزدیک ناتوان ہیں۔
یجیش لکی یلقی امامک من غدا	یہ دریا اس لئے جوش میں ہے تاکہ تیرے روبرو
یعاند امرا لا یقوم له امر	تیرے مخالف سے مقابلہ کرے اس کو حکومت کا موقع نہ دے
اطل علی ارض الجزیرة سعدها	جزیرۂ اندلس پر سعادت بلند ہے
وجدد فیها ذلک الخبر الخبر	کیونکہ تیری حکومت کی خبریں برابر تازہ ہوتی رہی ہے
فما طارق الا لذلک مطرق	طارق بن زیاد بھی تیرے آگے سرنگوں ہے

ولابن نصير لم يكن ذالك النصر	اور موسیٰ بن نصیر کو بھی تیری جیسی نصرت حاصل نہ تھی
هما مهدا ما كي تحل بارضهما	بلکہ وہ دونوں اندلس میں اسلئے آئے تھے تاکہ تیرا داخلہ یہاں اس طرح
كما حل عند التم بالهالة البدر	جس طرح بدر کامل ہالہ میں داخل ہوتا ہے۔

ابوالحسن بن سعید کا بیان ہے کہ جب ابوجعفر نے اپنا قصیدہ ختم کیا تو خلیفہ نے ان کی بہت تعریف کی، اور ان کے والد عبدالملک سے کہا کہ "تمھارے دو بیٹوں میں کون تمھارے نزدیک بہتر ہے؟" عبدالملک نے جواب دیا کہ "سیدی! ابھی آپ کی بارگاہ میں اندلس کے بہادروں اور سپہ سالاروں کے ساتھ حاضر ہوا ہے، اور ابوجعفر شعرا کی جماعت کے ساتھ دربار میں پیش ہوا ہے، اب آپ خود فیصلہ فرمائیں کہ ان دونوں بیٹوں میں میرے نزدیک کس کا بہتر ہونا آپ کو محبوب ہے؟" خلیفہ نے کہا کہ "جو شخص جس کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ وہی اس کیلئے آسان ہوتا ہے، جب کوئی شخص کسی فن میں بڑھا ہوا ہو تو اس پر افسوس نہ کرنا چاہیے، البتہ افسوس اس پر ہے، جو بے رتبہ اور حرماں نصیب ہے" اس کے بعد جو لی کے شعراء اور اکابر نے خلیفہ کو اپنے اپنے قصائد پڑھ کر سُنائے۔

جب غرناطہ کا والی خلیفۂ مذکور کا فرزند السید ابوسعید قرار پایا تو اس نے ابوجعفر کو اپنا وزیر مقرر کیا، اس کے بعد سے ان کی منزلت و توقیر برابر قائم رہی، یہاں تک کہ ایک واقعہ پیش آیا، جو ان کی تباہی کا باعث ہوا۔

ابوجعفر کی ہلاکت اور اس کے اسباب

متعدد راوی جن میں ابوجعفر کے قرابت دار بھی ہیں بیان کرتے ہیں کہ حفصہ شاعرہ کی وجہ سے ابوجعفر اور سید ابوسعید میں باہم سخت کشیدگی پیدا ہوئی، حفصہ ابوجعفر کی محبوبہ تھی، پھر اس کے وصال سے سید بہرہ اندوز ہونے لگا، تاہم ابوجعفر سے اس کا تعلق قائم رہا، اس بنا پر ابوجعفر اور سید ایک دوسرے کے حریف ہو گئے، ابوجعفر کے حاسدوں کو نہایت اچھا موقع ہاتھ آیا، ان لوگوں نے ان کے خلاف سید کو بدگمان اور برانگیختہ کر دیا، اور ان کی نمامی کر کے یہ بیان کیا کہ ابوجعفر نے ایک روز حفصہ سے کہا ہے کہ سید سے تمھیں اس قدر شدید عشق کیوں ہے؟ اس کا رنگ گندمی ہے، میں تمھارے لئے ایک سیہ غلام جبشی دس دینار میں خرید سکتا ہوں جو سید سے بہت اچھا ہوگا۔" سید یہ باتیں سن کر ابوجعفر کی ایذا رسانی کے درپے ہو گیا

اور وہ بھی اپنی حفاظت کی تدبیریں کرنے لگے، اسی زمانہ میں ابو جعفر نے یہ اشعار موزوں کئے تھے۔

من يشتري مني الحياة وطيبها — کون مجھ سے میری زندگی اور زندگی کی مسرتیں
ووزارتي وتأدبي وتهذبي — میری وزارت، میری تہذیب اور میرا ادب مول لیتا ہے
بمحل راع في ذرى ململمة — بعوض چرواہے کے اس مقام کے جو پہاڑ کی چوٹیوں پر ہو
زويت عن الدنيا بأقصى مرتب — اور دنیا کے انتہائی کنارے پر ہو۔
لا حكم يأخذه بها إلا لمن — دنیا میں اسی کا حکم قابل تسلیم ہے جو
يعفو ويرأف دائما بالمذنب — خطا کاروں پر ہمیشہ عفو و رحم کا برتاؤ کرتا ہے۔
فلقد سئمت من الحياة مع امرئ — میں اپنی زندگی سے ایک شخص کے باعث تنگ آگیا ہوں
متغضب متغلب مترتب — جو غضبناک، چیرہ دست، اور رتبہ والا ہے۔
الموت يلحظني إذا لاحظته — جب میں اس کو دیکھتا ہوں تو موت مجھے گھورتی ہے۔
ويقوم في فكري إذا ان تجنبي — اور جب میں اس سے پرہیز کرتا ہوں تو یہ شخص میری فکر میں رہتا ہے
لا اهتدي مع طول ما خولته — باوجود زمانہ تک اس کے ساتھ سیاست برتنے کے اب دنیا میں
لرضاه في الدنيا ولا للمهرب — نہ اس کو خوش کرنے کی اور نہ راہ فرار اختیار کرنے کی ہدایت پاتا ہوں

ابو جعفر نے اپنی تدبیروں میں اپنے والد اور بھائی کو شریک کرنا چاہا، اس وقت ملک میں ابن مردنیش کا فتنہ برپا تھا، مگر اس کے بھائی محمد اور اس کے باپ نے جواب دیا کہ "اگر آج کوئی تحریک بلند کرتے ہیں تو اس شاہی خاندان کے زوال کے باعث ہم ہی ہوں گے، یہاں تک کہ یہ قومی سلطنت بھی مٹ جائیگی، بہتر یہ ہے کہ ہم صبر کریں، اس کا انجام نیک ہوگا، ہم تجھے ان حرکتوں سے منع کرتے ہیں تاہم تو اپنی ہی خواہش کا تابع رہتا ہے" بعد ازاں ابو جعفر نے عبدالرحمن کو ہموار کیا جو اس کا بھائی تھا، اور دونوں اس پر متفق ہوگئے کہ ابن مردنیش کے نام سے قلعہ میں بغاوت پیدا کی جائے، اس منصوبہ میں حاتم بن حاتم بن سعید نے بھی جو ان دونوں کا قرابت مند تھا مساعدت کی، بالآخر ان لوگوں نے ابن مردنیش سے خط و کتابت شروع کی، اس نے فی الفور خط کا جواب دیا، اور ان کے پاس چند آزمودہ گھوڑے بھیج دیے، اور خود قلعہ میں داخل ہو کر اس پر قبضہ کرنے کا تہیہ کیا، ابو جعفر کی جماعت افشائے راز سے ترساں تھی، اس لئے حاتم اور عبدالرحمن بسرعت تمام

قلعہ میں داخل ہو گئے، اور اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے، مگر ابوجعفر اپنی بزدلی سے پیچھے رہ گئے، اور اپنے ساتھیوں کو کھو بیٹھے، جب انھوں نے دیکھا کہ قلعہ تک راستہ میں لوگ ان کی تلاش وجستجو میں مصروف ہیں تو مخفی طور سے مالقہ کی راہ لی تاکہ وہاں سے دریائی سفر اختیار کر کے ابن مرونش سے جا ملیں، سید نے ان کے لئے ہر جگہ جاسوس لگا رکھے تھے، یہ مالقہ میں گرفتار کر لئے گئے، اور اس کی اطلاع سید کو دی گئی اس نے ان کے سولی پر لٹکا دینے کا حکم دیا، خدا کی ان پر رحمت نازل ہو۔

کلام بلاغت التیام

ابوالحسن بن سعید بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے حسن بن دویرہ نے کہا ہے کہ جب ابوجعفر گرفتار کئے گئے، تو میں مالقہ میں موجود تھا، میں ان سے جا کر ملا، وہ قید کی حالت میں تھے، اور اپنے لئے کسی قسم کی اجازت سید سے حاصل نہیں کی تھی، انھیں مقید دیکھ کر میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے، ابوجعفر نے کہا کہ "تم مجھ پر روتے ہو، حالانکہ میں دنیا کی لذیذ نعمتوں سے بہرہ اندوز ہو چکا ہوں۔ میں نے مرغوں کے دل وجگر کھائے ہیں، جام بلوریں میں پانی پیا ہے، اسپ صبا رفتار پر سوار ہوا ہوں، فرش دیبا پر سویا ہوں، بیگمات اور کنیزوں سے لطف اندوز ہوا ہوں، شمع تاباں روشن کر چکا ہوں، اب ظالم حجاج کے قبضہ میں ہوں، اور منصور حلاج کی سی مصیبت کا منتظر ہوں، میں خدا کے پاس جا رہا ہوں، اور جو خدائے غفار کے پاس جاتا ہے وہ کسی عذر اور محبت کا محتاج نہیں ہوتا" میں نے کہا کیا ایسے شخص پر نہ روؤں جو ایسی مسجع ومقفیٰ باتیں کرتا ہو، پھر ان کی جستجو ہونے لگی تو میں اٹھ کر وہاں سے چلا آیا، اس کے بعد میں نے انھیں اس وقت دیکھا جب وہ سولی پر لٹک رہے تھے، خدا انھیں غریق رحمت فرمائے۔

اشعار

اتانی کتاب منک یحسد الدھر	تمہارا خط جو زمانہ کے لئے قابل رشک تھا آیا
اماحبرہ لیل اما طرسہ فجر	اس کی روشنائی رات تھی اور اس کا کاغذ دن تھا۔
بہ جمع اللہ الامانی لناظری	اس خط میں اللہ نے میرے گوش وچشم وفکر کے لئے
وسمعی وفکری فھو سحر ولا سحر	تمام تمناؤں کو جمع کر دیا تھا گویا یہ خط طلسم تھا۔

ولا غرو ان ابدی العجائب ربه	اس میں تعجب نہیں ہے اگر خدا عجائب وغرائب کی نمائش فرمائے
وفی ثوبه بردی کفه بحر	کیونکہ اس کے دست قدرت میں بحر وبر ہے
ولا عجب ان اینع النهر طیبه	اور اس میں بھی تعجب نہیں ہے اگر کلیاں پھولوں کی طرح پختہ ہو جائیں
فما زال صوب القطر یبدو بالزهر	کیونکہ کلیاں بھی باران رحمت سے شگفتی ہیں۔

ایک دفعہ ابوجعفر کے بعض اشعار مجلس رقص میں پڑھے جا رہے تھے اس وقت وہ خود رصافی، کندی، اور بروکلہ کے ایک مغنی کے ساتھ وہاں موجود تھے، اشعار یہ تھے۔

لله یوم مسرة	بخدا مسرت وشادمانی کا روز ہے۔
أضوا واقصر من ذبالة	فتیلہ سے روشن تر اور کمتر ہے۔
لما نصبنا للمنی	جب ہم تمناؤں کے لئے
فیه من ازنارحبالة	کسی دن جال بچھاتے ہیں
ظل النهار بحاکمہ	تو دن خوف زدہ ہو کر
تأع داجفلت الغزالة	ہرن کی طرح بھاگ جاتا ہے۔

اشعار کا دیوان

ابوجعفر کے اشعار کا دیوان مدون اور مرتب ہے، جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، ان کی جلالت معلوم کرنے کے لئے اس قدر اشعار کافی ہیں۔

حفصہ کیساتھ ابوجعفر کا خاص واقعہ

حاتم بن سعید بیان کرتے ہیں کہ جب کبھی دور ساغر چلتا تھا تو ابوجعفر کے دل میں حفصہ کا عشق موجزن ہوتا تھا، اس وقت قدرت ان کی زبان پر یہ الفاظ جاری کر دیتی تھی، "اے حفصہ! میری جان تیرے سوا کوئی نہیں لے گا"، اس جملہ سے ابوجعفر کی مراد حفصہ کی محبت تھی، گویا قضا وقدر ان کے اس کلام سے متعلق تھی، چنانچہ اسی عشق کی قربانگاہ پر ابوجعفر کی جان شیریں بھینٹ چڑھا دی گئی۔

جب حفصہ کو اپنے عاشق کے قتل کی اطلاع ملی تو اس نے سوگ منایا، کالے کپڑے پہنے، اور پکار پکار کر اپنے حزن والم کا اظہار کرنے لگی، اس پر اسے قتل کی

دھمکیاں دی گئیں تو اس نے یہ اشعار پڑھے۔

ھدددنی من اجل لبس الحداد	ماتمی کپڑے پہننے سے لوگ مجھے دھمکیاں دیتے ہیں
لحبیب اردوہ لی بالحداد	یہ سوگ اس عاشق کے لئے ہے جس کو لوگوں نے ہلاک کر دیا ہے
رحم اللہ من یجود بدمع	خدا اس پر رحم فرمائے جو ان دشمنوں کے مقتول پر
اوینوح علی قتیل الاعادی	آنسو بہاتا یا اس پر نوحہ کرتا ہے۔
وسقتہ بمثل جود یدیہ	اس مقتول کو ابر صبا ہی سیراب کرے۔
حیث اضحی من البلاد الغوادی	جس طرح اس کا دستِ سخا شہروں کو سیراب کرتا تھا۔

ابو جعفر کے قتل کے بعد سید حفصہ سے بہرہ ور نہ ہو سکا، چند دنوں کے بعد یہ بھی لحد میں اپنے عاشق سے جا ملی۔

تاریخ وفات ابو جعفر کے سولی پر لٹکائے جانے کا واقعہ جیساکہ اوپر مذکور ہوا۔ جمادی الاولیٰ ۵۵۹ھ میں پیش آیا۔

احمد بن سلیمان بن احمد بن محمد بن احمد القرشی

نام و کنیت احمد نام، ابو جعفر کنیت، اور ابن فرکون عرف ہے۔

خاندانی فضیلت ابن فرکون کی خاندانی فضیلت ان کے دادا کے تذکرہ میں جو قاضی الجماعت تھے اوپر گذر چکی ہے۔ اور ان کے والد کے تذکرہ میں آئندہ آئے گی۔

حالات ذہانت و ذکاوت میں شعلۂ جوالہ ہیں، باوجود کمسنی کے تمام اوصاف حمیدہ سے آراستہ و پیراستہ ہیں، طلب علم میں مشہور، فہم و ادراک میں فائق ہیں، اور اپنے معاصرین پر کئی درجہ زیادہ فضیلت رکھتے ہیں اسی کمسنی میں انھوں نے تعلیم حاصل کی، علمی کمال پیدا کیا، اور علمی خدمت بھی

انجام دی ہے۔

ابن فرکون کے والد نے اپنے شہر اور دیگر مقامات کے شیوخ سے انھیں سند اجازت دلادی ہے، خود سخن سنج اور شاعر ہیں اور دوسروں کے اشعار بھی لکھے ہیں۔ خطاطی میں یہ اپنے زمانہ کے تمام خوشنویسوں پر سبقت لے گئے ہیں، ان کی خوشنویسی کمال کی آخری سرحد پر پہنچ چکی ہے اور اس کمال میں یہ اپنا ثانی نہیں رکھتے ہیں، آج ان کا قلم پاکیزگی، پائیداری، اور تابانی میں مسلم ہے، انھیں خصوصیات نے انھیں "کتابت سلطانی" کے عہدہ پر ترقی کرنے کا موقع دیا ہے۔ مزید خصوصیت یہ حاصل کی ہے کہ یہ اپنے ماتحتوں کے عزل ونصب کا اختیار رکھتے ہیں۔

ابن فرکون خاص میری نگرانی میں رہے، اور تنہا انھوں نے میری بڑی بڑی تالیفات سے علم وادب حاصل کیا، میں نے بھی اپنے بکثرت فواید سے بہرہ ور ہونے کے لئے انھیں ترجیح دی، بالآخر یہ ان فوائد پر حاوی ہو گئے، ان کا ایک شعر سلطان کے روبرو پڑھا گیا تھا وہ یہ ہے:-

حیّا المعاهد بالکثیب وجادها	اوبخیدیت کے ٹیلہ کے مقامات کو از سر نو ایک ایسے ابر نے زندہ کیا ہے
غیث یردّی حیها وجمادها	جسکی سخاوت سے جاندار اور غیر ذی روح دونوں مستفید ہوتے ہیں

ولادت ابن فرکون ربیع الاول ۷۸۱ھ میں پیدا ہوئے۔

احمد بن ابراہیم بن صفوان

نام وکنیت احمد بن ابراہیم نام، ابوجعفر کنیت، اور ابن صفوان عرف ہے، مالقہ کے رہنے والے ہیں۔

حالات ابن صفوان اس ملک کے اکابر علمائے ادب کی یادگار انشاء پردازوں کے صدر، طلبائے علوم کے شیخ، ناظم،

ناثر، اور عارف ہیں، ان کا ذہن روشن، ادراک قوی، اور نظر صائب ہے، فرائض حساب، ادب، اور وثیقہ نویسی کے امام، تاریخ اور لغت کے حافظ ہیں، فلسفے اور تصوف میں یکساں دخل ہے، اور الٰہیات سے خاص دلچسپی رکھتے ہیں، معمّے کے حل کرنے میں وہ خدا کی نشانی ہیں، اور اس خاص وصف میں متقدمین میں کوئی ان کا ہمسر نہیں گذرا ہے، معمّے مفصل ہوں یا مجمل وہ حل کر کے چھوڑتے ہیں، اس بات میں ان کی حالت عجیب و غریب واقع ہوئی ہے۔

ابن صفوان دوستوں کی بہت طرفداری کرتے ہیں، اور دشمنوں سے اسکے برعکس، بیباکی اور مردانگی کے تمام اوصاف سے متصف ہیں، جب کبھی کوئی سبب داعی ہوتا ہے تو وہ ارباب جاہ اور ستایش پسند اور متشدد لوگوں کے پاس بے تامل چلے جاتے ہیں، وہ نہایت آزاد نقاد ہیں، انھیں اپنی گمنامی محبوب ہے، اور جو کچھ انھیں میسر آئے اس پر قانع رہتے ہیں، باوجود پیری اور اعضاء و جوارح کی کمزوری کے تالیف و تصنیف، ارقام و تحریر، نظر و فکر، اور تجربہ و تبصرہ میں وافر حصہ رکھتے ہیں، ان کی شاعری اور انشا کی روانی تقریباً یکساں ہے، اور ان دونوں اصنافِ سخن میں کمال حسن ہے، تاہم ان کی نثر کے مقابلے میں نظم زیادہ درخشاں رہتی ہے۔

اساتذہ ابن صفوان نے استاذ ابو محمد باہلی سے جو ان کے تمام اہل وطن کے استاد اور ولی نعمت تھے۔ تعلیم پائی، انھوں نے استاد ابو عبد اللہ الفخار کی صحبت سے بہت کچھ استفادہ کیا۔ پھر عدوۃ کا سفر کیا اور مراکش کے تمام شیوخ مثلاً قاضی ابو عبد اللہ بن عبد الملک مورخ، استاد تعلابی ابو العباس بن البنا سے علوم حاصل کئے۔

شہرت ملوک بنو نصر کے دوسرے تاجدار نے ابن صفوان کو اپنے دربار میں طلب کر کے کتابت کی خدمت تفویض کی، جس سے ان کی ذکاوت اور پختہ کاری کی دھوم مچ گئی، اور ان کا اعزاز بالا تر ہو گیا۔ ایک زمانے کے بعد ان کے دل میں حب وطن کی گدگدی پیدا ہوئی، اسی اثناء میں سلطان ابو الولید مسند آرا ہوا تو اس نے انھیں مالقہ میں جو ان کا وطن تھا طلب کر لیا اور میر منشی مقرر کر دیا

اس کے بعد وہ یہاں صرف شرائط ناموں کے لکھنے کی خدمت انجام دینے لگے۔

تمام قضاۃ ابن صفوان کو نہایت محترم اور موقر سمجھتے، اور شوریٰ کی مجالس میں صدر بناتے ہیں، کسی کسی سال وہ تفریحاً موسم میں غرناطہ چلے جاتے ہیں اور وہیں اجلاس کرتے ہیں اور اختتام موسم پر جب غرناطہ کا موسم خوشگوار نہیں رہتا۔ یہ اپنے وطن چلے آتے ہیں، ہنوز یہ زندہ ہیں مگر پیری ان پر محیط اور مسلط ہے تاہم اب بھی لوگ ان سے بہت زیادہ بہرہ اندوز ہوتے رہتے ہیں۔

تصانیف ابن صفوان کی تصانیف حسب ذیل ہیں:۔

مطلع الانوار الالٰہیۃ، بغیۃ المستفید، شرح کتاب القرشی، یہ کتاب فرائض میں بے نظیر ہے، اس کے علاوہ مختلف موضوع اور لوگوں کے اقوال پر انھوں نے نقد و تبصرہ کیا ہے۔ ان کتابوں کی تعداد بہت ہے۔

اشعار ابن صفوان کے اشعار تصوف کے رنگ میں ہوتے ہیں، میں نے سنا ہے کہ ایک دفعہ خطیب ولی اللہ ابو عبد اللہ طنجالی کے روبرو سامعین اور قوالوں نے ان کے اشعار کا اشتیاق ظاہر کیا تو ان کے ایماء سے ابن صفوان نے یہ اشعار نظم کئے۔

بان الحمیم فما الحماد البان	دوست جدا ہو گئے اب چراگاہ اور درخت بان
بشفاء من عنه الاحبة بانوا	اس شخص کو شفا نہیں بخش سکتے جس سے اس کے احباب جدا ہو گئے ہیں
لم ینقضوا عهداً بینهم ولا	ان احباب نے جدا ہو کر بھی عہد شکنی نہیں کی۔
انساهم میثاقك الحدثان	اور نہ گردش زمانے نے تیرے عہد کو ان سے فراموش ہونے دیا
لكن جنحت لغيرهم فازالهم	لیکن تو خود دوسروں کی طرف مائل ہو گیا۔
عن انسهم بك موحش غيران	تو ان کی وحشتناک غیرت نے تیرے انس کو زائل کر دیا۔
لوصح حبك ما فقدتهم ولا	اگر تیری محبت سچی ہوتی تو ان کو تو نہ کھوتا۔
سارت بهم عن حيك الاظعان	اور نہ اونٹ تیرے قبیلے سے اونٹ لیجاتے۔
تشتاقهم وحشاك مالة بدرهم	تو ان کا اس طرح مشتاق رہتا کہ تیرا دل ان کے بدر کا ہالہ بنا رہتا
والستر منك لخيلهم ميدان	اور تیرا راز دنیا زان کے گھوڑوں کے لئے میدان ہوتا

ما هكذا احوال ارباب الهوى	ارباب محبت کے حالات ایسے نہیں ہوتے۔
نسخ الغرام بقلبك السلوان	جیسے کہ تیرے دل میں تسلی نے محبت کو مٹا دیا ہے۔
لا يشتكي ألم الفراق متيم	وہ عاشق فراق کے الم کی شکایت نہیں کرتا ہے۔
احبابه في قلبه سكان	جس کے دل میں اس کے احباب سکونت پذیر ہوں۔
ما عندهم الا الكمال وانما	ان کے پاس صرف کمال ہی تھا۔
غطى على مرآتك النقصان	نقصان تیرے آئینے کا پردہ پوش تھا۔
شغلتك بالاغيار عنهم مقلة	تیری خواب آلود چشم نے احباب کو نہ دیکھنے دیا
انسانها عن لحظهم وسنان	بلکہ اغیار کی طرف مشغول کر دیا۔
غمض جفونك عن سواهم معرضا	اب تو اپنی آنکھوں کو ماسوا احباب سے اعراض کر کے بند کر
ان الصوارم حجبها الاجفان	کیونکہ تلواریں اپنے نیام ہی میں بند رہتی ہیں۔
واصرف اليهم لحظ فكرك شاخصا	اور اپنی نگاہِ فکر کو احباب ہی کی طرف ٹکٹکی لگا کر پھیرے
ترهم بقلبك حيث كنت وكانوا	تو انھیں اپنے دل ہی میں پائیگا خواہ وہ کہیں ہوں اور تو کہیں ہو
ما بان عن مغناك من الطافه	خدا کے الطاف تیرے گھر سے جدا نہیں ہوئے ہیں۔
يهمي عليك سحابها الهتان	تجھ پر اس کے الطاف کے بادل ہمیشہ برستے رہتے ہیں
وجياد النعمة ببابك ترتمي	اور اس کی نعمتوں کے گھوڑے تیرے دروازے پر کھڑے ہیں
تسري اليك بركبها الاكوان	جس کے سواروں کو کائنات تیرے پاس لے آتی ہے۔
جعلوا دليلا فيك منك عليهم	لوگوں نے ان احباب کے خلاف تیری طرف سے تیری ذات میں دلیل
فبدا على تقصيرك البرهان	قائم کی مگر برہان تیرے قصور پر ظاہر ہوا۔
يا لامحا سر الوجود بعينه	اے رازِ وجود کو بعینہ دیکھنے والے
السر فيك بأسره والشان	تمام راز اور تمام شانیں تجھ میں موجود ہیں۔
ارجع لذاتك ان اردت تنزها	اگر تو پاکی چاہتا ہے تو اپنی ذات کی طرف رجوع کر
فيها لعيني ذي الحجا بستان	اسی ذات میں ہر چشمِ عاقل کے لئے باغ و بہار ہے۔
هي روضة مطلولة بل جنة	ذاتِ انسانی ایک چمن بلکہ ایک باغ ہے۔
فيها المنى والروح والريحان	جس میں تمنائیں راحتیں اور ہر قسم کے پھول موجود ہیں

كم حكمة صارت تلوح لناظري	کتنی حکمتیں ہیں جو میری آنکھوں کے سامنے روشن ہیں
حارت لباهر صنعها الاذهان	جن کی اصل صنعت پر عقلیں حیران ہیں۔
حجبت لشخصك عن عيانك شمسها	آفتاب تک بھی تیری شخصیت کی بنا پر تیری نظر سے روپوش ہے
شمس محاسن ذكرها التبيان	وہ آفتاب جس کے ذکر کی خوبیاں ایک مستقل بیان ہے۔
لولاك ما خفيت عليك آياتها	اگر تو نہ ہوتا تو آفتاب کی نشانیاں مخفی نہ ہوتیں۔
والجو من انوارها ملآن	بلکہ ساری فضا اس کے انوار سے پُر ہوتی۔
انت الحجاب لما تؤمل منهم	تو ہی اس چیز کا حجاب ہے جس کی اہل احباب سے امید کی جاتی ہے
ففناؤك الاقصى لهم وجدان	تیری انتہائی فنا ان کے لئے وجدان ہے۔
فاخرج اليهم عنك مفتقرا لهم	تو ان کا محتاج بنکر ان کے پاس حاضر ہو۔
ان الملوك بالافتقار تزان	بیشک بادشاہوں کی زینت افتقار سے بھی ہوتی ہے
واخضع لعزهم ولذ بهم يلج	تو ان کی عزت کا مطیع ہو اور انہیں اپنا ملجا بنا
منهم عليك تعطف وحنان	اس وقت ان کی مہربانی اور عنایت تیری طرف مائل ہوگی
هم رشحوك الى الوصول اليهم	انھوں نے تجھے اپنی طرف پہنچانے کے لئے آمادگی ظاہر کی
وهم على طلب الوصال عوان	اور وہ طلب وصال کے لئے مددگار بھی ہیں۔
عطفوا اجمالهم على اجمالهم	انھوں نے اپنے حسن کو اپنے اونٹوں پر رکھ کر پھیرا ہے۔
حلى المشوق الحسن والاحسان	حسن اور احسان شاہ کا زیور ہے۔
يا ملبسين عبيدهم حلل الضنا	اے اپنے غلاموں کو جامۂ مرض میں پھنسانے والے
جسمي بما تكسونه يزدان	میرا جسم تمہارے جامے سے دراز ہو گیا ہے۔
لا سخط عندي للذي ترضونه	جسے تم چاہتے ہو اس سے میں ناخوش نہیں۔
قلبي بذلك فارح جذلان	بلکہ میرا دل اس سے خوش اور شاداں ہے۔
تقريبكم عين الغناء وبعدكم	تمہاری قربت عین غنا اور بُعد عین فنا ہے۔
عين الفناء وحبكم ولهان	اور تمہاری محبت شیدا کرنے والی ہے۔
اني كتمت عن الانام هواكم	میں تمہاری محبت کو چھپا کر لے چلا
حتى ذهبت وخانني الكتمان	مگر اخفا نے مجھ سے خیانت کی۔

ووشت مجالي عند ذاك مدامع
اور آنسوؤں نے میری حالت کی غمازی کی

أدني مواقع قطرها طوفان
اور ادنیٰ سیلان اشک سے طوفان برپا ہوگیا۔

وبدت على شمائل علنية
اور مجھ میں قابل پذیرائی خصلتیں ظاہر ہوئیں۔

تقضي بأني فيكم هيمان
جن کے فیصلے سے میں تمہارا وارفتہ قرار پایا

فإذا نطقت فذكركم لي منطق
اب میرے نطق میں تمہارا ہی ذکر رہتا ہے

ما عن سواكم للسان بيان
اور میری زبان تمہارے سوا کچھ بیان نہیں کرتی

وإذا صمتّ فأنتم سر الذي
میری خاموشی میں تم میرے راز بن کر

بين الجوانح في الفؤاد يصان
پہلوؤں کے درمیان دل کے اندر محفوظ رہتے ہو۔

فباطني والظاهري لكم هوى
میرے ظاہر اور باطن میں تمہاری محبت جاگزیں ہے

من جنده الإسرار والإعلان
اور اسرار اور اعلان اس محبت کے لشکر ہیں۔

وجوانحي وجميع أنفاسي دما
میرے پہلو اور میرے تمام انفاس اور میرے تمام مہلکات

أخنى على لحبكم أعوان
تمہاری محبت کے انصار ہیں۔

وإليكم مني المفر فقصدكم
میرا مفر تمہاری طرف ہے تمہاری طرف قصد کرنا

حرم به للخائفين أمان
گویا حرم میں خائف لوگوں کو امان ملنا ہے۔

دیگر

دنیا کی مذمت اور قناعت کی مدح میں یہ نظم لکھی

حديث الأماني في الحياة شجون
زندگی کی امیدیں غم آلودہ ہوتی ہیں۔

إن أرضاك شأن أحفظتك شؤون
اگر ایک حالت خوش کرتی ہے تو چند حالتیں ناخوش کرتی ہیں

يميل إليها جاهل لغرورها
جاہل شخص زندگی کے دھوکے میں آکر اس کی طرف مائل

فمنه اشتياق نحوها وأنين
ہوتا اور اس کا مشتاق ہو جاتا ہے۔

وذو الحزم ينبو عن حجاب محالها
اور دانا شخص ناممکنات کے پردوں سے دور رہتا ہے

يقيه إذا شك عراه يقين
اور یقین اسے شبہات سے بچایا کرتا ہے

إليك صريح الأمن منحة ناصح
امن کے مطلوب تو ناصح کے عطیہ کو قبول کر

على نصحه سيما الشفيق تبين
جس کی نصیحت پر شفیق کی علامت ظاہر ہے

تجاف عن الدنيا ودن باطراحها	دنیا سے علیحدہ رہ اور تقریباً اسے چھوڑ دے
فمركبها بالمطمعين حرون	کیونکہ دنیا کی سواری صاحب طمع کے لئے رام نہیں ہوتی ہے
وترفيعها خفض ونعيمها أذى	دنیا کی بلندی پستی ہے اور اس کی نعمت تکلیف ہے
ومنهلها للواردين أجون	اور اس کا گھاٹ پانی پینے والوں کے لئے گدلا ہے
إذا عاهدت خانت وإن هي أقسمت	جب وہ عہد کرتی ہے تو خیانت کرتی ہے
فلا ترج برًّا باليمين يمين	اگر وہ قسم بھی کھائے تو اس کے پورا کرنے کی تو امید نہ رکھ
يروقك منها مطمع من وفائها	تجھے دنیا کی وفا کی طمع خوش آیند نظر آتی ہے۔
وسرعان ما إثر الوفاء تخون	حالانکہ وہ وفا کے بعد جلد خیانت کرتی ہے۔
وتمنحك الإقبال كفة حابل	اور وہ تجھے شکاری کے جال کی مانند اقبال عطا کرتی ہے
ومن مكرها في طي ذاك كمين	مگر اس جال میں اس کا مکر چھپا رہتا ہے۔
سفاه لعمر الله إمحاضك الهوى	بخدا یہ نادانی ہے کہ تو اس شخص سے خالص محبت کرے
لمن أنت بالبغضاء منه قمين	جس کی عداوت میں تو جلدی کرتا تھا
ومن تصطفيه وهو يقطعك الهوى	اور یہ بھی نادانی ہے کہ تو اس شخص کو اختیار کرے جو تجھ سے
وتهدي له الإعزاز وهو يهين	قطع محبت کرے اور تو اس کی عزت کرے اور وہ تیری اہانت کرے
ألا إنما الدنيا فلا تغترر بها	خبردار یہ دنیا مصائب جنتی ہے اور دھوکا دے کر بدلہ
ولود الدواهي بالخداع تدين	لیتی ہے تو اس کے فریب میں نہ آ۔
يعم رداها الغر والخب ذا الدها	دنیا کی ہلاکت سادہ لوح اور مکار سب کو شامل ہے
ويلحق فيها بالكناس عرين	حتی کہ بھٹ میں رہنے والا شکاری بھی اس میں مبتلا ہو جاتا ہے
وتشمل بلواها نبيها وخاملا	دنیا کی مصیبت گمنام اور مشہور سب پر شامل ہے
ويلقى مذل ضرها ومصون	اور اس کی تکلیف ذلیل اور باعزت دونوں کو پہنچتی ہے
أبنها لحاها الله كم فتنة لها	دنیا پر خدا کی لعنت ہو تم اسے چھوڑ دو
تعلم صم الصخر كيف تلين	اس کے فتنے بڑی بڑی چٹانوں کو نرم کر دیتے ہیں
فلا ملك سام أقالت عثاره	دنیا نے ملک سام کی لغزش کو بھی معاف نہیں کیا
ولو أنه للفرقدين خدين	اگرچہ وہ مستلہٗ فرقد کا قرین تھا۔
ولا معهد إلا وقد نكثت به	اور وہ کسی معہد کو ضرب پہونچانے سے نہ رکی
بعيد الكرى للثاكلات جفون	جس پر رونے والوں کی آنکھیں خواب سے محروم ہو گئیں

ابیت لنفسی ان یدنسها الکری
میں نے اپنے نفس کو خواب سے آلودہ ہونے نہیں دیا

سکون الیها مونق و رکون
کیونکہ دنیا کی راحت اور اسکی طرف میلان ہلاکت ہے

فلیس قریرا لعین فیها سوی امرئ
دنیا میں سوائے اس شخص کے کسی کی آنکھ ٹھنڈی نہیں ہوتی

قلاہ لها رائ یراہ و دین
جس نے اپنی رائے اور دین کے مطابق دنیا کو مبغوض رکھا

ابت طلاق الحرص فالزهد دائبا
اور اس نے دنیا کو چھوڑ کر زہد کو ہمیشہ

خلیل له مستصحب و قرین
اپنا دوست ساتھی اور ہم بزم بنایا

اذا اقبلت لم یو لها بشر شیق
اگر دنیا متوجہ بھی ہوئی تو اس نے مشتاقانہ اپنا چہرہ اسکی طرف نہ کیا

ولا خف للاقبال منه رزین
اور نہ وہ کوہ وقار ہونے میں سبک ہوا

وان ادبرت لم یلتفت نحوها بها
اور اگر دنیا روگرداں ہوئی جب بھی اس کو منہ پھیر کر نہ دیکھا

ولا علی مالم توات حزین
اور نہ وہ اس کے موافقت نہ کرنے پر غمگین ہوا

خفیف المطا من حمل اثقال همها
ایسے شخص کی پشت غم دنیا کا بار اٹھانے سے ہلکی رہتی ہے

اذا ما شکت ثقل الهموم متون
جبکہ دوسروں کی پشت بار غم سے شاکی ہوتی ہے

علی حفظه للفقر بهی ملاءة
اس شخص کا فقر کی حفاظت کرنا وہ خوش منظر غنا ہے

سنا حلیها وسط الندی یزین
جس کے زیور کی روشنی گھروں میں زینت بخشتی ہے

یرحب حال الخائفین منازل
ایسے خوفزدہ لوگوں کو منزلیں خوش آمدید کہتی ہیں

لهن مکان حیث حل مکین
اور یہ جہاں فروکش ہوں وہاں انکو جگہ ملتی ہے

منازل نجد عندها و تهامة
اس شخص کے نزدیک نجد اور تہامہ کے منازل

سوی و استوی هند لدیها و صین
نیز ہند اور چین ایک درجے کے ہیں

فهذا اثیل الملک لا ملک ثائر
یہی شخص وسیع عزت کا مالک ہوتا ہے نہ شورش پسند شخص

لاعدائه حرب علیه زبون
جس کے خلاف دشمنوں کی جنگ مسلسل جاری رہتی ہے

و هذا عریض العز لا عز مترف
اور یہی شخص وسیع عزت کا مالک ہوتا ہے نہ وہ دولتمند

له من مشیدات القصور سجون
جس کے لئے بڑے بڑے محل زنداں ہو جاتے ہیں

حوت شخصه اوصافها فکانه
اس دولتمند میں زندان کے تمام اوصاف مجتمع ہوتے ہیں

وان لم یمت فوق التراب دفین
اس لئے وہ اگرچہ مردہ نہیں ہوتا مگر بالائے زمین مدفون ہوتا ہے

فیا خابطا عشواء والصبح قد بدا
اے شبکور کی طرح بھٹکنے والے صبح نمودار ہو گئی ہے

الی م تغطی ناظریك دجون	کب تک تیری آنکھوں کو ظلمت چھپائے رکھیگی
افق من کری هذا التعامی ولاتضع	تو اس کورانہ خواب سے بیدار ہو اور اپنی
بجهالك علق العمر فهو ثمین	جہالت کے سبب نفیس اور قیمتی عمر کو ضائع نہ کر
اذا کان عقبی ذی حیاة الی البلی	جب اس زندگی کا انجام کہنگی ہے
فان قصاری ذی الحیاة منون	تو بیشک اس زندگی کا انجام موت ہے
ففیم التغالی والتنافس ضلة	یہ ضلالت آمیز باہمی ہلاکت اور منافست
وفیم التلاحی والخصام یکون	دشنام اور خصومت کس چیز میں ہوتی رہے گی
الی الله أشکوها نفوسًا عمیة	اللہ ہی سے ان کوردچشم نفوس کی شکایت کرتا ہوں
عن الرشد والحق الیقین تبین	جو ہدایت اور حق الیقین سے دور ہوگئے ہیں
واسأله الرجعی الی أمره الذی	اور اسی کی طرف رجوع کرنے کے لئے اس سے سوال کرتا ہوں
بتوفیقه حبل الرجاء متین	جس کی توفیق سے امید کی رسی مضبوط رہتی ہے
فلا خیر الا من لدنه وجوده	اسی کے پاس خیر ہے اور اسی کا وجود
لتیسیر اسباب النجاة ضمین	اسباب نجات کی فراہمی کا ضامن ہے

اشعار کا دیوان

۷۴۸ھ میں موکب سلطانی کے ساتھ میں امراح خضراء پہونچا اس سفر میں کچھ دنوں تک مالقہ میں ٹھہرا وہاں جرنے ابن صفوان کے اشعار فراہم کئے اور ایک دیوان مرتب کیا جس کے آغاز میں اپنا خطبہ اضافہ کرکے اس کتاب کا نام "الدرر الفاخرة واللجج الزاخرة"، رکھا، پھر میں نے ان اشعار کی روایت کی اجازت اپنے اور اپنے فرزند عبداللہ کے لئے ان سے طلب کی، انھوں نے اسی مجموعے کی پشت پر اپنے قلم سے اجازت نامہ لکھدیا وہ یہ ہے:-

اللہ کی حمد وستائش کے بعد جو اس کا مستحق ہے، میں نے ابوعبداللہ بن الخطیب کی استدعا قبول کی جو فقیہ جلیل، افضل، بامروت، بزرگ یکتا، اور پرمغز ہیں، اور ایسے ماہر ادیب ہیں جن کے ادب کا آفتاب رفعت اور وجاہت، شہرت اور معرفت کے افق پر درخشاں ہے، اور ایسے مصنّف، حافظ، اور علامہ ہیں کہ نظم ونثر انشا اور شاعری میں رئیس اور امام کا رتبہ رکھتے ہیں جنھوں نے

اپنی روشن تالیفات سے زمانے کو آراستہ کر دیا ہے اور جن کی اولاد کے عمدہ محاسن منصۂ شہود پر جلوہ افروز ہیں، خدا انھیں سعادت سے ہمکنار فرمائے، انکی خوبیوں کو محفوظ رکھے، ان کے مقاصد اور ارادوں کو خیر کثیر اور روشن عمل کے ساتھ بلند کرے اور خدا ان کے فرزند ارجمند کو جو اپنے افضل و اطہر اصل اور منشاء کے سبب سے ستارہ فرقد کے درجے تک ترقی کر چکے ہیں فیض رسانی اور بزرگی کے اُس مرتبے پر پہونچا دے جسکی آرزو باپ کو ہے،

میں ابن الخطیب اور ان کے فرزند عبداللہ مذکور کو (خدا ان دونوں کو عزت و عافیت کے ساتھ مدت دراز تک باقی رکھے) اپنی نظم و نثر کی روایت کی اجازت دیتا ہوں، نیز جن چیزوں کو میں نے تمام عمر لکھا اور منتخب کیا یعنی میرے تمام تصنیفات، حواشی، قطعات، قصائد اور شیوخ رضی اللہ عنہم کے علوم و فنون کی تدوین نظم ہو یا نثر میں جو مجھے پہونچے اور جن کے اسناد مجھ تک ثابت ہوئے ان کی روایات کی تمام و کمال شرعی اجازت ہے، یعنی وہ شرط جو اہل حدیث کے نزدیک معتبر ہے، خدا مجھے اور ان دونوں کو علم سے بہرہ ور فرمائے اور اپنی بافلاح جماعت کے سلک میں منسلک فرما کر اپنے برکات و افضال کے انوار کی بارش ہم پر برسائے۔

بندۂ محتاج احمد بن ابراہیم بن احمد بن صفوان (خدا اس کا خاتمہ بالخیر کرے) اپنے دست فانی سے ۶؍ ربیع الآخر ۷۶۴ھ میں یہ چند جملے لکھ کر خدا کی حمد کرتا ہوا اور نبی کریم اور آپ کے آل واصحاب اطہار پر درود اور سلام پڑھتا ہوا اس اجازت نامے کو ختم کرتا ہے، وحسبنا اللہ ونعم الوکیل۔

اس دیوان میں بڑے بڑے قصائد ہیں ا ایک قصیدہ رئیس ابوعلی بن سینا کے ایک مشہور قصیدے کے معارضے میں ہے جو نفس کے متعلق تھا اور جس کا مطلع یہ ہے

هبطت اليك من المحل الارفع۔

ابن صفوان کے قصیدہ کا مصرع اول یہ ہے۔

اهلا بمسرات المحب الموضع

دیوان کے پہلے قصیدہ کا مطلع یہ ہے

لمعناك فی الأفهام سر مكتم — لوگوں کی سمجھ میں تیرا مفہوم ایک سربستہ راز ہے
علیه نفوس العارفین تحوم — جس پر عارفوں کے نفوس گردش کرتے رہتے ہیں

مطلع قصیدۂ دیگر

فناء وجودی فی هواکم هو الخلد — تمھاری محبت میں اپنے وجود کو فنا کرنا ہی بہشت ہے
ومحو رسومی سجن ذاتی به یبدو — اور اپنے آثار کو مٹا دینا ہی زندان ہے جس میں میری ذات آشکارا ہوتی ہے

مطلع قصیدۂ دیگر

الا فی الهوی بالذل ترمی الوسائل — ہاں محبت میں وسائل کی نگرانی ذلت کے ساتھ ہوتی ہے
ودمعی ان نودی مجیب وسائل — اور میرے آنسو ندا دینے سے مجیب اور سائل ہو سکتے ہیں

مطلع قصیدۂ دیگر

هم المقصد جادوا بالرضی او تمنعوا — وہی ایک مقصد ہیں خواہ وہ راضی ہوں یا انہوں
صلوا اللوم فیما او دعوا القلب او دعوا — بس اے ملامت کرنے والو تم دل کے اندر ودیعت شدہ چیز پر ملامت کرتے رہو یا چھوڑ دو

مطلع قصیدۂ دیگر

سقی زمن الوصل هام من السحب [1] . . . .

مطلع قصیدۂ دیگر

یا فوز نفس فی هواك مرادها — اے کامیاب نفس تیری خواہش میں اس محبوب کی محبت مربوط ہے
رقت معانیها وراق مناؤها — اس لئے اس خواہش کے معانی سبک اور اس کی تمنا پسندیدہ ہے

مطلع قصیدۂ دیگر

انما الغرام فبالفؤاد مقیم — رہ گئی محبت تو وہ دل میں جاگزیں ہے

[1] اصل کتاب میں دوسرے مصرعہ کی جگہ بیاضی ہے۔ "مترجم"

هيهات مني ما العذول يروم — افسوس ہے ملامت کرنے والے پر وہ مجھ سے کیا چاہتا ہے

قطعہ

رشق العذار لجينه بنباله — عذار نے محبوب کے سیمیں رخ پر بھالہ مارا
فغدا يدور على المحب الواله — اور عاشق سرگشتہ کے گرد گھوما
خط العذار بصفحتيه لامه — عذار نے محبوب کے رخساروں پر لام کا خط کھینچ کر
خطا توعده بمحو جماله — اس کے جمال کے مٹا دینے کی دھمکی دی
فحسبت ان جماله شمس الضحى — میں نے گمان کیا کہ اس کے جمال کا آفتاب نصف النہار پر ہے
حسنا وذاك الخط خط زواله — اور یہ خط خط زوال ہے
فدنا الى تعجبا داجابني — اس نے تعجب سے میرے پاس آکر جواب دیا
والروع يبدو من خلال مقاله — اس وقت اس کی گفتگو میں خوف نمایاں تھا
ان الجمال ختامه لام فعج — کہ جمال کے آخر میں لام ہے اس لئے تم
عن رسمه واندب على اطلاله — اس کے نشان سے پھر جاؤ اور اس کھنڈر پر ماتم کرو

ابیات در توریہ

كففت عن الوصال طويل شوقي — تو نے میرے طویل شوق کو اپنے وصال سے روک دیا
اليك وانت للروح الخليل — حالانکہ تو روح کا خلیل ہے
وكفك للطويل فدتك نفسي — تجھ پر میری جان فدا ہو تیرا طویل کی وجہ سے روکنا
قبيح ليس يرضاه الخليل — قبیح امر ہے جسے کوئی دوست نہیں پسند کرتا

ایضاً توریہ در عروض

يا كاملا شوقي اليك وافر — اے کامل تمہاری طرف میرا شوق وافر ہے
وبسيط صبري في هواه عزيز — اور تمہاری محبت میں میرا صبر بسیط غالب ہے
عاملت اسبابي اليك بقطعها — تم نے میرے اسباب کو جو تمہارے وصل کے لئے ہیں قطع کر دیا ہے
والقطع في الاسباب ليس يجوز — حالانکہ قطع اسباب جائز نہیں ہے

ابیات ورتوریہ

ایا قمرا مطالعہ جنانی	اے وہ قمر جس کا مطلع میرا دل ہے
وغرتہ توارت عن عیانی	اگرچہ اس کا ہلال میری آنکھ سے روپوش ہے
أأصرف عن ھواك مع افتضاحی	کیا میں تمہاری محبت سے فضیحت اٹھا کر پھر جاؤں
وسھدی وانتحالی علتان	حالانکہ بیداری اور لاغری دو بیماریاں لاحق ہوگئی ہیں

ابیات دیگر

لا تصحبن یاصاحبی غیر الوفی	اے میرے رفیق بجز وفادار کے کسی کی صحبت اختیار نہ کر
کل امرئ عنوانہ من یصطفی	ہر شخص کی شناخت اس کے پسندیدہ دوست سے ہوتی ہے
کم من خلیل بشرہ زھر الربا	بہت سے دوستوں کی بشاشت بلند مقاموں کے پھول کی سی ہوتی ہے
فی طی ذاك البشر حد المرھف	مگر اسی بشاشت کے اندر تلوار کی دھار چھپی رہتی ہے
ظاھرہ یریك سر من رأی	بظاہر وہ خوشش کن نظر آتا ہے
وأنت من اعراضہ فی أسف	لیکن اس کی روگردانی سے تجھے تاسف ہوتا ہے

ایک دفعہ ابن صفوان اور ابو عمر بن منظور قاضی شہر کے درمیان تعلقات اس حد تک کشیدہ ہوئے کہ ابن صفوان شہر چھوڑ کر غرناطہ چلے آئے اسی اثنا میں ابن منظور کا انتقال ہوگیا تو ابن صفوان نے دل کی بھڑاس نکالنے کے لئے یہ اشعار نظم کئے جو بجائے خود نہایت خوب ہیں۔

تردی ابن منظور و حم حماہ	ابن منظور ہلاک ہوگئے اور ان کی جائے حمایت تاریک ہوگئی
واسلمہ حام لہ ونصیر	اور ان کے مددگاروں نے انہیں دوسروں کے حوالہ کردیا
وتبرأ منہ اولیاء غرورہ	اور ان کے فریب خوردہ دوستوں نے ان سے خلاصی پائی
ولم یقہ بأس المنون ضمیر	اور انہیں کسی نے موت کی دہشت سے نہیں بچایا
وأودع بعد الانس موحش بلقع	وہ مانوس رہنے کے بعد اجڑے ہوئے وحشتناک جگہ میں سپرد کئے گئے
تحیاہ فیہ منکر و نکیر	جہاں منکر و نکیر نے انہیں زندہ باد کہا
ولا رشوۃ یدلی القبول رشادھا	وہاں نہ رشوت قبول کی جاسکتی ہے

عربی	اردو
فينسخ بالسراء منه عسير	اور نہ کوئی مشکل کسی مسرت کے لئے دور کیجا سکتی ہے
ولا شاهد يقضى له عن شهادة	وہاں نہ کسی شاہد کی ایسی شہادت پر فیصلہ کیا جاتا ہے
تخللها افناك يصاغ و زور	جو جھوٹی باتوں کے لئے گھڑی گئی ہو
ولا خدعة تجدى ولا مكر نافع	وہاں نہ کوئی فریب نافع ہے اور نہ مکر
ولا غش مطوى عليه ضمير	اور نہ دل کی کھوٹ کسی طرح سود مند ہے
ولكنه حق يصول و باطل	موت حق کی صولت اور باطل کے لئے حیلہ ہے
يحول و مثوى جنة وسعير	جس کے بعد ٹھکانا یا جنت ہے یا دوزخ
وقالوا قضاء الموت حتم على الورى	لوگوں نے مجھ سے کہا کہ موت کا فیصلہ خلق پر واجب ہے
يذوق صغير كأسه وكبير	اور ہر کہ ومہ کو یہ جام نوش کرنا ہوگا
فلا تنتسم ريح ارتياح لفقده	اس لئے تو بھی ابن منظور کی موت سے مسرت کی سانس نہ لیگا
فانك عن قصد السبيل تجور	کیونکہ تو جادۂ اعتدال سے کج ہو گیا ہے
فقلت بلى حكم المنية شامل	میں نے کہا بیشک موت کا فیصلہ عام ہے
وكل الى رب العباد يصير	اور ہر شخص کو رب العباد کے پاس جانا ہے
ولكن تقديم الاعادى الى الردى	لیکن دشمنوں کا پہلے ہلاک ہو جانا
نشاط يعود القلب منه سرور	وہ خوشی ہے جس سے قلب مسرور رہتا ہے
وأمن ينام المرء فى برد ظله	اور یہ وہ امن ہے جس کی ٹھنڈی چھاؤں میں آدمی سوتا ہے
ولا حية بالحقد ثم تثور	جہاں کوئی کینہ توز سانپ حملہ نہیں کرتا
وحسبى بيت قاله شاعر مضى	میرے لئے عہد ماضی کے شاعر کا ایک شعر کافی ہے
غدا مثلا فى العالمين يسير	جو عالم میں بطور ضرب المثل کے پھیل گیا ہے
وان بقاء المرء بعد عدوه	دشمن کے بعد کسی شخص کا زندہ رہنا
ولو ساعة من عمره لكثير	اگرچہ ایک گھڑی کے لئے ہو بہت ہے

سنہ ولادت

ہمارے بعض شیوخ ناقل ہیں کہ میں نے ابن صفوان سے ان کا سنہ ولادت دریافت کیا انھوں نے جواب دیا کہ ۶۷۵ھ کا آخری حصہ ہے ہمارے شیخ مشکوک الفاظ میں کہتے ہیں کہ غالباً وہ ذیقعدہ کا مہینہ ہے۔

سنہ وفات — ابن صفوان نے آخر جمادی الثانیہ ۵۶۲ھ برس مالقہ میں وفات پائی[1]

احمد بن ایوب لمای

نام کنیت اور سکونت — احمد بن ایوب نام، اور ابوجعفر کنیت ہے مالقہ کے رہنے والے تھے

حالات — صاحب الذیل کہتے ہیں کہ احمد بن ایوب نہایت ماہر ادیب جلیل القدر شاعر اور بہت بڑے انشاپرداز تھے، اندلس میں خلفائے ہاشمیں کے پہلے تاجدار علی بن حمود کی طرف سے کاتب مقرر کئے گئے، اور اس کے بعد ہی اسی خاندان میں اس عہدے پر فائز رہے، رفتہ رفتہ اس خاندان کے تمام امور کا انصرام ان کے سپرد کیا گیا، جس کے باعث ان کی شہرت زیادہ ہو گئی اور عظمت و جلالت کی نگاہوں سے دیکھے جانے لگے۔

ابن بسام ذخیرے میں ان کے متعلق لکھتے ہیں کہ ابن ایوب اپنے زمانے میں انشاپردازوں کے امام، اور علم و ادب کے ستارۂ شہاب تھے، فن بیان کو انھوں نے اس طرح مسخر کر رکھا تھا، جس طرح حضرت سلیمان نے جنوں کو مسخر کر لیا تھا، انھیں طرز بیان پر ایسا تصرف حاصل تھا جیسے ہواؤں کو بادلوں پر کہ جدھر چاہتے تھے لیجاتے تھے، اور وہ حسن کلام کی گھاٹیوں سے نکلتے تھے اور اُس کی سواریوں پر جم کر بیٹھتے تھے۔

دولت حمدیہ کے عہد میں ابن ایوب لمائی کو بہت عروج حاصل ہوا اس عہد میں وہ تمام ادبا کے سرخیل تھے اور حکومت کا بار گراں بھی اپنے دوش پر اُٹھا لیا تھا۔

مجھے اس تذکرہ نویسی کے وقت لمای کی نثر میں چند فصلوں کے سوا

---

[1] مولف نے صاحب تذکرہ کو پہلے بقید حیات لکھا ہے، غالباً تذکرہ نویسی کے وقت ابن صفوان زندہ ہونگے اور جب اس کتاب کی تالیف اختتام کو پہونچی ہوگی تو ان کی وفات ہو چکی ہوگی، جس کا بیان تذکرہ کے آخر میں خود مولف نے بڑھا دیا ہوگا، مترجم

کچھ دستیاب ہوا جو ان کے دریائے علم کے چند قطرے ہیں، ایک فصل میں ابو جعفر بن العباس کے نام حسب ذیل رقعہ ہے،

میرے پاس آپ کی یاد کی شاخ سرسبز اور شکر کا گلزار مشک ریز ہے، میرے اخلاص کی باد صبا چل رہی ہے، اور میرا رنج شوق سے بدلا ہوا ہے میں آپ کی اخوت کے زلال کو نوش کر رہا ہوں اور آپ کی وفا کے سائے سے متمتع ہوں، آپ کے شجر محبت کا خوش مزہ پھل توڑتا ہوں، آپ کے قدیم احسانات نے مجھے بامراد کر دیا فراخدلی کے ساتھ ایسے پیا پے ساغر پلائے کہ میں سیر ہو گیا، بیشک اس راستے پر قدم اٹھانا اور اس روش پر چلنا آپ ہی کا کام ہے، آپ ترکش فضیلت کے بے خطا تیر، اور آسمان فضل کے روشن تارے ہیں، کہ اگر آپ کے دشمن اس کے نور کو حاصل کرنے کی کوشش کریں تو وہ جلا دے، اور اگر آپ اس نور کو ان پر پھینک دیں تو انکی آنکھیں خیرہ ہو جائیں۔

درحقیقت ابن ایوب لمائی کی نثر کا احاطہ کرنے اور ان کی خوبیاں بیان کرنے سے میری زبان قاصر ہے،

اشعار

ابن بسام کہتے ہیں کہ اشعار ذیل ابن ایوب کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں۔

طلعت طلائع ذالربیع فاطلعت	موسم بہار شروع ہو گیا اور اس نے
فی الروض ورداً قبل حین أوانه	وقت سے پہلے باغ میں گلاب کے پھول کھلا دئے
حیا امیرالمؤ منین مبشرا	بہار نے امیرالمومنین کو بشارت دے کر زندہ باد کہا
ومؤملا للنیل من احسانه	اور اس کا احسان حاصل کرنے کی امید لگائی
ضنت سحائبه علیه بمائها	جب ابر بہار نے اپنے باراں سے بخل کیا
فأتاه لیستسقیه ماء بنانه	تو امیرالمومنین نے بہار کو اپنی انگلیوں کے پانی سے سیراب کیا
دامت لنا أیامه موصولة	دعا ہے کہ اس کا زمانہ عزت و تمکین کے ساتھ
بالعز والتمکین فی سلطانه	سلطنت میں ہمیشہ قایم رہے

ابن بسام کہتے ہیں کہ مجھے ادیب ابوبکر بن جن نے چند اشعار سنائے اور کہا تھا کہ ابوالربیع ابن عریف نے مجھے یہ اشعار پڑھکر سنائے تھے اور کہا تھا کہ یہ میرے دادا ابو جعفر لمائی کے ہیں، اس وقت لمائی مرض نسمۃ میں جو صدری امراض میں سے ہے مبتلا تھے، مرض مزمن ہو چکا تھا اور ہر طرح کا علاج و درماں کرکے تھک چکے تھے، اسی کیفیت کو انھوں نے ذیل کے اشعار میں ظاہر کیا ہے۔

لم یبق لی شیأ أعالجها به	میں نے زندگی کی طمع میں علاج کیا کوئی چیز باقی نہیں چھوڑی
طمع الحیاۃ وأین من لا یطمع	اور اس طمع سے دنیا میں کوئی خالی نہیں ہے
واذا المنیۃ أنشبت اظفارها	اور جب موت اپنے پنجے گڑو دیتی ہے تو
ألفیت کل تمیمۃ لا تنفع	اس وقت کوئی تعویذ نفع نہیں دیتا

اسی زمانے میں کوئی دوست اون سے ملنے آئے اوس وقت انھیں پنکھا جھلا جا رہا تھا، اس موقع پر انھوں نے یہ اشعار فی البدیہہ کہہ دیئے۔

روحنی عائدی نقلت، لہ	میں نے اپنے عیادت کرنے والے سے کہا
لا تزدنی علی الذی اجد	کہ پنکھا جھلکر میری تکلیف کو نہ بڑھائیے
اما تری النار وھی خامدۃ	آگ کو دیکھئے جب وہ بجھنے لگتی ہے
عند ھبوب الریح تتقد	تو ہوا کے چلتے ہی بھڑک اٹھتی ہے

غرناطہ کی آمد و رفت

ابو جعفر لمائی اکثر غرناطہ میں وارد ہوئے کبھی وہ ابن الملاک کو دیکھنے اور کبھی شاہان صنہاجۃ سے جو غرناطہ میں تھے ملنے آئے۔

وفات

ابو جعفر لمائی کو جو مرض لاحق تھا وہ تادم مرگ نہ گیا یہاں تک کہ یہی مرض ان کی موت کا باعث ہوا، ۴۶۵ھ میں مالقہ میں انتقال ہوا، جنازہ مالقہ سے حصن الورد لایا گیا جو خاندان میورواد کے قصر کے پاس واقع ہے، حصن الورد کو انھوں نے اپنے لئے تعمیر کیا تھا تاکہ اگر کوئی ضرورت پیش آئے تو وہاں پناہ لیں، وصیت کے مطابق یہیں دفن کئے گئے، اور حسب ہدایت لوح مزار پر یہ بیتیں لکھی گئیں۔

بنيت ولم اسكن وحصنت جاهدا	میں نے یہ حصن اپنے لئے تعمیر کیا تھا مگر یہاں سکونت نہ کر سکا
فلما أتى المقدور صيره قبرى	جب قضا آئی تو اس نے یہاں میری قبر بنا دی
ولم يك حظى غير ما أنت مبصر	میری قسمت میں بجز ایک آدھ گز زمین کے
بعينك ما بين الذراع الى الشبر	جس کو تم دیکھ رہے ہو اور کچھ نہیں تھا
فيا زائراً قبرى أوصيك جاهدا	اے قبر کی زیارت کرنے والو! میں تمھیں وصیت کرتا ہوں
عليك بتقوى الله فى السر والجهر	تم ظاہر اور باطن اللہ سے ڈرتے رہو

احمد بن محمد بن طلحۃ

نام، کنیت اور سکونت احمد بن محمد نام، ابوجعفر کنیت ہے، اپنے دادا کی طرف منسوب تھے، اس لئے ابن طلحہ کے عرف سے مشہور ہوئے جزیرۂ شقر ان کا وطن تھا۔

حالات القدح المعلی کے مصنف کا بیان ہے کہ جزیرۂ شقر جو اعمال بلنسیہ میں سے ہے وہاں کے ایک مشہور گھرانے سے ابن طلحہ کا تعلق ہے، خاندان بنو عبدالمومن میں جو والی گزرے ان کی طرف سے یہ کاتب مقرر کئے گئے تھے اور جب اندلس پر ابن ہود کا تسلط ہوا تو اس نے انھیں اپنا کاتب مقرر کیا، اور کبھی کبھی وزارت کے عہدہ سے بھی یہ سرفراز کئے گئے، میرے والد ان کے بہت زیادہ ہم بزم اور ہمنشیں تھے اور وہ ایک دوسرے کی ملاقات کو جایا کرتے تھے دونوں میں گہری ملاقات تھی، اس صحبت کی جتنی باتیں میرا حافظہ محفوظ رکھ سکا وہ یاد ہیں ان کے سوا میں نے کچھ اور ابن طلحہ سے استفادہ نہیں کیا۔

اشعار مصنف مذکور کہتے ہیں کہ ایک روز میں نے ابن طلحہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ آپ لوگ حبیب، بحتری، اور متنبی کے متعلق قیامت برپا کرتے ہیں، حالانکہ آپ کے زمانے میں ایک ایسا شخص موجود ہے جس میں وہ باتیں موجود ہیں جن سے تمام متقدمین اور متاخرین محروم تھے یہ سنکر درمیان سے

ایک شخص جھپٹ کر سامنے آیا اور پوچھا ابو جعفر! وہ شخص کہاں ہے؟ کیا وہ تمھیں ہو؟ ابن طلحہ نے کہا ہاں میں ہی ہوں، اور تمھیں تعجب کیوں ہے، میرے اشعار سنو:

یا ھل تری اظرف من یومنا	اے مخاطب کیا آج تو ہمارے خوشگوار دن کو دیکھتا ہے
قلد جید الافق طوق العقیق	جس نے افق کی گردن میں عقیق کا طوق ڈالدیا ہے
وانطق الورق بعید انھا	اور جس نے شاخوں کے پتوں کو نطق بخشا ہے
مطربة کل تضیب ورِیق	جسکی وجہ سے ہر ایک شاخ طرب کی حالت میں ہے
والشمس لا تشرب خمرا لندی	اور آفتاب بھی باغ کے گل لالہ کے جام میں
فی الروض الا بکأس الشقیق	شراب نوش کر رہا ہے

لوگوں نے ان اشعار کی داد نہ دی بلکہ ابن طلحہ کے رنج و ملال کو اور زیادہ کر دیا، لیکن میں نے ان سے کہا، سیدی! واللہ یہ اشعار سحر حلال ہیں میں نے ان کی مانند اپنے معاصرین کے اشعار نہیں سنے ہیں، بخدا ایسے اشعار اور مجھے سنائیے، ابن طلحہ نے کہا خدا تمھارا بھلا کرے، تم منصف بن منصف ہو، لو سنو! اور اپنے کان کھولو، پھر انھوں نے یہ اشعار پڑھ کر سنائے۔

ادرھا فالسماء بدت عروسا	اے ساقی! ساغر کو گردش دے کیونکہ آسمان
مضمخة الملابس بالغوالی	خوشبو سے بسے ہوئے عروسی جامہ میں نمودار ہوا ہے
وخد الارض زعفرہ الاصیل	وقت شام نے زمین کے رخسار کو زعفرانی کر دیا ہے
وجفن النھر کحل بالظلال	اور دریا کی آنکھوں میں سرمہ ڈالدیا ہے
وجید الغصن یشرق فی لآل	شاخوں کی گردنیں موتیوں سے چمک رہی ہیں
تضیء بھن اکناف اللیالی	جن سے راتیں بھی روشن ہو جاتی ہیں

میں نے کہا برائے خدا اور بھی کچھ ارشاد فرمائے تو انھوں نے یہ اشعار پڑھے، اسوقت وہ خوشی سے جامہ میں پھولے نہ سماتے تھے، اور غرور سے ان کا سر اونچا ہو رہا تھا:

للہ نھر عند ما زرتہ	بخدا یہ وہ نہر ہے کہ جس وقت میں اسے دیکھتا ہوں
عاین طرفی منہ سحرا حلال	تو میری نظر اس میں سحر حلال کا مشاہدہ کرتی ہے
اذا اصبح الطل بہ لیلة	جب اس میں شبنم رات گذار کر صبح کرتی ہے

تخال فیہ الغصن مثل الخیال — تو تم اسے خیال کی طرح شاخیں خیال کروگے

میں نے ابن طلحہ سے کہا کہ اشعار میں اس سے زیادہ اور خوبی کیا ہوسکتی ہے، میں امید کرتا ہوں کہ آپ اور اشعار مجھے سنائیں گے، اس کہنے سے وہ بیحد مسرور ہوئے اور یہ اشعار سنائے :۔

ولما حال بحر اللیل بینی	جب ہمارے اور تمہارے درمیان دریائے شب حائل ہوا
وبینکم وقد جددت ذکرا	اور ہم نے تمہارے ذکر کی تجدید کی
اراد لقاءکم انسان عینی	جس سے ہمارے مردمک چشم نے تمہارے دید کی خواہش کی
فمد له المنام علیہ جسرا	تو خواب نے اس دریا پر پل کھڑا کر دیا

میں نے کہا واہ وا خوب فرمایا، بارک اللہ، پھر انہوں نے یہ اشعار سنائے :۔

ولما ان رای انسان عینی	جب میرے مردمک چشم نے
بصحن الخد منه غریق ماء	اپنے رخسار کے صحن میں ایک ڈوبتے ہوئے کو دیکھا
أقام له العذار علیہ جسرا	تو رخسار نے صحن پر ایک پل اتنی جلدی کھڑا کر دیا
کما مر الظلام علی الضیاء	جتنی جلدی میں کہ روشنی پر سے تاریکی گذر جاتی ہے

آخر میں میں نے کہا کہ جو چیز بار بار دہرائی جائے اور طول کی جائے وہ موجب ملال ہوتی ہے، مگر آپ کے اشعار ایسے نہیں ہیں یہ تو نسیم حیات کے مانند ہیں، ان سے کبھی ملال نہیں پیدا ہوسکتا، للہ کچھ اور ارشاد فرمائیے کہ باعث بندہ نوازی ہو، یہ سن کر انھوں نے یہ اشعار پڑھے :۔

ھات المدام اذا رایت شبیھھا	لے بے شبیہ منفرد افق پر شراب کی شبیہ دیکھ کر
فی الافق یا فرداً بغیر شبیہ	شراب حاضر کر
فالصبح قد ذبح الظلام بنصله	کیونکہ صبح نے تاریکی کو اپنے بھالے سے ذبح کیا ہے
فغدت حمائمہ تخاصم فیہ	جس کی وجہ سے تاریکی کی فاختائیں مخاصمت کر رہی ہیں

غرناطہ کی آمد و رفت

ابن طلحہ اپنے مخدوم متوکل علی اللہ بن ہود کے ساتھ برابر غرناطہ میں آتے رہتے تھے اور ہمیشہ اس کی نقل و حرکت اور جنگی مہموں میں ساتھ رہتے تھے، ابن ہود نے متعدد شکستیں پائی تھیں، ابن طلحہ نے ان تمام واقعات کو نظم میں ادا کیا ہے،

واقعۂ قتل لوگوں کا بیان ہے کہ ابن طلحہ ابو العباس سبتی کے احسانات پر قناعت نہ کر سکے، بلکہ اپنے طنز آمیز کلام سے سبتی کی طبیعت کو ہمیشہ مشتعل کرتے رہے، ایک روز کا واقعہ ہے کہ سبتی نے اپنی مجلس میں بیان کیا کہ مجھے ایک تیر یہاں لگا اور یہاں تک نفوذ کر گیا، ابن طلحہ نے ایک شخص سے جو پہلو میں بیٹھا تھا کہا، واللہ کاش وہ قوس قزح ہوتی،" ابو العباس سبتی اس تشبیہ اور تلمیح کو سمجھ گیا، اور شخص مذکور سے بلا کر اور قسمیں دیکر پوچھا، اس نے ابن طلحہ کے مقولے کو وہرایا، سبتی نے اس بات کو دل میں پوشیدہ رکھا، یہاں تک کہ ابن طلحہ نے سبتی کی شان میں یہ ہجو لکھی۔

سمعنا بالموفق فنار تحلنا	ایک صاحب توفیق کی خبر سن کر ہم اس کی طرف روانہ ہوئے
وشا نعنا له حسب وعلم	اور اس کے حسب علم نے بھی ہم سے سفارش کی
ورمت یداً أقبلها وأخرى	ہم نے چاہا کہ اس کے ہاتھ کا بوسہ لیں
أعيش بفضلها ابداً وأسموا	اور اس کے فضل و کرم سے زندگی میں ہمیشہ سربلندی حاصل کریں
فأنشد نا لسان الحال عنه	مگر اس کے لسان حال نے ہمیں سنایا
يد شلا وأمر لا يتم	کہ اس کا ہاتھ شل ہو گیا ہے اس لئے یہ مقصد ناتمام رہیگا۔

اس ہجو سے سبتی کو بہت رنج ہوا اس نے ان کے حالات کی نگرانی شروع کی ایک روز اس کے پاس ابن طلحہ کے چند اشعار پہونچے جو ماہ رمضان مبارک کے متعلق تھے اور اس وقت وہ ناگفتہ بہ حالت میں مبتلا تھا اشعار یہ ہیں:۔

يقول اخو الفضول وقد رآنا	ایک فضول نے ایمان کی حالت میں
على الايمان يغلبنا المجون	ہماری سختیوں کو دیکھ کر کہا
أتشكو ضر شهر الصوم هلا	تم ماہ رمضان کی تکلیف کے شاکی ہو
حماه منكم عقل ودين	تمہاری عقل اور دین نے اس تکلیف سے تمھیں کیوں نہ بچایا
فقلت اصحب سوانا نحن قوم	ہم نے کہا کہ ہمارے علاوہ دوسروں کی مصاحبت اختیار کرو
زنادقة مذاهبنا فنون	ہم لوگ زنادقہ ہیں اور نیرنگیاں ہمارے مذہب میں داخل ہیں
ندين بكل دين غير دين	ہم ہر ایک دین کو قبول کر سکتے ہیں
الرعاع لما به أبداً ندين	مگر عوام کے دین کو کبھی نہیں قبول کر سکتے

فنحن الی صبوح الدھر ندعو — ہم دہر کی صباح تک دعا کرتے رہیں گے
وابلیس یقول لنا اٰمین — اور ابلیس آمین کہتا جائے گا
فیا شھر الصیام الیک عنی — اے او رمضان تجھے ہماری طرف سے یہ پیام پہونچے کہ
فانی فیک اکفر ما یکون — مستقبل میں جو کچھ تیرے اندر ہوگا اس سے ہمیں شدید انکار ہے

راوی کہتا ہے کہ ابن طلحۃ اسی حالت میں تھے کہ سبتی کا ایک آدمی ان کے پاس پہونچا اور ان کا خاتمہ کردیا، اس قتل سے عوام کو خوشی ہوئی یہ واقعہ ۶۱۸ھ کا ہے،

یہ امر مخفی نہیں ہے کہ ابن طلحۃ اندلس کے اکابرین سے تھے، انھیں معانی کی ندرت پر بہت زیادہ عبور حاصل تھا، خدا ان پر رحمت نازل فرمائے۔

احمد بن علی بن محمد بن علی بن محمد بن خاتمہ انصاری

نام، کنیت اور سکونت
احمد بن علی نام، ابوجعفر کنیت، اور ابن خاتمہ عرف ہے المریۃ کے رہنے والے ہیں۔

حالات
ابن خاتمہ المریۃ کے صدر ہیں ان کی طرف لوگوں کی نگاہیں اٹھتی ہیں طلب علم، تفنن طبع، جامعیت، قوت ادراک، اصابت نظر، تیزی ذہن، کثرت اجتہاد، طبع صافی، خوش نویسی، لطف صحبت، حسن خلق، خوبی معاشرت، اور دیگر اوصاف سے متصف ہیں۔

ان کا شمار اندلس کے حسنات سے ہے، نظم و نثر میں وہ بجائے خود ایک طبقہ ہیں، اجتہاد میں ان کا درجہ بہت بلند ہے اور اس میں ان کی قوت آخذہ نہایت عمدہ ہے۔

ابتدا میں عقد شرائط کی خدمت انجام دیتے تھے پھر والیان المریۃ کی طرف سے کتابت کی خدمت انجام دی اور پھر اپنے شہر میں درس و تدریس میں

مشغول ہو گئے وہ اپنے تمام مشاغل میں اپنی سیرت اور روش کے لحاظ سے نہایت ممدوح ہیں
کتاب "التاج المحلی" میں انکا تذکرہ بایں طور کیا گیا ہے :-
" ابن خاتمہ الفاظ کے موتی پروتے، اور کلام کے جواہر حفاظ اور رُواۃ کے گلوں میں لٹکاتے ہیں ، ان کے نوادر لغات سونے والوں کے لئے باعث خواب اور جاگنے والوں کے لئے داستان شب بنتے ہیں، ان کے کاغذ کی سفیدی اور نقوش کی سیاہی آنکھوں کو مسحور کرتی ہے، انھوں نے اپنے ملک میں ادب کا جھنڈا بلند کیا ہے ، گو اس فن کے شہسوار بہت ہیں اور فصاحت و بیان کے میدان میں اپنی شخصیت نمایاں کی اگرچہ اس کا چڑھاؤ بہت ہے اور اپنے تیر کا نشانہ حسن و خوبی کے سینہ پر لگایا ، جب وہ اپنے کلام کو مطول کرتے ہیں تو بڑے بڑے ماہرین سرنگوں ہو جاتے ہیں، اور ان کے اشک ندامت ابر باراں کی طرح برس پڑتے ہیں، اور جب کلام کو مختصر کرتے ہیں تو انھیں عاجز اور شرمسار کر دیتے ہیں، ان کی غزلوں سے شوق بھڑک اٹھتا ہے اور روتے روتے ہچکیاں بندھ جاتی ہیں ان کی بذلہ سنجی سے وقار کا دامن سکڑتا اور اسکے آگے جام شراب کا دور پانی پانی ہو جاتا ہے ان کے معارف متعدد غایتوں پر منقسم ہیں اور ہر غایت کے اسپ تیز گام گوئے سبقت لیجانے میں کامیاب رہتے ہیں۔

اساتذہ ابن خاتمہ کے اساتذہ کے نام خود ان کی تحریر کے مطابق حسب ذیل ہیں :-

ابن خاتمہ نے شیخ الاستاذ ابوالحسن علی بن محمد بن ابی العیش المری سے تعلیم پائی - ان کی صحبت میں رہے اور بیشتر فوائد انھیں سے حاصل کئے، شیخ موصوف المریۃ میں اپنے طبقہ کے ولی نعمت سمجھے جاتے ہیں، شیخ الخطیب استاذ الصالح ابواسحاق ابراہیم بن ابی العاصی تنوخی، شیخ الرواۃ محدث مکثر رحال محمد بن جابر بن محمد بن حسان وادی آشی سے ابن خاتمہ روایت کرتے ہیں، شیخ ابوالبرکات بن الحاج سے حدیث کی زیادہ تر سماعت کی اور ان سے عام اجازت لی ہے، شیخ الخطیب ابوالقاسم عبدالرحمن بن محمد بن شعیب قیسی جو ابن خاتمہ کے ہوطن ہیں اور قاضی ابو جعفر قرشی بن فرکون ان کے زمرہ اساتذہ میں داخل ہیں۔

وزیر الحاج الزاہد محمد بن محمد بن سہیل بن مالک سے علم حاصل کیا اور مقری ابو جعفر وغیرہ سے پڑھا ہے۔

انشا پردازی جب موکب سلطانی ابن خاتمہ کے شہر میں وارد ہوا تو میں بھی اس میں شریک تھا، ابن خاتمہ مجھ سے ملنے آئے اور غایت انس محبت اور اخلاص کا اظہار کیا اور برابر میرے پاس آتے رہے اور جب میں وہاں سے روانہ ہوا تو مجھے ایک خط لکھا جو حسب ذیل ہے۔

یا من حصلت علی الکمال بما رأت	اے وہ جس نے اس کمال کو حاصل کیا ہے
عینای منه من الجمال الرائع	جس کے خوش منظر جمال کو میری آنکھوں نے دیکھا ہے
قمر یروق وفی عطافی بسوده	تو ایک حسین ماہتاب ہے اور تیری چادر کی تہ میں
ماشئت من کرم و مجد بادع	اس قدر کرم و مجد شامل ہے جس قدر تو چاہتا ہے
اشکو الیك من الزمان تحاملا	تجھ سے میں زمانے کے اس ستم کی شکایت کرتا ہوں
فی فض شمل لی بقربك جامع	جو اس نے تیرے قرب میں رہنے والی میری جماعت کو منتشر کرکے
هجم البعاد علیه ضنا باللقا	ملاقات میں بخل کرنے کے لئے دوری نے اس جماعت پر حملہ کیا
حتی تقلص مثل برق لامع	یہاں تک کہ ملاقات برق تاباں کی مانند سکڑ گئی
فلوا ننی ذو مذهب لشفاعة	کاش میں شفاعت کے مسئلے میں کسی مذہب کا پابند رہتا
نادیته یا مالکی یا شافعی	تو اس دوست کو مالک اور شافع کہکر پکارتا

میں اپنے سید محترم سے (خدائے عزوجل ان کی روشنی سے چشمہائے بزرگی کو روشن فرمائے اور ان کی ثنا سے زبان ہائے حمد کو گویا کرے) زمانے کی ایسی شکایت کرتا ہوں جس طرح ایک پیاسا صاف و شفاف اور غیر پانی پینے سے روک دئے جانے پر شکایت کرتا ہے کہ اس نے نہایت مسعود وقت میں آپ کو مجھ سے جدا کردیا اور آپ کو مجھ سے دور کرکے مجھ پر مصیبت نازل کی گو اسی نے آپ کی ذات سے میری فضا روشن اور درخشاں کردی تھی پھر اسی نے آپ کے روشن خیالات کو بھیانک شکل میں پیش کیا اور اسی پر قناعت نہیں کی بلکہ اس نے آپکے اعلیٰ کمالات کی اشاعت روک دی، حتیٰ کہ اوس نے آپ کے حقوق ادا نہ ہونے دئے، بیشک زمانے کو یہ بات ناگوار معلوم ہوئی کہ آپ کے لوذکاوت سے یہاں کا

مطلع جو عمدہ روشنی سے دور تھا منور ہو، اور جو لوگ پاکیزہ عبارت سننے سے محروم تھے آپ سے استفادہ کر سکیں،

میں آفتاب و ماہتاب کے ساتھ غروب سے طلوع تک ہم قرین رہتا تھا مگر اب نیر سعید اس طرح غروب ہوا کہ دوسرے روز بھی طلوع نہ ہوا یہ حالت زمانے کی عداوت سے پیدا ہوئی جس کی یہ فطرت ہے کہ روئے نیک پر بدی کا پردہ ڈالدیتا ہے،

بے شک آپ کے کمال اور جمال سے دل مسرور اور آنکھیں شادماں ہیں، کیونکہ آپ میں وہ اوصاف موجود ہیں جو نگاہوں کو دوسری چیزوں کی طرف دیکھنے سے روکتے، اور دلوں کو ہر ایک امید و تمنا سے بے نیاز کر دیتے ہیں، باصرہ کی کیا مجال کہ وہ آپ کے کمال زینت سے روگردانی کرے، سامعہ کی کیا بساط کہ وہ آپ کی ادبیات کے بعد کوئی اور مراد پیدا کرے، قلب کو کیا غرض کہ وہ آپ کے عادات و خصائل کے سوا کچھ اور طلب کرے، درحقیقت آپ کی خوبیاں ایک خاص نظام میں منسلک ہیں یا وہ ماہ شب چاردہم ہیں، یا وہ فضیلت کے اجناس ہیں جن پر اتفاق و اتحاد کی ایک جنس حاوی ہے، گویا آنکھیں ان خوبیوں کو سرسبز چراگاہ کی طرح دیکھتی ہیں، اور کان گلزار بلاغت میں ہدف پر تیراندازی کرتے ہیں، اور نفس حسن کے مطلع پر حصہ وافر حاصل کرتا ہے، غرض جس نے آپ کے جواہر حسن کو ایک سلک میں پرونا چاہا وہ عاجز رہ گیا اس شخص کی نادانی ظاہر ہے جو کہتا ہے کہ انسان عالم صغیر ہے، میں زمانے کا اس لئے شکرگزار ضرور ہوں کہ اس نے آپ کے دیدار سے مجھے مشرف کیا اور آپ کے مطلع انوار کا تحفہ دیا اگرچہ اس نے آپ کی نفیس چیزوں کو چھپانے میں بھی بیحد غلو کیا۔

اگر ناطقہ آپ کے ذکر سے عاجز رہ کر زیادہ شکرگزاری نہ کر سکے تو چنداں ہرج نہیں کیونکہ اس دیار میں آپ کے تحفے عام ہو چکے ہیں اور یہاں کے باشندوں نے سفر کا لطف حضر میں اٹھایا ہے اور یہ بات اُن کے لئے بمنزلہ کرامت ہوگئی ہے،

البتہ میرا اپنے سید محترم کو مخاطب کرنا (خدا ان کی بزرگی کو محفوظ رکھے اور انکی

سعادت کو افزوں فرمائے) اس شخص کی طرح مخاطب کرتا ہے جس نے زمانہ سے اپنے مطلوب کو پایا اور تقدیر نے اس کی خواہش کے مطابق حکم نافذ کر دیا جسکی وجہ سے اس کا باب مقصد وا ہوا اور اس کی ندامت کا پردہ اُٹھا دیا گیا پھر وہ اندر جانے کے لئے آمادہ ہوا اور بالکل پس و پیش نہیں کیا مگر کلام کی درماندگی نے اوسے مقصد برآری سے روکدیا، اور قوت بینائی نے اس کی جانچ غلط ٹھہرادی، اس لئے وہ کبھی قدم آگے بڑھاتا اور پھر پیچھے ہٹالیتا ہے اور اپنے عزم میں تجدید کرتا اور پھر بے ارادہ ہو جاتا ہے۔

الحاصل اگر میری خطابت سُست ہو تو اس کا عذر واضح ہے، اور آپ سے لوگوں نے بہت سے جلی عذروں کو قبول کیا ہے۔

حق سبحانہ آپ کو سعادت اور کمال کے اسباب سے ہم آغوش فرما کر اطراف وجانب میں مجد و بزرگی کے ساتھ محفوظ رکھے، انشاء اللہ تعالیٰ

یہ نامہ ۱۰ ربیع الاول ۷۵۷ھ میں لکھا گیا۔

غرناطہ میں ورود ابن خاتمہ غرناطہ کئی دفعہ آئے ایک دفعہ وہ ماہ شعبان ۷۵۷ھ میں اندلس کے خاص لوگوں کی استدعا پر تشریف لائے، اس وقت دولت یوسفیہ کے امراء کے یہاں ختنہ کی دعوت تھی۔

اشعار کے نمونے

اجنان خلد زخرفت أم مصنع	کیا جنت آراستہ کی گئی ہے یا کوئی قصر
والعید عاود ام صنیع یصنع	اور کیا عید واپس آرہی ہے یا کوئی کام کیا جائے گا

دیگر

من لم یشاهد موقفا لفراق	جس نے جدائی کے منظر کا مشاہدہ نہیں کیا
لم یدر کیف تولہ العشاق	اسے عاشقوں کے وارفتگی کی کیفیت معلوم نہیں
ان کنت لم تر فسائل من رأی	اگر تم نے اس وارفتگی کو نہیں دیکھا ہے تو دیکھنے والوں سے پوچھو
یخبرك عن ولھی وعن أشواقی	وہ تمہیں میری وارفتگی اور شوق کا حال بتائیں گے

من حر انفاس وخفق جوانح	انفاس کا گرم ہونا پہلو کا بدلتے رہنا
وصدوع اکباد و فیض مآق	جگر کا شق ہونا اور اشک کا جاری رہنا یہ میرے حالات ہیں
دهی الفؤاد فلا اللسان بناطق	جدائی کے وقت دل بیٹھ گیا اور زبان گنگ ہوگئی
عند الوداع ولا بلفظ فراق	حتیٰ کہ زبان فراق کا لفظ بھی ادا نہ کرسکی
ولقد أشير لمن تكلف رحلة	کوچ کی تکلیف گوارا کرنے والے سے اشارہ کیا گیا ہے
أن عج الی ولو بقدر فواق	کہ میری طرف رخ کرلینا اگرچہ وہ بجلی کے زمانے کے برابر کیوں نہ ہو
علی أراجع من دماء حشاشة	شاید کہ میری روح پلٹ آئے
أشكو بها بعض الذي انا لاقی	اور میں ان کیفیات کی شکایت کرسکوں جن میں دوچار ہوں
فمضی ولم تعطفه نحوی ذمة	لیکن وہ چلا گیا اور کوئی ذمہ داری اسے میری طرف متوجہ نہ کرسکی
هيهات لا تبقيا علی مشتاق	افسوس عاشق پر ذرا بھی رحم نہ آیا
یا صاحبی وقد مضی حکم النوی	اے میرے دونوں رفیقو جدائی کا فیصلہ ہوچکا
ردحا لی بشیمة العشاق	اسلئے میرے ساتھ عشاق کا سا سلوک کرو
واستقبلا لی نسمة عن ارضکم	اور اپنے دیار کے ہر ذی روح کا میرے ساتھ استقبال کرو
فلعل نفحتها تحل وثاقی	شاید کہ اس کی خوشبو میری مشکیں کھولدے
انی لیشفینی النسیم اذا سری	مجھے وہ باد نسیم شفا بخشتی ہے
متضوعا من تلکم الآفاق	جو تمہارے ملک سے خوشبو پھیلاتی ہوئی چلتی ہے
من مبلغ بالجزع أهل مودتی	میرے ارباب محبت کو اس پریشانی کی خبر کون پہنچائے
انی علی حکم الصبابة باقی	کہ میں محبت کے فیصلے پر اب تک قائم ہوں
ولئن تحول عهد قربهم نوی	اگر فراق کے سبب وہ اپنے عہد وصل سے پھر جائیں
ما حلت عن عهدی ولا میثاقی	جب بھی میں اپنے عہد میثاق سے نہیں پھر سکتا
ابقت خلائقه الكرام بخلتی	اس کی نیک عادتوں نے میری دوستی کے لئے
نسبا الی الاخلاص والاخلاق	اخلاص اور اخلاق کی نسبتوں کو باقی رکھا ہے
قسما به ما استغرقتنی فكرة	اس محبوب کی قسم ہے میں کسی فکر میں غرق نہیں ہوں
الا وفكری فيه واستغراقی	بجز اس کے کہ مجھے اسی کے متعلق فکر و استغراق ہے
لی آهة عند العشی لعله	میں صبح و شام آہیں کھینچتا ہوں

يصغى لها وكذا مع الاشواق	شاید کہ وہ سنی جائیں
ابكي اذا هب النسيم فان تجد	جب باد نسیم چلتی ہے تو میں روتا ہوں
بللا به فبدمعي المهراق	اگر اس میں تم تری پاؤ تو میرے اشک چکیدہ سمجھو
او رقعة كتبت اليه مع الصبا	یا ایسے رفیقوں کو دیکھو جنھوں نے صبا کے ذریعہ محبوب کے نامہ پیام کیا ہے
فالكتب كتبي والرفاق رفاقي	تو وہ نامہ اور تمام رفیق بھی میرے ہی ہیں
من لي بقرب مزار أهيف نازح	کون ہے جو اس پتلی کمر والے اور بعید کو مجھ سے قریب کردے
ادنى لقلبي من جوى اشواقي	جو میرے دل میں شوق کی گرمی سے زیادہ قریب ہے
إن غاب عن عيني تمثله الحشا	اگر محبوب میری نظر سے روپوش ہو تو اس کی جگہ درون سینہ ہوتی ہے
فسراه بين القلب والاحداق	اور وہ دل اور آنکھوں میں چلتا پھرتا ہے
جارت على يد النوى بفراقه	دست فراق نے اس کو جدا کرکے مجھ پر ستم کیا ہے
آها لما جنت النوى بفراق	فراق کے اس تصور پر افسوس ہے
احباب قلبي هل لماضي عيشكم	اے میرے دلی دوست کیا گذشتہ عیش واپس آسکتا ہے
رد فينسخ بعدكم بتلاق	تاکہ ملاقات کے ذریعہ تمہاری دوری مٹ جائے
ام هل لاثواب التجلد راقع	کیا جامۂ صبر میں کوئی پیوند لگانے والا ہے
اذ ليس ثم من المحبة راق	کیونکہ محبت کے معاملہ میں اب کوئی جھاڑ پھونک کرنیوالا باقی نہیں رہا
ما غاب كوكب حسنكم عن ناظري	میری نظر سے تمہارا ستارۂ حسن جب چھپا
الا وامطرت الدما آماقي	تو آنکھوں سے خون برسنے لگا
ايه أخي أدر على حديثهم	اے برادر میرے سامنے ان کی باتوں کو دہراؤ
كاسا ذكت عرفا وطيب مذاق	کہ وہ ایک لبریز ساغر ہے جو نہایت خوشبو اور خوش مزہ ہے
ذكراه راحي والصبابة خضرتي	تیری یاد شراب، عشق سرسبزی
والدمع ساقيتي وأنت الساقي	اشک نہر، اور تو ساقی ہے
فليله عني من لحاني انني	جو لوگ میری ملامت کرتے ہیں انھیں مجھ سے اعراض کرنا چاہیئے
راض بما لاقيته والاقي	کیونکہ میں گذشتہ اور آیندہ کے مصائب پر راضی ہوں

دیگر

وقفت والركب قد زمت ركائبه	سوار سفر کیلیے اونٹوں کی نکیل پکڑے ہوئے تھے اور میں کھڑا تھا
وللنفوس مع الايام تقطيع	زمانہ میں نفوس کی شکستگی یوں بھی ہوتی ہے۔
وقد تمايل نحوى للوداع دهل	محبوب وداع کےلئے میری طرف متوجہ ہوا
للراحل القلب صد الركب توديع	مگر کیا جسکا دل قافلہ کے آگے آگے ہو وہ رخصت کیا جاسکتا ہے
اشم منه كما اهدى لغسيونوى	میں محبوب کی خوشبو وصل و فراق میں یکساں سونگھتا ہوں
ريحانة فى شذاها الطيب مجموع	اور اس خوشبو میں تمام خوشبوئیں موجود ہوتی ہیں
تهفو فأذعر خوفا من تقلصها	خوشبو پھیلتی ہے تو میں ڈرتا ہوں کہ وہ سمٹ نہ جائے
ان الشفيق بسوء الظن مولوع	کیونکہ خائف کو بدگمانی ہوا کرتی ہے
هل عند من قد دعى بالبين مقلته	جس کی چشم نے مفارقت کی دعوت دی کیا اسے یہ معلوم ہے
ان الردى منه مرئى ومسموع	کہ وہ میری ہلاکت کی خبر کانوں سے سنیگا اور آنکھوں سے دیکھیگا
اشيع القلب عن رغم على دما	میں ناخوشی سے اپنے قلب کی مشایعت کرتا ہوں
بقاء جسم له للقلب تشييع	باوجودیکہ میرا جسم باقی نہیں رہا ہے جو قلب کی مشایعت کرسکے
أرى وشانى أنى لست مفتقرا	میرے نماموں کو نظر آتا ہے کہ میں ناجری سے بے نیاز ہوں
لما جرى وصميم القلب مصدوع	حالانکہ میرا دل شکستہ ہو چکا ہے
الوجد طبع وسلوانى مصانعة	غم طبعی اور تسلی تصنع ہے
هيهات يتشكل مصنوع ومطبوع	افسوس طبعی اور مصنوعی چیزیں ان پر مشتبہ ہوگئی ہے
ان الجديد اذا ما زيد فى خلق	جب نئی چیزیں کہنگی زیادہ ہو جاتی ہے
تبين الناس ان الثوب مرقوع	اس وقت لوگوں کو کپڑے کے پیوند کی خبر ہوتی ہے

دیگر

لولا حيائى من عيون النرجس	اگر مجھے چشم نرگس سے شرم نہ آتی
للثمت خد الورد بين السندس	تو میں رخسارۂ گل کا سبز پوشاک کی حالت میں بوسہ لیتا
ورشفت من ثغر الاقاحة ريقها	اور بابونہ کے لعاب دنداں کو چوستا
وضممت اعطاف الغصون الميس	اور لچکدار شاخوں سے معانقہ کرتا
وهتكت استار الوقار ولم اقل	اور وقار کے پردوں کو چاک کر دیتا

للباقلا تلحظ بطرف أشوس	اور باقلا سے نہ کہتا کہ دزدیدہ نظر سے دیکھے
مالی وصهباء الدنان مطارحا	خم کی شراب ہو غنیات کے راگ اور رخ شغاف
سجع القیان مکاشفاً وجه المس	بے حجاب ہو تو پھر مجھے اور کیا چاہیے
شتان بین مظاهر و مخاتل	ظاہر اور پوشیدہ
وغب الحجا و مطهر و مدنس	پاک اور ناپاک میں بہت فرق ہے
و مجبجم بالعذل باکر نی به	اور بہت سے ہم ملامت کرنے والوں نے علی الصباح میری ملامت کی
والطیر أفصح مسعد بتأنس	جبکہ پرندے سے اپنی فصاحت کی خوبی سے انس ہو بجا رہے تھے
نزهت سمعی عن سفاهة نطقه	میں نے اپنے کانوں کو ان ملامت گردوں کی سفیہانہ باتوں سے محفوظ رکھا
واعرته صوتا رخیم الملمس	اور ان کے لئے ایک سریلی آواز مستعار لی
سفهت فی المیثاق قوماً ان اکن	میں نے عہد و پیمان میں بہت لوگوں کو سفیہ بنایا
ذاك الذی یدعو الفصیح باخرس	کہ تو کیا میں وہی ہوں کہ فصیح کو گونگا کہہ کے پکارا ہے
أعذول وجدی لیس عشك فادرجی	اے میرے عشق کے ملامت گر! یہ تیری جگہ نہیں ہے تو جا
ونصیح رشدی بان نصحك فاجلس	اور اے میری ہدایت کے ناصح! تیری نصیحت ظاہر ہو چکی تو بھی بیٹھ جا
هل تبصر الاشجار والاطیار والأز	کیا تو درخت پھول اور پرندوں کو
هار تلك الخافضات الارؤس	سر جھکائے ہوئے نہیں دیکھتا
تالله دهو ألیتی و کفی به	بخدا یہ میری قسم کے الفاظ کافی ہیں
قسما یقدے بره بالأنفس	جن پر نفیس چیزیں قربان کی جاتی ہیں
ماذاك من سكر ولا لخلاعة	یہ الفاظ نہ سکر کے ہیں نہ ہتک کے
لکن سجود مسبح و مقدس	بلکہ تسبیح و تقدیس کرنے والے ساجد کے ہیں
شکراً لمن برأ الوجود وجوده	اس ذات کا شکر ہے جس کے وجود نے موجودات کو پیدا کیا
فنثنی الیه الکل وجه المفلس	اور تمام موجودات بشکل مفلسانہ اس کی طرف متوجہ ہو گئے
رفع السماء سقفا بردق رواؤه	اس ذات نے آسمان جیسا خوش منظر سقف بلند کیا
ودحا ببسط الارض أوثر مجلس	اور زمین جیسی کشادہ مجلس بچھائی
ووشی بانواع المحاسن هذه	اور قسم قسم کی خوبصورتیوں سے زمین کو آراستہ
وأنار هذی بالجوار الکنس	اور ستاروں سے آسمان کو روشن کیا

وأدرّ أخلاف العطاء تطولا
اور مختلف قسم کے وافر عطیات سے ممنون کر کے

وأنا نضلا من يطيع ومن يسي
فرماں بردار اور نافرمانوں کو روزی بخشی

حتى إذا انتظم الوجود بنسبة
یہاں تک کہ جب موجودات نسبتہً منتظم

وكساه ثوبي نوره والحندس
اور نور و ظلمت کے لباس سے ملبوس ہو گئے

فاستكملت كل النفوس كمالها
اور تمام نفوس اپنے کمال کی تکمیل کے خواہاں ہوئے

شفع العطايا بالعطاء الانفس
تو اس نے ایک عطائے نفیس کے ذریعہ عطیات کو دوبالا کر دیا

بأجل هاد للخلائق مرشد
یعنی اس نے خلق کے لئے جلیل القدر ہادی اور رہبر بھیجا

وأتم نور للخلائق مقبس
جو مخلوق کے لئے کامل نور کا حامل تھا

بالمصطفى المهدي الينا رحمة
وہ حضرت محمد مصطفیٰ ہیں جو ہماری طرف رحمت لائے

قمر الدجى ومزيل ضر الأبؤس
جو شب دیجور کے چاند اور مصیبت زدوں کی تکلیف دور کرنے والے ہیں

نعم يضيق الوصف عن احصائها
اِن وصف اس رحمت کے شمار سے قاصر ہے

قل الخطيب بها لسان الا وجس
اور جس کے بیان کرنے سے خطیب کی زبان گنگ ہے

ايه محدثي حديث هواهم
اے مخاطب تو مجھ سے احباب کی باتیں زیادہ بیان کر

ما أبعد السلوان عن قلب الأسى
کیونکہ مایوس دل سے تسلی بہت دور ہو گئی ہے

ان كنت قد احسنت نعت جمالهم
اگرچہ تو ان احباب کے جمال کا وصف اچھی طرح بیان کر سکتا ہے

فلقد سها عنه العذول وقد نسي
مگر ملامت گر اس وصف کو فراموش کر چکے ہیں

ما ان دعوك ببلبل الا لما
تجھے لوگ اسی لئے بلبل کہتے ہیں

قد هجت من بلبال هذي الانفس
کہ تو طبائع کے شوق کو ہیجان میں لاتا ہے

سبحان من صدع الجميع بحمده
پاک ہے وہ ذات جس نے ناطق اور غیر ناطق

وبشكره من ناطق أو أخرس
تمام مخلوق کو اپنے حمد و شکر کے لئے پیدا کیا

وامتدت الاظلال ساجدة له
پھیلے ہوئے بلند و پست پہاڑ اور کھنڈر

بجبالها من قائم أو أقعس
سب کے سب اسی ذات کو سجدے کر رہے ہیں

فاذا تراجعت الطيور زايلت
جب طیور نغمہ زن ہوتے ہیں اور شاخیں جھولتی ہیں

اغصانها بان المطيع من المسي
تو اس وقت فرماں بردار اور نافرمانوں کا اظہار ہوتا ہے

فيقول ذا سكرت لنغمة مرشد
ایک کہتا ہے کہ میں نغمۂ مرشد میں مست ہوں

ویقول ذا سجدت لذکر مقدس	اور دوسرا کہتا ہے کہ مقدس ذات کے ذکر میں سر بسجود ہوں
کل یغوہ بقولہ و الحق لا	ہر شخص اپنی اپنی سی باتیں کرتا ہے
یخفی علی نظر اللبیب الاکیس	مگر حق عقلمند اور دانا شخص سے پوشیدہ نہیں ہے

دیگر

زارت علی حذر من الرقباء	محبوبہ نے نگہبانوں سے بچ کر مجھ سے ملاقات کی
واللیل ملتحف بفضل رداء	اس وقت رات ایک دراز چادر میں لپٹی ہوئی تھی
نصل الدجا بسواد فرع فاحم	شب تار نے زلف سیاہ کی تاریکی کو اپنے اوپر ڈال لیا تھا
لتزید ظلماء الی ظلماء	تاکہ تاریکی در تاریکی ہو
نوشی بہا من وجہہا وحلیہا	لیکن محبوبہ کے چہرے اور زیورات نے
بدر الدجا وکواکب الجوزاء	جو بدر اور ستارۂ جوزا کی مانند تھے خود اس کی غمازی کی
أھلا بزائرۃ علی خطر السری	اس خطرناک سفر شبینہ پر میں زائرہ کا خیر مقدم کرتا ہوں
ماکنت ارجوھا لیوم لقاء	کیونکہ میں اس کے کسی دن کی ملاقات کی امید نہیں رکھتا تھا
أقسمت لولا عفۃ عذریۃ	قسم ہے اگر مجھے اس کی قابل عذر عفت کا خیال
وتخوفی وشی الرقیب الواء	اور نگہبان کی غمازی کا خوف نہ ہوتا
لنقعت غلۃ لوعتی برضابہا	تو میں ضرور اس کے لعاب دہن سے اپنی محبت کی جلن بجھاتا
ونفحت ورد خدودھا ببکاءی	اور اپنے گریے سے اس کے گلابی رخساروں کی خوشبو پھیلاتا

دیگر

ارسلت لیل شعرھا من عقاص	محبوبہ نے اپنی زلف شب کو جوڑے سے کھول کر
عن محیا رمی البدر بنقص	اور ماہ کامل میں نقص پیدا کرنے والے چہرے سے ہٹا کر لٹکایا
فأرتنا الصباح فی جنح لیل	تو اس نے رات کی تاریکی میں ہمیں صبح دکھادی
یتہادی ما بین غصن ودعص	ایسی صبح جو شاخ اور تودے کے درمیان جھوم رہی تھی
وتصدت براحمات نہود	اور وہ ان ابھرے ہوئے نیزوں کو لیکر کھڑی ہوگئی
أشرعت للانام من تحت قمص	جو زیر قمیص تھے اور ان سے لوگوں پر حملہ کیا

فتولت جیوش صبری انہزاما
جس سے میرے صبر کی فوج شکست کھاکر بھاگی

دتوالی ذالك الشقاء وحرصی
اور پے در پے میرے حرص اور شقاوت کی نوبت آئی

لیس کل الذی یفر بناج
ہر بھاگنے والے کو نجات نہیں ملتی ہے

رب طعن فیہ حیاۃ لشخص
بسا اوقات کسی شخص کو نیزہ بازی میں زندگی میسر آجاتی ہے

کیف لی بالسلو عنہا وقلبی
اس محبوبہ کے بغیر مجھے کیونکر تسلی ہوسکتی ہے کیونکہ

قد ہوی حلمہ بہول وحوص
میرے دل میں اس کے حلم کی محبت بھری ہوئی ہے

ما تعاطیت ظاہر الصبر الا
میں نے ابھی ظاہری صبر کے لینے کا معاملہ نہیں کیا تھا

ردلی جیدہا باوضح نص
کہ اس محبوبہ کی گردن نے واضح طریقے سے مجھے صبر واپس کردیا

دیگر

انا بین الحیاۃ والموت وقف
میں حیات اور موت کے درمیان قائم ہوں

نفس خافت ودمع ووکف
نفس خائف اور آنسو ٹپک رہے ہیں

حل بی من ہواك ما لیس ینبی
تمہاری محبت مجھ میں اتنی حلول کرگئی ہے

عنہ نعت ولا یعبر وصف
کہ اس کی کوئی تعبیر اور توصیف نہیں ہوسکتی ہے

عجبا لانعطاف صدغیك والمعطف
تعجب ہے کہ تمہارے کان گردن اور کمر منعطف ہوگئے

.... والجید ثم ما منك عطف
تاہم تم خود منعطف نہ ہوئے

ضاق صدری بضیق حجلك واسو
تمہاری پازیب کی تنگی سے میرا دل بھی تنگ ہوگیا ہے

قف طرفی حیران ذلك ونف
اور تمہارے کنگن نے میری نظر کو ششدر کردیا ہے

کیف یرجی فکاك قلب معنی
دل اسیری رہائی کی امید کیوں کر ہو

فی غرام قیدا ہ قرط وشنف
وہ ایسی محبت میں مبتلا ہے جس کی بیڑیاں بالیاں ہیں

دیگر

رق الستاذ ہبا فی اللازوردی
روشنی سنہری اور لاجوردی رنگ میں لطیف ہوگئی ہے

فالافق ما بین مرقوم وموشی
جس سے افق مخطط اور منقش ہوگیا ہے

کانما الشہب والاصباح ینہبہا
گویا تارے جن کو صبح لوٹ رہی ہے

لآلئ سقطت من کف زنجی — موتی ہیں جو زنجی کے کف دست سے گر پڑے ہیں

دیگر در حکمت

هو الدهر لا یبقی علی عائذ به — زمانہ پناہ چاہنے والے کے ساتھ ایک حالت پر باقی نہیں رہتا
فمن شاء عیشاً یصطبر لنوائبه — جو شخص عیش چاہتا ہے اسے زمانے کے مصائب پر صبر کرنا چاہیے
فمن لم یصب فی نفسه فمصابه — اگر اس کی ذات میں کوئی مصیبت نہیں پہونچے
بفوت أمانیه و فقد حبائبه — تو اس کی امیدوں اور محبوبوں کے فوت سے اسے مصیبت پہونچیگی

ایضاً

ملاك الامر تقوی الله فاجعل — خدا سے ڈرنا ہر شے کی اصل ہے اس لئے تو
تقاه عدة لصلاح أمرك — خوف الٰہی کو اپنے نیک امر کے لئے سامان بنا
وبادر نحو طاعته بعزم — اور باعزم ہو کر اس کی طاعت کے لئے جلدی کر
فما تدری متی یمضی بعمرك — کیونکہ تو نہیں جانتا کہ عمر کب ختم ہوگی

ایضاً

دماء فوق خدك ام خلوق — تمہارے رخسار پر خون کے چھینٹے ہیں یا زعفران کے
وریق ما بثغرك أم برق — اور تمہارے دانتوں پر لعاب دہن کی چمک ہے یا بجلی کی
وما ابتسمت ثنایا أم أقاح — اور تبسم تمہارے دانتوں کا ہے یا گل بابونہ کا
ویکنفها شفاه أم شقیق — اور ان کے گرد ہونٹ ہیں یا گل لالہ
وتلك سناة قوم ما تعاطت — اور اس خمار آلود قوم نے کیا لیا ہے
جفونك أم هی الخمر العتیق — تمہاری آنکھیں یا شراب کہنہ
لقد أعدلت معاطفك انثناء — بے شک تمہاری مہربانیاں مجھ پر منعطف ہوئی ہیں جس سے
وقلبی سکره ما ان یفیق — میرے دل کا نشہ دور ہونے والا نہیں ہے
جمالك خضرتی و هواك راحی — تمہارا حسن میری سرسبزی تمہاری محبت میری شراب

وکأنی مقلتی فمتی أفیق　　اور میری چشم پیاساغر ہے تو میں کب ہوش میں آسکتا ہوں

ایضاً درا وصاف

أرسل الجوماء ورد رذاذا　　جو نے گلاب کا پانی برسایا
وسع الحزن والدمائث رشا　　جس کے چھینٹے بلند اور پست زمین تک پہونچ گئے
فانثنى حول أسوق الدوح حجلا　　پھر یہ پانی درختوں کے تنوں کے گرد خلخال بن کر پہونچا
وجرى فوق بردة الروض رقشا　　اور چمن کی چادر پر چڑھ کر اس نے اسکو منقش کر دیا
وسمانی الغصون حلی بنان　　اور وہ ایسی ڈالیوں پر انگشتری بن کر بلند ہوا
أصبحت من سلافة الطل رعشا　　جن کو شبنم کی شراب پینے سے رعشہ پڑ چکا تھا
فترى الزهر يرقم الارض رقما　　اب تم دیکھ رہے ہو کہ پھول زمین پر کچھ لکھ رہے ہیں
وترى الريح تنقش الماء نقشا　　اور ہوا پانی پر نقش کھینچ رہی ہے
فکأن المیاه سیف صقیل　　پس گویا پانی سیقل شدہ تلوار ہے
وکأن البطاح غمد موشی　　اور وادی اس کا منقش نیام ہے

ابن خاتمہ کا ایک خط ابن خاتمہ نے غرناطہ سے ایک سفر سے واپس ہونے کے بعد مجھے ایک خط لکھا تھا جس کا مضمون یہ ہے:۔

جناب نے جن لوگوں کو آستانۂ مبارک پر مدعو فرما کر اس کے مجموعی محاسن سے دعوت نظر کا موقع عطا فرمایا تھا ان میں ایک میں بھی تھا، میں نے جناب کے در دولت پر حاضر ہو کر فی البدیہہ اپنا کلام موزوں کیا مگر اس روز آستانہ کا آفتاب غایب تھا، جس کی وجہ سے انس نامکمل رہا، تاہم میں نے حاضرین میں سے بعض لوگوں کو اپنا کلام پڑھ کر سنایا، شاید وہ آپ کی خدمت میں نہ پہونچا ہو، اور بالفرض وہ پہونچ بھی گیا ہو پھر بھی آپ کا فضل مجھے اس کے اعادہ پر مجبور کرتا ہے:۔

أقول وعين الدمع نصب عيوننا　　مقام عین الدمع ہمارے پیش نظر اور بستان وزارت کا
ولاح لبستان الوزارة جانب　　ایک حصہ رونما ہے اور میں یہ کہہ رہا ہوں
أهذى سماء أم بناء سماءه　　کیا یہ آسمان ہے یا کوئی عمارت جس کی بلندی پر

كواكب غصت عن سناها الكواكب	وہ تارے ہیں جن کی روشنی سے آسمان کے تارے ماند پڑ گئے ہیں
تناظرت الاشكال منه تقابلا	
على السعد وسطى عقده والجنائب	
وقد جرت الامواه فيه مجرة	اس مقام میں پانی اس طرح رواں ہے جیسے کہکشاں
مذانبها شهب لهن ذوائب	جس کے گیسو بھی ہوں اور چمکدار دم بھی
واشرق من علياه بهو تحفه	اور اس مقام کی بلندی پر وہ مکان روشن ہے
شماسي زجاج وشيها متناسب	جیسے آئینہ دار خوبصورت کھڑکیوں نے گھیر لیا ہو
يطل على ماء به الآس دائر	یہ مکان کنارہ آب واقع ہے جہاں درخت اسطرح شاداب ہیں
كما افتر ثغرا وكما اخضر شارب	جس طرح دندان شاداب ہوں یا جیسے بروت سبزہ دار ہو
هنالك ماشاء العلاء من جلالة	یہاں ایسی جلالت موجود ہے جیسے علو چاہتا ہے
بها يزدهي بستانها والمراتب	جس سے یہ باغ اور اونچے اونچے مکانات خوش منظر ہو گئے ہیں

اور جب اس مجلس میں دسترخوان چنا گیا اور قاضی شیخ ابو البرکات کھانے کے لئے مدعو کئے گئے تو انھوں نے عذر کیا کہ میں نے رات سے روزے کی نیت کی ہے، اس وقت میں نے فی البدیہہ اشعار نظم کئے تھے۔

دعونا الخطيب ابا البركات	ہم نے خطیب ابو البرکات کو
لأكل طعام الوزير الاجل	وزیر اعظم کے دسترخوان پر مدعو کیا
وقد ضمنا في نداه جنان	وزیر کی سخاوت نے ہم لوگوں کو ایک جنت میں شریک کیا تھا
به احتفل الحسن حتى كمل	جس کا حسن ہر طرح مکمل تھا
فاعرض عنا لعذر الصيام	خطیب نے روزے کا عذر کیا
وما كل عذر له مستقل	حالانکہ ہر عذر کی معافی نہیں مانگی جاتی
فان الجنان محل الجزاء	کیونکہ جنت محل جزا ہے
وليس الجنان محل العمل	اور وہ عمل کی جگہ نہیں ہے

کھانے سے فارغ ہونے کے بعد میں نے یہ اشعار شیخ ابو البرکات کو سنائے انھوں نے فرمایا کاش تم مجھے پہلے سنا دیتے تو صرف انکی وجہ سے میں کھانے میں شریک ہو جاتا اور اپنی شرکت کو اللہ تعالیٰ پر محول کر دیتا۔

ابن خاتمہ کا دوسرا خط

جب ہم بحکم الٰہی انقلاب زمانہ کے باعث مدوۃ سے اپنے وطن واپس آگئے، اور یہ خبر مشہور ہوئی کہ ہم اپنی خدمت سے بددل ہو گئے ہیں اور سلطان سے بہ انداز عزور استعفائے خدمت چاہتے ہیں اور اپنے سفر کے وعدے کو سلطان سے پورا کرانے پر مصر ہیں، تاکہ موجودہ ذمہ داری سے برات ہو اور یہ کہ ہمیں بالجملہ اندلس سے بھی نفرت پیدا ہوگئی ہے یہ باتیں سنکر ابن خاتمہ نے ہمیں ایک خط لکھا جس میں انتہائی براعت استہلال اور حسن اشارہ موجود ہے، خط کا مضمون یہ ہے:-

سیدی و محل تعظیمی و اجلالی! اللہ تعالیٰ آپکی درازی عمر سے عام لوگوں کو فائدہ بخشے، اور آپ کے درجات ترقی کو باعزاز افزوں فرمائے بیشک یہ امر عقل و فراست پر روشن، اور ارباب دانش پر واضح ہے کہ آپ اس جزیرے کے آشنا ہے، یہاں کے سرتاج اس سلک کے لولوئے ممتاز، اس آسمان کے نقش و نگار اس گلے کا ہار ہیں، موتیوں میں در یکتا، عام خاص کی زینت، آسمان جزیرہ کے مدار، سیاست کے راز، بیان کے ترجمان، احسان کی زبان، اور بیمارستان کے طبیب ہیں، یہاں کی ادارت آپکے ہاتھ میں ہے، اسکی امارت آپ سے قائم ہے، تمام مشکلات آپ سے حل ہوتی ہیں اور پیچیدہ مسائل میں آپ کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، اس لئے اگر گوش و چشم آپ کو مقید کریں، افکار دماغ یا ان کا آپ کے ہر حرف احاطہ ہو اور اس عالم میں حوادث آپ سے دور کئے جائیں، اور جس چیز سے آپ کے اعضاء و جوارح کو اختلاج و تکلیف پہونچتی ہے اسکی نگرانی کیجاتی ہے تو پھر، میں تعجب کی بات کیا ہے؟ یہ سب اس لئے ہوتا ہے تاکہ آپ کے مقصد کی اطلاع اور عزم و ارادہ کی واقفیت ہوتی رہے، خصوصاً ایسی حالت میں کہ آپ ہر وقت پا بر کاب رہکر برق تپاں کی طرح ادھر اور ادھر نمودار ہوتے رہتے ہیں، اور لوگ روزانہ صبح و شام آپ کے متعلق مختلف خیالات قایم کرتے ہیں

آپ کی بندش اس واسطے کیجاتی ہے تاکہ ملک میں آپ کا قیام مستقل ہو جائے، کیونکہ آپ کی پہلی جدائی سے اہل ملک کا زخم ابھی مندمل نہیں ہوا ہے، اور نہ آپ کی ملاقات کی مسرتوں سے انھیں سیری ہوئی ہے، نہ ان کی شب ماہ شب دیجور سے ہنوز ممتاز ہوئی، نہ انکے دن برابر ہوئے، نہ ان کے دریاؤں میں یکسانی پیدا ہوئی، نہ انکی خوشیاں عام ہوئیں اور نہ ان کا غم محو ہوا ہے، بلکہ اس ملک کی حالت اس ناتواں شخص کی سی ہوگئی ہے جو از سر نو مصائب میں مبتلا ہوگیا ہو اور صرف آرام و عافیت کا خواہشمند اور آپ کے دست شفا کے مس ہونے کا طالب ہو آپ کو اس ملک کی محبت اور اہل ملک کی محبت کی قسم کہ یہاں کے آب شیریں کو شور نہ بنایئے اور ملک جس خوش مزاجی کا خوگر ہے ویسی ہی غذا عطا فرمایئے، بیشک اس کے درد کا درماں آپ کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔

میں اپنے دل میں آپ کی محبت محسوس کرتا ہوں، اور آپ کو اس ملک میں جسقدر تکلیف پہونچی ہے اس پر آپ کے ساتھ ہمدردی ظاہر کرتا ہوں اس کے ساتھ ہی ساتھ حسن سلوک اور وفاداری کا جو برتاؤ آپ کے ساتھ یہاں کیا گیا ہے اس کی یاد بھی میرے دل میں تازہ ہے درحقیقت وطن، وہ مقام ہے جس کی طرف سے غیروں میں بھی ہمدردانہ جذبہ پیدا ہوتا ہے اور جو ہر قسم کی عزت و توقیر کا مستحق ہے"۔

فرض کیجئے کہ موتی اپنے ثبوت کے لئے گلے اور سینے کی شہادت کا محتاج نہیں، یا قوت اپنے مقام اور رتبہ کی خاطر تاج اور بازمیں نمودار ہونے سے بے نیاز ہے بلکہ وہ معاینہ میں برتر درجہ رکھتا ہے، اور بادشاہ نوشیرواں کے تاج میں بھی اس کی جگمگاہٹ کسی دلیل کی طالب نہیں تھی، تاہم آفتاب جوام الانوار اور آنکھوں کے لئے

باعث روشنی ہے جب وہ اُفق میں روپوش ہو جاتا ہے تو رات اور دن میں امتیاز نہیں رہتا۔

آپ کو معلوم ہے کہ عقلاء نے اپنے وطن کو تا وقتیکہ کوئی مجبوری نہ پیش آئے اور وطن سے کوئی اچھا مقام میسر نہ آئے، نہیں چھوڑا ہے، اندلس کا مغرب کیا مقابلہ کر سکتا ہے، بجز مکہ اور مدینہ کے اس کا کوئی مماثل ہی نہیں، کیونکہ اندلس کی سرزمین میں اولیا و عباد مدفون ہیں، اور بالائے زمین جہاد کے گھوڑے باندھے گئے ہیں، جہاد کے جھنڈے بلند ہوئے ہیں، اور جہاد کے خیموں کی میخیں ٹھوکی گئی ہیں، اور اب تک اس ملک کے فرزند اپنے اجداد کی اس سنت پر عامل ہیں، بنا بریں میں آپکی توجہ مبذول کرنے کے لئے جو ہر قسم کی ناقص رائے اور سعی لاحاصل سے پاک ہے، دعا کرتا ہوں اور خیال کرتا ہوں کہ آپ مراجعت پسند فرمائیں گے۔

میں نے اس خط کا جو جواب دیا تھا وہ بھی حسب ذیل ہے:۔

لم فی الھوی العذری او لا تلم	محبت میں آپ خواہ ملامت کریں یا نہ کریں
فالعذل لا یدخل اسماعی	میرے سامعہ پر ملامت کا کچھ اثر نہ ہوگا
شأنك تعنیفی و شأنی فی الھوی	سختی کرنا آپکی شان اور محبت کرنا میری شان ہے
کل امرئ فی شأنہ ساعی	ہر شخص اپنی شان میں گرم سعی ہے

میں آپ کے تحفہ کا خیر مقدم کرتا ہوں جس نے خوشبوئے شمیم ہمنشینی اور محبت پیشیں کی یاد تازہ کر دی، خدا آپ کے خیالات کو کوتاہ نہ فرمائے، یہ عجیب خیالات ہیں:۔

آپ نے میرے لئے رنج والم کی رات پیدا کر دی اور پیدل اور سواروں کی فوج لاکر کھڑی کر دی ہے، آپ نے حق دوستی ادا کر کے میرے گذشتہ حالات پر افسوس ظاہر کیا ہے اور مجھ پر التفات کی نظر ڈالی ہے۔

میں بتبسم کہتا ہوں کہ اگر آج میں صاحب اختیار ہوتا یا میرے شباب کا زمانہ ہوتا تو میں آپ سے لوگوں کو کبھی نہ چھوڑتا، مگر اب آپ ایسے دروازے کو کھٹکھٹاتے ہیں جسے غارت گریوں نے گرا دیا ہے اور اس کے دربان ایسے ہیں جن کا گھر گردش فلک

سے برباد ہو چکا ہے، یہاں تک کہ اس کی چہل پہل مٹ گئی جہاں کی صدائے مرغ خاموش ہوگئی اور جو کبھی ہواؤں سے جس کے صحن میں خاک اڑ رہی ہے، جس کا موجودہ عہد بہ نسبت دور ماضی کے بہت طویل ہے اب اس بوسیدہ کھنڈر میں اعتماد کی جگہ باقی نہیں رہی۔

خدا اس شرافت کو قائم رکھے جس نے آپ کو مجھ سے ملنے کے لئے آمادہ کیا اور جس نے آپ کو آداب حکمت سکھائے، یہ شرافت اس شخص کی مانند ہے جو کسی بیمار کے پاس شفا تحفۃً لیجاتا ہے، بیشک یہ خصلت مبارک اور عطیۂ الٰہی ہے

قسما بالکواکب الزھر والزھر عاتمہ — قسم روشن ستاروں کی

انما الفضل ملۃ ختمت بابن خاتمہ — کہ فضیلت ایک ملت تھی جو ابن خاتمہ کے ساتھ ختم ہوگئی

آپ نے مجھے حلۂ فضیلت سے آراستہ کرکے بار شکر سے گراں کر دیا ہے، مگر میرا عہد حسن گزر چکا اور اب میرے دوش کسی بار ـــ کے قابل نہیں رہے، آپ نے مجھ پر وہ نظر ڈالی ہے جو عیوب کی تحقیق نہ کرسکی۔

ولو ترك القطا لیلا لنا ما — اگر رات کو طایر قطا آزاد رہے تو وہ بھی سو جائے

اس کے علاوہ جماعت میں اتحاد باقی نہیں، اس کا شیرازہ بکھر چکا، قلوب زمانہ ناہنجار کے ہاتھوں زخمی ہو گئے حسرت کی چنگاریاں بھڑک رہی ہیں اور زمانہ کی کایا پلٹ ہوگئی ہے۔ کیونکہ پیری بوقت ظہور حملہ کرنے سے خائف نہ ہوئی بلکہ اس کا عارض جگمگا اٹھا۔

لا تجمعی ھجرا علی وغربۃ — مجھ پر جدائی اور مسافرت کو جمع نہ کرو

فالھجر فی تلف الغریب سریع — کیونکہ جدائی مسافر کے تلف کرنے میں جلد باز ہے

میں نے اپنی حالت پر نظر ڈالی تو معلوم ہوا کہ نفس ناخن و دنداں کا شکار مال لوٹیروں کا لقمہ ـــ عمر فنا کی رہین اور ہاتھ ہر ایک کسب و عمل سے خالی ہے بازار آخرت تیر اندازی کا میدان ہے، اور اللہ تعالیٰ سریع الحساب ہے۔

ولو نعطی الخیار لما افترقنا — اگر ہمیں اختیار حاصل ہوتا تو ہم کبھی جدا ہوتے

ولکن لا خیار مع الزمان — مگر زمانے کے ساتھ کوئی اختیار رہی نہیں ہے

فرض کیجئے کہ عمر از سر نو شروع ہو امن کی چھاؤں دور تک پھیل جائے اور حب وطن کا خیال

بھی درست رہے، لیکن جب نفس انواع واقسام کے رنج ومحن سے تلخکام ہوجائے تو اسکے لئے اب کونسی آخری حجت باقی رہجاتی ہے۔

واذا امرؤ لدغته افعی مرۃ — جب کسی شخص کو ایکبار سانپ کاٹ لیتا ہے
ترکته حین یجر حبل یفرق — تو وہ رسی کو کھینچتے ہوئے دیکھ کر ڈرتا ہے

اس کے علاوہ تمام خواہشیں ہٹ چکی ہیں، زمانے نے اپنا عطیہ واپس لے لیا ہے، رخسار سفید ہو چکے ہیں، اور کسب واکتساب کے خیال سے اہل جاہ کو بھی انکار ہے حتیٰ کہ اس کا نام لینا بھی باعث ذلت سمجھا جاتا ہے، بنا بریں میں نے لوگوں کے اختیار اور ساز وسامان سے بے نیاز ہوکر اپنی نیت اللہ تعالیٰ کے ساتھ وابستہ کردی ہے، بفضل الٰہی توبہ نقد، اور معاملہ سامری ہے، اور صبر کی زرہیں امتحان کے لئے تیار ہیں، صراط مستقیم اختیار کرنے سے میری آنکھوں میں تروتازگی پہونچی ہے، اور اللہ نے میرے دل میں دنیوی محبت کے عوض اسی صراط مستقیم کی محبت ڈالدی ہے، غرض جب میرا شخص دنیا کو چھوڑکر پھر اس کی طرف رجوع کرے اور دنیا کے کاٹے کا علاج ہزاروں جھاڑ پھونک کرنے والوں سے کرا کے دنیا سے ملجائے تو کیا اجر ملیگا۔

میرے دوستوں کو اس بات سے خوشی ہے اور دشمنوں کو رنج کہ میں سرزمین اندلس کو چھوڑکر اللہ تعالیٰ کی طرف ہجرت کرنے، اور بلند سرزمین کی جانب اپنی رات کی سواریوں کو چلانے جاتا ہوں، کیونکہ محبت نے آقائے منعم کی طرف مجھے دعوت دی ہے میں شوق سے احکام کا مطیع اور جبر کی اطاعت سے قاصر ہوں مجھے امید ہے کہ میرا مطلب فوت نہ ہوگا، اگر خدا کی خوشنودی حاصل ہوئی تو مقصد حاصل ہے اور اگر اس کے خلاف ہوا تو میں سمجھونگا کہ زمانہ اسباب وعلایق سے مملو ہے اسلئے مجھے تسلیم ورضا ہی مناسب ہے۔

مابین غمضة عین وانتباهتها — آنکھ کے بند کرنے اور کھلنے کے وقفے میں
یصرف الامر من حال الی حال — امور ایک حالت سے دوسری حالت میں بدل جاتے ہیں

اب رہ گئی اس ملک کی فضیلت کہ اس کی مبارک سرزمین، عام خوبی جہاد کی برکت اور عباد وزہاد کے پاک اجسام سے بلند وپست مقامات کی آبادی میں بجز حرمین کے سب پر فوقیت رکھتی ہے تو یہ باتیں بالکل صحیح اور کذب سے مبرا ہیں، لیکن

میرا میلان خاطر حرمین کیطرف ہے جن کے اشتیاق کی فضا میں میرا قیام ہے جن کی راہیں میرے مقصد اولیں میں داخل ہیں اور جنکی محبت سے مجھے امداد ملتی ہے اسلئے اپنے آقا کی طرف رخ کرنا میرا اعلے مقصد ہے، اور یہ وہ مقصد ہے جو خدا کی حمد وستایش سے حاصل ہوا ہے، یہ وہ نیکی ہے جو غور وفکر سے معلوم ہوتی ہے اور یہ وہ امیدیں ہیں جو فضل الہی سے وابستہ ہیں، بے شک اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اس کا کرم پس پردہ مددگار اور کارساز ہے، اس کا احسان سفر اور حضر میں لائق اعتماد ہے اور اس کے فضل وکرم کی معرفت حیطۂ امکان سے باہر ہے، والسلام

آج ۱۲/ شعبان ۷۵۲ھ ہے ہنوز ابن خاتمہ بقید حیات ہیں۔

احمد بن عباس بن ابی زکریا

نام ونسب احمد بن عباس نام، ابو جعفر کنیت، اور ابن زکریا عرف ہے، ابن حیان کی تحریر سے ثابت ہے کہ وہ نسبًا انصاری تھے۔

حالات ابن زکریا بہت بڑے انشاپرداز، خوش نویس، فصیح، ادیب، کثیر المعلومات فقیہ، جامع علوم، حاضر جواب، ذہین، خوبصورت، خوش خلق، اور آداب وملحوظات شاہی پر حاوی تھے انھیں ادب سے اتنی دلچسپی تھی کہ اسے اپنی تمام لذتوں پر ترجیح دیتے تھے، علمی دواوین کے فراہم کرنے میں ان کی غیر معمولی توجہ غلو کی حد تک پہونچ چکی تھی، اس علمی سرمائے سے وہ مخصوص لوگوں کو نفع پہونچاتے تھے دواوین کے ساتھ ان کا فرط بخل اس قدر رہتا کہ وہ ان میں سے کچھ بجز ان حالات کے کہ کوئی غرض وابستہ ہو کبھی باہر نہیں جانے دیتے تھے، ان دواوین کے ذریعے سے تجار اور کاغذ کا کاروبار کرنے والے دولتمند ہوگئے تھے اور خود انھوں نے جو علمی ذخیرہ جمع کیا وہ ایسا تھا کہ کسی بادشاہ کے پاس بھی نہ ہوگا۔

دولت کی فراوانی لوگ بیان کرتے ہیں کہ ابن زکریا کے پاس سونا، سکے، کتابیں، اراضی، ظروف، اثاثہ، اسباب، اور چوپائے وغیرہ اس قدر تھے کہ ان کے کسی مماثل کے پاس بھی ان چیزوں کی اتنی فراوانی نہ تھی

اساتذہ ابن زکریا ابو تمام غالب بیانی اور ابو عبداللہ بن صاحب الاحباس سے روایت کرتے ہیں۔

وزارت ابن زکریا امیر زہیر عامری کے (جس کا ذکر آگے آتا ہے) وزیر تھے انہیں وزارت باپ سے ورثے میں ملی تھی، درحقیقت وزارت متکبر انسانوں کا تکیہ ہے جس سے بکثرت نعمتیں حاصل ہیں مگر خدا اس کے شر سے محفوظ رکھے

غرناطہ کی آمد مجھے اتنا علم ہے کہ ابن زکریا غرناطہ اس وقت آئے جب وہ نکبت کی حالت میں مبتلا تھے جس کا بیان آگے آرہا ہے۔

نکبت لوگوں کا خیال ہے امیر زہیر اور امیر غرناطہ بادیس سے دوستانہ تعلقات کا انقطاع انکی نکبت کا قوی سبب تھا۔ جس سے دونوں میں نفاق و شقاق اور فتنہ و فساد برپا ہوگیا تھا۔ یہ مشیت الٰہی تھی کہ بادیس نے اپنے حریف پر غلبہ پایا اور اس کی قوم کی تلواریں نیام سے نکل کر زہیر کے قتل کا باعث ہوئیں جس کے بعد اس کی قیام گاہیں سنسان ہوگئیں۔ اسی روز ابن زکریا گرفتار ہوکر بادیس کے روبرو پیش کیے گئے اس وقت اس کا سینہ جوش انتقام سے کھول رہا تھا، اس لیے اس نے انھیں فوراً قید خانے میں ڈالدیا، اور ان کے خون سے اپنا ہاتھ رنگین کرنا چاہا، ابن زکریا کی گرفتاری سرعت کے ساتھ عمل میں آئی اور ان کے تمام اصحاب ذلت و خواری کے ساتھ (قدموں کے نیچے) پامال کیے گئے۔

ابن حیان کہتے ہیں کہ ابن عباس (ابن زکریا) کو ایک شعر سے بیحد انس تھا ان کی یہ عادت تھی کہ شطرنج بازی کے اوقات میں وہ یہ شعر یا اس کے ہم معنی دوسرے اشعار جو برونت ذہن میں آتے پڑھا کرتے تھے، شعر یہ ہے:۔

عیون الحوادث عنی نیام	چشم حوادث میرے لئے خفتہ ہے
وهضمی علی الدهر شئ حرام	اور زمانے پر حرام ہے کہ وہ مجھ پر ظلم ڈھائے

عوام میں جب اس شعر کا چرچا ہوا تو وہ بہت برہم ہوئے مگر کسی شاعر نے ایک مصرع بدلکر شعر کو اس طرح درست کردیا۔

عیون الحوادث عنی نیام	چشم حوادث میرے لئے خفتہ ہے
سیوقظها قدر لا ینام	مگر عنقریب قضاو قدر جو ہمیشہ بیدار رہتی ہے اسے جگا دیگی

اس واقعے کے تھوڑے دنوں بعد ابن زکریا گرفتار ہو گئے حوادث زمانے نے انھیں متنبہ کر دیا اور انکے فخر و عزت کو خاک میں ملا کر انھیں ذلیل اور اسیر کیا، یہاں تک کہ بیس سیروزن کی بیڑیاں ان کے پاؤں میں ڈالی گئیں، جب بیڑیوں کے کانٹے چبھتے تھے تو وہ تلملا اٹھتے تھے اور اس کا درد و کرب اس تکلیف سے زیادہ محسوس کرتے تھے جو جویریہ کو ان کے دور امارت میں بیڑیوں سے پہونچی تھی، جس وقت کہ ان کا غرور و تکبر حد سے تجاوز کر گیا تھا، انجام کار شہنشاہ قادر و جبار کی گرفت میں وہ بھی آ گئے اور اللہ ہر چیز پر غالب ہے۔

وفات ابن مروان کا بیان ہے کہ بادیس نے ابن زکریا اور دیگر اسیروں کے قتل میں تاخیر کی ابن زکریا نے اپنی طرف سے تیس ہزار طلائی دینار زر فدیہ دینا چاہا اس رقم کا نام سن کر بادیس کی طبیعت للچائی، اور اس نے اس مسئلے کو اپنے بھائی کے سامنے پیش کیا مگر اس نے انکار کر دیا اور ان کے قتل کا مشورہ دیا تاکہ ان کی رہائی سے پھر دوبارہ فتنہ اٹھ کھڑا ہو جس کے فرو کرنے میں زر فدیہ کی المضاعف رقم نہ صرف کرنی پڑے،

راوی کہتا ہے کہ ایک روز بادیس اپنے بھائی کے ساتھ کہیں سے واپس آ رہا تھا اور قلعۂ غرناطہ میں اس مکان کے پاس سے گذرا جس میں ابن زکریا مقید تھے تو وہ اور اس کا بھائی بلکین دونوں قصر میں گئے اور ابن زکریا کو قید خانے سے طلب کیا، وہ بیڑیوں میں گھسیٹتے ہوئے آئے اور بادیس کے روبرو کھڑے ہو گئے، بادیس نے ان کی شان میں سخت ناشائستہ کلمات استعمال کئے جن سے وہ رونے لگے تاہم انھوں نے ملاطفت کی باتیں کیں اور بادیس سے التجا کی کہ وہ انھیں پہلی سی آسائش کی زندگی بسر کرنے کا موقع عطا کرے، اس نے جواب دیا کہ میں آج ہی تمھیں اس رنج والم سے نجات دیتا ہوں مگر تم اس سے شدید تر تکلیف میں مبتلا کئے جاؤ گے، پھر اس نے اپنے بھائی سے بربری زبان میں کچھ باتیں کیں جن سے ابن زکریا کے سامنے موت کی تصویر آ کر کھڑی ہو گئی، وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے اور زر فدیہ کی رقم المضاعف دینے کو تیار ہوئے اس وقت بادیس آتش در نعل ہوا اور اس نے اپنی برچھی کو حرکت دیکر اس کی ادائیگی کو

کے سینہ میں پھونک دی، انھوں نے اللہ تعالےٰ سے فریاد کی، لوگ کہتے ہیں کہ اس وقت ابن زکریا نے اپنے اہل و عیال کو یاد کیا، بہر حال بادیس کے حکم سے ان کا سر قلم کیا گیا اور ان کی لاش قصر سے باہر سپرد خاک کی گئی۔

بادیس کے خادم کا بیان ہے کہ میں نے ابن زکریا کے جسد کو قید خانے میں قتل کے دوسرے روز دیکھا تو بادیس نے مجھ سے کہا کہ ان کے سر اور جسد کو مٹی میں چھپا دے میں نے ان کی قبر کھودی اور سر اور جسد کو ابو الفتوح کے پہلو میں جو بادیس کا ایک دوسرا مقتول تھا دفن کر دیا کیونکہ مجھے بادیس نے حکم دیا تھا کہ میرے ایک دشمن کو دوسرے دشمن کے پہلو میں دفن کرنا تاکہ دونوں روز قصاص تک ساتھ رہیں۔

ابن زکریا کے قتل کا واقعہ ۲۱ ذی الحجہ ۴۲۷ھ بوقت شام اسیری سے ۵۲ روز کے بعد پیش آیا، اس وقت ان کی عمر تیس سال کی تھی، خدا کی ان پر رحمت نازل ہو۔

احمد بن ابو جعفر بن محمد بن عطیۃ القضاعی

نام کنیت اور سکونت احمد بن ابو جعفر نام ابن عطیۃ عرف اور ابو جعفر کنیت تھی، مراکش کے رہنے والے تھے قدیم اور اصلی وطن طرطوشۃ اور دانیۃ تھا۔

حالات ابن عطیۃ خوشخط اور نہایت بلیغ انشا پرداز تھے ان کی طبیعت بہت رواں اور قوت آخذہ نہایت زبردست تھی وہ اپنی فکر اور طبیعت پر پورا اختیار رکھتے تھے۔

اساتذہ ابن عطیۃ نے تمام علوم و فنون اپنے والد اور مراکش کی ایک بڑی جماعت سے حاصل کئے تھے،

شہرت و نام آوری ابن عطیۃ نے ابو علی بن یوسف بن تاشفین اور اس کے بیٹے

تاشفین اور پھر اسحاق کیطرف سے کتابت کی خدمت انجام دی، اور تمام کاتبوں کے مقابلے میں بہت گراں پایہ تھے، دولت لمتونہ (مرابطین) کے زوال کے بعد عوام سے مل جل کر کنج خمول میں جا بیٹھے اور جب الماسی نے سوس میں ہدایت وتبلیغ کا جھنڈا بلند کیا، اور سارے ملک میں موحدین کے شیرازے کو درہم برہم کرکے ان کی فوج وسپاہ کو جو مقابلے کے لئے گئی تھی شکست دی تو جماعت موحدین میں سے ایک شخص ابو حفص عمر بن یحییٰ الهنتانی نامی پیدل اور سواروں کی فوج گراں لیکر الماسی کی طرف بڑھا، اس وقت ابو جعفر بن عطیہ بھی اس فوج میں شریک ہو گئے اور پیدل فوج میں تیر اندازی کی خدمت پہ مامور ہوئے جب دونوں فوجوں میں مقابلہ ہوا، اور زور کا رن پڑا تو الماسی کی فوج کو ہزیمت ہوئی، موحدین اس پر غالب آ گئے، اور مدعی مذکور قتل کیا گیا، امیر ابو حفص عمر کے لیے یہ نہایت عظیم الشان فتح تھی، اس نے اس خدا داد فتح کی خوشخبری خلیفہ عبد المومن کو دینی چاہی، مگر ساتھیوں میں کوئی ایسا شخص نہ تھا جو اس مقصد کو نمایاں الفاظ میں ادا کر سکتا کسی نے امیر مذکور سے ایک نوجوان تیر انداز کا تذکرہ کیا جو ادب، اشعار اور رسائل نویسی سے دلچسپی رکھتا تھا، امیر نے یہ سنکر ابن عطیہ کو طلب کیا، اور ان پر اپنا مدعا ظاہر کیا انھوں نے تجاہل عارفانہ کے طور پر اپنے عجز کا اظہار کیا، مگر امیر نے انکی ایک نہ سنی اور ایک نامہ لکھنے کیلئے مجبور کیا، بالآخر ابن عطیہ ایک عمدہ اور مشہور نامہ تیار کرنے لگے اور جب اس سے فارغ ہوئے تو امیر ابو حفص کو پڑھ کر سنایا نامہ کا مضمون سن کر اسے بہت تعجب ہوا اور اس نے ابن عطیہ کو اپنا رہین منت بنایا ان کی طرف خاص توجہ مبذول کی اور اسکا یہ پختہ خیال ہو گیا کہ ابو جعفر بن عطیہ، ایک نفیس تحفہ ہیں اور عبد المومن کی خدمت میں پیش کئے جانے کے قابل ہیں، امیر نے وہ نامہ دربار خلافت میں بھیجا، جب ارکان دولت کے روبرو پڑھا گیا تو اس کی غیر معمولی قدر کی گئی اور تمام حاضرین نے کاتب کی فضیلت تسلیم کی دربار خلافت کی طرف سے اسی وقت نامہ کا جواب دیا گیا جس میں یہ بھی ہدایت درج تھی کہ کاتب نامہ کے ساتھ خاص لطف کا برتاؤ کیا جائے، اور مزید احسانات کے ساتھ باعزاز واکرام وہ دربار خلافت میں لائے جائیں۔

جب ابن عطیۃ خلیفہ عبدالمومن کے دربار میں پیش کیے گئے تو اس نے ان کے حالات دریافت کیے اور انھیں اپنا مقرب خاص بنا کر کتابت کی خدمت سپرد کی، کچھ دنوں کے بعد قلمدان وزارت بھی حوالے کر دیا اور سیاہ و سفید کا مختار کل بنا دیا، ابن عطیۃ نے مفوضہ خدمت کا بارگراں اپنے دوش پر اُٹھایا اور نہایت استقلال و استغنا کے ساتھ خدمت انجام دی، یہاں تک کہ لوگوں میں ان کے مساعی جمیلہ کی شہرت ہوئی، اور چونکہ انھوں نے اپنے احسانات سے عوام کے دلوں کو مٹھی میں لے لیا تھا، اس لئے ان کے کارناموں اور نیکیوں کی دھوم مچ گئی اور ہر شخص ان کی سیرت کی ستایش کرنے لگا، نیز ان کے شریفانہ ارادوں اور مساعی جمیلہ کے باعث تمام وسائل میں سعادت ہمکنار ہوتی تھی اور ان کے تمام مقاصد بارآور ہوتے تھے، خلاصہ یہ کہ ابو جعفر بن عطیۃ کا عہد وزارت زمانے کے لئے زینت اور سلطنت کے لئے باعث کمال تھا۔

نکبت ارباب تذکرہ بیان کرتے ہیں کہ ابن عطیۃ ایک زمانے تک اسی حالت پر کارفرما رہے، یہاں تک کہ عبدالمومن کے پاس یہ اطلاع پہونچی کہ نصرانی قلعہ المریۃ پر قبضہ کرکے قلعہ بند ہوگئے ہیں اور یہ بھی خبر آئی کہ اس کے فرزند یعقوب نے اشبیلیۃ کی طرف پیش قدمی شروع کی ہے، عبدالمومن نے ابن عطیۃ کو یعقوب کے پاس روانہ کیا اور ہدایت کی کہ جب یعقوب کو اشبیلیۃ پر کامل تسلط ہو جائے تو وہ المریۃ چلے جائیں۔ اور سید ابو سعید بن عبدالمومن کو کمک پہونچائیں جو المریۃ میں پہلے پہونچ چکے تھے اور جنھوں نے محاصرہ کرکے عیسائیوں کا ناطقہ بند کر دیا تھا پھر وہ عیسائیوں کو جبل المریۃ کے قلعہ سے نکال کر اشبیلیہ واپس چلے جائیں اور والی اشبیلیہ کو ساتھ لیکر وہیبی کی مہم سر کریں۔ ابن عطیۃ نے ان تمام ہدایات پر عمل کیا اور بہ حسن تدبیر عیسائیوں کو معاہدہ کرکے المریۃ سے چلے جانے پر مجبور کیا، پھر وہ اور سید ابو سعید دونوں یلغار کرتے ہوئے غرناطہ روانہ ہوئے تاکہ غنیم کی فوج سے پہلے وہاں پہونچ جائیں، اور پھر وہ وہیبی کی مہم سر کرنے کے لئے غرناطہ سے اشبیلیۃ گئے۔

جس وقت ابن عطیۃ نے عبدالمومن کی ہدایت سے کوچ کیا تو

ان کے حاسدوں کو میدان بالکل صاف نظر آیا انھوں نے ان کے خلاف سازش کا ایک جال پھیلا دیا، جس سے خلیفہ عبد المومن بھی ابن عطیۃ کا مخالف ہوگیا اور وزارت کے عہدے پر ابن عبد السلام ابن محمد الکومی کو مامور کردیا، یہ شخص ابن عطیۃ کے درپے آزار ہوا اس نے مطعون کرنے کے لئے ان کی کمزوریوں اور عیوب کی جستجو کی اور ان کے تمام کارناموں کو خراب کردیا، ابن عطیۃ کے حاشیہ نشین بھی ان کے دشمن ہوگئے اور حکام کو رشوتیں دیکر اپنی برأت ظاہر کرکے ابن عطیۃ سے روگرداں ہوگئے۔

ابن عطیۃ پر جسقدر الزامات لگائے گئے تھے ان میں ایک فرد جرم یہ بھی کہ انھوں نے لمتونیوں کی ایک بڑی جماعت پر احسانات کئے اور اس کو گمنامی کے پردہ سے باہر نکالا، یہاں تک کہ ایک لمتونی نے امیر یحیی الحمار کی دختر سے شادی بھی کی جسکی ماں زینب علی بن یوسف کی بیٹی تھی، اس قدر جرم ابن عطیۃ کی ہلاکت کے لئے کافی تھا، ان کے حاسدوں میں ایک شخص مروان بن عبد العزیز نے بھی جوان کا آزاد کردہ غلام اور بندۂ احسان تھا چند اشعار لکھ کر عبد المومن کی مجلس میں پیش کئے اشعار یہ ہیں۔

قل للامیر أطال اللہ دولتہ	خدا امیر کی سلطنت کو قایم رکھے، اس سے ایک بات کہدو
قولا تبین لذی لب حقایقہ	جسکی حقیقت صاحب عقل پر ظاہر ہے
ان الزراجین قوم قد وترتہم	کہ زراجین وہ قوم ہے جس کا تو وارث ہوا
وطالب الثار لم تؤمن بوائقہ	اس کے انتقام کے خطرات سے تو اطمینان نہ رکھنا
وللوزیر الی اراٰئہم میل	وزیر اسی قوم کی طرف مائل ہے
لذاک ما کثرت فیہم علائقہ	اس کے تعلقات اس قوم سے بہت زیادہ ہیں
فبادر الحزم فی اطفاء نارہم	اس قوم کی آگ بجھانے میں تو حزم کو جلد اختیار کر
فربما عاق عن أمر عوائقہ	ورنہ اکثر مقصد میں عوائق حائل ہو جاتے ہیں
ہم العدو ومن والاہم کہم	یہ قوم تیری دشمن ہے اور اس کے دوست بھی ان جیسے ہیں
فاحذر عدوک واحذر من یصادقہ	تو اپنے دشمن اور اسکے دوستوں سے حذر کر
اللہ یعلم انی ناصح لکم	خدا ہی جانتا ہے کہ میں تیرا مخلص ہوں

والحق ابلج لا تخفی طرائقہ صداقت روشن ہے اور اسکے طریقے مخفی نہیں ہیں

کہتے ہیں کہ جب ان بلیغ اشعار کے مفہوم کی عبدالمومن کو اطلاع ہوئی تو اس کا سینہ فاضل وزیر ابوجعفر کے خلاف غیظ وغضب سے مشتعل ہوا تاہم اس نے اس امر کو اپنے دل ہی میں پوشیدہ رکھا غرض ابن عطیہ کی نکبت کے اسباب میں یہ اشعار بھی داخل ہیں، ایک اور سبب یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ خلیفہ عبدالمومن نے ابن عطیہ سے کچھ راز کی باتیں کی تھیں جنھیں انھوں نے افشا کر دیا تھا۔

جب ابن عطیہ کو اپنے خلاف تمام واقعات کی اطلاع اندلس میں پہونچی تو وہ فوراً گھبرائے ہوئے مراکش گئے وہاں ان کا پہونچنا تھا کہ نظر بند کر دیے گئے، دوسرے روز سر برہنہ پاؤں میں بیڑیاں پہنے ہوئے کشاں کشاں مسجد میں لائے گئے، وہاں ہر طبقے کے لوگ آئے اور ان سے ابن عطیہ کے متعلق سوالات ہوئے، ہر ایک نے اپنی خواہش کے مطابق جواب دیا، آخر میں انھیں سزائے قید کا حکم سنایا گیا اور ان کے بھائی ابو عقیل عطیہ بھی زندان میں ساتھ رکھے گئے انھیں دنوں میں عبدالمومن جب مہدی کی قبر کی زیارت کو جانے لگا تو اس نے ان دونوں زندانیوں کو بھی با حال زار اپنے ساتھ لے لیا، اس سفر میں ابن عطیہ نے موحدین کے امام کی قبر سے توسل حاصل کرنے کے لئے نظم و نثر میں عجیب و غریب ادبی لطائف سپرد قلم کئے، مگر انھیں ان لطائف سے کوئی فائدہ نہیں پہونچا کیونکہ اللہ کی قدرت ہر معاملہ میں نافذ ہے۔

جب عبدالمومن زیارت قبر سے فارغ ہو کر مراکش کی طرف واپس ہوا تو دونوں گرفتاران بلا کو بھی ساتھ لایا اور جب تا غزت پہونچا تو مقام شعرا ارمیں جو قلعے سے متصل اور رلاحت کے قریب واقع ہے دونوں کو قتل کر دیا، خدا ان پر رحم فرمائے۔

شاعری و انشاپردازی

ابن عطیہ نے ایک خط لکھ کر خلیفہ عبدالمومن سے لطف و کرم کی استدعا کی تھی جس کا مضمون یہ ہے:۔

خدا کی قسم اگر میں سر سے پاؤں تک گناہوں میں مبتلا ہو جاؤں اور میرا نفس نیکوں پر عمل پیرا نہ ہو یہاں تک کہ میں تمام موجودات کو مسخر کر کے حضرت آدمؑ کو سجدہ کرنے سے انکار کر دوں، اور یہ بھی کہوں کہ اللہ نے حضرت نوحؑ کو کشتی

بنانے کی وحی نہیں بھیجی اور میں قدار ثمود کے لئے تیر بناؤں، آتش خلیل کی لکڑیوں کے لئے رسی بٹوں، حضرت یونس کے پاس سے کدو کا درخت ہٹا دوں، ہامان کے ساتھ اینٹوں کا پزاوہ لگاؤں، حضرت موسیٰ کے ایلچی کے نقش قدم سے خاک اٹھا کر گوسالہ میں ڈالدوں، کنواری بتول کو افترا باندھ کر بدنام کروں، دار الندوۃ میں (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے) مقاطعے کے لئے صحیفہ لکھوں، میدان بدر میں آپ کے مقابلے میں تمام گروہوں کو لا کر کھڑا کر دوں، ہر ایک قریشی کی مذمت کر کے ہر ایک وحشی کی عزت کروں، بیعت سقیفہ سے کسی امام کی، خلافت کو واجب نہ ٹھہراؤں مغیرہ بن شعبہ کے غلام کے خنجر کی دھار تیز کر دوں ان تمام خطاؤں کے باوجود اگر حضرت معصوم کی خدمت میں پناہ لینے جاؤں اور امام مہدی کی مجر کو اپنا ملجا قرار دوں تو وہ یقیناً اس کی اجازت عطا فرمائیں گے کہ میرا بیان سنا جائے اور میرے تمام گناہ معاف کر دئے جائیں۔ شعر

فعفوا امیر المومنین فمن لنا	اے امیر المومنین ہماری خطا معاف فرمایئے
بحمل قلوب ھزھا الخفقان	ہمارا کون مددگار ہے جو دھڑکتے ہوئے دلوں کو سنبھال سکے

دیگر

عطفاً علینا امیر المومنین فقد	اے امیر المومنین ہم پر رحم فرمایئے کیونکہ
بان العزاء لفرط البث والحزن	فرط حزن وغم سے صبر بھی جدا ہو گیا ہے
قد اغرقتنا ذنوب کلھا لجج	گناہوں کی موجوں میں ہم غرق ہو گئے ہیں
وعطفة منکو انجی من السفن	آپ کی ایک دفعہ کی مہربانی کشتی سے زیادہ نجات دیتی ہے
وصاد فتنا سھام کلنا غرض	ہمیں تیر آ کر لگے ہیں اور ہم سب ہدف بن گئے ہیں
لھا ورحمتکم اوقی من الجنن	آپ کی رحمت ڈھالوں سے زیادہ بچا سکتی ہے
ھیھات للخطب ان تسطو حوادثه	افسوس ہے کہ حوادث زمانہ اس شخص پر حملہ آور ہوں
بمن اجارته رحماکم من المحن	جسے آپ کی مہربانی نے مصائب سے پناہ دی ہو
قد جاء عندکم لیسعی علی ثقة	بے شک یہ شخص آپ کے پاس آپ کی امداد کا اعتماد کر کے آیا
بنصرہ لم یخف بطشا من الزمن	اور زمانے کی گرفت کا کچھ خوف نہیں کیا

فالثوب يطهر بعد الغسل من دنس	کپڑا دھونے کے بعد نجاست سے پاک ہوجاتا ہے
والطرف ينهض بعد الركض في وسن	اور گھوڑا بھی لونگ میں ٹھوکر کھانے کے بعد اٹھ کھڑا ہوتا ہے
انتم بذلتم حياة الخلق كلهم	آپ نے تمام مخلوق کو حیات بخشی
من دون من عليهم ولا ثمن	جس کا احسان نہ کسی پر رکھا اور نہ کسی سے کوئی قیمت لی
ونحن من بعض من أحييت مكارمكم	ہم بھی انھیں میں سے ہیں جنھیں آپ کے مکارم نے زندہ کیا ہے
تلك الحياتين من نفس ومن بدن	اور جنھیں نفس و بدن کی زندگیاں عطا کی ہیں
وصبية كفراخ الورق من صغر	اور بہت سے بچے قمری کے ان بچوں کی مانند ہوتے ہیں
لم يألفوا النوح في فرع ولا فتن	جو چھٹپنے کی وجہ سے شاخوں پر نوحہ نہیں کر سکتے
قد أوجدتهم أيادمنك سابغة	آپ کے احسان کامل نے انھیں از سر نو پیدا کیا ہے
والكل لولاك لم يوجد ولم يكن	اگر آپ نہ ہوتے تو سب کے سب نیست و نابود ہوتے

ابن عطیۃ نے امیر ابو حفص کی طرف سے جو نامہ تحریر کیا تھا اور جس کی وجہ سے کتابت اور وزارت کے عہدۂ جلیلہ پر سرفراز کئے گئے تھے اس کا ایک حصہ یہ ہے:-

"ہم نے یہ نامہ وادی ماسہ سے تحریر کیا ہے، اس وقت خدا کے حکم اور اسکی نصرت سے تمام تردداَت رفع ہو گئے ہیں، یہ فتح ایسی روشن ہے جو تمام انوار پر فائق ہوکر مسلمانوں کے دلوں کے چاروں طرف چھا گئی اور آنکھوں کو تماشائے خوابیدہ سے بیدار کر کے انتہائی شکر پر محیط ہو گئی ہے، زبان کو یارا نہیں ہے کہ اس فتح کا وصف کما حقہ بیان کر سکے، اس فتح نے طلب اور ادب کے تمام منتشر اجزا کو فراہم کر دیا اور نعمتوں میں غلطاں ہو کر امید کی چھاگلوں کو لبریز کر دیا ہے۔

فتح تفتح أبواب السماء له	یہ وہ فتح ہے جس سے آسمان کے دروازے کھل گئے ہیں
وتبرز الارض في أثوابها القشب	اور زمین سبز پوش ہو گئی ہے

ہماری اس فتح کی بشارت بالجملہ پہلے دیجا چکی ہے، مگر اس وقت حالات نے اسکی شرح کا موقع نہیں دیا تھا، واقعہ یہ ہے کہ تمام گمراہ اور مرتدین کا گروہ اپنے ظلم وسرکشی پر نازاں تھا اور کفر کو لفظاً ومعنیً اختیار کئے ہوئے تھا، اور اللہ تعالیٰ نے کے اسے ڈھیل دے دی تھی تاکہ وہ اور زیادہ گناہوں میں مبتلا ہو، اس گروہ کا سرخیل وہ شقی تھا جس نے اپنی خرافات سے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا اور انکے

دلوں کو فریب کاریوں سے اپنی مٹھی میں لے رکھا تھا اور شیطان نے اس کے لئے اپنا جال بچھا دیا تھا، دور دراز سے لوگ اسے مخاطب کرتے اور ہر سمت سے اس کے پاس قاصد آتے تھے، جس کی وجہ سے اس کے متعلق لوگوں کے عجیب وغریب عقائد ہو گئے تھے اور جس چیز نے لوگوں کو اس کی قیادت میں رکھا اور ان کو خطرہ میں ڈالدیا تھا وہ ان لوگوں کی آمد تھی جو گذشتہ سنین میں سب سے الگ تھلگ ہو کر ساحلی مقامات میں رہنے لگے تھے یہ شخص اپنے زعم میں شب وروز صوم وصلوٰۃ میں مشغول رہتا تھا، غرض اس گروہ نے عزت وناموس کا جامہ پہن کر ریا کی چادر اوڑھ لی تھی، اس لئے اللہ تعالے نے اس کے لئے باب توفیق وا نہیں کیا۔

مدعی ہدایت ماسی کے ذکر میں مضمون کا ایک حصّہ یہ ہے:۔

ماسی کی ہلاکت پر خدا کا شکر ادا کرتا ہوں جسکی اجل بعجلت پہونچی اور اس کے پاس جیب وراست سے گناہوں کے وفود آئے، اس کا دعویٰ تھا کہ ان سنین میں اس کی موت نہیں آئیگی، جسے وہ بزعم خود بشارت سمجھتا تھا اور یہ کہ مصائب بھی اسے نہ گھیر سکینگے، اسی طرح وہ بہت سی باتوں میں اللہ تعالیٰ پر افترا باندھتا تھا، لیکن جب اس کے متبعین نے اس کے تن بے جان کو خاک و خون میں غلطاں دیکھکر خدا کا حکم نافذ پایا جسکو وہ بالکل رد نہ کرسکے، تو انھیں سخت ہزیمت ہوئی، اور مکھیوں کی طرح جدھر جس کا رخ ہوا منتشر حالت میں اوڑ گئے، ان کی گردنوں پر تلواروں کی ضربیں پڑنے لگیں، یہاں تک کہ زخموں سے ان کی ایڑیوں پر لہو ٹپکنے لگا، اور سارا میدان کارزار ان کی لاشوں سے پٹ گیا، اجل نے ان کی عمر کی آخری گھڑی کا اعلان کردیا، اور اللہ تعالے نے کفر وفساد کی وجہ سے انھیں گرفت میں لے لیا ان میں کوئی ایسا نہ تھا جو بل کھا کر زمین پر نہ گرا ہو زمین کو اپنے خون سے لالہ زار نہ بنایا ہو اور ہندی تلواروں کی کاٹ کا مزانہ چکھا ہو، اور جو بقیۃ السیف چاروناچار وادی کی طرف بھاگے وہ نیزوں کے ہدف بنائے گئے اور ان میں سے اکثر دریا میں غرق ہوگئے اور جو ابھی تک دریا ہی میں تھے ان کے پاس بھی موحدین کی فوج بلائے عظیم کی طرح پہونچکر تلوار اور نیزوں سے ان کا صفایا کردیا

اور ایک خونیں چادر پانی کی سطح پر بچھادی نیلگوں پانی میں خون کی سرخی اس طرح نظر آنے
لگی جس طرح نیلگوں آسمان میں شفق کی سرخی نظر آتی ہے اور اس خون کے دریا سے
لوگوں پر رنگ عبرت چھا گیا۔

غرناطہ کی آمد ابن عطیہ ۵۵۲ھ میں غرناطہ میں اس وقت وارد ہوئے تھے
جبکہ اطراف المریۃ کے لوگوں نے سید کو المریۃ کے عیسائیوں
سے جنگ کرنے کے لئے طلب کیا تھا، سید نے فوج فراہم کی اور المریۃ میں پہونچکر
قلعے کے مقابل قلعہ شکن آلات نصب کردئے، قلعے کے عیسائیوں کی درخواست
پر غنیم نے انھیں مدد پہونچائی، سید ابو سعید کو بھی خلیفہ سے امداد طلب کرنی پڑی، چنانچہ
خلیفہ نے ابن عطیہ کو اپنے فرزند ابو یعقوب کی معیت میں سید کے پاس روانہ کیا
ابن عطیہ اپنی فوج لیکر سید سے جاملے، سات ماہ تک محاصرہ رہا اس کے بعد امن
قائم ہوگیا، اور المریۃ دوبارہ اسلامی ممالک میں داخل ہوگیا، اس کے بعد وزیر ابو جعفر
ابن عطیہ سید ابو یعقوب کے ساتھ اشبیلیہ واپس گئے، اس اثنا میں بہت سے
واقعات رونما ہوئے جن کا بیان موجب طوالت ہوگا، اسی سفر میں ابو جعفر ابن عطیہ
غرناطہ میں وارد ہوئے تھے اور یہاں کے واردین میں شمار کئے گئے،

ولادت ۵۲۲ھ میں ابن عطیہ مراکش میں پیدا ہوئے

وفات ابن عطیہ کی وفات کا واقعہ اوپر گذر چکا ہے اس وقت ماہ صفر کے
اختتام کو ایک روز باقی تھا اور ۵۵۳ھ تھا۔

احمد بن محمد بن شعیب کریانی

نام ونسب احمد بن محمد نام، ابو العباس کنیت، اور ابن شعیب عرف ہے، فاس
کے رہنے والے تھے، اور عربی ریف میں کریانہ ایک قبیلہ سے
تعلق رکھتے تھے،

حالات کتاب عاید الصلۃ میں ابن شعیب کے متعلق لکھا ہے کہ "ابن شعیب

فن طب کے ماہر تھے اس میں انھیں کامل دسترس اور خاص نظر حاصل تھی، تمام فنون میں یکساں دخل رکھتے تھے، ادب ان کا خاص علم تھا، اشعار کے حافظ تھے اور برابر ان کو یاد کرتے رہتے تھے، بیان کیا جاتا ہے کہ انھیں محدثین کے بیس ہزار اشعار یاد تھے، فلسفہ ان پر غالب تھا جس کی وجہ سے مطعون تھے، علم کیمیا میں بیحد غلو تھا اور اس میں غرق رہتے تھے مگر اس علم سے انھیں کچھ فائدہ حاصل نہ ہوا اگرچہ وہ اس میں ہمیشہ نا یبزا المرام ہونے کی توقع رکھتے تھے جیسا کہ کیمیا گروں کی عادت ہے:

وہ نہایت خوش نویس تھے، انکے اشعار عمدہ اور انشا بلیغ تھی، سلطان مغرب نے انھیں اپنے دیوان کا افسر اعلے مقرر کیا تھا۔

کسی جنگ میں انھیں ایک رومیۃ کنیز ملی تھی جس کا نام صبح تھا وہ نہایت حسین تھی، انھوں نے اسے تعلیم و تربیت دیکر اس قدر عربی سکھا دی تھی کہ وہ اس زبان میں بے تکلف شعر کہنے لگی تھی وہ اسے بے انتہا محبوب رکھتے تھے، جب اس کا انتقال ہو گیا تو وہ اس کے لئے ہمیشہ سرد آہیں بھرتے تھے اور دائمی رنج و الم میں مبتلا ہو گئے، اس کا مرثیہ لکھا جو نہایت اچھے اشعار پر مشتمل ہے۔

اساتذہ ابن شعیب نے شہر فاس میں اکثر شیوخ سے تعلیم حاصل کی، بعض کے نام یہ ہیں استاذ ابو عبداللہ بن اجروم نزیل فاس، استاذ ابو عبداللہ بن رشد، پھر تونس جاکر شیخ یعقوب بن دراس سے طب اور ہیئت حاصل کی، شیخ ان فنون میں مسلم استاد تھے، ابن شعیب تونس کے شیخ ابو جعفر بن صفوان کو ذیل کے کلام میں مخاطب کرتے ہیں، ان دونوں میں گہری دوستی تھی، جس کا قدر مشترک یہ تھا کہ دونوں کو صنعت شعر سے دلچسپی تھی ابن شعیب اس کلام میں ایک مقام کا اشتیاق ظاہر کرتے ہیں جہاں یہ دونوں فروکش ہوتے تھے، یہ مالقہ سے باہر واقع ہے اور یہاں شیخ موصوف کی جاگیر تھی، خدا اسکو محفوظ رکھے۔

رعی الله وا دسے سنبا نة	خدا وادی سنبانہ
و تلك الغدا یا و تلك اللیال	اور اس کی صبح اور راتوں کو محفوظ رکھے
و مسرحنا بین خضرا لغصون	ہم اس کی سرسبز شاخوں اپلتے چشموں

وورق المياه وسحر الظلال	اور گندم گوں سایوں میں ہو کر چلتے پھرتے تھے
ومرتعنا تحت ادواحه	اس کے درختوں کے نیچے خوش خوش کھاتے
ومكرعنا في النمير الزلال	اور صاف شفاف پانی پیتے تھے
نشاهد منها كعرض الحسام	ہم ان درختوں میں شمشیر زنی کا مشاہدہ کرتے تھے
اذا ما انتشت فوقه كالعوال	جبکہ شاخیں پانی پر نیزوں کی طرح جھکتی تھیں
ولله من در حصبائه	بخدا اس وادی کی سنگریزے موتی ہیں
لآل وأحسن بها من لآل	اور وہ کیا ہی اچھے موتی ہیں
وبلبله في ستور الغصون	اس کی بلبل ڈالیوں پر اس طرح رہتی ہے
كخود ترنم فوق الحجال	جسطرح جوان عورت بازیب پہن کر نغمہ سنج ہوتی ہے
واسحاره كيف رقت شذا	اس کی صبح خوشبوئے مشک کی مانند لطیف ہے
وصح النسيم بها في اعتدال	اور باد نسیم اعتدال کی حالت میں رہتی ہے
ولله ملك أبي جعفر	اور ابو جعفر کا کیا عمدہ ملک ہے
عميد الجلال حميد الخلال	جو صاحب جلال اور اچھی خصلتوں والے ہیں
تطارحني برموز الكنوز	اے ابو جعفر! تم مجھ سے خزانوں کے رموز کے ساتھ مذاکرہ کرتے ہو
وتسفرلي عن معالي المعال	اور میرے لئے سربلندیاں ظاہر کرتے رہتے ہو
وتبدلني في شجون الحديث	اور مختلف باتیں مجھ سے بدل بدل کر کرتے ہو
وباطنه كل سحر حلال	جن کے باطن میں سحر حلال ہوتا ہے
فالقط من فيك سحر البيان	پس تمہارے دہن سے سحر بیان لے کر
مجيبا به عن عريض النوال	تمہارے وسیع بخشش کے جواب میں مدح کرتا ہوں
افدت الذي دونها معشرا	تم نے ایک ایسی جماعت کو جو باتونی
كثيرا المقال قليل النوال	اور بے فیض تھی فائدہ پہونچایا!
فأصبحت لا ابتغي بعدها	اب میں اس کے بعد تمہارے سوا کسی کا طالب نہیں ہوں
سواك ولا بعد ذاك أبال	اور اس طلب کے بعد کسی کی مجھے پروا نہیں ہے

ابن شعیب فقیہ عالم ابو جعفر ابن صفوان سے مخاطب کرکے علم صناعت میں کوئی سوال کرتے ہیں۔

دار الهوى نجد وساكنها	خانۂ محبت نجد ہے جس کے باشندے
اقصى اماني النفس من نجد	نفس کی انتہائی امیدیں ہیں۔ وہ نجد کون ہے؟

ابن شعیب کے ایک خط کے سرنامہ پر یہ چند اشعار مرقوم تھے:۔

أيجمع هذا الشمل بعد شتاته	کیا یہ جماعت متفرق ہونے کے بعد مجتمع ہوگی
ويوصل هذا الحبل بعد انبتاته	اور یہ ڈور ٹوٹنے کے بعد جوڑی جائے گی
أما لليالي آية عيسوية	کیا راتوں میں عیسوی نشانی موجود ہے
فتنشر ميت الانس بعد مماته	کہ موت کے بعد انسانی میت کا بعث و نشر ہوتا ہے
ويورد عيني بعد ملح مدامعي	اور کیا میری چشم شور آنسوؤں کے بعد
برؤيته في عذبه وفراته	محبوب کی رویت سے شیریں پانی چکھے گی

مغرب کے فقیہ جلیل صاحب العلامۃ ابو القاسم بن صفوان نے ابن شعیب کے اشعار پڑھ کر مجھے سنائے۔

يارب ظبي شعاره نسك	بہت غزالان صفت کا شعار عبادت گزاری ہے
ألحاظه في الورى لها فتك	مگر ان کی آنکھیں خلق کو ہلاک ہی کر دیتی ہیں
يترك من هام به مكتئبا	یہ اپنے عاشقوں کو رنجیدہ چھوڑ دیتے ہیں
لا تعجبوا ان قومه الترك	اس پر تم تعجب نہ کرو کیونکہ وہ ترکی قوم سے ہوتے ہیں
اشكو له ما لقيت من حرق	جب میں ان سے سوزش درون کی شکایت کرتا ہوں
فينثني لاهيا اذا أشكو	تو وہ اس شکایت کو کھیل سمجھ کر اعراض کر جاتے ہیں
صبرت حتى أطل عارضه	آخر میں نے یہاں تک صبر کیا کہ ان کا عارض رخ نمایاں ہوگیا
فكان صبري ختامه مسك	جس سے میرے صبر کا خاتمہ مشک پر ہوا

دیگر در فکاہت

وبائع الكتب يبتاعها	کتب فروش ارزاں اور گراں نرخ پر
بأرخص السوم وأغلاه	کتابیں خریدتا ہے
في نصف الاستذكار أعطيته	میں نے نصف استذکار میں
ملخص العين فأرضاه	ملخص العین دے کر اسے راضی کر لیا

دیگر

یامن تو عدنی بحادث ھجرہ اے وہ جو مجھے اپنی جدائی کے حادثے کی دھمکی دیتا ہے
ان السلو لدون ما تتوعد بیشک تیری دھمکی تسلی پر فوقیت رکھتی ہے
ھذا عذارك وھو موضع سلوتی یہ تیرا عذار ہی میری تسلی کا مقام ہے
فاکفف فقد سبق الوعید الموعد اب تو دھمکی سے رک جا کیونکہ وعید سے وعدہ مقدم ہو چکا ہے
واُظن سلوتنا غدا او بعدہ میرا گمان ہے کہ کل یا اس کے بعد تسلی حاصل ہو جائے گی
فبذاك خبّرنا الغراب الاسود کیونکہ زاغ سیاہ نے اس کی ہمیں خبر دی ہے

دیگر

قال العذول تنقصًا لجمالہ ملامت کرنے والے نے اس کے حسن کو گھٹانے کے لئے کہا
ھذا حبیبك قد اُطلّ عذارہ یہ تمہارا محبوب ہے جس کے رخسارے بڑھ گئے ہیں
لا بل بدا فصل الربیع بخدہ نہیں بلکہ اس کے رخسار پر فصل بہار نمودار ہوئی ہے
فلذا تساوی لیلہ ونھارہ اسی لئے اس کے دن رات برابر ہو گئے ہیں

دیگر در مرثیہ

یاقبر صبح حل فیك اے صبح کی قبر! تجھ میں میری جان کا
بہجتی اسنی الامان اعلےٰ اطمینان داخل ہوا ہے
وغدوت بعد عیانھا اب تو اس کے چلے جانے کے بعد
اشھی البقاع الی العیان آنکھوں میں پسندیدہ مقام ہے
اخشی المنیۃ انھا میں موت سے ڈرتا ہوں کہ وہ
تنئی مکانك من مکان تیری جگہ کو میری جگہ سے دور کر دے گی
کم بین مقبور بفاس کتنے ایسے ہیں جو شہر فاس میں مدفون ہیں
وقابر بالقیروان اور کتنے قیروان میں دفن ہیں

دیگر در مرثیہ

یا صاحب القبر الذی أعلامه — اے قبر والے قبر کی علامتیں مٹ گئی ہیں
درست و ثابت حبها لم یدرس — مگر تمہاری محبت اب تک نہیں مٹی ہے
ما الیاس منك علی التصبر حاملی — تمہاری یاس مجھے صبر پر آمادہ نہ کرسکی
أیأستنی فکأننی لم أیأس — تم نے مجھے اتنا مایوس کیا کہ گویا میں مایوس ہی نہ ہوا
لما ذهبت بکل حسن أصبحت — جب تم تمام محاسن لے کر چلے گئے
نفسی تعانی شجو کل الانفس — تو میرا نفس تمام نفوس کے غموں کو جھیلنے لگا
أصباح أیامی لیالٍ کلها — اے صبح امید سب دن ان راتوں کی طرح ہیں
لا تنجلی عن صبحها المتنفس — جن کی صبح کبھی نہیں ہوتی ہے

دیگر

أعلمت ما صنع الفراق — اے نفس! کیا تجھے معلوم ہے جو کچھ کہ جدائی نے کیا
غداة جدّ به الرفاق — جس صبح کو کہ رفقائے سفر اس سے تیزی سے لیکر چلنے بنے
و وقفت منهم حیث للنظر — تو ان لوگوں میں وہاں کھڑا تھا جہاں اشک
ات والدمع اتساق — رواں تھے اور نگاہیں جمی ہوئی تھیں
سبقت مطایاهم قما — ان رفیقوں کی سواریوں نے سبقت کی
أبطأ بنفسك فی السباق — مگر سبقت میں تیری تاخیر تعجب انگیز تھی
أأطقت حل صدودهم — کیا تجھ میں طاقت ہے کہ انھیں واپس لے آئے
للبین خطب لا یطاق — کیونکہ جدائی کی مشقت جھیلی نہیں جاسکتی ہے
عن ذات عرق أصعدوا — وہ لوگ مقام ذات عرق سے روانہ ہوئے تھے
أتقول دارهم العراق — کیا تو کہتا ہے کہ ان کا گھر عراق ہے
نزلوا بابرقة ثهمد — پھر وہ برقۂ ثہمد میں جاکر فروکش ہوئے
فلذاك یشتاق البساق — سی ... ان کی طرف سبقت کا اشتیاق ہوتا ہے
ما ضرهم وهم المنی — باوجودیکہ وہی امید تھے ان کا کیا بگڑتا
لو وافقوا بعض الوفاق — اگر وہ تھوڑی سی موافقت کر لیتے
و ثنوا عسفان أف — اور وہ تمام ہمراہیوں کو روک کر دست راست

يقفوا بمجتمع الرفاق	کی طرف سے عسفان جاتے
قالوا تفرقنا غدا	ان لوگوں نے کہا کہ ہم کل جدا ہو جائینگے
فشغلت عن وعد التلاق	اسلئے تو وعدۂ وصل سے روک دیا گیا
عمدا رأوا قتل العميد	انھوں نے ایک مصیبت زدہ کو عمداً قتل کرنا چاہا
فكان عيشك فى نفاق	اس لئے تیری زندگی فنا ہو رہی ہے
اولى بجسمك أن يرق	تیرے جسم کے لئے یہی سزاوار ہے کہ وہ لاغر ہو جائے
ودمع عينك ان يراق	اور تیری آنکھوں سے اشک رواں ہو جائیں
اما الفؤاد فعندهم	رہا تیرا دل تو وہ انھیں لوگوں کے پاس ہے
دعه ودعوى الاشتياق	اب تو اس دل اور اشتیاق کے دعوے کو چھوڑ دے
اغناه رحب محلهم	ان کے محل کی وسعت نے اس دل کو غنی کر دیا ہے
فرحيب صدرك عنه ضاق	اسلئے تیرا وسیع سینہ اس کے لئے تنگ ہو گیا ہے
واها لسالفة الشباب	گزشتہ جوانی پر افسوس ہے
مضت بايامى الرقاق	کہ وہ میرے اچھے دنوں کو لے گئی
ابقت حرارة لوعة	اور پسلیوں اور ہنسلیوں کے درمیان میں
بين الترائب والتراق	اشتیاق کی حرارت چھوڑ گئی
لا تنطفى وورودها	اے اشتیاق کی حرارت! اب تو نہ جا اور بڑھتی رہ
من أدمعى كاس دهاق	کیونکہ میرے آنسوؤں سے ایک جام لبریز موجود ہے

دیگر

يا موحشى والبعد دون لقائه	اے وحشت میں مجھے ڈالنے والے تمہاری ملاقات میں بعد مانع ہے
أدعوك عن شحط وان لم تسمع	میں تمہیں دور سے پکارتا ہوں گو تم سن نہ سکو
يدنيك منى الشوق حتى اننى	شوق تجھے مجھ سے قریب کر دیگا یہاں تک کہ اگر آنسو نہ ہوتے
لاراك رأى العين لو لا أدمعى	تو میں تجھے آنکھ بھر کر دیکھ سکوں گا
وأحن شوقا للنسيم اذا سرى	جب باد نسیم تیری باتیں لیکر چلتی ہے
بحديثكم واصيح كالمستطلع	تو میں مشتاق ہوکر سائل کی طرح چیختا ہوں

کان اللقاء فکان حظی ناظری — جب لقا تھی تو میرے حصے میں دید تھی
وسطا الفراق فصار حظی مسمعی — اور جب فراق نے حملہ کیا تو میرے حصے میں سماعت رہ گئی
فابعث خیالك تهده نارا لحشا — تو اپنے خیال کو بھیج اگر اسے میرا مقام نہ معلوم ہوگا
ان کان یجهل من مقامی موضعی — تو آتش درون اس کی رہبری کرے گی
واصحبه من نومی بتحفة قادم
فضدی قلیل دکا بکم لم تجمع

غرناطہ میں ورود ابن شعیب اپنی بعض ضرورتوں سے غرناطہ کے ہشتم بادشاہ امیر محمد کے ابتدائی عہد میں یہاں وارد ہوئے اس وقت اس واحد سلطنت میں تغیرات رونما تھے اور یہاں کے لوگ خوشبو اور شمورچڑیا کے بہت مشتاق تھے چڑیا قریۂ شون میں جو غرناطہ سے باہر واقع ہے پائی جاتی ہے،

وفات ابن شعیب نے ۷۴۹ھ میں بروز عید الضحیٰ تونس میں وفات پائی۔

احمد بن عبداللہ بن محمد بن احمد بن محمد بن احمد بن محمد ابن حسین بن علی بن سلیمان بن عرفۃ الفقیہ

نام وکنیت احمد بن عبداللہ نام، اور ابو العباس کنیت تھی

حالات احمد بن عبداللہ رئیس اور فقیہ ہونے کے علاوہ اپنے زمانے میں شعراء کے علم بردار تھے، مزاج میں تفنن تھا، شاعری میں انکی طرف لوگوں کی نگاہیں اٹھتی تھیں، ادب میں یکتا علم وادراک میں بلند اور آداب وخصائل میں مہذب تھے زبان تیز تھی، شیریں گفتار تھے، لوگوں کو ان کی صحبتوں سے بہت نفع پہونچا، شرافت، عزت، ریاست اور سخاوت کے ہدف کے تیرانداز تھے،

شیخ ابو زکریا بن ہذیل فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں ابو عبداللہ بن الحکیم ذو الوزارتین کی مجلس میں شریک تھا اس وقت ابو العباس مجلس کی بالہ کے بدر اور اس کی جلالت کے قطب بنے ہوئے تھے، اور ہر ایک موضوع بحث پر جولانی طبع دکھا کر اپنی قادر الکلامی کا ثبوت دے رہے تھے، پھر ہم لوگ یہاں سے اٹھ کر مالیوں کے پاس آئے جو انگور کی بیلوں کی اصلاح کر رہے تھے ابو العباس نے ان کے چودھری سے کہا ان بیلوں کو یوں چھوٹی اور بڑی کرو اور اس طرح کام کرو، یہ سن کر وزیر ابو عبداللہ نے کہا ابو العباس! تم نے ان بیچاروں کا پیشہ بھی نہیں چھوڑا جس سے یہ لوگ اپنا رزق حاصل کرتے ہیں غرض ہم لوگوں کو ابو العباس کے کمالات اور تجربوں پر بہت تعجب ہوا۔

غرناطہ میں ورود

۷۶۵ھ کے آخر میں دولت نصریہ کی دار و گیر میں ابو العباس کی قوم طرح طرح کے مصائب کے ساتھ جلاوطن کی گئی اور شہر پر دولت نصریہ کا قبضہ ہوگیا اس وقت ابو العباس اپنی قوم کی ایک جماعت کو لے کر غرناطہ میں وارد ہوئے، اس قوم کا تذکرہ انشاء اللہ آیندہ آئے گا۔

ابو العباس نے بہ نسبت دیگر رفقا کے مراحم خسروانہ سے حصۂ وافر حاصل کیا یہ سب سے پہلے سلطان کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے جس سے اُس کا بغض و کینہ دور ہوگیا اور انھوں نے سلطان سے عرض کر کے اپنی حالت خوشگوار بنالی، اور اچھی وجاہت پیدا کرلی، مجلس سلطانی کے وابستگان میں داخل ہو گئے حکومت کے مدبرین میں ان کا شمار ہوا، صداقت کا طغرائے امتیاز حاصل کیا، اور ہمیشہ حکومت کے خیرسگال رہے، یہاں تک کہ حالت دگرگوں ہوگئی اور سلطنت میں انقلاب پیدا ہوا

شاعری

ابو العباس کا منظوم کلام اعلیٰ شیریں، فصیح اور بلیغ ہے اور لطافت، آب و تاب، دلچسپ تمہید، اور بہت سی خوبیوں کا جامع ہے، مثلاً صنف مدح میں ذیل کے کلام میں ابو عبداللہ بن الحکیم ذو الوزارتین کو مخاطب کیا ہے۔

ملکت رقی بالجمال فاجمل
تو اپنے جمال سے میرا مالک ہو گیا ہے پس مجھ پر احسان کر

وحکمت قلبی باعتدالك فاعدل
اور اپنے اعتدال سے میرے دل کا حاکم ہو گیا ہے پس عدل کر

أنت الأمیر علی الملاح ومن یجر
تو ملیح لوگوں کا امیر ہے اور تیری آنکھوں کے سوا

فی حکمه الا جفونك یعزل
جو اپنے فیصلے میں کجی کرتا ہے وہ معزول کیا جاتا ہے

ان قیل أنت البدر فالفضل الذی
اگر کہا جائے کہ تو بدر ہے تو تیرے کمال کی فضیلت

لك بالکمال ونقصه لم یجهل
اور بدر کا نقصان مجہول نہ رہے گا

لولا الحظوظ لکنت أنت مکانه
اگر قسمتیں نہ ہوتیں تو تو خود ان کی جگہ ہوتا

وکان دونك فی الحضیض الأسفل
اور تیرے سوا لوگ حضیض اسفل میں ہوتے

عیناك نازلت القلوب فکلها
تیری آنکھوں نے دلوں سے جنگ کی ہے

اما جریح أو مصاب المقتل
آخر کار تمام دل یا زخمی ہوئے یا قتل کئے گئے

هزت ظباها بعد کسر جفونها
نیام کے ٹوٹنے کے بعد تیری سیف مژہ کو حرکت ہوئی

فأصیب قلبی فی الرعیل الأول
اور وہ صف اول میں آ کر میرے دل میں لگی

مازلت أعذل فی هواك ولم یزل
پس ہمیشہ تیری محبت میں قابل ملامت رہا

سمعی عن العذال فیك بمعزل
لیکن میرے کان تیرے ملامت گروں سے برابر دور رہے

أصبحت فی شغل بحبك شاغل
میں تیری محبت میں سراسر منہمک ہوں

فمتی أمیل الی کلام العذل
پس میں کب ملامت گروں کے کلام کی طرف مائل ہو سکتا ہوں

لم أهمل الکتمان لکن أدمعی
میں نے راز کو پوشیدہ رکھا مگر میرے آنسوؤں نے افشا کر دیا

هملت ولو لم تعصنی لم تهمل
اگر وہ میری نافرمانی نہ کرتے تو راز افشا نہ ہوتا

جمع الصحیحین الوفاء مع الهوی
میرے دل نے کتاب وفا اور محبت کو جمع کر لیا ہے

قلبی وأملی الدمع کشف المشکل
اور میرے اشک نے کتاب کشف مشکل کا املا کیا ہے

ما فی الجنوب ولا الشمال جواب ما
میں نے باد صبا اور شمال کے ذریعہ تیرے پاس ہدیہ بھیجا

أهدی الیك مع الصبا والشمأل
مگر اس کا جواب نہیں آیا

خلسا له من طیب عرفك نفحة
البتہ ان ہواؤں نے تیری خوشبو میں سے کچھ اچک لیا تھا

تشفی غلیل علیلها المتعلل
جس سے مریض کی پیاس بجھ سکتی ہے

ان کنت بعدی حلت عما لم أحل
اگرچہ تو میرے بعد اس عہد سے پھر گیا ہے جس سے کہ میں اب تک نہیں پھرا

عنه وقد أهملت ما لم أهمل	اور اس عہد کو بھی چھوڑ دیا جس کو میں نے نہیں چھوڑا ہے
او حالت الاحوال فاستبدلت فی	اور یا حالات بدل گئے ہیں جس سے تم نے فانی چیز کو بدل کر لے لیا ہے
فان محبی فیك لم استبدل	تاہم میں نے اپنی محبت کو جو تجھ سے تھی نہیں بدلا ہے
لاقیت بعدك ما لوان أقله	میں نے تیرے بعد ان مصائب کو جھیلا کہ اگر طبقۂ زمین ان کے
لاقی الثری لاذاب صم الجندل	ادنیٰ مصائب کو جھیلتا تو اسکی بڑی بڑی چٹانیں پگھل جاتیں
وحملت فی حبك ما لو حملت	اور میں نے تیری محبت میں حوادث دہر کو اس قدر برداشت کیا
شم الجبال أخفه لم تحمل	کہ اگر ان کا خفیف سا حصہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر پڑتا تو وہ برداشت نہ کرتیں
من حیف دهر بالحوادث مقدم	وہ حوادث دہر ایسے تھے
حتی علی جنس الهزبر المشبل	جو شیروں پر حملہ کرتے تھے
قد کنت منه قبل کرّ صروفه	میں ان حوادث کے حملے سے پہلے پشت پر تھا
فوق السنام فصرت تحت الكلاكل	مگر اب زیر سینہ ہو گیا
ونصول شیب قد ألم بلمتی	میرے سر کے بالوں میں بڑھاپے کے پیکان آ گئے ہیں
ونضوب غض شبیبة لم تنصل	حالانکہ ابھی جوانی کی تروتازگی کا پانی خشک نہ ہوا ہے
ینوی الاقامة ما بقیت واقسمت	جب تک میں زندہ رہوں پیری نے اقامت کی نیت کی ہے
لا تنزل اللذات ما لم یرحل	اور لذات نے نزدیک آنے کی قسم کھائی ہے جبتک پیری کوچ نہ کر جائے
ومسیر طعن ودادة وکمیمه	اور بہت سے ایسے لوگ تھے جو اپنی محبت کو ظاہر کرتے تھے
لاقی الحمام وانه لم یفعل	جن کے احباب مر گئے اور کچھ نہ کر سکے
یطوی علی حسدی الضلوع فقلبه	وہ میرے حسد کو اپنی پسلیوں میں چھپائے ہوئے تھے
بأواره یغلی کغلی المرجل	اور آتش حسد سے ان کا دل ہانڈی کی طرح جوش کھاتا تھا
فی صدره ما لیس فی صدری له	ان کے سینے میں اس قدر حسد تھا کہ جس کے مقابلے میں
من مثله مثقال حبة خردل	میرے سینے میں رائی کے برابر بھی نہ تھا
اعرضت عنه لو أشف لذمه	میں نے ان سے اعراض کیا تھا اگر وہ پھر درپے مذمت ہوتے
شعری لجرعته نقیع الحنظل	تو میرے شعر انھیں حنظل کا جوشاندہ پلاتے
جلیت فی حلبات سبق لم یکن	میں سبقت کے میدان میں سب سے پیشرو تھا
فیها بمرتاح ولا بمؤمل	اور کوئی اس سبقت میں دوم اور سوم بھی نہ ہوا تھا

ماضرہ سبقیه فی زمن مضی	گر زمانہ ماضی میں میرا سبقت لیجانا حاسدوں کے لیے مضر نہ ہے
ان المجلی فیه دون الفسکل	کیونکہ اس زمانہ میں جو پیشرو تھا وہ اب پس رو سے بھی کمتر ہے
ساءته منی عجرفیة قلب	حاسدوں کو یہ بات بُری معلوم ہوئی کہ مجھ سے
باق علی مر الحوادث حوّل	اس شخص کی طرح تکبر ظاہر ہو جو حیلہ باز مکار اور صابر ہو
متخرق فی البید مدة سیرہ	اور جو میدان میں تیزی سے قطع مسافت کرتا ہو
متجلد فی عسرہ متجمل	مشکلات میں صابر اور نیک خصلت ہو
حتی یؤب له الغنی من ماجد	یہاں تک کہ حاسدوں کو ایک ایسے شخص سے غنا حاصل ہوئی
یقضی حاجات الکرام موکل	جو نیک اور نیک لوگوں کی ضرورتوں کو پورا کرتا ہے
مثل الوزیر ابن الحکیم وماله	وہ وزیر ابن الحکیم ہے جس کی کوئی ایسی نظیر نہیں ہے
مثل یقوم مقامه متمثل	جو اس کے قایم مقام ہو سکے
ساد الوری بحدیثه وقدیمه	جس نے اپنے قدیم اور جدید اوصاف سے
فی الحال والماضی وفی المستقبل	ماضی حال اور مستقبل میں خلق پر سیادت کی ہے
من بیت مجد قد سمت بقبابه	وہ بزرگی کے گھرانے سے ہے جس کے قبوں کو
اقیال لخم فی الزمان الاول	قبیلہ لخم نے زمانۂ اول میں بلند کیا ہے
سامی الدعائم طال بیت زرارة	جس کے گھرانے کے ستون بلند ہیں اور جس کا گھرانا قبیلۂ زرارۃ
ومجاشع وابی الفوارس نهشل	مجاشع، ابو الفوارس، اور نہشل کے گھرانوں سے بھی بلند ہے
یلقی العفاة ببسط وجه مشرق	وہ سائلوں سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملتا ہے
تجلو طلاقته هموم المجتلی	اور اس کی خوش بیانی سے حزن زدہ کا غم دور ہو جاتا ہے
فلآملی حدواه حول فنائه	اس کے صحن کے اطراف میں بخشش کے امیدوار اس طرح رہتے ہیں
لغط القطا الاسراب حول المنهل	جس طرح پانی کے گرد طایر قطا کے جھنڈ شور کرتے ہیں
واذا انتحی بالعدل فصل قضیة	جب ممدوح عدل کے ساتھ فصل مقدمہ کا ارادہ کرتا ہے
لم یخط فصلا من ابانة مفصل	تو اپنی اصابت کی وجہ سے فیصلے میں غلطی نہیں کرتا
یقضی علی سخب الخصوم وشغبهم	وہ خصوم کے شور و شغب کے باوجود فیصلہ کرتا
ویقیم منهم مقام المؤیل	اور باللداد خصوم کو فہم کی جگہ میں استادہ کرتا ہے
ویلقن الحجج الغبی مخرجا	وہ غبی کو حجتوں کی تلقین کرتا ہے

من رامح عند الحجاج وا عزل — تاکہ جرح کرنے والوں سے جرح کے وقت وہ محفوظ رہے
فاذا قضیٰ صدر المحق بحقہ — جب وہ فیصلہ صادر کرتا ہے تو حقدار اپنا حق پا لیتا ہے
عنہ وعاق عقابہ بالمبطل — لیکن ناحق کی سزا کو وہ روک لیتا ہے
نجعل علیٰ من یستحق مثوبتہ — وہ مستحق جزا کو جزا دینے میں جلدی کرتا ہے
فاذا استحق عقوبۃ لم یعجل — مگر مستحق سزا کو سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا
یا کافی الاسلام کل عظیمۃ — اے ممدوح تو اسلام کی ہر بڑی چیز کے لئے کافی ہے۔
ومعیدہ غضاً کأن لم یذبل — اور اس چیز کی تر و تازگی کو بغیر پژمردہ کئے واپس لا سکتا ہے

ایک اور مطول قصیدہ وزیر موصوف کی شان میں لکھا تھا جس کے چند اشعار یہ ہیں، میں نے ابو العباس کے قصائد میں صرف ان قصیدوں کو چنا ہے جو وزیر ابن الحکیم کی شان میں ہیں وہ وزیر موصوف کی جو ادیب بلیغ، یکتائے روزگار، اور کلام کا ناقد ہے مدح کرتے ہیں اسلئے کلام میں حسن و خوبی کا ہونا لازم ہے اور فکر و طبع کو ایسے ممدوح کی شان میں کسی عذر کی گنجایش نہیں رہتی ہے۔

اما الرسوم فلم ترق لما بی — غم کی وجہ سے یہ کھنڈر مجھے پسند نہ آئے
واستعجمت عن أن ترد جوابی — اور وہ بھی میرے سوالات کے جوابات نہ دے سکے
واستبدلت بوحوشہا من — ان کھنڈروں نے ان انسانوں کی بجائے جو گورے نوجوان
انس بیض الوجوہ کواعب اتراب — اور ہم عمر تھے وحشیوں کو بدل کر رکھ لیا ہے
ولقد وقفت بہا رفیق عبرۃ — میں نے ان پر کھڑے ہو کر اس قدر آنسو بہائے
حتی اشتکی طول الوقوف صحابی — کہ میرے تمام ساتھی دیر تک کھڑے رہنے کی شکایت کرنے لگے
یبکی لطول بکای فی عرصاتہا — اور ان کے صحنوں میں میرے زیادہ رونے سے
صحبی ورجعت الحنین رکابی — میرے ساتھی بھی رونے اور میری اونٹنیاں بھی بلبلانے لگیں

ایک قطعہ کے دو شعر یہ ہیں:۔

لو یبق ذو عین لہ یسبہ — تیرے چہرے کی اس زینت نے جو دو لاموں کے درمیان میں ہے
وجہلت من زین ملا مین — ہر ایک صاحب نظر کو گرفتار کر لیا ہے
فلاح بینہما طالعا — یہ چہرہ ان دونوں لاموں (عذار) کے درمیاں اس طرح نمودار ہوا
کأنہ القمر بلا مین — کہ وہ بلا شبہ چاند تھا

دیگر

كأنما الخال مصباح بوجنته
اس کے رخسار پر یہ خال گویا ایک چراغ ہے

هبت عواصف أنفاسي به فطفي
میرے انفاس کی آندھی چل رہی ہے تو اس چراغ کو گھیرے

او نقطة قطرت في الخد اذ رسمت
یا وہ خال ایک نقطہ ہے

خط الجمال بخط اللام والالف
جو خط لا کے ذریعہ خط جمال تحریر کرتے وقت ٹپک گیا ہے

دیگر

وعدتني ان تزوري يا أملي
اے میری امید تم نے مجھ سے ملنے کا وعدہ کیا تھا

فلم ازل للطريق مرتقبا
اس لئے میں برابر راہ دیکھتا رہا

حتى اذا الشمس للغروب دنت
یہاں تک کہ آفتاب غروب ہونے کے قریب آیا

وصيرت من لجينها ذهبا
اور اس نے اپنے لون سیمی کو طلائی بنایا

أنست بالبدر منك حين بدا
تو میں نے تمہاری سمت سے ماہتاب کو نکلتے ہوئے دیکھا

لانه لو ظهرت لاحتجبا
کیونکہ اگر تمہارا ظہور ہوتا تو ماہتاب روپوش ہو جاتا

دیگر

هجركم مالي عليه جلد
تمہاری جدائی پر مجھے صبر نہیں آتا

فاعيدوا الى الرضا أو فعدوا
تم یا میری رضا کا اعادہ کرو یا پھر وعدہ وصل کرو

ما قسا قلبي من هجركم
باوجود طول فراق کے میرے قلب میں

ولقد طال عليه الامد
تمہاری یاد تازہ ہے

وله

ابدى عذاره عذري في الغرام به
تجھ سے جو مجھے محبت تھی اس کے عذر کو تیرے عذار نے ظاہر کرکے

وزادني شغفا فيه الى شغفي
میرے شغف کو اور زیادہ کر دیا

كأنه ظن أني قد نسيت له
گویا تیرا گمان تھا کہ میں تیرے عہد کو بھول گیا ہوں

عهد انعرض لی باللام والالف — اس لئے عذار بشکل لا نمودار ہوا

ایضاً

ویوم کساه الدجن دکن ثیابه — ایک دن جس کو ابر نے سیاہ کپڑے پہنا دیئے تھے

وهبت لنسیم الروض وهو علیل — اور چمن میں بادِ نسیم بیمار ہو کر چل رہی تھی

ولاحت بافلاک الریاض کواکب — اور چمن کے آسمان پر تارے جگمگا رہے تھے

لها بالبدور الطالعات افول — جن کی چمک سے بدر غروب ہو گیا تھا

وجالت جیاد الراح بالراح جولة — اس روز سمند شراب نے کف دست پر جولانیاں شروع کیں

فلم تجل الا والوقار قتیل — اور اس جولانی کے شروع ہوتے ہی وقار قتل ہو گیا

دیگر

عذلونی فیمن احب وقالوا — لوگوں نے محبوب کی محبت میں مجھے ملامت کر کے کہا

دب نمل العذار فی وجنتیه — کہ اس کے دونوں رخساروں پر عذار کی چیونٹیاں نکلتی ہیں

وکذا النمل کلما حل شیأ — اور جب کسی چیز میں چیونٹی گھستی ہے

منع النفس ان تمیل الیه — تو نفس کو اس کی طرف میلان سے روکتی ہے

کنت قبل العذار اعذر فیه — عذار کی نمود سے پہلے میں اس کی محبت میں معذور تھا

ثم من بعده الام علیه — مگر اس نمود کے بعد میری ملامت کی جاتی ہے

انما دب نحو شهد بفیه — اصل یہ ہے کہ عذار کی چیونٹی شہد کے لئے جو محبوب کے دہن میں ہے چلی

فلذاك انتهی الی شفتیه — اور اس کے دونوں ہونٹوں تک جا پہونچی

وفات کتاب عاید الصلة میں ابو العباس کی وفات کا تذکرہ یوں مذکور ہے:- جب حالات میں تغیر رونما ہوا حکومت بدلی، سلطان معزول کیا گیا، اور وزیر بھی بروز عید الفطر ۷۶۰ھ میں قتل کیا گیا اس کا گھر غارت گری کی نذر ہوا، اور اس کی جماعت میں سے مختلف طبقہ کے جتنے اعیان اور عہدہ دار اس کے مکان کے دروازے پر اس وقت موجود تھے گرفتار کئے گئے جن میں ابو العباس بھی تھے تو ان کے ساتھ یہ سلوک کیا گیا کہ انکے کپڑے اتار لئے گئے، غذا پر نگرانی

کی گئی، اور اسلحہ کی چھاؤں میں رکھے گئے، جس سے انھیں ایسی بیماری لاحق ہوئی کہ بہت دن تک اس میں مبتلا رہے، یہاں تک کہ ۲۸ رذی الحجہ ۸۶۰ھ کو ان کا طائر روح قفس عنصری سے پرواز کرگیا، ربض کے گور غریباں میں وادی سے متصل بلند زمین کے مقابل ان کی لاش پیوند خاک کی گئی، اللہ کی ان پر رحمت نازل ہو،

احمد بن علی ملیانی

نام و کنیت احمد ملیانی نام، ابو عبداللہ اور ابو العباس کنیتیں تھیں، مراکش کے رہنے والے تھے۔

حالات احمد ملیانی مغرب کے صاحب علامت اور مشہور کاتب تھے، انتقام لینے میں بیحد سخت، ہمت، عزم، اور تشدد میں ضرب المثل تھے۔

احمد ملیانی کا گھرانہ نہایت ممتاز تھا، ان کی اصالت مشہور تھی، یہ بڑے مرتبہ کے آدمی تھے، وقار، خاموشی، اور انقباض کی عجیب و غریب عادت تھی، طلب سے واقف، خط پاکیزہ اور انشا بلیغ تھی، سخن سنج تھے اور شاعری کی ہر صنف میں طبع آزمائی کرتے تھے۔

بدنامی احمد ملیانی ایک مشہور واقعۂ قتل کے باعث ہوئے تھے جس کی بدولت لوگوں کے خیالات ہمیشہ کے لئے ارباب قلم کی طرف سے خراب ہوگئے آخر میں وہ بہت دشواریوں کے بعد اندلس آئے، کتاب الاکلیل میں ان کا تذکرہ اس طرح کیا گیا ہے:۔

احمد ملیانی معاملات کے قطع و برید میں دلیر اور انشا پردازی میں مشہور تھے، والی مغرب نے انھیں اپنا صاحب علامت مقرر کرکے بزرگی کا تاج ان کے سر پر رکھا انھوں نے اپنے چچا کے قصاص کا مطالبہ مراکش کے تمام شیوخ سے کیا ان کا گمان تھا کہ چچا کا خون انھیں شیوخ کی گردنوں پر ہے، اس لئے انھوں نے

اپنے خیال کو ان کی نصرت و امداد سے ہٹا لیا ان شیوخ کی کوششوں سے انکے چچا گرفتار ہو کر قتل کیے گئے تھے، اس لئے انھوں نے مخفی طور سے ایک خط مراکش روانہ کیا، جس میں بادشاہ کی طرف سے یہ ناطق حکم لکھا کہ "تمام شیوخ کی گردنیں تلوار سے اڑا دی جائیں اور ان کا سارا اسباب ضبط کیا جائے" نامہ بر کو خط دیکر تاکید کی کہ وہ بعجلت تمام مراکش جائے اور انھوں نے کچھ مدت مقرر کر دی، چند دنوں کے بعد جب انھیں علم ہوا کہ نامہ بر مراکش پہونچ گیا اور اس خاص مقصد میں کامیاب بھی ہو گیا ہے تو وہ بھاگ کر تلمسان چلے گئے جو اس وقت محاصرے کی حالت میں تھا، وہ اس شہر کے انصار و مددگار کے پاس پہونچے لوگوں کو ان کے فرار اور شومی طالع پر سخت تعجب ہوا اور انھوں نے طرح طرح کے خیالات ان کے متعلق قائم کئے بالآخر ان کے پاس یہ خبر پہونچی کہ ملیانی کے حیلے سے تمام اکابر شیوخ قتل کئے گئے ہیں اور انھوں نے تمام ملک میں ارباب قلم کو بدنام کر کے زمانے میں اپنی بری یادگار قائم کی ہے، الغرض جب تک تلمسان کا محاصرہ ختم نہیں ہوا وہ یہیں مقیم رہے، پھر وہ اندلس گئے اور وہاں خوش و خرم زندگی بسر کرنے لگے، یہاں تک کہ داعی اجل کو انھوں نے لبیک کہا،

شاعری احمد ملیانی کے اشعار سے ان کی شاعری کی مہارت اور نفاست کا اندازہ ہو سکتا ہے، اشعار یہ ہیں :-

العزما ضربت علیہ قبابی	عزت وہ ہے جس پر میرے قبے قائم کئے گئے ہیں
والفضل ما اشتملت علیہ ثیابی	اور فضیلت وہ ہے جس پر میرے کپڑے مشتمل ہیں
والزھر ما اھداہ غصن یراعتی	پھول وہ ہے جسے میری بلاغت کی شاخ نے ہدیہ پیش کیا ہے
والمسك ما ابداہ نقش کتابی	اور مشک وہ ہے جسے میرے نقش کتاب نے ظاہر کیا ہے
فالجد یمنع أن یزاحم موردی	بخت میرے گھاٹ پر مزاحمت کو
والعزم یأبی ان یضام جنابی	اور عزم میرے آستانہ پر ظلم کئے جانے کو مانع ہے
فاذا بلوت صنیعة جازیتها	جب مجھپر کوئی احسان کیا جاتا ہے تو میں اس کا بدلہ
بجمیل شکری او جزیل ثوابی	شکر جمیل اور ثواب جزیل سے دیتا ہوں
واذا عقدت مودة اجریتها	اور جب میں عقد مودت باندھتا ہوں تو اس طرح جاری کرتا ہوں

مجری طعامی من دمی وشرابی	جس طرح خون غذا بن کر جاری رہتا ہے
واذا طلبت من الفرا قد ان سہا	اور جب میں ستارۂ فرقد اور سہا سے انتقام طلب کرتا ہوں
ثارا فأو شلك ان أنال طلابی	تو قریب قریب میں اپنا مطالبہ حاصل کر لیتا ہوں

وفات روز شنبہ ۹ ربیع الآخر ۶۱۵ھ میں احمد ملیانی نے غرناطہ میں وفات پائی، اور جبانہ باب البیرہ میں دفن کیے گئے، خدا ان کی مغفرت فرمائے۔

احمد بن محمد بن عیسیٰ اموی

نام وکنیت احمد بن محمد نام، ابو جعفر کنیت، اور زیات عرف تھا۔

حالات زیات کا شمار اہل خیر و صلاح میں تھا، لوگ ان کا اتباع کرتے تھے، راہ الٰہی کا ظاہری اور باطنی نور ان پر منکشف تھا، وہ تصنع اور تکلف سے مبرا، دنیا اور دنیا داروں سے مجتنب اور بہت راست باز تھے، ان کی زبان پر ہر وقت ذکر الٰہی جاری رہتا تھا، ہمیشہ لوگوں کو پند و نصایح کرتے تھے، اتباع سنت کے مداوم اور راہ تصوف کے واقف کار تھے وہ لغزش کے مقامات میں ثابت قدم رہتے تھے، باوجودیکہ وہ امی تھے تاہم حکمت و دانش کی باتیں کرتے اور لوگوں سے بنہایت خندہ پیشانی ملتے تھے، انھیں جہاد کا شوق اس قدر تھا کہ اس کے لئے کئی گھوڑے پال رکھے تھے اور شہدا کی جماعت میں داخل ہونے کی انھیں بیحد آرزو تھی، غرض وہ اندلس کے اندر برکات الٰہی میں سے تھے، دنیا میں ایسے لوگوں کا وجود شاذ و نادر ہوتا ہے

وفات ابو جعفر زیات کی وفات بروز پنجشنبہ ۲۲ جمادی الثانیہ ۶۶۵ھ میں غرناطہ میں ہوئی، اس وقت یہ سن کہولت کو پہونچ چکے تھے۔

احمد بن حسن بن علی بن زیات کلاعی

نام کنیت وسکونت احمد بن حسن نام، ابو جعفر کنیت، اور زیات عرف تھا، علاقہ مالقہ میں بلش ایک مقام ہے وہاں کے رہنے والے تھے، خطابت اور تصوف میں انکی کافی شہرت تھی،

حالات کتاب عاید الصلۃ میں لکھا ہے کہ زیات جلالت قدر، کثرت عبادت عظمت وقار، اور حسن خلق سے موصوف تھے، جہاد کی کثرت نے ان کے بازو ڈھیلے کر دئے تھے اجتماع اور موانست کو پسند فرماتے اور سلف صالحین کو شاندار الفاظ میں خوش دلی سے یاد کرتے تھے، ان کی مجلسیں ہر وقت بھری رہتی تھیں اور لوگ ان سے مستفید ہوتے رہتے تھے، مصائب میں ان کا صبر مشہور تھا، ان کی گفتار روشن اور واضح تھی، وہ منبر کے شہسوار تھے اس وصف میں ان کا کوئی مماثل نہیں تھا، وہ اس کی صدارت کے مستحق، اور اس کے تمام شرائط سے متصف تھے، ان کے مقابلہ میں دوسرے لوگ ان اوصاف میں کامل نہ تھے، نہایت خوبصورت، پر عظمت، جہیر الصوت، خوش آواز اور بیباک تھے، انشاپر قدرت حاصل تھی، اکثر علمی ماخذوں میں تفنن کی طرف طبیعت غالب رہتی تھی تجوید قرآن کے رئیس تھے، عربیت، فقہ، لغت، ادب اور عروض میں یکساں دخل تھا، ادب اور عروض میں مباحثہ کی عادت تھی، اور تفسیر کے حافظ تھے۔

ایک دفعہ خطابت کا ذکر چھڑا تو شیخ ابو البرکات بن الحاج نے مجھ سے فرمایا کہ میں نے خطابت کا حق ادا کرنے میں زیات کی مانند کسی کو نہیں دیکھا ہے، وہ مجلسوں میں بسا اوقات نادر سے نادر خطبے دیتے تھے اور جن اغراض اور مطالب کے تحت خطبے ہوتے ان کے حسب حال بیچ میں خاص خاص فقرے ملاتے جاتے تھے اور اپنی مخاطبت، اجازت، اور مراجعت میں ہمیشہ بغیر کسی فکر و تامل کے اشعار نظم کرتے تھے جس کا انھیں ملکہ تھا، اکثر انھوں نے بادشاہوں کی طرف سے معاملات کی اصلاح اور خوشگوار تعلقات پیدا کرنے کے لئے سفارت کے خدمات انجام

دئے لوگ ان کے حقوق کا احترام کرتے اور ان سے دعا و برکت کے خواستگار رہتے تھے،

اساتذہ زیات نے جن لوگوں سے علوم حاصل کئے ہیں ان کی فہرست طویل ہے، چند کے نام یہ ہیں:-

نقیہ حکیم ابو جعفر احمد بن علی مدحجی، یہ حمۃ کے رہنے والے تھے، قرآن اور فرایض میں انھیں کافی دستگاہ تھی اور رشتہ میں زیات کے ماموں تھے قاضی ابو علی حسن بن احوص فہری، ان سے قرارت اور اجازت کے طریقہ پر تعلیم حاصل کی، عارف ربانی ابوالحسن فضل بن فضیلہ ان سے طریقت سلوک، اور ادب کی تعلیم پائی اور ان مسائل میں خط و کتابت بھی باہم ہوئی، ابوالفضل عیاض بن محمد بن عیاض بن موسیٰ ان سے بلش میں بطریقہ قرارت اور اجازت سرمایہ علم حاصل کیا، استاذ ابو جعفر بن زبیر، استاذ ابوالحسن سفاح عبدری، عدل ابوالحسن تجلی، ابو محمد بن ساک، ابو جعفر بن طباع، ابو جعفر بن طنجلی، استاذ نحوی ابوالحسن بن صایغ، کاتب ادیب ابو علی بن زہیق تغلبی، راویۃ ابوالحسن بن مسعود طائی، امام ابوالحسن بن ابی الربیع، استاذ ابو اسحق غافقی میرنی، امام عارف ابو محمد عبدالعظیم بن شیخ بلوی۔

جن لوگوں نے ۱۲۱۶ھ میں امام بلوی سے عام اجازت حاصل کی تھی ان لوگوں سے بھی زیات نے استفادہ کیا، ان کے علاوہ بھی زیات کے اساتذہ ہیں جن کا شمار کرنا مشکل ہے۔

تصانیف زیات کی تصانیف اور تالیفات کثرت سے ہیں بعض کے نام یہ ہیں:-

المقام المخزون فی الکلام الموزون، الشرف الاصفی فی المأرب الاوفی، ان دو کتابوں میں دو ہزار سے زیادہ ابیات ہیں، نظم السلوک فی رسم الملوک، المجتبیٰ النفیر المنتقی الخطیر، العبارۃ الوجیزہ عن الاشارہ، اللطائف الروحانیۃ، العوارف الربانیۃ اس مبنی العلم وراس معنی الحلم، یہ علم الکلام کا مقدمہ ہے، لذات السمع فی القرآت السبع، یہ منظوم ہے، رصف نفائس اللآلی و وصف عرایس المعالی، نحو اعدد

بیان میں ہے، ضابطۃ اللسان، نحو میں ہے، نہجۃ اللافظ و بہجۃ الحافظ، قرۃ عین السائل و بغیۃ نفس الآمل، یہ بحر رجز میں ایک قصیدہ ہے جس میں سیرت نبوی کا مختصر تذکرہ ہے، الوصایا النظامیۃ فی الفواید الثلاثیۃ، کتاب عدۃ الداعی و عمدۃ الواعی، کتاب عوارف الکرم، صلات الاحسان فیما حواہ العین من لطایف خلق الانسان، کتاب جوامع الاشراف والعنایات فی الصوادع والآیات، السفرۃ الوسیلۃ والمنحۃ الجسیمۃ، اس کتاب میں اعتقاد، اصول، فروع، اور تحقیق کے قواعد مذکور ہیں۔ کتاب شروق المفارق فی اختصار کتاب المشارق، تلخیص الدلالۃ فی تلخیص الرسالۃ، شذور الذہب فی صروم الخطب، فائدہ الملتقط و عائدۃ المغتبط، کتاب عدۃ المحق و تحفۃ المستحق،

کلام نثر باوجودیکہ ہر ایک کلام میں الف کا استعمال بہت زیادہ ہوتا ہے مگر زیات نے بغیر الف کے ایک خطبہ تیار کیا تھا، وہ یہ ہے،

حمدت ربی جل من کریم محمود،	میں اپنے پروردگار کی حمد کرتا ہوں جو کریم اور محمود ہے
وشکرتہ عز من عظیم معبود،	اس کا شکر ادا کرتا ہوں جو باعظمت اور معبود ہے
ونزھتہ عن جھل کل ملحد کفور	ہر کافر و ملحد کی جاہلانہ بکواس سے منزہ
وقدستہ عن قول کل مفسد غرور	اور ہر فتنہ پرداز متکبر کی بڑسے دور ہے
کبیر لو تقوم فی فھم لحد،	وہ کبیر و قدیر ہے اگر وہ کسی کی فہم میں سماتا یا تعریف میں متصور ہوتا تو محدود ہو جاتا
قدیر لو تصور فی رسم لحد،	اگر ذکر اس کا تصور یا شمار و تحدید کرنا چاہے تو اسکے لئے محال ہے
لو عدتہ فکرۃ تصور لتصور	اگر اسکی کوئی کیفیت سمجھ میں آجائے
ولو حدتہ فکرۃ لتعذد	تو اس کی قدامت باطل ہو جائے
ولو فھمت لہ کیفیۃ لبطل قدمہ	اگر اس کی کوئی کیفیت معلوم ہو جائے
ولو علمت لہ کیفیۃ لحصل عدمہ	تو اس کا عدم لازم آئے
ولو حصر فی ظرف لقطع بتجسمہ	اگر وہ کسی ظرف میں محصور ہو تو اسکے تجسم کا یقین ہو جائے
ولو قھرہ وصف لصدح بتقسمہ	اگر کوئی وصف اس پر حاوی ہو تو اسکی تقسیم مستلزم ہوگی
ولو فرض لہ شبح لرھقہ کیف	اگر کوئی صورت اس کے لئے فرض کی جائے تو کیفیت اس پر طاری ہوگی
عظیم من غیر ترکیب قطر	وہ بغیر کسی جزو کی ترکیب کے عظیم ہے
علیم من غیر ترتیب فکر	وہ بغیر کسی ترتیب فکر کے علیم ہے

موجود من غير شئ يمسكه	وہ بغیر کسی سہارے کے موجود ہے
معبود من غير وهم يدركه	وہ بغیر کسی وہم و ادراک کے معبود ہے
كريم من غير عوض يلحقه	وہ بغیر کسی عوض کے کریم ہے
حكيم من غير عارض يلحقه	وہ بغیر کسی عارض کے حکیم ہے
قوي من غير سبب يجمعه	وہ بغیر کسی سبب کے قوی ہے
علي من غير سبب يرفعه	وہ بغیر کسی سبب رفعت کے بلند ہے
لو وجد له جنس لعورض في قيوميته	اگر اس کی کوئی جنس پائی جاتی تو اسکی قیومیت میں معارضہ ہوگا
ولو ثبت له حس لنوزع في ديموميته	اور اگر اس کے لئے کوئی حس ثابت ہوتی تو اسکی ہمیشگی میں جھگڑا ہوگا
ومنها تقدس وعز فعله	اس خطبے کا دوسرا ٹکڑا یہ ہے۔
وتنزه وعز اسمه وفضله	خدا کا فعل مقدس و معزز ہے اس کا نام اور فضل پاک اور منزہ ہے
جل قاهر قدرته وعز باهر عزته	اسکی قدرت قاہرہ جلالت سے معمور ہے اسکی عزت باہرہ غالب تر ہے
وعظمت صفته وكثرت منته	اسکی صنعت عظیم ہے، اس کے احسانات کثیر ہیں،
فتق ورتق، وصور وخلق	وہ ہر ایک چیز کا مصلح، مصور اور خالق ہے،
وقطع ووصل، ونصر وخذل	وصل اور فصل نصرت اور خذلان اس کے ہاتھ میں ہے
حمدته حمد من عرف ربه	ہم نے خدا کی حمد اس شخص کی طرح کی ہے جس نے اپنے رب کو پہچانا،
ورهب ذنبه وصفت حقيقة يقينه قلبه	اور اپنی خطا سے خائف ہوا ہے جس کے قلب میں یقین کی حقیقت نے صفائی پیدا کر دی ہے
وذكت ببصيرة دينه لبه	جسکی عقل کو دین کی بصیرت نے تیز کر دیا ہے
ربط سلك سلوكه وشيد	جس نے اپنے سلوک کی ڈور کو مربوط اور استوار رکھا ہے
وهدم صرح عتوه وهد	جس نے اپنی سرکشی کے ایوان کو مسمار کر دیا ہے،
وحرس معقل عقله	جس نے اپنی عقل کی حفاظت کی ہے
وهد وطرد غرور عزته ورذله	جس نے اپنے غرور کو مردود ٹھہرایا ہے،
علم علم تحقيق فنحا نحوه	اور جس نے علم تحقیق حاصل کر کے اسکی طرف قدم اٹھایا ہے،
نقر له عز وجل بثبوت ربوبيته وقدمه	ہم خدائے عز و جل کی ربوبیت کا اقرار کرتے ہیں، اور یہ اعتقاد
ونعتقد صدور كل جوهر وعرض عن جوده وكرمه	رکھتے ہیں کہ ہر ایک جوہر اور عرض اسی کے جود و کرم کا صادر ہوتا ہے
ونشهد بتبليغ محمد صلى به	اور ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کی شہادت دیتے ہیں،

وسلم عليه رسوله وخير خلقه — جو اللہ کے رسول اور خیر البریۃ ہیں

ونعلن بنهوضه في تبيين فرضه وتبليغ شرعه — اور ہم اسکا اعلان کرتے ہیں کہ آپ اپنی شریعت کی تبلیغ اور اپنے فرض کی

ضرب قبة شرعه فنسخت كل شرع — اور شریعت کا ایک ایسا قبہ تعمیر کیا جسکے سامنے تمام شرائع ناپدید ہوگئے

وجدد عزيمته فقمع عدوا خير قمع — آپ نے اپنے عزائم کو تازہ کرکے تمام اعدائے حق کا قلع وقمع کر دیا۔

وقوم كل مقوم بتقويم سنة وكريم هدايه — پھر اپنی سنت قدیمہ و ہدایت کریمہ سے لوگوں کو اچھی طرح ہموار کیا،

وبين لقومه كيف ليركنون — آپ نے اپنی امت کو باوقار بننے کی تعلیم دی،

ففازوا بقصد لا وسديد سعيه — چنانچہ وہ آپ کے مساعی جمیلہ اور میانہ روی سے کامیاب ہوئی۔

بشر مطيعه نظفر برحمته — پھر آپ نے اطاعت گذاروں کو بشارت دی،

وحذر عاصيه نشقي بنقمته — چنانچہ وہ آپ کی رحمت سے کامراں ہوئے، اور نافرمانوں کو ڈر کی باتیں سنائیں پھر بھی وہ اپنی شومی قسمت کے ہاتوں وہ بدبخت ہی رہے۔

وبعد فقد نصحتكم لو كنتم تعقلون، — بعد ازاں معلوم ہونا چاہیئے کہ ہم نے تمھیں نصیحت کی ہے کاش تم عقل و فراست سے کام لو

وهديتكم لو كنتم تعلمون، — ہم نے تمھیں ہدایت دی ہے کاش تم علم و ادراک حاصل کرو

بصرتكم لو كنتم تبصرون، — ہم نے تمھیں بصیرت عطا کی ہے کاش تم غور طلب کیا کرو

وذكرتكم لو كنتم تذكرون، — اور ہم نے تمھیں ذکر سنایا ہے کاش تم ذکر سے فائدہ اٹھاؤ،

ظهرت لكم حقيقة نشركم — نیز ہم نے تمہارے لئے حشر نشر کی حقیقت بیان

وبرزت لكم حقيقة حشركم، — کی ہے،

فكم تركضون في طلق غفلتكم، — اب کب تک تم غفلت کے ہاتھوں روز قیامت

وتغفلون عن يوم بعثكم، — کو فراموش کئے رہو گے۔

والموت عليكم سيف مسلول، — موت کی تلوار تم پر لٹک رہی ہے،

وحكم عزم غير معلول، — اب احکام دوبارہ نہیں آئیں گے،

فكيف بكم يوم يؤخذ كل بذنبه، — تم اس روز کیا کرو گے جبکہ ہر شخص اپنے گناہوں کے سبب گرفتار کیا جائیگا

ويخبر بجميع كسبه — اور تمام اعمال کی اسے خبر سنائی جائے گی۔

ويفرق بينه وبين صحبه، — احباب بھی اس کے پاس سے جدا کر دئے جائیں گے

ويعدم نصرة حزبه — اور اسے کوئی مددگار نہ ملے گا۔

و يشتغل بهمه و كربه	بلکہ وہ اپنے رنج وکرب میں مبتلا رہنے سے دوستوں
عن صديقه و تربه	اور ہم سنوں کو بھی یاد نہ کر سکے گا ،
و تنشر له رقعه	نامۂ اعمال اس کے سامنے کھولا جائے گا
و تعين له بقعة	اور پھر کوئی جگہ اس کے واسطے متعین نہ ہوگی، اسوقت وہ
فربح عبد نظر هو فى مهل لنفسه،	بندہ نفع حاصل کریگا جو غور وفکر سے کام لیکر اپنے نفس پر رعایا ہوگا
و توسل فى رضى عمل	جنت کے عمل کی خوشی میں قبر میں جانے کے لئے نرمی اختیار کی ہوگی
جنة لحلول رمسه	اور جس نے خدا کی مقدس بارگاہ کے وسط میں جگہ پانے کے
و كسر صنم شهوته ليقرفى بحبوحة قدسه	لئے اپنے خواہشات کے بت توڑے ہونگے
و منها فتنبه ويحك	خطبے کا ایک ٹکڑا یہ ہے :- اے بدبخت
من سنتك و نومك،	خواب سے بیدار ہو
و كفكر فيمن هلك من صحبتك وقومك؛	اور دیکھ کہ تیری قوم اور دوستوں میں سے کسقدر آدمی ہلاک ہو چکے ہیں
هتفت بهم من تعلم	جنھیں ایک ہاتف غیبی (ملک الموت) نے پکارا
و شب عليهم منه حرق مظلم	جس کی گرج سے انکے مکانات ویران ہوگئے
فخربت بصيحته ربوعهم	اور جسکی ہولناکیوں سے انکی جماعت کا شیرازہ بکھر گیا،
تفرقت لهوله جموعهم	ان میں جو عزیز تھے وہ ذلیل ہوئے، جو بلند رتبہ تھے
و ذل عزيزهم وخشى رفيعهم،	وہ نامراد ہوئے، جو گوش شنوا رکھتے تھے وہ بہرے ہوگئے،
وصم سميعهم. فخرج كل منهم عن قصره	الغرض ہر ایک اپنے ایوان سے باہر نکل آیا
ورمى غير موسد فى قبره	اور بغیر سہارے کے قبر میں ڈالدیا گیا
فهم بين سعيد فى روضة مقرب	ان میں جو سعید تھے وہ روضۂ رضواں میں داخل ہوگئے
وبين شقى فى حفرة معذب	اور جو شقی تھے وہ عذاب کے غار میں پڑے رہے
فنستوهب منه عزوجل	اب ہم خدائے عزوجل سے اپنی ہر ایک خطا سے عصمت کے خواستگار ہیں
عصمة من كل خطيئة،	اور ایسی خصوصیت کے خواہاں ہیں جو مجھے ہر ایک نفس
وخصوصية تقى من كل نفس جريئة	جری سے بچائے رکھے۔

شاعری وزیر بن ذی الوزارتین بن الحکیم نے زیات سے ناصحانہ اشعار لکھنے کی فرمایش کی تھی جس کے جواب میں انھوں نے ذیل کے اشعار نظم کرکے

وزیر موصوف کے پاس بھیجے تھے ۔

جل اسم مولانا اللطیف الخبیر — خدائے لطیف و خبیر کا نام جلالت والا ہے

وعز فی سلطانه عن نظیر — جو اپنی سلطنت میں بے نظیر ہے

هو الذی اوجد ما فوقها — اسی نے فوق اور تحت کی تمام چیزیں پیدا کی ہیں

وتحتها وهو العلیم الخبیر — اور وہ علیم و خبیر ہے

ثم صلاة الله تتری علی — پھر اللہ کا درود پے در پے

یاقوتة الکون البشیر النذیر — اس بشیر و نذیر پر نازل ہو جو دنیا کے یاقوت تھے

وصحبه والاولی نالوا — اور آپ کے اصحاب اور ان لوگوں پر درود نازل ہو

ما یرجع الطرف عنه حسیر — جن کے اوصاف کے دیدے چشم خیرہ ہے

فانك استدعیت من قاصر — تم نے ایک کم مایہ شخص سے طویل نصیحت کی استدعا کی ہے

نصحا طویلا وهو منه قصیر — جس سے وہ قاصر ہے

ولست أهلا ان أری ناصحا — میں اس کا اہل نہیں ہوں کہ ناصح دیکھا جاؤں

لقلة الصدق وخبث الضمیر — جسکی وجہ صداقت کی کمی اور ضمیر کا خبث ہے

وانما یحسن نصح الوری — بیشک خلق کو وہ شخص اچھی طرح نصیحت کر سکتا ہے

من لیس للشرع علیه نکیر — جس پر شرعاً کوئی الزام نہ ہو

ومستحیل ان یقود امرؤ — محال ہے کہ ایک نابینا اور کمزور شخص

ویراس واهی المبانی ضریر — قیادت اور ریاست کا فرض انجام دے

واعجبا یلتمس الخیر من — تعجب ہے اس شخص سے خیر طلب کیا جاتا ہے

مختل العقل مهین کسیر — جو کمزور شکستہ اور مجوس العقل ہے

لکن اذا لم یکن بد فمن — مگر جب اس نصیحت سے چارہ نہیں ہے

جهد اذی بتبر یسیر — تو ایفاء کے لئے میں ریزۂ زر کی کوشش کرتا ہوں

فألفت ان کنت به قانعا — اگر تم قناعت کر سکو تو میں در منظوم کو پرودوں

درا نظیما یزدری بالنثیر — جو منثور کو معیوب کر دے

لازم ابا بکر علی منهج — اے ابوبکر! اچھے طریقے کو لازم جانو

ذالك تنفز منه بخیر کثیر — جس سے تم خیر کثیر حاصل کرنے میں کامیاب رہو گے

واقنع بما یکفی ودع غیرہ — اور قدر کفایت پر قناعت کرو اور اس سے زیادہ کو چھوڑ دو
فانما الدنیا ھباء نثیر — کیونکہ دنیا غبار پریشان ہے
بنی لا تخدعنك ھذی الدنا — اے پسر! یہ دنیا کہیں تمھیں دھوکا نہ دے
فانھا واللہ شیء حقیر — بخدا دنیا حقیر چیز ہے
این المشیدات اما زلزلت — بلند عمارتیں کیا ہوئیں؟ ان وہ متزلزل ہوگئیں
این أخو الایوان این السدیر — ایوانوں والے کہاں گئے؟ اور قصر نعمان کیا ہوا؟
این انو شروان اضحی کان — نوشیرواں کہاں گیا؟ گویا وہ سب نابود ہوگئے
لم یکن این المعتدی ازدشیر — اور ظالم ازدشیر کیا ہوا؟
ھذا مقال من دعاہ اھتدی — اور یہ وہ مقالہ ہے جس نے اسے محفوظ رکھا ہدایت پائی
وحیط من کل مخیف مبیر — اور ہر ایک خوفناک مہلک چیز سے محفوظ رہا
وصی ابا بکر بہ احمدا — احمد نے ابوبکر کو اس مقالے کی وصیت کی ہے
واحمد فی الوقت شیخ کبیر — اور احمد اس وقت بہت بڈھا ہو چکا ہے
انقرضت أیامہ وانتھی — جس کے دن گزر چکے ہیں اور اس کے رہن کی مدت تمام ہو چکی ہے
رھنا ومن قبل اتاہ النذیر — اور ڈرانے والا اس کے پاس پہلے ہی آچکا ہے
وھا ھو الیوم علی عدۃ — اور ہاں آج بھی وہ شر کے وعدۂ مبرم پر قائم ہے
مبرمۃ للشر ما من عذیر — جس کا اس کے پاس کوئی عذر نہیں ہے

ذیل کے اشعار زیات کے طریقہ اور مسلک کے حسب حال ہیں:-

شھود ذاتك شیء عنك محجوب — تیری ذات کا شہود وہ چیز ہے جو تجھ سے روپوش ہے
ولو کنت تدرکہ لم یبق مطلوب — اگر تو اسے دریافت کرلے تو تیرے لئے کوئی مطلوب باقی نہ رہے گا
علو وسفل ومن ھذا وذا الشمعا — قرب و بعد کی بلندی اور پستی
دور علی نقطہ الاشراف منصوب — ایک دور ہے جو نقطۂ عالی پہ قایم ہے
ومنزل النفس منہ میم مذکرہ
ان صح للغرض الطبی مرغوب
وان تفاوت مساویھا فمنزلھا — اگر نفس کی برائیاں دور ہو جائیں تو اسکی منزل اوج کمال ہے
أوج الکمال وتحت الروح تقلیب — اور اس کے انقلابات روح کے تحت ہوتے رہیں گے

۱؎ اس شعر کے الفاظ مبہم ہیں۔

والروح ان لم تخنه النفس قام له	اگر روح سے نفس خیانت نہ کرے
فی حضرة الملك تخصيص و تقريب	تو روح کے لئے دربار الٰہی میں خصوصیت اور قربت قایم ہوگی

وله

دعنی علی حکم الهوی أتضرع	مجھے محبت کے فیصلے پر چھوڑ دو کہ تضرع کرتا رہوں
فعسی یلین لنا الحبیب و یخشع	شاید کہ میرا محبوب نرم دل ہو کر رام ہو جائے
انی وجدت أخا التضرع فائزا	میں نے تضرع کرنے والے کو اپنی مرادوں میں کامیاب پایا ہے
بمراده و من الدعا ما یسمع	کیونکہ بعض دعائیں مسموع ہوتی ہیں
أهلا و ما شیئ با نفع للفتی	کسی شخص کے لئے تذلل سے زیادہ کوئی چیز نافع نہیں ہے
من ان یذل عسی التذلل ینفع	اس لئے شاید مجھے بھی تذلل نفع بخشے
وامح اسم نفسك طالبا اثباته	تو اپنے نام کی بقا چاہتا ہے تو اسے مٹا دے
واقنع بتفریق لعلك تجمع	اور وصال کی امید میں فراق پر قناعت کر
واخضع فمن داب المحب خضوعه	خشوع اختیار کر یہ محبت کی خصلت ہے
ولربما نال المنی من یخضع	بیشک خشوع کرنے والا اکثر اپنی امیدوں میں کامیاب ہوتا ہے

ایضًا

مالی بباب غیر بابك مقصد	تمہارے آستانے کے سوا میں کہیں کا قصد نہیں کر سکتا
کلا ولا لی عن فنائك مصرف	اور تمہارے صحن کو چھوڑ کر میں کہیں ہرگز نہ جا سکتا
هذا مقامی ما حییت فان أمت	زندگی میں میری جگہ یہی ہے اور مرنے کے بعد
فالذل مأوی والضراعة مألف	ذلت میرا ماوی اور تضرع میری الفت گاہ ہے
غرضی وانت به علیم لمحة	میرا مدعا جسے تم جانتے بھی ہو وہ لمحہ ہے
تکذا لشتیت الشمل وهو مؤلف	جس میں تم مجتمع لوگوں کو منتشر کر دو
وعلیك لیس علی سواك معولی	میرا اعتماد تمہارے سوا کسی پر نہیں ہے
جاروا علی لا أجل ذا او انصفوا	اس بات پر لوگ خواہ مجھ پر ظلم کریں یا انصاف

دیگر قطعہ در تجنیس

یقال خصال اهل العلم الف — کہا جاتا ہے کہ اہل علم کی ہزار خصلتیں ہوتی ہیں
ومن جمع الخصال الالف سادا — جن کا جامع سیادت کر سکتا ہے۔
ویجمعها الصلاح فمن تعدی — اور ان ہزاروں خصلتوں پر صرف صلاح کاری محیط ہے
مذاهبه فقد جمع الفسادا — جس نے جادۂ صلاح سے تجاوز کیا اس نے فساد جمع کیا

دیگر

ان شئت فوزا بمطلوب المرام غدا — اگر تم اپنے مقصد میں کامیابی چاہتے ہو۔
فاسلك من العمل المرضی منهاجا — تو پسندیدہ عمل کو اپنا مسلک بناؤ
واغلب هوی النفس لا یغررك خادعها — اور خواہش نفسانی کو اس طرح مغلوب کرو کہ وہ تمہیں دھوکہ نہ دے سکے
فكل شئ یحط القدر منهاجا — کیونکہ ہر چیز مسلک کے لحاظ سے مرتبہ کو گھٹا سکتی ہے

ورود غرناطہ زیات پیرانہ سالی کے باوجود متعدد اسباب کی بنا پر کئی مرتبہ غرناطہ آئے جس کا شمار نہیں ہوسکتا، علم کی تحصیل، اس کی روایت، عوام کی ضرورت، سلطان کی طلب، اور سفارت کی خدمت، یہی اسباب تھے جو غرناطہ میں آپ کی آمد کے داعی ہوئے،

جب کبھی بادشاہ یمن و برکت کی خاطر یا تحصیل علم کے لئے آپ کو اپنے پاس بلوا کر مہمان رکھتا تھا تو آپ کے مکان میں لوگوں کے ٹھٹ لگ جاتے تھے۔

سنہ ولادت و سالِ وفات ۶۴۹ھ میں زیات خاص اپنے شہر بلش میں پیدا ہوئے، اور روز چہارشنبہ ۱۷ ر شوال ۷۲۸ھ میں بلش ہی میں وفات پائی۔

زیات کی موت پر مراثی فرد روزگار، عالم صالح شیخ فاضل ابوالحسن بن الجیاب نے زیات کا مرثیہ لکھا تھا جس کا مطلع یہ ہے:۔

علی مثلہ خطابۃ الدھر فاجع	اس جیسے شخص پر زمانے کی خطابت گریاں ہے
تفیض نفوس لا تفیض المدامع	اشک رواں نہیں بلکہ خود آنکھیں بہہ رہی ہیں۔

قاضی شیخ ابوبکر بن شیرین رحمۃ اللہ نے زیات کا ایک مرثیہ لکھا تھا جس کے ابتدائی اشعار یہ ہیں:-

ایساعد رائدہ الامل	کیا امید اس کے طالب کی ساعدت کرے گی
او یسمع سائلہ الطلل	اور کیا کھنڈر اس کے سائل کی سنیں گے
یاصاح فدیتک ما فعلت	اے صاحب تم پر فدا ہو جاؤں تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا گیا
ومن الاحباب و ما فعلوا	تمہارے احباب کون تھے اور کیا ہوئے
فأجاب الدمع منادیہ	آنسوؤں نے منادی کا جواب دیا
اما الاحباب فقد رحلوا	کہ جو احباب تھے وہ کوچ کر گئے۔

علاوہ ازیں شہر بلش کی ایک جماعت نے زیات کا مرثیہ لکھا جس میں شیخ ادیب ابو محمد ابن المرابع بھی شریک تھے ان کا نام عبداللہ کی ردیف میں انشاء اللہ آئیگا، ابن المرابع کے مرثیہ کا مطلع یہ ہے۔

ادعوک ذا اجزع لو انک سامع	تمہیں بے صبر ہو کر پکارتا ہوں کاش تم
ماذا اقول و دمع عینی ھامع	میری اشک ریزی میں باتیں سن لیتے

ابن المرابع نے زیات کی تجہیز و تکفین سے پانچویں روز ایک اور مرثیہ لکھا جس کے ابتدائی دو شعر یہ ہیں:-

عبرۃ تفیض حزنا و ثکلا	حزن و غم سے آنسو جاری ہو گئے ہیں
وشجون تقسم بعضنا وکلا	اور رنج ہر شخص کے لئے عام ہو گیا ہے
لیس الا اصابۃ اضرمتھا	آتش حسرت نے اس مصیبت کو سلگا کر
حسرۃ بعث الاسی لیس الا	مایوسی پیدا کر دی ہے

یہ مرثیہ طویل ہے اور عمدہ ہے)۔

ابراہیم بن محمد بن مفرج بن ہمشک المتام

نام و نسل | ابراہیم بن محمد نام اور ابن ہمشک عرف ہے، نسلاً رومی تھا۔

اولیت

ابن ہمشک کے اجداد میں مفرج یا ہمشک نامی ایک عیسائی تھا جو سرقسطہ میں ملوک ہود کے ایک بادشاہ کے ہاتھ پر اسلام لایا، اور اسی خاندان میں رہنے لگا، چونکہ اس نو مسلم کا ایک کان کٹا ہوا تھا اس لئے جب عیسائی میدان کارزار میں اسے دیکھتے تھے تو فوراً پہچان کر اپنی زبان میں "ہا مشک" کے لفظ سے پکارتے تھے جس کے معنی ہیں "اے گوش بریدہ" ان عیسائیوں کی زبان میں "ہا" کے وہی معنی ہیں جو عربی میں (تنبیہ کے لئے) لفظ "اما" کے ہیں، اور مشک "گوش بریدہ" کو کہتے ہیں۔

شہرت وظہور

جب بنو ہود سرقسطہ سے نکل گئے تو ابن ہمشک کی زندگی پر گمنامی کا پردہ پڑ گیا، مگر یہ فطرتاً نچلا نہیں بیٹھ سکتا تھا اس لئے اس نے شکاری خدمات انجام دینے کے لئے بعض موحدین کی ملازمت اختیار کر لی اور شکاری مقامات میں ان کی رہنمائی کرنے لگا، کچھ دنوں کے بعد وہ حاکم وقت کے پاس قشتالے آیا اور عیسائیوں کے ساتھ رہنے لگا، مگر پھر اپنے قصور پر نادم ہوا اور سفارشیں بہم پہونچا کر متونی امراء کے پاس جو اندلس میں باقی رہ گئے تھے چلا گیا۔

جب یحییٰ ابن غانیہ قرطبہ کا والی مقرر ہوا تو ابن ہمشک اس کا درباری بنا، ۵۳۹ھ میں جو فتنوں کا زمانہ تھا ابن احمر نے قرطبہ کو اپنی بغاوتوں کا آماجگاہ بنایا اور اپنا لقب امیر المومنین رکھا، اس وقت ابن غانیہ نے ابن ہمشک کو اسکی تجربہ کاری، اور عجمی زبان کی واقفیت کی بناپر اپنا معتبر سفیر بنا کر ابن احمر کے پاس بھیجا تاکہ وہ دونوں میں مصالحت پیدا کرادے، اس سفارت میں ابن ہمشک کامیاب ہوا جس کی وجہ سے اس کی قدر و منزلت میں چار چاند لگ گئے، مگر جب اندلس میں باغیوں نے ہر طرف سے سر اوٹھایا اور فتنوں نے بہت زور باندھا تو ابن ہمشک مشرق میں امیر ابن عیاض کے پاس چلا گیا، یہاں اس نے حصن شقوبش میں خاص امتیازات حاصل کئے اور مدینہ شقورہ پر غلبہ کے ساتھ اپنا اقتدار جمایا چونکہ اس شہر کو خاص اہمیت حاصل تھی، اس لئے ابن ہمشک طاقتور ہو گیا، اسلئے امیر شرق محمد بن مردنیش سے مساویانہ تعلقات پیدا کئے اور اپنی دختر کو اس کے عقد مناکحت میں دیا جس سے وہ امارت و ریاست دونوں سے ہمکنار ہو گیا اب وہ

اپنے داماد ابن مردنیش کی طرف سے سرکشوں کی سرکوبی میں مصروف ہوا اور اس میں بالکل تیغ بے نیام ہوگیا، نیز افواج کی کمان ہاتھ میں لے کر چند ممالک فتح کئے، مگر زیادہ دن نہ گزرنے پائے تھے کہ خسر اور داماد کے تعلقات خراب ہوگئے، اور باہم دونوں میں خوب ہنگامے ہوئے، ان ہنگاموں میں ابن ہمشک نے اپنا ملک کھو دیا زوال حکومت کے بعد اس کا شمار اندلس کے پرشوکت مگر چیرہ دست اور سفاک باغیوں میں ہونے لگا۔

"ولدار الاخرۃ خیر لمن اتقی" ابن صفوان کا ایک شعر ہے،

ودیار شکوی الزمان تشکی — وہ دیار جو زمانے کی شکایتیں کرتے ہیں

حدثتنا عن عزۃ ابن ھمشك — انھیں نے ہمیں ابن ہمشک کی عزت کی باتیں سنائیں

ذاتی خصائص

محمد بن ایوب بن غالب المدعو بہ ابن حامۃ ابو اسحٰق رئیس کہتے ہیں کہ ابن ہمشک شجاعت، ریاست، جرارت، بہادری، اقدام، احتیاط، اصابت رائے، فنون جنگ سے واقف تھا، اور خودداری سطوت، اور پیش قدمی میں نہایت شہرت رکھتا تھا، اور جو ارادے دل میں پیدا ہوتے تھے وہ کرگزرتا تھا۔

بعض مورخین جو ابن ہمشک سے واقف تھے کہتے ہیں کہ وہ اگرچہ شہسواروں کا سپہ سالار تھا مگر فتنہ وفساد کو دوست رکھتا تھا، کبھی وہ کسی دیندار کی صحبت میں نہیں بیٹھا، اور نہ اس کے ساتھیوں میں کوئی شخص متقی اور پارسا تھا، وہ منجانب اللہ مخلوقات پر مسلط کیا گیا تھا اور اللہ نے اس کی رسی ڈھیلی کردی تھی اس لئے اس نے ہمسایہ ملکوں کو بیحد نقصان پہونچایا، اور بندگان خدا کو تباہ و برباد کیا،

سیرت

ابن ہمشک نہایت جابر، قسی القلب، تندخو، تندمزاج، سخت گیر، اور جری تھا، لوگوں کے ساتھ بیہودہ حرکات کرتا تھا، اس کی بیہودگی کا یہ عالم تھا کہ لوگوں کو بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونکدیتا، بلند مقامات اور اونچے برجوں سے ڈھکیل دیتا، ان کی پشتوں سے پٹھوں اور نسوں کو اس طرح نکلواتا تھا جسطرح کمانوں سے رودے علیحدہ کئے جاتے

ہیں اور درخت کی ان ڈالیوں کو جو ایک دوسرے سے پیوستہ نہ ہوسکتی تھیں باہم
ملاتا اور انکے بیچ میں آدمیوں کو باندھ دیتا تھا اس طرح ہر ایک شاخ انسانی اعضا کا
ایک ایک حصہ لیکر اپنی اپنی جگہ پہونچ جاتی تھی ۔

ایک روز کسی صالح نے ابن ہمشک کو خواب میں دیکھا اس سے پوچھا کہ خدا
نے تیرے ساتھ کیا سلوک کیا اس نے یہ اشعار پڑھے

من سرہ العبث فی الدنیا بخلقہ من — جسے دنیا میں اس ذات کی مخلوق کو بگاڑنا پسند آتا ہے
یصور الخلق فی الارحام کیف یشا — جس نے مخلوق کو رحموں میں حسب مشیت صورتیں بخشی ہیں
فلیصبر الیوم صبری تحت بطشتہ — تو اسے ایک دن اس کی گرفت میں اس طرح صبر کرنا ہوگا
مغللا امتطی جمر الغضا فرشا — جسطرح میں پابزنجیر ہیزم جھاؤ کے انگاروں پر صبر کرکے چلتا ہوں

شجاعت

کہتے ہیں کہ ایک روز ابن ہمشک شکار کے لئے گیا سوچیدہ شہسوار
ہمرکاب تھے، مغنی اور ارباب نشاط کا ایک گروہ بھی ساتھ تھا،
دفعۃً سب کے سب دشمنوں کے سواروں کو دیکھ کر دہشت زدہ ہوگئے، انکی تعداد
دو چند تھی وہ حملہ کے لئے بڑھتے چلے آرہے تھے، لوگوں نے کہا کہ دشمنوں کے
دو سو شہسوار ہیں، ابن ہمشک نے کہا اگر تم سب سو دشمنوں کا مقابلہ کرو اور میں تنہا
ایک سو کا مقابلہ کروں تو ہماری تعداد بھی ان کے برابر ہو جائیگی، اس موقع پر ابن ہمشک
نے اپنے آپ کو سو سواروں کے برابر شمار کیا، پھر اس نے شراب کا ایک پیالہ طلب
کیا اور مغنی سے کہا کچھ اشعار پڑھو مغنی نے وہی اشعار پڑھے جو ابن ہمشک کو زیادہ مرغوب تھے،

یتلقی الندا بوجہ حیاء — وہ مجلس میں شرگیں ہو کر ملتا ہے
وصدور القنا بوجہ وقاح — مگر اس کے نیزوں کے سرے کھلے ہوتے ہیں
ہکذا تکون المعالی — اں یوں ہی بلندیاں حاصل ہوتی ہیں
طرق الجد غیر طرق المزاح — متانت اور مزاح کے طریقے جدا جدا ہیں

جب مغنی اشعار پڑھ چکا تو ابن ہمشک دشمنوں کی طرف بڑھا اور ساتھیوں کو لیکر دفعۃً
ان پر حملہ آور ہوا غنیم نے شکست پائی اور اس کے اکثر آدمی کام آئے ابن ہمشک
مظفر و منصور مال غنیمت لے کر اپنے شہر واپس آیا، کچھ دنوں کے بعد پھر وہ اسی
مقام پر شکار کے لئے گیا اور اپنے ایک باز کو چکور پر چھوڑ دیا، باز نے چکور کا

شکار کیا، ابن ہمشک نے اسے ذبح کرنا چاہا مگر چھری نہیں ملی، وہ اسے تلاش کر رہا تھا کہ اتفاقاً اسکی نظر نیزہ کے ایک پھل پر جا پڑی جو پچھلی جنگ کے غنائم میں سے تھا اس نے نیزہ کا پھل مٹی سے نکالا اور اس سے چکور کو ذبح کیا، پھر اوسی مقام پر فروکش ہوا اور شراب طلب کی اور مغنی سے کہا کہ کچھ گائے اس نے ابوالطیب کے یہ اشعار سنائے۔

تذکرت مابین العذیب و بارق	میں نے عذیب اور بارق کے درمیان
مجر عوالینا و مجرا لسوابق	اپنے نیزوں کی زد اور گھوڑوں کی دوڑ کو یاد کیا
وصحبة قوم یذبحون قنیصهم	اور ان لوگوں کی صحبت کو یاد کیا جو اپنے شکار کو
بفضلة ما قد کسروا فی المفارق	سروں پر ٹوٹی ہوئی تلواروں سے ذبح کرتے تھے

بعض لوگ یہ قصے بنی مردنیش کے کسی امیر کے متعلق روایت کرتے ہیں، بہر حال یہ واقعات دلچسپ ہیں۔

ورود غرناطہ کہتے ہیں کہ جمادی الاول ۵۵۷ھ میں ابن ہمشک نے اپنی جماعت کو لیکر غرناطہ پر چڑھائی کی اور بعض جماعتوں سے چھیڑ چھاڑ شروع کی اس وقت موحدین میں باہمی اختلافات رونما تھے، اور غرناطہ کے والی سید ابوسعید عدوہ گئے ہوئے تھے، ابن ہمشک اس موقع سے فائدہ اٹھا کر ایک روز رات کو شہر میں داخل ہوگیا، موحدین قلعہ بند ہو گئے اور جنگ کا کوئی دقیقہ پناہ گزینوں کے لئے اٹھا نہ رکھا، مجانیق نصب کئے اور جس کسی پر قابو چلا اسے مجانیق پر رکھ کر اچھالا، اور لوگوں کو انواع و اقسام کے مصائب سے قتل کیا، جب ان واقعات کی اطلاع سید ابوسعید کو ملی وہ فی الفور دریا عبور کرکے غرناطہ کی طرف روانہ ہوئے، سید ابو محمد اور ابو حفص بھی اندلس اور موحدین کی تمام فوجوں کو لیکر سید ابوسعید کے پاس آ گئے ان تمام فوجوں نے غرناطہ سے باہر پڑاؤ ڈالا، ابن ہمشک شہر سے نکلکر کھلے میدان میں آیا اور دونوں فریق غرناطہ سے باہر رقاد کی چراگاہ میں صف آرا ہو گئے۔ اور باہم جنگ شروع ہوئی اس لڑائی میں موحدین کی فوج کو شکست ہوئی، بھاگنے والوں کے لئے کھیتوں کے حدود اور پانی کے نالے چراگاہ میں سدراہ ہوئے، جسکی وجہ سے غنیم نے بے شمار موحدین کو

قتل کیا اور اس جنگ میں سید ابو محمد مارے گئے، اور سید ابو سعید مالقہ چلے گئے، اور ابن ہمشک شہر غرناطہ میں واپس آیا اور اسیروں کے کان ناک کٹوا کر مثلہ بنایا اس وقت اس منظر کو تمام محصورین اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔

جب یہ خبریں خلیفہ کو مراکش میں پہونچیں جو ایک مقام سلا میں موجود تھا اس نے اسی وقت یہاں سے کوچ کا حکم دیا اور ایک لشکر تیار کرکے اپنے فرزند سید ابو یعقوب اور شیخ ابو یوسف بن سلیمان کو جو زعیم وقت اور مدبر تھے ساتھ لیکر سمندر عبور کیا، اور مالقہ جاکر سید ابو سعید سے ملا، یہاں ہر طرف سے مختلف جماعتیں مجاہدین اور رضا کاروں کے گروہ در گروہ خلیفہ کے پاس پے در پے جمع ہوئے، یہ تمام لشکر دلق کی طرف جو غرناطہ کا ایک قریہ تھا بڑھتا ہوا چلا گیا، اس معرکہ میں ابن ہمشک کو پے در پے شکستیں ہوئیں، اور اس کے ساتھ کے عیسائی اور دوسرے لشکروں کو بھی کافی ہزیمت ہوئی، جسکا ذکر انشاء اللہ تعالیٰ حرف میم میں بسلسلہ موحدین مردنیش کے نام میں آئے گا،

زوال کا سبب کہتے ہیں کہ ابن ہمشک اور (ابو محمد ابن سعد) ابن مردنیش سے تعلقات کی خرابی کا باعث خود ابن ہمشک کی دختر تھی جو امیر ابو محمد بن سعد بن مردنیش کو بیاہی گئی تھی،

جب ابن مردنیش نے اپنی بیوی کو طلاق دی تو وہ اپنے فرزند کو ابن مردنیش کے حوالہ کرکے جو اسی کے صلب سے تھا اپنے باپ کے پاس چلی گئی اور اسی کے سایۂ عافیت میں رہنے لگی۔

ایک روز ابن ہمشک کی دختر سے کسی نے پوچھا کہ وہ اپنے فرزند کو چھوڑ کر کیونکر رہنا گوارا کرتی اور کس طرح صبر و شکیب کی زندگی بسر کرتی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ "بچۂ سگ بد ذات" مجھے ایسے بچہ کی ضرورت نہیں ہے، اس کی یہ بات خواتین اندلس میں ضرب المثل کے طور پر پھیل گئی جس کے باعث ابن مردنیش اور ابن ہمشک میں فتنہ و فساد کا بازار اور گرم ہوگیا، سختیاں بڑھ گئیں اور دونوں فریق کے آدمی اس قدر ہلاک ہوئے کہ جن کا شمار اللہ ہی جانتا ہے کہا جاتا ہے کہ ابن ہمشک کے ملک کی تباہی کا اہم سبب یہ واقعہ بھی تھا۔

موحدین کی حمایت

جب ابن سعد (ابن مردنیش) نے اپنی توجہ ابن ہمشک کے ملک کی طرف مبذول کی اور اس کے اکثر حصوں پر قابض ہوگیا، تو ابن ہمشک نے موحدین سے امان مانگی اور پناہ لیکر ان کی خدمت کرنے لگا، پھر وہ سمندر عبور کرکے ۵۶۵ھ میں خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا خلیفہ اس کے ساتھ نہایت اعزاز و تکریم سے پیش آیا، اور ۵۶۸ھ کے اوائل تک اپنے علاقوں میں رہنے کی اسے اجازت دی مگر آخر میں اس سے کہا کہ وہ اپنے اہل و عیال کو لیکر عدوۃ واپس جائے وہ اس حکم کو بجالایا اور مکناستہ میں سکونت پذیر ہوا خلیفہ نے اس کے لئے بیش قیمت جاگیریں عطا کیں اور ہمیشہ اس پر عنایت کی نظر رکھی، یہاں تک ابن ہمشک نے داعی اجل کو لبیک کہا،

وفات

کہتے ہیں کہ ابن ہمشک مکناستہ میں زیادہ دنوں تک نہیں رہنے پایا تھا کہ خدا نے اسے فالج میں مبتلا کیا، جس کی عجیب و غریب اور نہایت بدتر کیفیت تھی، انجام کار وہ اسی مرض میں ہلاک ہوا، مرض کی کیفیت یہ تھی کہ جب وہ گرم حمام میں جاتا تھا تو اسکی گرمی سے چیخ کر باہر نکل آتا تھا اور جب باہر آتا تھا تو سردی اسے بیتاب کرتی تھی اسی حالت میں اس نے اپنی جان دی۔

ابراہیم بن امیر المسلمین ابوالحسن بن امیر المسلمین ابوسعید عثمان بن امیر المسلمین ابو یوسف یعقوب بن عبد الحق

نام اور کنیت

ابراہیم نام اور ابوسالم کنیت ہے۔

اولیت

جس طرح آفتاب اپنی صورت اور منزل میں نمایاں ہے اسی طرح ابوسالم کا خاندان شہرت اور عظمت میں نمایاں تھا خود وہ شاہ اعظم بلکہ ملک کہنم تھا۔

مغرب اقصیٰ میں بنومرین امیروں کا ایک خاندان آباد تھا، جس سے ابوسالم

ہے، اس خاندان میں کئی اسلامی بادشاہ گزرے جو مذہب کے حامی، بذل ونوال کے بادل، جنگل کے شیر، مظلوموں کے فریاد رس اور کافروں کے لئے تیر تھے،

ابو سالم کا باپ سلطان ابوالحسن شاہان اکابر میں سے تھا اس کی شہرت دور دور تک تھی، وہ بلند ہمت اور بلند ارادہ تھا، سنت کا اتباع کرنا، شاہی مراسم کا برقرار رکھنا، مصیبت میں صبر کرنا اور ہمت میں استوار رہنا اس کا شیوہ تھا۔

ابو سالم کا بھائی ابو عنان فارس بھی جلیل القدر بادشاہ اور امیر المسلمین تھا، وہ حسب کا خلاصہ، علم کا پرچم، معدن کا لولو، قصیدے کا مطلع، اور سعادت کا بدر تھا، تبحر علمی اور بصیرت عملی میں یگانہ، سخاوت، شجاعت اور فصاحت میں بے عدیل تھا، اس کا شمار خرق الہی میں سے تھا، اس کی ستایش سے زبان قاصر اور عبارت کا دامن تنگ ہے، خدا اس خاندان کا سایہ دنیائے اسلام پر قائم رکھے، اس کے ہالے کو دو جہاں کے ماہتاب سے زینت بخشے، اور اس میں سے جس کا انتخاب فرمائے اس کا بول بالا رہے،

حالات

ابو سالم ایک خوش ہیئت نوجوان تھا، اس کے چہرے پر شگفتگی تھی، حیا و وقار، خاموشی اور کم سخنی کے اوصاف سے متصف تھا۔ گندم گوں، پر حشمت، خلیق، اور صاحب فضل تھا۔

ابو سالم کو اس کے باپ نے القاب اور امارت کا رتبہ عطا کرکے سجلماسہ کا حاکم بنایا تھا یہ مقام بنو مرین کا ایک علاقہ تھا، اس نے تھوڑے ہی دنوں میں اپنے آپ کو موجودہ رتبے سے برتر ثابت کیا

جب ابو سالم کے باپ کا انتقال ہوگیا تو ایک ایسے شخص کی ضرورت لاحق ہوئی جو ملک کی شیرازہ بندی کرسکے، اور اپنی قوتوں کو ایک مرکز پر فراہم کرکے خونریزی کا سدباب کردے، چنانچہ ابو سالم کا بھائی، سلطان ابو عنان فارس جو اپنے باپ کا وارث اور ذاتی و اکتسابی حیثیت سے حکومت کا مستحق تھا تاج و تخت کا وارث قرار پایا، اس نے اپنے آپکو نفسانی خواہشوں سے محفوظ رکھ کر نیکی، شفقت، اور تقویٰ پر عمل کیا، مگر اس نے ابو سالم اور اس کے بھائی ابوالفضل محمد کو (جس کا ذکر انشاء اللہ اپنے موقع پر آئیگا) اندلس کی طرف جلاوطن کردیا، اسی زمانے میں

سلطان اندلس کی طرف سے سفیر بنا کر یہاں بھیجا گیا تھا، میں بھی سلطان ابو عنان کے دریائے جو دسے نکل کر دوسرے روز شہر سلا میں ابو سالم کا رفیق بن کر دریائی سفر میں ہمرکاب ہوگیا سلطان ابو عنان نے میرے حال پر جتنی عنایتیں کی تھیں ان کی توصیف اور ستایش سے میری زبان قاصر ہے۔

ابو سالم بلاد اندلس کے ایک مقام جرلبہ میں اترا اور وہاں سے غرناطہ کی طرف روانہ ہوا۔

ورود غرناطہ

۲۰/ جمادی الاوّل ۷۶۰ھ میں ابو سالم اور ابو الفضل غرناطہ میں وارد ہوئے سلطان غرناطہ نے اعزاز و اکرام کے ساتھ ان کا استقبال کیا، یہ دونوں سواری سے اتر کر پیادہ خدمت سلطانی میں حاضر ہوئے، سلطان ان سے ہم کلام ہوا، ان کی مہماں نوازی کے حقوق ادا کیے، بڑی خاطر مدارات سے رکھا، خاص مکانوں میں اتارا، ان کی دلجوئی کی، اور ہر وقت اپنی توجہ ان کے حال پر مبذول رکھی۔ مگر کچھ دنوں کے بعد ابو الفضل محمد اپنی نفسانی خواہش اور طمع کی وجہ سے ہلاک ہوگیا، اور ابو سالم ابراہیم نظر بند کیا گیا کیونکہ اس نے اپنے بھائی امیر المسلمین فارس کو خوش کرنے کے لئے اواخر ذی الحجہ ۷۵۹ھ میں کوشش کی تھی مگر جب ابو عنان فارس کے وزیر باتدبیر نے اس کے فرزند ابوبکر سعید کو تخت نشین کیا تو ابو سالم اپنی عافیت گاہ کی طرف جانے کے لئے آمادہ ہوا، اسی اثناء میں وطن کے لوگوں نے اسے مدعو کیا اور طمع نے بھی اسے بے چین کر دیا، جس کی اطلاع اندلس کے سلطان کو پہونچی تو وہ اسی سال جمادی الاول کی آخری تاریخوں میں اپنی جان خطرے میں ڈال کر بعض دریائی راستوں سے غرناطہ چھوڑ کر نکل گیا، اور دشمن کی سرحد میں جو غرناطہ سے ملی ہوئی تھی پہونچ کر قشتالہ کے بادشاہ سے ملا، جو اندنوں اشبیلیہ میں مقیم تھا، اور دھلونہ سے اپنے حریف کی طرف ایک مہم روانہ کرنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔

ابو سالم اس بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی طلبی کے خطوط اس کے سامنے پیش کئے اور اپنے مقصد کے حاصل ہونے سے اس بادشاہ کو جو فوائد ہوسکتے

تھے ظاہر کئے چنانچہ اس نے ابو سالم کی باتوں کو قبول کرکے ایک جنگی بیڑا اس کے ساتھ کردیا، اور اس میں ان لوگوں کو شریک کیا جو ابو سالم کی تحریک میں حصہ لے سکتے تھے جب دریائے مغرب کے تھپیڑوں سے بیڑہ ازمور کے ساحل پر پہونچ گیا تو اس نے اہل مراکش کے ایفائے وعدہ کا انتظار کیا مگر اسے جلد معلوم ہو گیا کہ تمام لوگوں نے منصور بن سلیمان کے ہاتھ پر اس کے دام میں آکر بیعت کرلی ہے، اور وہ بلد جدید پر جو مملکت فاس کا دارالسلطنت تھا قبضہ کرکے اپنی حکومت مستحکم کر چکا ہے، اس خبر سے ابو سالم کی کوششوں پر پانی پھر گیا، اور اس کا سارا منصوبہ غلط ہو گیا، ناچار اس نے بیڑے کو یہاں سے واپس کیا، مگر جب اصیلا کی سرحد میں بلاد غمارہ کے قریب پہونچا تو وہاں کچھ لوگ نظر آئے جو ابو سالم کے پاس حاضر ہوئے اور وفاداری کا عہد کرکے اس کی ڈولی کو اپنے کاندھوں پر اٹھا کر ایک کوہستانی میدان میں لے گئے اور اس کے ہر چہار طرف حلقہ باندھکر کھڑے ہوئے اور اس کی حفاظت کے لئے ایک دوسرے سے منافست کرنے لگے۔

ابو سالم نے اس نئی جماعت کو لےکر اصیلا پر حملہ کیا پھر طنجہ پر حملہ آور ہوا اور یہ دونوں مقام اس کے قبضہ میں آگئے، سبتہ اور جبل الفتح کا بھی یہی حال ہوا، اس کے بعد خاص خاص لوگ اس کے پاس آئے اور محصور وزیر نے بھی اس سے نامہ و پیام شروع کیا۔

چونکہ منصور کے طرفدار سخت رسوا ہوئے تھے اس لئے وہ اس سے روگرداں ہوکر علانیہ ابو سالم کی جماعت میں داخل ہوگئے، اس نے ان کی خطائیں معاف کرکے ان سے بیعت لی، پھر وہ اسی سال بروز پنجشنبہ ۱۵ شعبان کو محصور شہر میں داخل ہوا اور وزیر سے جواب تک محصور رہا تھا، اپنی تحریک دعوت میں حصہ لینے کے لئے گفت و شنید کی۔

الحاصل اللہ تعالے نے ابو سالم کو اس کا ملک واپس کردیا، اس کی حکومت کے حدود مقرر ہوگئے، اور حق بحقدار رسید کی مثل صادق آئی اس کے بعد اس نے اپنے باپ کا عہد تازہ کرکے تمام لوگوں کو اپنی اطاعت کی طرف مائل کیا۔

کچھ دنوں کے بعد ابو سالم کے عجیب و غریب اور متضاد حالات نمایاں ہوئے

مثلاً اس نے اپنے ایک فرزند کو اس کام پر مامور کیا کہ اس کے باپ کی جس قدر نسل موجود ہے اس کا وہ قلع وقمع کردے، چنانچہ اس نے نوجوان اور خوبصورت لڑکوں کو جو بالغ یا بلوغ کے قریب تھے اور جن کی تعداد تقریباً بیس تھی جمع کیا اور بغیر کسی شک وشبہ کے جس سے خون مباح ہوتا ہے انھیں قتل کردیا، اس خونریزی کے بعد ابوسالم نے خیال کیا کہ فضا بالکل صاف ہوگئی ہے، اس لئے وہ عیش وعشرت کرنے لگا، حاجیوں اور دربانوں کی باتیں سننے لگا گویا اس نے اپنی حکومت میں اکثر لوگوں کو شریک کرلیا، جسکی وجہ سے رعایا کے مال لٹنے لگے، ملک کی مالگزاری کم ہوتی گئی، مظالم بڑھتے گئے، لوگ عطیات سے محروم کئے جانے لگے، طرح طرح کی جھوٹی افواہیں مشہور ہونے لگیں، راستوں پر ڈاکے پڑنے لگے، انجام کار اس کا جو حشر ہوا وہ عام طور سے مشہور ہے۔

اوائل رجب ۷۶۱ھ میں ابوسالم نے تلمسان پر چڑھائی کرنے کے لئے اطراف ملک سے لوگوں کو مدعو کیا اور ایک لشکر گراں لیکر آگے بڑھا، اس کی اولوالعزمی دیکھ کر تلمسان کا سلطان مقابلہ کی تاب نہ لاسکا اور راہ گریز اختیار کی، ابوسالم نے یہ شہر فتح کرلیا مگر اس کے بعد اپنا رعب قایم نہ رکھ سکا اس لئے یہاں ضلالت اور گمراہی کا بازار گرم ہوگیا، اسی زمانے میں ہم چند لوگ ابوسالم کی مملکت میں داخل ہونے کے آرزومند تھے اور بہ ہزار وقت سلا میں جو ساحلی مقام تھا پہونچے، اور جس روز تلمسان فتح ہوا اس روز میں ابوسالم کے باپ کی تربت پر مقیم ہوا، اور یہاں میرے آنے کی غرض یہ تھی کہ کسی توسل سے ابوسالم کی خدمت میں فتح کی تہنیت پیش کرکے اپنی اندلس والی املاک واگذاشت کراؤں، چنانچہ میں نے ابوسالم کو اس طرح مخاطب کیا:-

"اے آقا! تو سلطنتوں کا فاتح، زمانے کی منفعت عطیات الٰہی کی نشانی اور ان لوگوں کا امام ہے جو دست وچشم کے مالک ہیں"۔

وفات ۲۰/ ذیقعدہ ۷۶۲ھ کو بلد جدید میں جو فاس کا پایہ تخت اور دارالحکومت تھا عمر بن عبداللہ بن علی نامی ایک خائن غدار، نا ہنجار، بد طینت، اور ملعون شخص نے ابوسالم پر حملہ کیا، وہ اس روز قصر سلطانی میں جو بلد قدیم

ہیں واقع تھا آسمانی نحوست کے خیال سے منتقل ہو کر چلا گیا تھا اس خائن شخص نے نہایت عمدہ موقع پاکر لوگوں کو ابوسالم کے ایک مجنون بھائی کے ہات پر بیعت کرنے کی دعوت دی ابوسالم متحیر ہوا کہ کیا کرے اور کس طرح کھوئی ہوئی دولت دوبارہ حاصل ہو اس نے شہر کے گرد چلر لگا کر ایک کامیاب حیلے کی کوئی صورت پیدا کرنی چاہی مگر اس میں وہ ناکام رہا یہاں تک کہ اس کے ساتھیوں پر تیروں کا مینہ برسنے لگا، تو فوج اور دوسرے لوگوں نے بھی اس کا ساتھ چھوڑ دیا، قسمت روگرداں ہوگئی، اور زمانے میں رسوائی ہوئی، جب رات نے اپنی تاریک چادر پھیلا دی تو وہ تن تنہا جان بچا کر قصر میں واپس آیا، تمام وزرا بھی اس کے پاس آئے مگر وہ اپنے ہوش و حواس میں نہ تھے اور ان کی رایوں میں اصابت بھی نہیں رہی تھی، اگر وہ چاہتے تو ابوسالم کو لے کر کسی دشوار گزار پہاڑ کی طرف چلے جاتے اس سے ان کی عذر خواہی اور وفاداری کے گیت گائے جاتے، مگر وہ سب الٹے پاؤں واپس ہو کر غداروں کے ساتھ مل گئے، اور ان کے جسم سے حیا اور مردانگی کا لباس اتر گیا، خدا کے حکم سے ان کا انجام بھی برا ہوا۔

ابوسالم مجبور ہو کر بادیہ کی طرف چلا دوسرے روز دن کی روشنی نے اس کا راز فاش کر دیا، سراغ رسانوں نے اس کو گرفتار کر لیا، اور پھر کشاں کشاں قتل گاہ میں لائے اور بیرون شہر اس کا سر تن سے جدا کر دیا، یہ واقعہ غدر کے دوسرے روز پیش آیا۔

خداوند تعالے ابوسالم کو شہادت کا درجہ عطا فرمائے اور اس کو شہادت سے نفع بخشے، وہ حیا، اخلاق، امن پسندی، اور عافیت خواہی میں اپنے گھرانے اور قوم کی آخری یادگار تھا۔

شہر کے باہر جس قلعے میں ابوسالم کی لاش پیوند خاک کیگئی وہاں حاضر ہوکر میں نے اس کی تربت پر ایک قصیدہ پڑھا جس میں اس کے بعض حقوق ظاہر کئے۔

بنی الدنیا بنی لمع السراب	اے دنیا اور چمکدار سراب کی اولاد
لدوا للموت وابنوا للخراب	تم موت کے لئے جنو اور ویرانی کے لئے عمارتیں بناؤ

ابراہیم بن یحییٰ بن عبدالواحد بن ابوحفص عمر بن یحییٰ ہنتانی

نام اور کنیت ابراہیم نام، اور ابواسحٰق کنیت ہے، باپ کا نام ابوزکریا یحییٰ ہے ابواسحٰق تونس اور بلاد افریقیہ کا بادشاہ، اور اس کا باپ افریقیہ کا امیر تھا، ابواسحٰق بلاد افریقیہ میں شاہان با اقتدار کی اصل اور موحدین کی ایک شاخ تھا، اور ابو محمد عبدالمومن بن علی جو ابوالملوک تھا اس کی قومیت کو بلاد افریقیہ میں لانے کا سبب بھی ابواسحٰق ہی ہوا، الغرض ابواسحٰق کی نسل مغرب افریقیہ، اور اندلس میں پھیل گئی تھی جو عام طور سے مشہور ہے، اگر یہ قصہ مشرح و بسط کے ساتھ چھیڑا جائے تو کتاب اصل مقصد سے دور جا پڑیگی۔

جن ملوک کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے ان کا مورث اعلےٰ عمر بن یحییٰ نامی مہدی کے ان دس اصحاب میں سے تھا جنھوں نے مہدی کے ہات پر بیعت کرکے غربت میں اس کا حق رفاقت ادا کیا تھا، عمر بن یحییٰ اور اس کا فرزند ہمیشہ صداقت اور علو مرتبہ میں مشہور رہے۔

جب ناصر ابوعبداللہ بن منصور بن ابو یوسف بن یعقوب بن عبدالمومن بن علی سریر آرا ہوا تو وہ افریقیہ میں آکر مہدیہ میں اترا، اس وقت ابن غانیہ اوباش عربوں کو ساتھ لیکر مقابلہ کو آیا، ناصر نے ابواسحٰق کے دادا شیخ ابو محمد عبدالواحد بن ابوحفص کی سرکردگی میں فوج روانہ کی، شیخ پوری تیاری اور جنگی ساز و سامان کے ساتھ مہدیہ سے روانہ ہوا، دونوں جماعتیں باہم صف آرا ہوئیں، ابن غانیہ سخت مصائب میں گھر گیا اس موقع پر شیخ نے اپنی فوج کو پوری مدد دی جس کے متعلق احمد بن خالد ایک شاعر کہتا ہے،

فتوح بها شدت عری الملك والدين	یہ وہ فتوح ہیں جن سے ملک و مذہب کی ڈوری مستحکم ہوگئی
تراقب منا منكم غير ممنون	اور تمھارا غیر منقطع احسان محفوظ ہوگیا

مہدیہ کی فتح کے بعد ناصر تونس واپس آیا اور ملک میں دورے کرکے ہر جگہ کے فتنہ و فساد کو فرو کرکے مغرب چلا گیا۔

جب شیخ ابو محمد بن ابو حفص کے ذاتی اوصاف مثلاً تیزی، چابکدستی اور مالی احتیاط کے جوہر ناصر پر کھلے تو اس نے شیخ کو ملا وا فریقیہ کا افسر مقرر کر کے ۲۰۳ھ میں تمام امور کی نگرانی اس کے سپرد کر دی۔

۶۰۶ھ میں شیخ کا ابن غانیہ سے دوبارہ مقابلہ ہوا، اس دفعہ بھی غنیم کو شکست ہوئی اور اس کے تمام مورچے شیخ کے قبضے میں آ گئے، اس طرح شیخ کا عروج و اقبال مسلسل ترقی کرتا گیا، ۶۲۹ھ میں جب وہ اپنے خاندان کے لئے جو بنو عبدالمومن ہی کی ایک شاخ تھا دعوت کی تحریک کی اشاعت کر رہا تھا کہ اس کی زندگی کا لبریز جام چھلک گیا۔

شیخ کی وفات کے بعد اس کا بڑا فرزند عبداللہ سلطان مستنصر باللہ بن ناصر کے عہد میں باپ کا جانشین ہوا، یہ بھی بنو عبدالمومن کی نسل سے تھا۔ اور چونکہ حکومت کے اضمحلال کی حالت میں شیخ ابو محمد اور مستنصر کے چچا سید ابوالعلاء کبیر میں یہ معاملہ طے پایا تھا کہ تونس پر سید ابوالعلاء کے نام سے حکومت ہو گی مگر تمام معاملات کی نگرانی خود شیخ کے ہاتھ میں رہے گی اس بنا پر عبداللہ بھی اسی مسلک پر عامل رہا۔

عبداللہ اپنے باپ کے مسلک پر قائم تھا کہ اسی اثنا میں زمام حکومت مامون ابوالعلاء ادریس کے ہاتھ میں چلی گئی، اس نے اپنے بھائی اور چچا کا انتقام لینے کے لئے مراکش کے ارکان دولت کے سر قلم کرا دیئے، اس واقعے کے کچھ دنوں کے بعد اہل اندلس نے اشبیلیہ میں سید ابوالربیع پر حملہ کر دیا، اور شہر کے لوگوں کا ناطقہ بند کر کے ان میں پھوٹ ڈال دی، اور ان کی دعوت کی تحریک کو پراگندہ کر دیا، جس سے ان میں اختلاف اور زیادہ نمایاں ہو گیا، اور ان کے تمام معاملات کی گتھیاں الجھ گئیں، اسی زمانے میں امیر ابوزکریا اندلس سے اپنے بھائی عبداللہ کے پاس افریقیہ پہونچا، اور اس سے مطلق العنان حکومت قائم کرنے کا خواہشمند ہوا، مگر اس نے اتنی سختی سے انکار کیا، کہ ابوزکریا کو جان کے لالے پڑ گئے، وہ بھاگ کر قابس گیا، اور یہاں کے شیوخ کی اور سلفت کو جو بنو کمی کے خاندان سے تھے عوام کے روبرو جمع کیا اور ان کی مرح سرائی اور

تمہید کے بعد موحدین کی مخفی تحریک کے عنوان پر ایک تقریر کی، جس کا یہ اثر ہوا کہ سارے مجمع نے وعدہ کیا کہ جب عبداللہ تونس سے قیروان ہوتا ہوا یہاں آئیگا اس وقت ہم تمھارے مددگار ہونگے، چنانچہ جب عبداللہ قابس گیا تو یہاں کے لوگوں نے اس سے تمام مال و زر کے حوالے کردینے کا مطالبہ کیا، اس نے مال دینے سے تامل کیا تو لوگوں نے اس کے بھائی امیر ابوزکریا کو طلب کیا تاہم عبداللہ کو کسی قسم کی دہشت نہیں ہوئی کیونکہ وہ ایک امن میں جا چھپا تھا، شکریوں نے حملہ کرکے اسے گرفتار کیا اور راستہ مراکش بھیجدیا، اور اس کی جگہ امیر ابوزکریا قایم مقام ہوگیا اس نے تمام لشکر اور خاص لوگوں سے بیعت لی اور استبداد کی حکومت قایم کی پھر وہ تونس گیا اور وہاں کے عام لوگوں سے بیعت لے کر قلعے کے سردار کو قتل کرادیا۔ اور جب یہ خبریں بجایہ کے لوگوں کو پہونچیں تو انھوں نے بھی اپنے والی سید ابوعمران کو گرفتار کرکے قتل کردیا، جس کے بعد سے امیر ابوزکریا کی حکومت کی بنیاد مضبوط ہوگئی، اور سلطنت کے نظم و نسق درست ہوگئے۔

امیر ابوزکریا نہایت دانشمند اور سیاسی آدمی تھا، ادب اور فن طب میں بھی دخل رکھتا تھا، اسکی عقل تیز اور رائے صائب تھی، خوش تدبیر اور بہترین سیاست داں تھا، اسکی فطرت اسی کے لئے موزوں تھی، اس نے مالگزاریاں وصول کیں، ہر قسم کے ساز و سامان فراہم کئے، آدمیوں کو آراستہ کیا، فوج بڑھائی، عربوں کو ہزیمت دی، اور بہت سے ممالک فتح کئے۔

امیر ابوزکریا نے مراکش کے خلیفہ سے جس کا لقب سعید تھا اتنے مراسم پیدا کئے کہ دونوں نے ایک دوسرے سے ملنے کا ارادہ کیا مگر کارکنان قضا و قدر کو یہ منظور نہ تھا، مشہور ہے کہ سعید تلمسان تک پہونچا تھا کہ دفعۃً اس کا طایر روح قفس عنصری سے پرواز کرگیا۔

سعید کی موت کی خبر کے ساتھ ساتھ ابوزکریا کو اپنے فرزند ابویحییٰ ولیعہد کے مرنے کی خبر بجایہ سے پہونچی، جس سے اسکو بیحد رنج اور قلق ہوا، یہاں تک کہ اس پر جزع و فزع کی حالت طاری ہوئی، اس نے بیٹے کا ایک مرثیہ لکھا جس کے چند مشہور شعر یہ ہیں:-

أَلا جازعٌ یبکی لفقدِ حبیبہ	خبردار اے اپنے عزیز کی موت پر رونے والے
فانی لعمری قد أضرّ بی الثکل	میں بھی بیٹے کی موت سے ستم زدہ ہوں
لقد کان لی مال واھل ففقدتھم	بیشک میرے پاس مال اور اہل وعیال سب کچھ تھا
فہا انا لا مال لدیّ و لا أھل	اب میں نے سب کھو کر کچھ باقی نہیں رکھا
سأبکی و ادری حسرۃ لفراقھم	میں اپنے وارث کی جدائی پر حسرت سے اسقدر روؤنگا
بکاء قریح لا یمل و لا یسلو	جیسے ایک زخمی روتا ہے جو نہ تڑپتا اور نہ تسلی پاتا ہے
فابکی لیوم فرق الدھر بیننا	جدائی کے روز پر افسوس کرتا ہوں
أ لا فرج یرجی فینتظم الشمل	مگر امید رکھتا ہوں کہ کشایش کے روز تمام جماعتیں باہم ملینگی
وانی لأرضی بالقضاء وحکمه	میں قضا وقدر کے فیصلے پر راضی ہوں
واعلم ربی انه حاکم عدل	اور جانتا ہوں کہ میرا رب حاکم اور عادل ہے

ابن عذار مراکشی نے "البیان المعرب" میں ان ابیات کی نسبت امیر ابوزکریا کی طرف کی ہے۔

سعید کی موت ۳۰ رصفر روز سہ شنبہ ۶۴۶ھ میں واقع ہوئی، اس کے چار روز کے بعد ابوزکریا اثنائے راہ میں علیل ہوا اور بلد عناب میں جاکر وفات پائی۔

ابوزکریا کے انتقال کے بعد اس کے بیٹے امیر عبداللہ کے ہاتھ پر تونس میں لوگوں نے بیعت کی، جب یہ سریرآرا ہوا تو ملک منظم، لشکر آراستہ، سلطنت پرزور، اور مال وزر وافر تھا، جس سے وہ انتہائی غرور و نخوت، شیخی اور گھمنڈ میں مبتلا ہوگیا، اور اس نے اپنا خطاب امیرالمومنین اور لقب مستنصر باللہ رکھا، ان باتوں سے اعیان دولت کو دشمنی پیدا ہوگئی، اور اس کے چچا ابوعبداللہ بن عبدالواحد معروف بہ لحیانی نے امور سلطنت میں مداخلت شروع کردی اور عام لوگوں سے چھپاکر اپنے گھر پر بیعت لینے لگا، اس کی بھنک مستنصر باللہ کے کانوں میں پڑی اس نے ابن ابوالحسن، ابوجبل ابوالحلات بن مردنیش اور اور ظافر الکبیر کے سے دانشمند اور خاص لوگوں کی رایوں پر عمل کرکے بغاوت کے رونما ہونے سے پہلے اس کے فوری علاج کی طرف توجہ کی، چنانچہ یہ لوگ اس کے چچا کے گھر گئے اور جس قدر لوگ وہاں موجود تھے سب کو

تہ تیغ کردیا جن میں ابو عبداللہ بن عبدالواحد بھی تھا، اس کے بعد سے جھوٹی خبروں اور غلط افواہوں کی اشاعت کا سلسلہ رک گیا، تمام جھگڑے ختم ہوگئے، اور حکومت ایک طور پر چلنے لگی۔

امیر ابو عبداللہ کی سخاوت، جرأت، انہاک، اور شاہان وقت پر تفاخر کرنے کے واقعات بہت مشہور ہیں، اسکی وفات ۱۲۶۴ھ میں واقع ہوئی۔

امیر ابو عبداللہ کے بعد اس کا فرزند ملقب بہ واثق باللہ باپ کا جانشین ہوا اور ابھی اس نے زیادہ دنوں تک حکومت نہیں کی تھی کہ اسے زہر دیدیا گیا جب اوس کے چچا ابو اسحٰق کو (جس کا تذکرہ مقصود ہے) اپنے بھتیجے مستنصر باللہ کی وفات کی خبر پہونچی تو وہ اندلس سے سمندر عبور کرکے تلمسان گیا، اور موحدین سے سازو باز کرلیا ان میں ایک ابو ہلال تھا جس نے بجایا کی حکومت ابو اسحٰق کے حوالہ کردی، پھر اس نے تونس پر چڑھائی کرکے قبضہ کرلیا اور واثق باللہ اس کے بھائی اور بیٹوں کو قتل کردیا، ان مقتولین میں سب سے زیادہ نوخیز فضل نامی ایک بچہ تھا، جب ابو اسحٰق کی مستقل حکومت قایم ہوگئی تو افریقیہ میں گھر گھر اس کی بیعت پھیل گئی۔

ابو اسحٰق کے حالات

ابو اسحٰق خوبصورت، متوسط قامت، گندم گوں، حسین، حلیم، بہادر، شجاع اور چست تھا، اس کے مزاج میں نرمی اور احتیاط نہ تھی، نفسانی خواہشوں میں غرق اور لذتوں میں ڈوبا رہتا تھا تاہم امور سلطنت میں وہ کبھی ناکام نہیں ہوا، بڑھاپے میں اس کو حکومت ملی تھی یعنی جب اس کے سیاہ بالوں میں سفیدی نمودار ہوچکی تھی اس لئے وہ لہو و لعب کا بیحد دلدادہ ہوگیا تھا، ایک دفعہ لوگوں کی نظروں سے گم ہوگیا اور بڑی تلاش و جستجو کے بعد باقلا کے ایک لہلہاتے ہوئے کھیت میں بدمست سوتا ہوا پایا گیا اس کے جسم پر پھول ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے تھے، جب وہ حکومت کے اجلاس پر نہیں آیا تو لوگوں نے خیال کیا کہ ابو اسحٰق کا ایک خاص آدمی ابوالحسن بن سہل اسے معزول کرکے اس کے بیٹے ابو فارس کو جانشین کرنے کے لئے سازشیں کرنا

چاہتا ہے اس کی اطلاع ابواسحٰق کو ہوئی اس نے بروقت سواروں کو تیاری کا حکم دیا، اور خود مستعد ہو کر اپنے بیٹے کو طلب کیا اور ابوالحسن بن سہل کو بھی بلایا تاکہ وہ اپنی موت کا ہر طرف نظارہ کرلے، پھر وہ اسی وقت قتل کیا گیا اور شہر کی گلیوں میں اس کی لاش گشت کرائی گئی اور بیٹے کو سرزنش کرکے بجایہ بھیجدیا اس کے بعد سے حالات میں پہلے کی طرح سکون پیدا ہوگیا۔

ورودِ غرناطہ

کہتے ہیں کہ جب امیر مستنصر باللہ نے اپنے چچا ابو عبداللہ کو قتل کرا دیا تو امیر کا بھائی ابواسحٰق بھاگ کر اندلس آیا اور یہاں کے امیر ابو عبداللہ ابن غالب باللہ ابو عبداللہ بن نصر سے جو اپنے خانوادہ کا دوسرا تاجدار تھا پناہ چاہی، اندلس کے امیر نے اسے خوش آمدید کہا، اور اعزاز کے ساتھ اس پر نظرِ عنایت رکھی، اور بطور مہمان نوازی کے غرناطہ سے باہر ایک عمدہ قصر جو سید کی طرف منسوب تھا، رہنے کو دیا۔

اسی اثناء میں ابواسحٰق نے بلادِ روم کے چند معرکوں میں شریک ہو کر دشمن کے مقابلہ میں اپنی بہادری اور دلیری کے جوہر دکھائے۔

جب ابواسحٰق کو اپنے بھائی کے مرنے کی خبر ملی تو وہ فوراً اندلس سے تلمسان گیا اور موحدین سے سازو باز کرلیا اور بجایہ کے ابو ہلال کی مدد سے جس کا تذکرہ ابھی اوپر گذر چکا ہے، یہاں کی حکومت حاصل کی اور پھر تونس پر جاکر قبضہ کیا، رفتہ رفتہ اپنے بھتیجے واثق کی تمام مملکت پر متصرف ہو کر اس کے خون سے اپنے ہاتھ رنگین کئے اور اس کے ساتھ اوروں کو بھی قتل کرکے گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوا۔

ابواسحٰق کا ادبار اور ہلاکت

کہتے ہیں کہ جب ابواسحٰق کو حکومت ملی تو ایک نوجوان نصیر نامی جو مستنصر باللہ کے خاص آدمیوں میں سے تھا مال و اسباب کے سلسلے میں متہم ثابت ہوا، جب اس کی طلبی ہوئی تو وہ فرصت کا موقع پاکر مغرب بھاگ گیا اور وہاں ریگستان کے عربوں کو بھڑکا کر فساد برپا کرنے میں پوری طاقت صرف کی۔ اور حکومت کو الٹ دینا چاہا، اتفاقاً اس کی راہ درسم بجایہ کے ایک دعویدار حکومت سے پیدا ہوگئی جو ابن

ابی عمارہ کے نام سے مشہور تھا۔

شیخ الحاج ابو عثمان لواتی نے جو ایک سن رسیدہ دولتمند اور ثقہ تھے اور حال تک زندہ تھے مجھ سے فرمایا کہ میں ابن ابی عمارہ کے ساتھ ایک روز تونس کی کسی دوکان میں گیا، اس وقت اس نے اپنے متعلق کچھ پیشینگوئیاں کیں۔ چونکہ ابن ابی عمارہ کی شباہت اس فضل کی سی تھی جسے امیر ابو اسحٰق نے بچوں کے ساتھ قتل کر دیا تھا، اس لئے نصیر اپنی تدبیروں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ابن ابی عمارہ کو دیکھ کر رونے لگا اور کہنے لگا کہ تو ہمارے آقا کا ہم شکل ہے، نصیر نے حکومت کی طمع دیکر اسے اس بات کی ترغیب دی کہ عالم غیب میں جو چیز مستور تھی اب اس کو قضاء و قدر نے ظاہر کر دیا ہے، یہ فقرہ کس کر اس نے ابن ابی عمارہ کو شیشے میں اتار لیا، اور اس کو شاہانہ آداب و القاب سکھاکر، لوگوں کے نام، عادات وخصائل اور قصروں کے اوصاف کی تلقین کی اور وہ علامتیں بتا دیں جنھیں مستنصر امرائے عرب کے ساتھ پوشیدہ طور پر استعمال کرتا تھا، اور بجز نصیر کے کوئی نہ جانتا تھا اس کے بعد نصیر نے ماتمی کپڑے پہنے، ابن ابی عمارہ کو گھوڑے پر سوار کیا اور آہ نالہ بلند کرتا ہوا آگے آگے پیادہ پا غمگین صورت بنائے چلا، اور عربوں کے پاس جا پہونچا، عربوں نے ابن ابی عمارہ کا نام بلند کرکے اس کی شان بہت بڑھادی۔

جب ابو اسحٰق کو ابن ابی عمارہ کے حالات کی خبر ہوئی تو وہ اپنے بیٹے کو بجایہ سے طلب کرکے مقابلے کے لئے نکلا، فریقین میں جنگ ہوئی ابو اسحٰق نے شکست کھائی، اس کے اکثر ساتھی ابن ابی عمارہ کے مطیع ہو گئے اس کا بیٹا مارا گیا، اس کا بھائی امیر ابو حفص قلعہ سنان میں جاکر پناہ گزیں ہوا اور وہ خود بھاگ کر بجایا گیا، ابن ابی عمارہ نے اسی وقت فوج کا ایک دستہ موحدین سرداروں کی نگرانی میں تعاقب کے لئے روانہ کیا، یہ دستہ بجایا پہونچا، لوگ سمجھے کہ یہ شکست خوردہ فوج کا ایک حصہ ہے اس لئے قلعے والوں نے اس سے کوئی باز پرس نہیں کی، اس دستے نے امیر ابو اسحٰق کو گرفتار کر لیا اور اس کا سر کاٹ کر ابن ابی عمارہ کے پاس بھیج دیا،

ابن ابی عمارہ اس کامیابی کے بعد تونس آیا اور یہاں کی عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی، اور تقریباً تین سال تک بغیر کسی مزاحمت کے نہایت اچھی زندگی بسر کی مگر اس مدت میں اس نے ابو اسحٰق کے خزانوں کو لٹا دیا اور اس کے خاندان کے مرد اور عورتوں کے ساتھ سخت بدسلوکیاں کیں، جب اس کا حال لوگوں پر ظاہر ہو گیا، اس کی سرکشی سے ملک چیخ اٹھا اور ارکان دولت کی بھی آنکھیں کھلیں، تو امیر ابو حفص اپنے بھائی کا انتقام لینے کے لئے اٹھا اور ابن ابی عمارہ کو مغلوب کر کے اس کا نام ونشان تک مٹا دیا، اور اس کے دامن پر عار کا جو دھبہ تھا دھو ڈالا، ملک بیشک مالک خدا ہے، اس کے نزدیک دنیا کا وزن مچھر کے پروں کے برابر بھی نہیں۔

اس واقعے کو میں نے اپنی کتاب "نظم الملوک" میں جو گزشتہ اسلامی سلطنتوں کے متعلق ہے ابو حفص کے تذکرہ کے ضمن میں بحر رجز میں لکھا ہے، اس کا ایک ٹکڑا[1] ابو حفص کے متعلق یہ ہے۔

أولهم يحيى بن عبد الواحد	اس خاندان کا پہلا شخص یحیٰی بن عبد الواحد ہے
وفضلهم ليس له من جاحد	اور اس خاندان کی فضیلت کا کوئی منکر نہیں
وهو الذي استبد بالأمور	یحیٰی نے اپنی استبدادی حکومت
وحازها ببيعة الجمهور	جمہور کی بیعت سے کر قائم کی
وعظمت في صقعه آثاره	اس کی حکومت کے آثار موقر
ونال ملكا عاليا مقداره	اور اس کے ملک کا رتبہ بڑا تھا
ثم تولى بعده المستنصر	یحیٰی کے بعد مستنصر والی ہوا
وهو الذي علياه لا تنحصر	اس کا مرتبہ بھی حد سے زیادہ تھا
أصاب ملكا رائسا أوطانه	اس نے ایسا ملک پایا جس کا درجہ بڑا تھا
وأفق عز ساميا سلطانه	اور ایسی عزت پائی جس کی سطوت بلند تھی
ودولة أموالها مجموعة	اس کی حکومت میں مال وزر کی فراوانی تھی
وطاعة أقوالها مسموعة	اور اس کی باتوں کو لوگ اطاعت سے سنتے تھے
فلم يخف من عقدها انتكاثا	اس کو کسی کے نقض عہد کا خوف نہ تھا

دعات فی امواھا عیاثا	اس لئے اس نے حکومت کا مال خوب لٹایا
ھبت بعز نصرہ الریاح	اس کی عزت و نصرت کی ہوائیں چلیں
وسقیت بسعدہ الرماح	اور اس کی سعادت سے نیزے سیراب ہوئے
حتی اذا ادرکہ شرک الردی	جب یہ ہلاک ہوا
وانتحب النادی علیہ والندی	اور اس پر سخاوت اور انجمنوں کا نوحہ ہوچکا
قام ابنہ الواثق بالتدبیر	تو اس کا مدبر فرزند واثق قائم مقام ہوا
ثم مضی فی زمن یسیر	جس نے تھوڑے دنوں تک حکومت کی تھی
سطا علیہ العم ابراھیم	کہ اس پر اس کے چچا ابراہیم نے حملہ کر دیا
والملک فی اربابہ عقیم	بیشک ملک اہل ملک کے لئے عقیم ہے
وعن قریب سلب الامارہ	کچھ دنوں کے بعد ابراہیم کی حکومت
عنہ ادعاھا ابن ابی عمارہ	ابن ابی عمارہ نے چھین لی
عجیبۃ من لعب اللیالی	زمانے کے یہ عجیب و غریب تماشے تھے
ماخطرت لعاقل ببال	جن کے خطرے کسی عاقل کے دل میں نہیں گزرے تھے
واخترم السیف اباسحاقا	ابواسحٰق (ابراہیم) تلوار کی نذر ہوا
اباھلال لقی المحاقا	اور ابو ہلال محاق گیا
واضطربت علی الدعی الاحوال	اور اس دعویدار سلطنت کے حالات بھی پراگندہ ہوگئے
والحق لا یغلبہ المحال	کیونکہ حق پر محال غالب نہیں آتا ہے
ثم ابوحفص سما عن قرب	پھر ابوحفص کو عروج ہوا
وصیر الدعی رھین الترب	اور اس نے ابن ابی عمارہ کو خاک میں ملا دیا
ورجع الحق الی اھلیہ	اس طرح حق حقدار کو مل گیا
وبعدہ محمد یلیہ	اور ابوحفص کے بعد محمد والی قرار پایا

یہ تمام باتیں طوالت چاہتی ہیں جو ہماری غرض و غایت کے مخالف ہے ہمارا مقصد صرف اس قدر ہے کہ ان تاریخی واقعات پر روشنی ڈالیں جن کا بیان کسی ایک تاریخی دفتر میں موجود نہیں ہے اور اختصار کے ساتھ بعید تر واقعات کو درج کریں اور اللہ ہمارا معین و مددگار ہے

ابراہیم بن محمد بن ابو القاسم بن احمد بن محمد بن سہل بن مالک بن احمد بن ابراہیم بن مالک ازدی

نام اور کنیت ابراہیم نام اور ابو اسحق کنیت تھی

اولیت ابراہیم کے مورث اعلیٰ جب اندلس میں وارد ہوئے تو انھوں نے اپنا مسکن قریہ شونَن میں بنایا جو اقلیم کے تحت اور اقلیم البیرہ میں داخل ہے،

ابن صیرافی کہتے ہیں کہ ابراہیم ازدی ایسے خاندان سے تھے جسکی بزرگی بے مثل تھی اسے کمال کا درجہ حاصل تھا عفت و صیانت، وقار و صلاح، دیانت و اصالت اور جاہ و جلال میں یگانہ تھا، اس خاندان کے اسلاف میں بھی یہ اوصاف جلوہ گر تھے اور اخلاف میں بھی ان کی کارفرمائی اب تک باقی ہے، سطرب بن عیسیٰ کی کتاب "تاریخ رجال اندلس" میں اس خاندان کا تذکرہ موجود ہے

ابن مسعدہ کہتے ہیں کہ ہمارے کسی سلف نے ایک نکاح نامہ مرتب کیا تھا جو ہمیں دستیاب ہوا ہے اس میں احمد بن ابراہیم بن مالک ازدی کا تذکرہ ہے، یہ نکاح نامہ وزیر فقیہ ابو العباس احمد بن وزیر فقیہ ابو عمران ابراہیم کے نکاح سے مزین اور آراستہ کیا گیا ہے، اور اس میں عقد کی تاریخ [illegible] درج ہے، اس سے اس امر کی شہادت ملتی ہے کہ ابو اسحق ابراہیم کے خاندان کے افراد چار سو سال سے زیادہ جلیل القدر اور پاکباز ہوتے آئے ہیں، یہاں تک کہ تین سو سال پیشتر بھی عقد و نکاح کی عبارتوں میں تفقہ اور وزارت کے اوصاف سے متصف کئے جاتے تھے، اور یہ وہ زمانہ تھا کہ لوگوں کی توصیف و ستائش نہایت حزم اور احتیاط سے عمل میں لائی جاتی تھی تاکہ کسی امر میں سرمو تجاوز کرنے کا الزام نہ عائد ہو خصوصاً عقد کے معاملات میں اس کا اور زیادہ خیال کیا جاتا تھا اس لئے جو لوگ اس منصب پر مامور ہوتے تھے وہ کسی کی حقیقت اور صداقت

سے زیادہ تعریفیں نہیں کرتے تھے، اس بیان سے میرا مقصد یہ ہے کہ اس خانوادہ کا شرف صرف ابراہیم تک محدود نہیں ہے اور نہ اس کی نمود و شہرت میں صرف ان کا سہارا ہے بلکہ قدیم سے یہ خاندان مشہور و معروف چلا آتا ہے اور اس کا مرتبہ بزرگ سمجھا جاتا ہے "

مولف کہتا ہے کہ جب میں نے اپنے فرزند عبداللہ (خدا اسے سعید بنائے) کا عقد وزیر ابوالحسن بن وزیر بن وزیر ابوالحسن قاسم بن وزیر ابو عبداللہ ابن وزیر فقیہ عالم ابوالحسن سہل بن مالک کی صاحب زادی سے کیا اور اس کی اطلاع شیخ ابوالبرکات بن الحاج کو دی تو انھوں نے جواب دیا "پاک ہے وہ ذات جس نے تمھیں ایک ایسے خاندان کی طرف ہدایت کی جو حیا، اصالت، اور سلامت روی کے اوصاف سے موصوف ہے، اور جس سے نیک لوگوں کی حاجتیں وابستہ رہتی ہیں، ماشاء اللہ تمھارا انتخاب کیا ہی اچھا ہے "

اب تک ابراہیم کے خاندان کے لوگ اپنے اسلاف کے طریقے پر قائم ہیں، عہدۂ وزارت سے ممتاز کئے جاتے ہیں، اور رزق حلال حاصل کرنا، پرانی اور اچھی چیزوں کی طرف اپنی نسبت کرنا، اور عبادتوں میں اپنی عمر گزارنا غنیمت سمجھتے ہیں، یہ سب اللہ تعالیٰ کی عنایت ہے، وہ بڑی فضیلت والا ہے۔

ابراہیم کے حالات

ابراہیم خاموش اور باوقار شخص تھے، اہل سر اور خاص لوگوں میں ان کا شمار تھا عربی زبان میں وافر حصہ پایا تھا، طبیعت روشن اور ذہن تیز تھا، کلام میں ندرت اور ملاحت تھی، خلق میں مشہور تھے، اور اپنے والد کی روش پر گامزن تھے،

ابراہیم کے اہل بیت بھی پاکی، پاکدامنی، عدل اور نزاہت کے اوصاف سے متصف تھے،

وفات

اصل کتاب میں بیاض ہے۔

ابراہیم بن مفرج بن عبدالبر خولانی

نام عرف کنیت ابراہیم نام، ابو اسحٰق کنیت، اور ابن جدہ عرف ہے غرناطہ کے خاندانوں میں ایک خاندان ابن جدہ کا ہے ان کے

اولیت والد شاہان بنو نصیر کے دوسرے تاجدار کے عہد میں زراعت کے افسر مقرر کئے گئے تھے، جسکے باعث انھوں نے بہت کچھ عزت اور دولت پیدا کی تھی۔

حالات ابن جدہ غرناطہ کے شیخ، رئیس اور وزیر تھے اور باوجود ذاتی وجاہت کے تجارت کو بطور پیشہ اختیار کیا تھا جس سے وہ بہت مالا مال ہو گئے تھے، چیزوں کی قیمت، نرخوں کے اتار چڑھاؤ، زمانے کے ساز و سامان اور وقت کے الٹ پھیر کو بہت غور سے دیکھتے رہتے تھے، غرناطہ کے بازاروں میں اگر کسی خاص چیز کی قیمت زیادہ بڑھ جاتی تھی، تو وہ اسے خرید کر کے دوسروں پر فخر کرتے تھے، ان میں نرخوں کی تمیز کا مادہ تھا، اور وہ معلوم کر لیتے تھے کہ غلوں کی موجودہ مقدار کے لحاظ سے نرخ کس حد تک اونچا جائیگا۔

ابن جدہ مفکر مشہور تھے، اور فنی اغراض اور معاملات کے لئے دیوار درخت اور ستونوں کو مخاطب کرتے تھے، علم و ادب اور صنعت سے بھی انھیں لگاؤ تھا، وہ سادہ مزاج، تندرست، خلیق، اور منکسر واقع ہوئے تھے، ان کی پوشاک اور اور غذا مختصر اور دادو دہش زیادہ تھی، لوگوں کو قرض بہت دیتے اور سب کے ساتھ بھلائیاں کرتے تھے اس پر بھی وہ بیوقوں اور استہزا کرنے والوں کے ستم کے آماجگاہ تھے، وہ بروں کی سن لیتے اور سائلوں کے آگے بہرے بن جاتے تھے۔

عزت اور شہرت ابن جدہ کے گلے سے عزت کا طوق کبھی جدا نہ ہوا، وہ ابو عبد اللہ ابن محروق کے داماد تھے، جو حکومت کے معاملات میں بہت غالب تھا، اس وجہ سے وہ معاملات میں خسر کا ہاتھ بٹایا کرتے تھے، اس کے علاوہ ان کی ذاتی وجاہت بھی کچھ کم نہ تھی۔ پھر وہ قائد حاجب ابو نعیم رضوان کے

داماد ہوئے جو دولت نصریہ کا مولی اور ابن محروق کے بعد حکومت میں دخیل تھا۔

ابن جدہ عدوہ اور قشتالہ میں بعض اغراض سے جس کے وہ لائق تھے سفیر بنا کر بھیجے گئے کیونکہ اس خدمت کے قبول کرنے میں دوسرے معزز اعیان اور اغنیا، اس شخص سے ترساں تھے جس سے مخاطبت، جواب اور رد و قبول کا واسطہ پڑنے والا تھا۔

ابن جدہ اپنے عہد کے پہلے سلطان کے وزیر مقرر ہوئے، عہدۂ وزارت اثنائے راہ میں عطا کیا گیا، جس فتح سے غرناطہ تک کے سفر میں وزارت کی خدمت انجام دی اور کچھ دنوں تک سلطان کے پریشان کن زمانے میں اس عہدے پر فائز رہے مگر اندلس کے مخصوص لوگوں کی استدعا پر ان سے وزارت ایک حاجب مذکور کے حوالے کی گئی جس سے تمام لوگ خوش ہوئے اور منافست کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

دور مصائب ابن جدہ اور ان کے بھائی خاندان بنو نصر کے سلطان ثالث کے عہد میں اپنے وطن سے تونس جلا وطن کئے گئے، تھوڑے دنوں کے بعد وہاں سے واپس آئے، ان پر ایک ایسا زمانہ آیا کہ عمر زیادہ ہونے سے چہرے پر جھریاں پڑ گئیں اور اپنی کشت زار کی طرف سواری پر بھی جانے سے معذور ہو گئے، یہی کھیتی ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور ان کی سعادت کا ایک حصہ تھی، اس عمر میں وہ اپنے دروازے کے سامنے مسکہ مترددیں، میں لوگوں سے باتیں کرنے کے لئے نکلتے تو ان کے کپڑے گرد و غبار سے اٹ جاتے تھے،

ابن جدہ بعض بری شکایتوں میں مبتلا تھے اور اسی حالت میں ان کا وصال ہوا در حقیقت شکایتوں سے بہت کم شیوخ محفوظ رہے ہیں۔

ولادت ابن جدہ وسط شوال ۵۵۵ھ میں پیدا ہوئے

وفات ۶۸۵ھ میں وفات پائی۔

ابراہیم بن یوسف بن محمد بن دہاق اوسی

نام عرف اور کنیت
ابراہیم نام ابو اسحٰق کنیت اور ابن المرأہ عرف تھا۔

حالات
ابن مرأہ نے ایک زمانے تک مالقہ میں سکونت اختیار کی پھر ابو الفضل محدث مرسی اور قاضی ابو بکر بن محرز کی استدعا پر مرسیہ میں جا کر آباد ہوئے۔

ابن مرأہ علم کلام میں یدطولیٰ رکھتے تھے، حدیث، تفسیر، فقہ، اور تاریخ وغیرہ کے حافظ تھے۔ علم کلام تمام علوم پر غالب تھا، ان کی زبان اور قلم میں فصاحت بھری تھی صوفیاء کے کلام انھیں بہت یاد تھے اور اسی گروہ کے حالات اور واردات کے بیان سے اپنی مجلس گرم رکھتے تھے، اسی لئے وہ مالقہ میں جمہور کے شیخ تصور کئے گئے، تصوف میں ان کی دسترس تفنن اور مہارت مسلم تھی۔ یہ جو کچھ کہتے اسے خوش اسلوبی سے سمجھاتے اور ایسی برجستہ تمثیل اور تشبیہ بیان کرتے کہ عوام فوراً سمجھ جاتے انھیں اپنی گمنامی اور عزلت پسند تھی، نہایت اچھی زندگی بسر کرتے اور ما حضر پر قانع رہتے ان کا کاروبار مالقہ کے سوتے کے بازار میں پھیلا ہوا تھا۔

استاد ابو جعفر نے ابن المرأہ پر کچھ اتہام رکھا ہے وہ کہتے ہیں کہ ابن المرہ کو کچھ حیلے اور کچھ خوش کن نادر باتیں معلوم تھیں جن سے وہ اپنے مریدوں کو مانوس اور خوش رکھتے تھے، اور انھیں بعض نادر اشیا کے خواص کا علم تھا، چنانچہ کسی ذکی الحس شخص نے ان خواص کو ان سے دریافت کر لیا، اور اکثر ان کے ملنے والوں نے بھی بعض باتیں ان سے معلوم کر لیں۔

بعض لوگوں نے ابن المرہ کی بعض ایسی باتیں دیکھیں جو شرعاً ممنوع تھیں، جس سے یہ لوگ ان سے متنفر ہو گئے اور مخالف ہو کر ان سے الگ تھلگ رہنے لگے، انھیں لوگوں میں سے ایک شیخ فاضل بن مرابط قاضی بعدل رحمۃ اللہ

بھی ہیں جنھوں نے ابن المرأہ کی بعض قبیح باتیں بہ شہادت بیان کی ہیں جن کا ذکر کرنا مناسب نہیں ہے، اسی وجہ سے جو لوگ ان کو مرسیہ میں لاکر آباد کرنے میں ساعی ہوئے تھے وہ بھی ان سے بیزار ہو گئے۔ واللہ اعلم بغیبہ

تالیفات ابن المرأہ کی تالیفات یہ ہیں:۔

شرح کتاب الارشاد لابی المعالی، یہ شرح ابن المرأہ نے اپنے حافظہ سے لکھی تھی جو اطناب و تطویل سے پاک ہے، شرح اسماء حسنیٰ ایک جلد، اجماع فقہاء، شرح محاسن المجالس لابی العباس احمد بن عریف، ان کے علاوہ ان کی دوسری تالیفات بھی اپنے موضوع کے لحاظ سے مفید ہیں اور ان کی عبارتوں میں تسلسل اور پختگی ہے،

تلامذہ ابن المرأہ کے تلامذہ کے نام یہ ہیں:۔ ابو عبداللہ بن اجلی، اور ابو محمد ابن عبدالرحمٰن بن وصلہ۔

وفات ابن المرأہ نے ۶۱۱ھ میں بمقام مرسیہ وفات پائی۔

ابراہیم بن ابوبکر بن عبداللہ بن موسیٰ انصاری

نام کنیت، عرف ابراہیم نام، ابواسحٰق کنیت، اور تلمسانی عرف ہے، سبتہ میں آکر آباد ہو گئے تھے۔

حالات تلمسانی فقیہ عقد شرائط کے واقف کار، لغت اور فرائض کے ماہر ادیب اور شاعر تھے، جس چیز کا ارادہ کرتے اسے پختہ کاری اور خوبصورتی سے انجام دیتے، جس وقت ان کی عمر ۱۸ سال کی تھی ایک منظوم کتاب ارجوزہ فرائض میں لکھی، جو اپنے فن میں نہایت محکم اور اپنی وضع میں عجیب و غریب تھی۔

ابن عبدالملک کہتے ہیں کہ "مجھے تلمسانی کے متعلق تجربے سے معلوم ہوا کہ وہ تیز طبیعت کے آدمی ہیں، ان کا ذہن ہر وقت حاضر رہتا ہے، تواضع،

نیکوکاری، خوبی ملاقات، اور حسن معاشرت میں بے عدیل ہیں، ان کی تالیف عمدہ اور میانہ رو ہے، معاشی امور میں جو چیز توجہ کے قابل ہوتی ہے اسی کو اختیار کرتے ہیں وضع اور لباس میں اتنی سادگی ہے کہ سبتہ کے عام مروجہ لباس سے بھی تقریباً فروتر ہے،

ابن زبیر کا بیان ہے کہ تلمسانی ادیب، لغوی، فاضل اور فرایض کے امام ہیں۔

اساتذہ تلمسانی نے مالقہ میں ابوبکر بن دسمان، ابوصالح محمد بن محمد زاہد اور ابوعبداللہ بن حفید سے پڑھا اور اسی شہر میں ابوالحسن سہل بن مالک سے روایت کی، ابوبکر بن محرز سے مل کر اجازت لی، ابوالحسن بن طاہر ریاح اور ابوعلی شلوبین نے انھیں اجازت نامے لکھ کر دیئے، اور سبتہ میں ابوالعباس بن علی ابن عمیرہ ہواری (جو ایک سن رسیدہ بزرگ تھے) اور ابوالمطرف احمد بن عبداللہ بن عمیرہ سے مل کر اجازت لی اور ابویعقوب یوسف بن موسیٰ حسانی عماری کے پاس جاکر سماعت کی۔

تلامذہ تلمسانی سے اکثر خود ان کے معاصرین نے روایت کی ہے، ان میں ایک ابوعبداللہ ابن عبدالملک بھی ہیں۔

تالیفات تلمسانی کی تالیفات میں ایک مشہور کتاب "ارجوزہ" فرایض میں ہے اس فن میں کوئی کتاب اس سے بہتر نہیں لکھی گئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت اور مدح میں متعدد نظمیں لکھیں، ایک کتاب "المعشرات" عربی اوزان پر ایک قصیدہ میلاد نبوی میں اور ایک مقالہ علم عروض میں ہے۔

شعروشاعری تلمسانی پرگو شاعر تھے، شاعری میں ان کا شمار عالی اور متوسط طبقے کے درمیان ہے ان کے اکثر اشعار اچھے ہوتے ہیں، اور شاعری میں عجیب وغریب باتیں کہتے ہیں، مثلاً

الغدر فی الناس شیمة سلفت	دھوکا دینا لوگوں کی پرانی خصلت ہے
قد طال بین الوری تصرفها	اور یہ عادت تمام مخلوقات میں ساری ہے

ما کل من سررت له نعم	یہ ضروری نہیں کہ ہر شخص تیری نعمتوں کو
منك يرى قدرها و يعرفها	پہچانے اور ان کی قدر کرے
بل ربما اعقب الجزاء بها	بلکہ اکثر ان نعمتوں کا بدلہ
مضرة عنك عز مصرفها	تیرے لئے مضر ہوتا ہے
اما ترى الشمس تعطف النو	آفتاب کو دیکھو وہ اپنا نور ماہتاب پر ڈالتا ہے
ر على البدر و هو يكسفها	مگر ماہتاب آفتاب کو گہنا دیتا ہے

ورود غرناطہ تلمسانی اپنے متعلق خود بیان کرتے ہیں کہ ان کی عمر نو برس کی تھی کہ ان کے والد انھیں لے کر اندلس آئے اور غرناطہ میں تین سال مقیم رہ کر مالقہ چلے گئے اور مدت تک یہاں بود و باش اختیار کی، ان کی نوشت و خواند زیادہ تر یہیں ہوئی بعد از ان تلمسانی سبتہ پہونچے اور یہاں شیخ ابوالحکم مالک بن ابوالمرحل کی بہن سے شادی کر لی۔

شیخ ابوالحکم ہمارے شیخ ابوالحسن تلمسانی کے دادا تھے جن کا تذکرہ شہرت کی وجہ سے اکثر تالیف و تصنیف اور علوم و فنون میں کیا جاتا ہے

تلمسانی کے مدحیہ قصائد اور عمدہ نظمیں بہت ہیں، ایک قصیدے میں فقیہ ابوالقاسم عزفی امیر سبتہ کی مدح کی ہے، اس کے چند شعر یہ ہیں

ارايت من رحلوا وزموا العيسا	ان کو دیکھو جو اونٹوں کی نکیل پکڑ کر چلے گئے
تركوا الولاء على الطلول حبيسا	اور محبت کو کھنڈروں میں مقید کر گئے
احسبت ان سيعود لسف ترابها	کیا تمہارا گمان ہے کہ اس قافلے کی گرد پھر اٹھیگی
يوما بما يشفي لديك نسيسا	اور تمہارے اشتیاق کو پورا کرے گی
هل مؤنس نارا بجانب طورها	کیا تم نے طور پر آگ دیکھی
لم تنها ام هل تحس حسيسا	جسے زور کرتیا کچھ اور محسوس کیا ہے

ولادت عبدالملک کہتے ہیں کہ تلمسانی نے مجھ سے بیان کیا کہ ان کی ولادت ۶۰۹ھ میں بمقام تلمسان ہوئی تھی

وفات ۶۹۰ھ میں بمقام سبتہ زیادہ عمر میں وفات پائی اللہ لوگوں کو ان سے بہت کچھ فوائد حاصل ہوئے۔

حالات [1] کتاب عاید الصلہ میں مذکور ہے کہ آپ ادب میں نظم ہو یا نثر یگانۂ روزگار تھے، آپ کا کلام صاف، پر رونق، خوبصورت مواد سے لبریز اور بیحد شیریں ہوتا تھا، مختلف فنون میں آپ کو دخل تھا، آپ کریم النفس تھے اور اپنے مقصد کو پوری قدرت سے ادا کرتے تھے۔

جب آپکی فضیلت کا غلغلہ بلند ہوا، اور لوگوں پر آپ کے جوہر کھلے تو سیاحت کے لئے نکلے، اور مشرقی بلاد کی سیاحت کرکے بلاد سوڈان میں پہونچے، اور بادشاہ تک رسائی حاصل کرکے ایک زمانے تک یہاں سکونت پذیر رہے، عزت شہرت، اور جلالت کی انتہائی معراج پر پہونچکر بے شمار مال وزر حاصل کیا، بعدازاں مغرب میں واپس آکر اپنے وطن کے اطراف میں رہنے لگے، مگر آپ کو تقدیر دوبارہ بلاد سوڈان کے مرکزی مقام پر کھینچ لے گئی اور اب کی دفعہ آپ کو پہلے سے زیادہ مال وزر ہاتھ آیا۔

شاہ مغرب کی خدمت میں آپ نے نوادر کلام تحفہ پیش کیا جس کے صلے میں آپ کو زر خطیر عطا کیا گیا۔ اس بادشاہ کی شان میں آپ نے نہایت عمدہ مدحیہ قصیدہ لکھا، ہم نے اس قصیدہ کو نقل کیا ہے

کتاب التاج میں آپ کا تذکرہ یوں مذکور ہے:۔

آپ بہت بڑے سیاح، راہ رووں کے حلیف تھے، اور ہر شخص کی مدح میں قصاید لکھ دیتے تھے آپ نے اپنے شہر میں ادب کا جھنڈا بلند کیا اور اس کو لیکر آگے بڑھے آپ جب نظم لکھتے تو اس کی تشبیب کو موتیوں کی طرح پیرو دیتے، اور نثر لکھتے تو اس میں مرتبہ کی شان پیدا کرتے، اور گوئے سبقت لے جانے والوں کے منہ پر خاک ڈالدیتے جب ان کی کساد بازاری دحق تلفی ہوئی اس وقت حزم واحتیاط برتنے لگے اور اپنی کمزوریوں پر قابو رکھتے مینہ کی طرح کبھی اس مملکت میں جاتے کبھی دوسری میں جاتے اپنی مطلب برای کیلئے کبھی لومڑی بن جاتے اور کبھی شیر اور لوگوں کے سامنے دنیا کے عجائب بیان کرتے پھرتے تیز رو اونٹنیوں پر سوار ہو کر حرم پہنچے، وہاں بربی اور اہرام مصری دیکھے ہو

[1] اس بیان میں صاحب تذکرہ کا نام کہیں مذکور نہیں ہے، غالباً طباعت کی غلطی سے نام رہ گیا ہے ۱۲ مترجم

ملک شام کے سرحدی مقامات اور دمشق و غوطہ کی سیر کرتے ہوئے آپ مدینۃ السلام (بغداد) پہونچے، اور یہاں سے قافلوں کے ساتھ یمن اور اس کے ساحلی مقامات میں پھرتے رہے، یہاں تک کہ مجاز سے حقیقت کی طرف پلٹے یعنی حجاز جاکر رکن اور حجر اسود کو بوسہ دیا اور واپسی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت سے فائز ہوکر شاہ سوڈان سے ملے، وہ آپ کو عطیات سے مالا مال کرکے اپنے ملک ساتھ لے گیا اور دنیا کی پہلی اقلیم میں جو خطۂ ارض کی آبادی کا بعید تر حصہ ہے وہ رہنے لگے، اور وہاں اس طرح رہے جیسے شراب کسی ظرف کی تہ میں رہتی ہے، یا نور حدقۂ چشم میں اور اگرچہ وہ صورت و شکل اور زبان کے لحاظ سے اجنبی تھے مگر نہایت عمدگی سے اپنے قلمی خدمت انجام دیتے رہے، اثنائے سفر میں انھوں نے چند رسالے لکھے تھے جو ان کی ادبی جلالت قدر کے شاہد ہیں۔

نثر جب آپ مراکش پہونچے تو اپنے وطن غرناطہ کے باشندوں کو حسب ذیل خط میں آپ نے یوں مخاطب کیا۔

آپ لوگوں کو میرا ایسا سلام پہونچے جس کے جامے میں دارین[1] لپٹا ہوا ہے اور جس کے صدار کو شاداب چمن نے گھیر لیا ہے، جو نجد کو عرار اور اس کی تیز خوشبو کی یاد بھلا دے، درخت پر اس کا دامن پڑے تو معطر ہو جائے، اور دختبان کی شاخ کے ساتھ سرگوشی کرے تو وہ اس کی بات سے جوش میں آکر جھومنے لگے، لالہ کے لبوں سے نمی جذب کرے، حدایق کے پردے کے اندر پہونچ کر گلاب کے رخساروں کو تحیات کہے، نجدی عاشقہ اس سے جوش میں آکر بطن تہامہ کی محبت چھوڑ بیٹھے، اور ابن وہمان اس کے اشتیاق میں نالہ کرنے لگے، تمیمی اس کے مقابلہ میں اپنی خوشبو سے غافل ہو جائے اور نمیری زینب کی خوشبو کو جو بطن نعمان سے آئی تھی بھول جائے سمر اور بان کے درخت سر اٹھاکر اس کو دیکھنے لگیں، اور آس اور ریحان اس کی خوشبو اپنے جسم پر مالش کریں۔

یہاں تک کہ جب اس کے تحیات کے انفاس لطیف اور خوشگوار ہو جائیں، اور

---

[1] دارین ایک بندرگاہ ہے جہاں کی خوشبو مشہور ہے۔

نفوس نفیسہ پر حاوی ہو کر ان کو رفیق بنا چکیں، اور وار ہن کو اپنی چادر میں لپیٹ چکیں، جو زار ان کی ثنا کا ہار گوندھے، اعنی ان کی طرف متوجہ ہو کر اپنے باغ سے غافل اور بے پروا ہو جائے، اور ابن بردان کے حق میں اطراف مسواک کی شہادت دے، تب وہ غرناطہ کے مقام ربع الجود میں ٹھہر جائیں، اور وہاں کے ڈول میں ڈور کی گرہ تک بھر کر اس کے لہلہاتے ہوئے کھیتوں کو پانی کے قطروں سے نہیں بلکہ ان کی خوشبو سے سیراب کریں۔

وہاں مجالس کے صدور جو صدور کے حامل ہیں اور معالی کے ترائب جو عقود و سحور سے آراستہ ہیں اور بلند مکانات کے محاسن جو حسن میں بروج کی چمک دمک کا مقابلہ کرتے ہیں، اور سبزہ زار اپنے موسم میں اور ایوانات کے صحن اپنے ایوانات کے اندر اور مجالس منازل اپنی پوری سرگرمی کے وقت میں سب ان سے ایسے خوشنما و دلفریب بن جائیں کہ اگر ان کو نعمان دیکھ لے تو اپنے سریر کو چھوڑ دے اور کسریٰ اپنے ایوان اور تخت کو دور پھینک دے، اور سیف اپنے غمدان کو کم رتبہ سمجھنے لگے، اور حسان جلق کو اس کے غسان کے لئے ترک کر دے۔

بلاد بہا نیطت علیّ تمائمی   یہ وہ ملک ہے جہاں مجھے تعویذ باندھے گئے

واول ارض مس جلدی ترابہا   اور وہ پہلی سرزمین ہے جہاں کی خاک میرے جسم سے مس ہوئی

جب فریضہ سلام کی مہر ٹوٹ چکے، ثنائے واجب بخوبی بیان ہو چکے، عرار کی خوشبو مجالس میں پھیل چکے، پرانے احباب و اخوان اپنے معاہد کے پھول چن لیں، تمام اہل فضل کی نعمتوں کی صورتیں ثنا و توصیف کے منبروں پر تلاوت کی جا چکیں، اور ان کے روشن ہالہ اور دائرہ کے گرد مہتاب ایک ستارہ روشن کر لیں، تب وہاں میرے درد و غم کی داستان، اور میرے شوق و ذوق کا حال بیان ہو۔

اللہ تعالے ان معاہد کو اس قدر سیراب کرے کہ بھرے ہوئے ظرف چھلک جائیں اور ان باتوں کو اس طرح غوطہ دے کہ ان کے محبت بھرے سینے موتیوں سے گھر جائیں، چشم نرگس ان کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگے، درخت

خوشی سے باہم معانقہ کرنے لگیں، نہریں ٹیلوں کے کنارے خوش فعلی سے بل کھانے لگیں، گل بابونہ کے لب درختوں کے رقص سے متبسم ہوجائیں، باغ کے رخسارے شرم سے سرخ ہوجائیں، گلاب کے جدیقے بہت بلند ہوجائیں، اور صبا بھی ان کی طرف خوشگوار اور خوشبو خبر پہونچا دے، یہاں تک کہ مطربہ اپنے باغ کی آمد ورفت سے رونے والیاں اپنے مصائب کے بیان سے، بکری اپنے بہترین سرسبز و شاداب باغ کے لالہ سے، اور راخطل اپنے کلیسا کے منقش و زرنگار لباس سے بے پرواہ ہوجائیں، طورتق، بغداد، رصافہ اور مرادحسن میں ان مشاہد سے جو حسن میں حاضر اور غائب دونوں کا مقابلہ کرتے ہیں زیادہ خوبصورت نہیں ہیں، مصر کو اپنے نیل پر کیا فخر ہوسکتا ہے، جب ہزار نیل غرناطہ کے ایک شنیل میں داخل ہیں حرف شین اسی لئے زیادہ کیا گیا ہے کہ اس تعداد پر دلالت کرے

ويا لله من شوق حثيث — خدارا کیسا برانگیختہ کرنے والا شوق ہے

ومن وجد تنشط بالصميم — اور کیسا جذب محبت ہے جو عزم میں حرکت پیدا کردیتا ہے

اذا ماهاجه وجد حديث — جب اس کو کوئی نیا جذب محبت ہیجان میں لاتا ہے

صبا منها الى عهد قديم — تو وہ عہد قدیم کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے

میری آنکھ کی پتلیاں ہر طرف پھر رہی ہیں، ہر عضو زبان بن کر بول رہا ہے، اور ہم سرگشتہ و حیران گھوم رہے ہیں لیکن میرا قلب خستگی میں مبتلا اور فراق کا کشتہ ہورہا ہے ہوائے سرو جب چلتی ہے تو اس کو اپنے ساتھ لئے پھرتی ہے، اور تڑپتی ہوئی بجلی جہاں کہیں اڑ کر جاتی ہے اس کو بھی اپنے ساتھ اڑا لیجاتی ہے، ہم ان کے قرب کو وقت کی دیر سمجھتے تھے، اور کہتے تھے کہ اب وہ سرزمین آتی ہے جو ان سے قریب کردے گی، اللہ بخوبی قادر ہے کہ دوری کے باوجود قریب پہونچادے اور یاس و ناامیدی کے بعد زخم فراق کو شفا بخشے کہ وہ آتش فشاں نے اپنی آگ کے لئے میرے شوق کو مستعار لیا ہے، اور قیس میرے وجد کے میدان میں نہیں چل سکتا پھر خیال کرو کہ اس وقت میرا کیا حال ہوگا جب ہم ان سرسبز راستوں کا چکر لگائیں گے، اور مقیم ہوکر سبزہ زار کی ہوا میں سانس لیں گے، اور ان معاہد پر نظر ڈالیں گے اور اس عہد کرم کے لذیذ پھلوں کو توڑنے کا خیال

کریں گے، حقیقت میں محب کا اضطراب قرب کی حالت میں بہت بڑھ جاتا ہے اور غم عشق کا برداشت کرنا اس کے لئے بہت مشکل ہو جاتا ہے۔

وابرح ما یکون الشوق یوما — شوق اس روز بہت سخت ہوتا ہے
اذا دنت الدیار من الدیار — جب ایک ملک دوسرے ملک سے قریب ہوتا ہے

گھروں کی مسافت قریب ہو گئی، لیکن زمانہ تغیر پذیر ہے، اور تقدیر پر کسی کی حکومت نہیں، اس کا کیا بگڑتا ہے اگر تھوڑی دیر ٹھہر جائے اور دوستوں سے مل لینے سے ان کی پیاس بجھا دے، اور ایک ساعت کے لئے مل بیٹھنے کی اجازت دیدے اور اس مختصر سی امید کو پوری کر دے اور جس طرح برسوں کی مسافت کو طے کر دیا ہے اسی طرح دنوں کی مسافت کو بھی طے کر دے۔

اے مجھے مایوس کرنے والے زمانے! تجھ کو میری تکلیف پر کچھ رحم نہیں آیا اور احباب کو سلام کرنے کا موقع نہیں دیا، تو نے ہم کو بادیہ پیمائی کرنے، اچھلنے دوڑنے، مشرق و مغرب میں منتقل ہوتے رہنے اور گھوڑے کی پیٹھ اور اونٹ کے کاندھے پر سوار رہنے کے لئے چھوڑ دیا ہے، اے فراق کے زہر فراق کی محل کو چھوڑ کر جسم میں اس کے بار اُٹھانے کی طاقت نہیں رہی، اور اے اونٹ تم اس دھیمی چال سے کیوں چل رہے ہو کاش میری بیماری عقیم ہوتی کہ اس سے دوستوں میں جدائی ڈالنے والا ذات البین نہ پیدا ہوتا۔

پھر تم جھوٹی فال نکالنے والے اور منحوس کوے کو مفارقت کا نذیر اور جدائی کا رسول کیوں سمجھتے ہو! فال نکالنے والے کے گھر سے اس کا بیٹا کیسے دور ہوا؟ جو کچھ دیکھ رہے ہو حقیقت میں یہ صرف کاندھے اور پیٹھ والے کا کام ہے جو مہار اور نکیل میں منتقل ہوتا رہتا اور دن رات آمدورفت کرتا رہتا ہے، ارشاد ہوئی کہ وہ رات بھر ہوا کی مثل چل کر صبح سویرے منزل بعید پر پہونچا، اور عاشق سرگرداں کو اجڑے ہوئے دیار اور مٹے ہوئے نشانات کے درمیان چھوڑ گیا تاکہ وہ مستعدی کے ساتھ نشان زخم کا پتا لگائے اور ٹیلوں سے زمانہ گذشتہ کا حال دریافت کرتا رہے۔

اگر انصاف کرو تو معدوم چشمہ اور بھاگے ہوئے اونٹ کا کیا قصور ہے

جو حوض اور چکر سے جھٹ کر رہی، عصا اور کوڑے کے سپرد ہوا، اگر باز کو اختیار دیا جائے تو وہ بھی قیام کرلے اور طایر قطا کو اپنی حالت پر چھوڑ دیا جائے تو وہ بھی رات کو سو رہے، لیکن زمانہ متلون ہے، اور ہمیشہ اپنے زمانہ پر بحفظ تیر چلاتا رہتا ہے، بس یہی وہ ہے جو مجمع کو درہم برہم کرتا رہتا ہے، اور جو تلوار اس کے سہارے پر اٹھائی جاتی ہے اس کو گرا دیتا ہے، اس نے کسی ایسے پیاسے کا لب جو اپنے غم کی آگ میں جل رہا ہو تر نہیں کیا اور نہ اس کو پانی پلایا۔

قسم ہے اس فاختہ کا غم زیادہ نہیں ہے جو مہندی اور طوق والی اور عشق و شوق کی شکایت کرنے والی ہے جو اپنے نشیمن میں بیٹھی ہوئی اپنا قصہ بیان کر رہی ہے اور اپنے نفس گرم کی چنگاریاں آنکھ سے باہر پھینک رہی ہے جس نے درخت اور اس کی شاخوں کو اپنی منزل بنایا ہے، جس کی موزوں آواز شعر کا مقابلہ کرتی ہے، جو لکڑی سے اس طرح آواز نکالتی ہے گویا عود بجا رہی ہے، اور اپنی پردرد آواز کا اس طرح اعادہ کرتی ہے، گویا کسی اجنبی کو سنا رہی ہے، عاشق بیخود اس کی آواز سے چونک کر ہوش میں آجاتا ہے اور اس کے نالۂ شوق کا جواب دینے لگتا ہے، یہاں تک کہ اپنی انگلیوں کو دیکھ کر اس کے خاکی رنگ کا شبہ کرنے لگتا ہے، اور اس کو خطاب کرکے کہتا ہے کہ "اے رنگین ساق والی! تجھ کو شوق سے کیا واسطہ، یہ کیا حال ہے کہ تو رو رہی ہے اور تیرے آنسو چڑھے ہوئے ہیں، تو سوگوار ہے اور تیرے بازو آراستہ ہیں، تو نے نیچے کے پروں کو عاری اور اوپر کے پروں کو آراستہ کر رکھا ہے، اور اپنے پاؤں میں مہندی لگا کر ماتم کی مجلس میں حاضر ہوئی ہے، بلاشبہ تو نشہ میں مغلوب اور پھولوں اور درختوں کی یار وفادار ہے، منبر اور تخت کے درمیان آمدورفت کرتی، باغ اور سبزہ کے درمیان خرام ناز کرتی رہتی ہے، تو نے گانے بجانے میں بہت افراط کیا ہے لیکن وہ صرف پائل کی آواز کی نقل اور حرف را کی تکرار کا شوق ہے"

فاختہ جواب دیتی ہے کہ صاحب بصیرت کی طرح غور سے دیکھو ہم مصیبت میں غرق ہیں، ہم نے جزو کو کل کا کنایہ بنالیا ہے، ہم میدانوں میں رہتے اور وہاں جو کچھ پاتے تھے اس پر زندگی بسر کرتے تھے، صبح سے شام تک اپنے

رفیق کے ساتھ دل بہلاتے رہتے تھے، کبھی اتراتے ہوئے نہر سے نالے کی طرف
چلے آتے، کبھی تخت سے زمین کی طرف چلے جاتے، کبھی دانہ چگتے اور کسی وقت
محبت و پیار کی باتیں کرتے، کبھی پاؤں سے شاخوں کو ہلاتے رہتے اور پیچیدہ
شاخوں کو نوچتے اور کھینچتے رہتے تھے، زمانے نے میرے رفیق کو آفات میں
مبتلا کر کے ہم سے جدا کر دیا، اور اس کے بعد میرا یہ حال ہو گیا کہ آنکھوں سے
خون ٹپکتا رہتا اور ہر وقت رنج و غم دامنگیر رہا کرتا ہے، چشمے کے بعد اس کے
نشان سے پیاس بجھاتے ہیں، جب میری آتش محبت بھڑکتی ہے تو میری
منقار مشتعل ہو جاتی ہے، اور جب میرے دل و جگر میں خراش پیدا ہوتی ہے
تو اس کے خون سے میرا پاؤں رنگین ہو جاتا ہے، قسم ہے ہم اپنے رفیق کی وفا
کا طوق نہیں اتاریں گے یہاں تک کہ اس کے بعد ہم بھی ہلاک ہو جائیں۔

اور اس خوش حال و فارغ البال شریف و صاحب جمال عورت کا غم بھی
زیادہ نہیں جس کو زمانے نے کشادہ دست بنا کر اس کے لڑکے کو چھین لیا ہو،
جس کا حال یہ رہا ہو کہ جب وہ اپنے گرد آلود بچے کو تعویذ پہنا تی اور اس ہونہار فرزند
کو عمامہ باندھتی اس وقت بزدل شخص کے دل میں بھی جوش پیدا ہو جاتا تھا
اور حاسدوں کی نگاہیں دوسری طرف پھر جاتی تھیں، یہاں تک کہ اس کا
یہ نونہال بچپن کی مدت پوری کر کے سن شعور کو پہونچا تو وہ شریف عورت اپنے
اس اکلوتے کے ساتھ جو اس کے نزدیک نہایت گرانقدر اور اس دریگانہ کے
ساتھ جو اپنے خاندان کے گلے کا ہار بنا ہوا تھا اپنے کنج عافیت میں زندگی
بسر کرنے لگی وہ اس کے لئے راتوں کو نرم ہوا کے جھونکوں کی تمنا کرتی،
اور تیر نظر کے خطرات سے اس کے حق میں ہر وقت ڈرتی رہتی تھی، یہاں تک
کہ جب لڑکے کے دل میں نام و نمود کی امنگ پیدا ہوئی اور تعویذ کی جگہ تلوار
کے پرتلے کو لی، اور اولوالعزمی نے للکار کر کہا کہ زن و فرزند کوئی چیز نہیں
تو اس نے سامان باندھا، اور نیزہ سنبھال کر زرہ بکتر میں اترا تا ہوا اور تیزہ زنی
میں ماہر ہو کر باہر نکلا دفعۃً ایک مضبوط پنجہ والے شیر نے جس کے بال اور مونڈھے
کھلے ہوئے تھے حملہ کر کے اس کو موت کے حوالے کر دیا، اور اس کی چادر کا کنارہ

اس کے پہلو میں چھوڑ دیا، جب اس کی مصیبت زدہ ماں کو ٹھیک حال معلوم نہیں ہوا
تو دریافت حال کے لئے باہر نکلی اور اس کے سوا اور کچھ نہیں دیکھا کہ ایک
دغا باز شیر کے پاس جسم کے پانچوں جوڑ اور گوشت کے کچھ ٹکڑے پڑے ہوئے
ہیں جن کو وہ اپنے تیز دانت اور مضبوط پنجوں سے نوچ رہا ہے۔

غرض ان دونوں مصیبت زدوں کا رنج و غم میرے اس رنج سے
زیادہ نہیں ہے جو ہم کو اس ملک کا ہے جہاں ہر قسم کی خوبی اور نیکی طلوع
ہوتی رہتی ہے، اور جہاں ہر قسم کی خوبیوں کا کمال شرف اور شرف کمال ظاہر
ہوتا رہتا ہے، جہاں ایسے بلند ہمت اور شریف خصلت لوگ پیدا ہوئے جن سے
خود بلندی کی آنکھ ٹھنڈی ہوئی، اور جو زمانے کے گلے کے زیور بنے، ان لوگوں
نے علم کے اس قدر شگوفے کھلائے کہ سارا ملک شاداب باغوں سے بھر گیا،
اور ادب کا ایسا دائرہ بنایا جس کے گرد سعادتمندی کے مدار گردش کرنے لگے
زمانے نے ان کے محاسن کو اپنے گلے اور سینے کا زیور بنایا اور انہی سے
آفتاب و ماہتاب کے لئے ان سے روشنی مستعار لی، فخر نے ان کے ساتھ
خلوص ظاہر کیا، اور مجد نے ان کے لئے اپنا سینہ کھول دیا۔

یہ لوگ زمانے کی آنکھ کی پتلی، اور حسن و احسان کے حدود کے نقطۂ
اتصال ہیں، جوزا نے ان کے مفاخر کو نظم اور نثرہ نے ان کے مآثر کو نثر کیا،
شعریٰ نے ان کے اشعار سے فائدہ اٹھایا، اور نوثر ان کی گھنڈیوں سے
برآمد ہوا، فرقا نے ان کے اخبار کہتے سننے کی دلو نے ان کے حوض سے باقی
پینے کی اسد نے ان کی دیوار کے گرد پناہ لینے کی، نعایم نے ان کی نعمتوں
سے غذا حاصل کرنے کی، اور مجرہ (کہکشاں) نے ان کے فیض کرم سے مدد
حاصل کرنے کی خواہش کی۔

مشک ان کے محاسن میں بس کر رقیق ہو گیا، صبح نے ان کی خبروں سے
جوش میں آکر اپنا گریبان چاک کر ڈالا، نسر نے ان کے حمی (علاقۂ محفوظہ) کے
گرد چکر لگا کر حلقہ بنایا، اور خود فخر نے ان کی مفاخرت کی دیوار اٹھائی اور اس کو
حلقہ میں لیا، ان کی بلاغت سے شاعر لبید کی زبان گونگی ہو گئی، اور اس نے حبالۂ عید

کو نا جمید بنا دیا، ابن ہلال نے ان کے محاسن پر تکبیر و تہلیل کہی، اور فارابی کے قلم نے جو کچھ لکھا اور تحریر کیا تھا سب کو چھپا دیا، اور ایاس نے ان کے درجے کے قریب پہونچنے سے مایوس ہو کر جو قصر تعمیر کیا تھا اسے قصر (مختصر) کر دیا

اور اسی مکتوب کا ایک حصہ یہ ہے

کوئی صاف و شفاف یا رنگین و خوشنما نقش و نگار اس سے زیادہ خوبصورت نہیں ہے جو ان لوگوں کے انفاس نے نقش کیا ہے، اور جو ان کے صحیفہ پر رسم ہوا ہے ان کے یہاں بہتیرے دُرِ ناسفتہ ایسے ہیں جن کی پرورش گندم علم سے ہوئی ہے، اور بکثرت گوہر یکتا ایسے ہیں جن کی آرایش خوش بیانی کے کوتی سے ہوئی ہے، معارف ان کے انوار سے روشنی حاصل کرتے ہیں، اور فضائل ان کے منارہ کی بلندی پر فخر کرتے ہیں، اور ان کی عقل و فکر کی روشنی سے مشکلات رفع ہو جاتی ہیں

عروس مجد کو ان لوگوں نے آراستہ کر کے جلوہ آرا کیا، میدان سعادت میں داخل ہو کر اپنے بازوؤں سے خود رفعت کے ساتھ مزاحمت کی، ذرۂ خاک کو ستاروں کے مرتبے پر پہونچا دیا، ان کے محل کو تکبیر اسی طرح لازم ہے جس طرح حرف یاء کو تصغیر، اور انہام کے مرتبے میں ان کو اسی طرح تقدم حاصل ہے جس طرح ہمزۂ استفہام کو، ان لوگوں نے مراتب عالیہ کو حرف استعلاء کا قایم مقام بنا دیا ہے ان کی انتہا بہت دور ہے، اور آفتاب مداحوں کی مدح سے مستغنی ہے، پھر اس حالت میں ہم اور کیا کہیں، ہمارے لئے یہی کافی ہے کہ اپنے شوق کی تکلیف کو جس میں ہم مبتلا ہیں، اور دردِ اشتیاق کو جو ہمیں محسوس ہو رہا ہے بیان کریں، اور نفس کو ملاقات کی امید سے تسلی دیتے رہیں اور جو نسیم ان کی طرف سے آتے اس سے دل بہلاتے رہیں۔

اگرچہ زمانے نے ہم کو ان کے حوض پر وارد ہونے سے باز رکھا، اور ان کے باغ کی گل چینی سے محروم کر دیا، پھر بھی ہماری محبت زائل نہ ہوئی اور ہمارے دلی خیالات میں کوئی تغیر پیدا نہیں ہوا اور نہ ہمارا قلم ان کی سیاہی سے اور نہ ہماری ہی سیاہی سے خشک ہوا ہے، ہماری محبت ان کے ساتھ روشن ہے اور ہم ان کے عہد کریم کی طرف آنے کی ہمت رکھتے ہیں، اگرچہ لوگ ہمیں محبت خالص کی طرف

بلائیں تو وہ دیکھیں گے کہ ہم عہد قدیم والوں کے سامنے اپنا عمامہ اتار دینگے اور اگر ہماری طرف مکاتبت کے قلم کو متوجہ کریں، اور اپنی گراں مایہ مخاطبت سے ہم کو سرفراز کریں تو دل دردمند کو اس کی زنجیر اسیری سے نجات دیں گے، اور تپش محبت کو جو اپنی حرارت سے جلا رہی ہے سرد کریں گے کہ اس غرض کے لئے کتابت کافی ہے اور بلاشبہ چشمہ کا نشان چشمہ سے بے نیاز کر دیتا ہے اور خالص، کریم، خوشبو، اور خوبصورت سلام خصوصیت کے ساتھ ان لوگوں کو پہونچے جو مرتبۂ بلند اور محل عالی رکھتے ہیں، نیز ان کے بڑوں برادران تمام مخلص وقدیم احباب محسن برادر اور رفیق صادق پر پہونچے جو وہاں موجود ہیں، ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اشعار آپ کے آخر زمانے کے اشعار میں ایک قصیدہ دستیاب ہوا ہے جو امیر المسلمین شاہ مغرب کی مدح میں ہے، جس وقت کہ وہ تلمسان سے چل کر بارگاہ شاہی میں حاضر ہوئے تھے اس کا مطلع یہ ہے:۔

خطرت کمیاس القنا المتأطر	اس نے خم کھائے ہوئے نیزے کی طرح جنبش کی
ورنت بألحاظ الغزال الأعفر	اور خاکی رنگ کی ہرن کی آنکھوں سے تاکنے لگی

تشبیب میں آپ کے حسب ذیل اشعار ہیں:۔

زارت وفی کل لحظ طرف محترس	وہ اس حالت کے ساتھ نئے کہ اسکی ہر نگاہ پاسبان کی آنکھ تھی
وحول کل کناس کف مفترس	اور اوس کی ہر خوابگاہ کے گرد شکاری کا ہاتھ تھا
متی تلاخد ها الزاهی بالضحی نطقت	جب اس کا رخ روشن سورۂ ضحیٰ تلاوت کرتا تھا
سیوف الحاظها من أیة الحرس	تو اسکی نگاہوں کی تلواریں آیت حفاظت پڑھنے لگتی تھیں
یشکو لها الجید ما بالحلی من هدد	گردن کو اس سے یہ شکایت ہے کہ زیور کی آواز بہت کرخت ہے
ویشتکی الرند ما بالقلب من خرس	اور ہسلیوں کو یہ شکایت ہے کہ اس کا دل ساکت اور بہرا ہے
فی لحظها سحر فرعون ورقتها	اسکی نگاہ میں فرعون کا جادو ہے اور اسکی حیا موسیٰ کے معجزات تھے
آیات موسی وقلبی موضع القبس	اور میرا دل حضرت موسیٰ کے آگ لینے کی جگہ ہے
تخفی النموامین من حلی ومبتسم	وہ دوغماز یعنی زیور اور دانت کو دو پردوں
تحت الکتومین من شعر ومن غلس	یعنی زلف اور ظلمت شب کے نیچے چھپا لیتی ہے

وترسل اللحظ نحوی ثم تهزأ بی	اور میری طرف تیر نظر چلا کر اور اس کے پیوست ہو جانے کے
تقول بعد نفوذ الرمیة احترس	بعد استہزاءً کہتی ہے کہ اس سے بچا رہ
أشکو الیها فؤادًا واجفًا أبدًا	ہم اس سے ہمیشہ جذبات میں مضطرب رہنے والے دل کی
فی النازعات وما تنفك من عبس	شکایت کرتے ہیں مگر وہ تیوری چڑھانے سے باز نہیں آتی
یا شقة النفس ان النفس قد تلفت	اسے نفس میرا دم گھٹ چکا ہے
الا بقیة رجع الصوت والنفس	صرف دم واپسیں اور اس کی صدائے بازگشت باقی ہے
هذا فؤادی ووصفی فیك قد جمعا	میری یہ دلی حالت اور پھر تیری توصیف دو ضدیں جمع
ضدین فاعتبری ان شئت واقتبسی	ہوگئی ہیں اگر تو چاہے تو ان سے عبرت اور فائدہ حاصل کر
ویا لطارق لو مرمنك ارقنی	وہ تیرا کیسا خیال تھا جو ایک رات نیند میں آکر جگا گیا
لیلا و نبهنی للوجد ثم لنسی	اور مجھے ذوق و شوق برانگیختہ کرکے چھوڑ کر چلا گیا
مازال یشرب من ماء القلوب فلم	وہ ہمیشہ دلوں کا پانی پیتا ہے اس لئے ہم نے
أبصرته ذابلا یشکو من الیبس	کبھی اسے مضمحل اور خشک نہیں دیکھا
ملأت طرفی من ورد تفتح فی	ہم نے اپنے دامن نگاہ کو گلاب کے پھول سے
ریاض خدیك ضلا غیر مغترس	جو تیرے رخساروں کے باغ میں خود رو طریقہ پر اُگتا ہے بھر لیا
وقلت للحظ والصدغ احرسا فهما	ہم نے گوشۂ چشم اور بناگوش سے کہا کہ بچے رہنا کیونکہ
ما بین مصم وفتاك و منتکس	دونوں بہا دینے والے گرفتار اور سرنگوں کرنے والے ہیں
ولیلة جئتها سحرا أجوس بها	اور ایک وہ رات بھی تھی جس کو ہم نے ٹیلوں کے دامن
شبا العوالی وخیس الاحنف الشرس	اور شیر کے غاروں میں گھستے ہوئے صبح کر دیا تھا
استفهم اللیل عن أمثال انجمه	ہم اس رات سے اس کے ستاروں کے حالات دریافت کرتے رہے
وأسأل العیس عن سرب لمها الانس	اور اونٹوں کے قافلے سے انس گایوں کی ٹولیوں کو پوچھتے رہے
وأهتك الستر لا اخشی بوادره	اور ہم جھڑکیوں کے ڈر کے بغیر کبھی اچک کر
ما بین منتهز طورا و منتهس	اور کبھی دانتوں سے پردہ چاک کرتے رہے
بتنا نعاطی بها ممزوجة جمعت	وہ رات اس طرح بسر کی کہ شیریں کلامی اور تندخوئی کے
حلو الفکاهة بین اللین والشرس	نکات کے ساتھ شراب ممزوج کا دور چلتا رہا
انکحتها من ابیها وهی آبیة	ہم نے شراب کو اس کی اصل سے مخلوط کر دیا تھا

فتار ابنا وصافی ساعة العرس	جس کا میتھ بھی بوقت شادمانی ظاہر ہوگیا
نور و نارا اضاءا فی زجاجتہا	شراب کے شیشے میں روشنی اور آگ دونوں روشن تھیں
فذالک خدک یالیلیٰ وذا نفسی	اے لیلیٰ! وہ نور تیرا رخسار تھا اور نار میرا نفس تھا
حتیٰ اذا آب نور الفجر فی وضح	یہاں تک کہ جب فجر کا نور سپیدی صبح میں جو فجر اور تاریکی
معرد جال بین الفجر والغلس	شب کے درمیان تیزی سے پھیل رہی تھی بدل گیا
وھنیمت بالنہا نفحة الصباح صبا	اور باد صبا نے صبح کے وقت ہلکی آواز دیکر اس محبوبہ کو
قد انذرتہا ببرد القلب واللعس	سردیٔ قلب اور سیاہی لب سے ڈرا دیا
قامت تجر فضول الربط آنسة	تو وہ چادر کی جھالر کو زمین پر لٹکاتی ہوئی چل کھڑی ہوئی
کریمة الذیل لم تجنح الی دنس	گر اس کے مکلف دامن پر کوئی میل نہیں آیا
تلوث فوق کثیب الرمل مطرفہا	اس کی ریشمی چادر ریت کے تودوں سے آلودہ ہوئی جاتی تھی
وتمسح النوم عن اجفانہا النعس	اور وہ اپنی خواب آلودہ آنکھوں کو مل کر نیند توڑ رہی تھی
فظل قلبی یقفوھا بملتہب	اس وقت میرا دل اضطراب کے ساتھ اس کا پیچھا کر رہا تھا
طوراً و دمعی یتلوھا بمنبجس	اور کبھی آنکھوں سے آنسو بھی جاری ہو جاتے تھے
دھر تلون لونیہ کعادتہ	زمانہ اپنی عادت کے موافق رنگینیوں میں تھا
فالصبح فی مأتم واللیل فی عرس	صبح ماتم میں اور رات خوشی میں تھی

غرض آپ میں خوبیاں بہت تھیں۔ ایک دفعہ آپ کو بلاد سوڈان میں آتے ہوئے راستے میں ڈاکوؤں نے گھیر لیا تھا، آپ نے جاہ اور شہرت کے ساتھ زندگی بسر کی اور آپ کی متعدد زنجی کنیزیں تھیں جن سے سیاہ فام اولادیں گبریلوں کی طرح پیدا ہوئیں، اوائل ۷۳۹ھ میں معلوم ہوا کہ تنبکتو میں آپ کا انتقال ہوگیا۔

ابراہیم بن عبداللہ بن ابراہیم

ابن موسیٰ بن ابراہیم بن عبدالعزیز بن اسحٰق بن قاسم نمیری

نام کنیت، عرف	ابراہیم نام، ابو اسحٰق کنیت اور ابن الحاج عرف ہے

غرناطہ کے رہنے والے ہیں :-

اولیت

ابن الحاج مشہور شخص ہیں، ایک مورخ کا خیال ہے کہ ان کے مورث اعلےٰ جو اندلس میں آئے وہ تواہ بن سخرہ نمیری تھے، ان کے خاندان کے ساتھ بنو ارقم وادی شیون میں رہتے تھے۔

ابن الحاج کی سکونت وادی آش کی ایک سمت میں تھی، اور دوسری سمت یعنی شوط، منظر، قرسیس، اور قطرش کے مقامات میں ان کی قوم آباد تھی، عبدالعزیز کے عہد میں ان مقامات پر جب دشمن کا تسلط ہوا تو وہ دولت نصریہ کی حمایت میں آگئے اور اس کے تمام افراد سلسلۂ ملازمت میں داخل ہوکر اسی پر قناعت کرنے لگے

ابن الحاج کے جد

ابن الحاج کے دادا ابراہیم ایک اچھے شخص تھے، دینداری فضیلت، طہارت، اور ذکاوت کے اوصاف سے متصف، اور وادی آش کے روسائے بنو اشقیاولہ کے کاتب تھے، اور اپنے غیر معمولی اثر و رسوخ سے ایک رئیس کی ام ولد کی لڑکی سے شادی کی تھی، انھوں نے ان رؤساء کی مہمات کو منضبط کیا، مگر جب وہ ان کے عادات واطوار سے بدگمان ہوگئے تو ان سے کنارہ کش ہوکر سلطان کے پاس چلے آئے جو ان رؤسا کا ماموں تھا اور جس کے خلاف ان لوگوں نے علم بغاوت بلند کیا تھا، سلطان نے ان کی قدرشناسی کرکے خوش آمدید کہا، اور ان کی عرضداشت قبول کرکے فوج کا بخشی مقرر کردیا جس کے بعد سے وہ تمام عمر اسی کی حمایت اور عنایت کے زیر سایہ رہے۔

ابن الحاج کے والد

ابن الحاج کے والد عبداللہ بھی ایک بڑے عہدہ پر تمام اہل خدمت کے صدر تھے، رؤسا کے طریقے پر رہتے تھے، کسب معاش میں مہارت اور طبیعت میں تیزی تھی، غرناطہ کے امور کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ جب سبتہ دولت بنو نصر کی قلمرو میں داخل ہوگیا تو یہاں کے مشاغل بھی انجام دینے لگے، آخر عمر میں ان پر دنیا غالب ہوگئی تھی اس دنیا میں انھوں نے خوب رنگ رلیاں منائیں،

تاہم ان کی نیک نفسی، خوش معاملگی، خط کی پاکیزگی، اور کفایت شعاری کی تعریف کی جاتی تھی۔

ابن الحاج کے حالات

ابن الحاج نے عفاف، پاکدامنی اور ناز و نعم کی گود میں پرورش پائی جس کا اظہار ان کے لباس سے بھی ہوتا تھا، اور انھیں کسی سخت پیشے کے اختیار کرنے کی ضرورت نہیں پیش آئی، اور جب وہ سن رشد کو پہونچے تو ان کے عادات و اطوار نہایت عمدہ ہو گئے، اعلےٰ درجہ کے خوش نویس، اور فصیح شاعر ہوئے، فی البدیہہ اشعار کہنے لگے، ۷۳۴ھ میں اپنی ذاتی وجاہت سے دفتر انشاء میں مامور کئے گئے اور اپنی خوبصورتی، خط کی پاکیزگی، قلم کی روانی، ادبی جودت اور وصف استغناء کی بنا پر وہ اس کے اہل سمجھے گئے، اس خدمت کے ساتھ ساتھ تالیف کا مشغلہ بھی جاری رکھا، اور اس میں وہ بالکل نہ تھکتے تھے، حدیث کی تدوین اور اشعار کی تعلیق، اور نظم و نثر کی تحریر سے کسی روز دست بردار نہ ہوئے اپنی فکر طبع کو کبھی مہلت نہ دی، بلکہ اسے ہر وقت مصروف کار رکھا، پاکباز رہے اور ایام جوانی میں کبھی اشتباہ کی نگاہوں سے نہ دیکھے گئے، اور باوجود حسین ہونے کے شاہد بازی سے محفوظ رہے، اس میں ان کی خودداری، ہمت اور طبیعت کی صفائی معاون ہوئی، یہ خوش مزاج واقع ہوئے ہیں اور ان کی مزاحوں میں ملاحت ہوتی ہے۔

جب ابن الحاج نے مشرق کا سفر کرنا چاہا تو پہلے وہ محرم ۷۳۶ھ میں اندلس آئے اور ارباب دولت کے جذبات کو اپنے اشعار اور مدحیہ قصاید سے متحرک کیا، اس وقت لوگوں کو ان کی قدر و قیمت معلوم ہوئی، پھر وہ یہاں سے حج اور سیاحت کے لئے روانہ ہوئے، اور اس سیاحت میں متعدد کتابیں لکھیں، اور ایک جلد میں اپنا سفرنامہ بھی مرتب کیا، جس کا ایک ٹکڑا یہ مضمون ہے اپنے سفر سے فارغ ہو کر افریقیہ پہونچے جہاں وہ کسی بادشاہ کے پہلے سے ملازم تھے، اور مدت تک بجایہ میں رہ کر کتابت اور انشاء کی خدمت انجام دی، بعدازاں انھوں نے سلطان مغرب امیر المومنین ابوالحسن کا توسل اختیار

کیا، اور اس کے تھوڑے دنوں کے بعد دوبارہ مشرقی بلاد کی سیاحت کی اور فریضۂ حج ادا کر کے افریقیہ واپس آ گئے۔ اس وقت سلطان مذکور کی حکومت بدل گئی تھی اس لئے وہ ملازمت سے کنارہ کش ہو کر خاموش زندگی بسر کرنے لگے، مگر جب زمانے نے گردش سے کر سلطان کی حکومت کو از سر نو قایم کر دیا جو عام طور سے مشہور ہے، اور بجایہ کے موحدین کا شرارہ بلند ہو کر مشتعل ہونے سے پہلے خاموش ہو گیا تو وہ پھر والی بجایہ کی طرف سے کتابت کے دیوان میں اپنی خدمت پر بحال کئے گئے مگر وہ جلد اس خدمت سے دست بردار ہو گئے اور دولت فارسیہ کے زیر سایہ عافیت کی زندگی بسر کرنا پسند کیا، ان کی دست برداری اختیاری تھی یا اضطراری یہ بات پایۂ تحقیق کو نہیں پہونچی، گو ان کے نزدیک ہر ایک صورت کی حجت موجود ہوگی بہرحال وہ سب سے کنارہ کش ہو کر تلمسان کے عابدوں کے ساتھ شیخ ابو مدین کی تربت پر رہنے لگے، گمنامی، تجرد اور عکوف کا مسلک اختیار کیا اور ساکنین کو فخر کی نگاہوں سے دیکھا، خداوند تعالےٰ اپنے فضل سے ہمیں بھی اپنی طرف رجوع فرمائے پھر دولت فارسیہ نے ابن الحاج کو ملازمت کے لئے مجبور کیا، اور ان کے جسم سے تمسک کا لباس اتار کر دیوان کتابت کی ریاست عطا کی، اور رئیس و مرؤس بنائے گئے۔

سلطان ابو عنان کے انتقال کے بعد وہ اندلس چلے آئے یہاں وہ اعزاز کے ساتھ رہے، اور برابر عنایت کی نظر ان پر رکھی گئی یہاں تک کہ وہ سلاطین کے پاس سفیر بنا کر بھیجے گئے، اور قلیم میں جو شہر غرناطہ سے متصل ہے شرعی احکام کا منصب قضا انھیں عطا کیا، اور اب تک وہ اسی منصب پر فائز ہیں، یہاں کے صدر اور اعیان میں سے شمار کئے جاتے ہیں، سلطان کے دربار میں ہمیشہ ان کی حاضری ہوتی ہے اور دربار کے تمام لوگوں میں معزز سمجھے جاتے ہیں، گو وہ سن کہولت کے متوسط درجہ تک پہونچ چکے ہیں تاہم ان کی انشاء میں شان باقی ہے، وہ ریشمی لباس، مد سیاہ خضاب کا استعمال کرنا مناسب سمجھتے ہیں، شان و شوکت کی زندگی بسر کرتے اور اپنی جلالت کے

مشتاق ہیں۔

ابن الحاج کا ذکر التاج المحلی میں بایں طور کیا گیا ہے:۔
وہ روشن شہاب بن کر طلوع ہوئے، اور شعر کے ذریعے سے کوکب شعری سے قریب ہو کر چمکے، اشعار میں ایسی ندرت پیدا کی جس کے حسن پر نگاہیں جم گئیں، اور جس کے نادر فنون نے عقلوں کو مفتوں کر دیا، وہ قوت بلاغت سے فن معانی کے بعید اسرار اخذ کرتے اور اس کے دریا میں غوطہ لگا کر درہائے یکتا نکالتے ہیں، ان کے عہد میں فن بیان مردہ ہو کر زندہ ہوا، جس کی مزین بساط پر مسرت کو دعوت دے کر ساغر کے دور چلائے، گلاب اور اس کے پھولوں کی خوشبو سے مشام جاں کو معطر کیا، اور شراب صبوحی کو خوش مزہ بنا کر اس کے کیف میں تغیر پیدا کیا، غرض ان کی بلاغت کی خوشبو ہر طرف پھیلی اور ان کی انگلیوں نے اس میں برابر حسن ظاہر کیا، جب وہ کتابت کے لئے مدعو کئے گئے تو اپنے قلم کے نقش ونگار سے سر دل پر طرہ لگایا اور اپنے لولوئے گفتار کو لوگوں کے کانوں پر آویزاں کیا اور جب روحانی داعی نے انھیں دعوت دی تو فوراً لبیک کہا، جس کے لئے ان کا جسم اور زمانہ بے چین تھا اور جس کے فکر و غم کا مداوی کرتے کرتے وہ تھک چکے تھے، جیسا کہ ابو طیب متنبی کا قول ہے، "واتعب خلق اللہ من راد ھمہ ہ" یعنی مخلوقات میں سب سے زیادہ درماندہ وہ ہے جو اپنے ممدوح کی تلاش کرے" چنانچہ منزلیں طے کرنے کے لئے وہ ناقے کی پشت پر سوار ہوئے اور حج و زیارت اور طواف سے مشرف ہو کر پھر مغرب میں واپس آئے اور افریقیہ میں قیام کیا، کچھ دنوں کے بعد یہاں سے منتقل ہو کر اور احباب کو وداع کہہ کر دوبارہ مشرق کی سیاحت کو نکلے۔

اساتذہ

ابن الحاج اپنے شہر کے مشایخ سے روایت کرتے ہیں، ان روایتوں کو ضبط بھی کیا ہے، سیاحت کے اثنا میں اس قدر لوگوں سے علمی استفادہ کیا جن کا شمار مشکل ہے۔

تالیفات

ابن الحاج کی تالیفات کی فہرست یہ ہے۔

۱ ۔ کتاب المساھلۃ والمسامحۃ
فی تبیین طرق المداعبۃ والممازحۃ

۲ ۔ ایقاظ الکرام باخبار المنام

۳ ۔ تنعیم الانفباح فی محادثۃ الارواح

۴ ۔ کتاب الوسائل و نزھۃ
المناظر والخمائل

۵ ۔ الزھرات واجالۃ النظرات

۶ ۔ کتاب فی التوریۃ
یہ کتاب حروف معجم کے اصول پر مسنداً روایت کی گئی ہے۔

۷ ۔ جزء فی بیان اسم اللہ الاعظم
یہ کتاب بہت مفید ہے۔

۸ ۔ نزھۃ الحدق فی ذکر الفرق

۹ ۔ کتاب الاربعین
یہ کتاب حدیث میں ہے۔

۱۰ ۔ المستدرک علی الاربعین
اس کتاب میں اربعین سے زیادہ روایتیں ہیں اور تمام روایتیں دوران [illegible] میں حاصل کی گئی ہیں

۱۱ ۔ روضۃ العباد
یہ کتاب ہمارے استاذ قطب [illegible] محمد شافعی کی ایک تالیف ارشاد سے ماخوذ ہے۔

۱۲ ۔ الاربعون
یہ کتاب حدیث میں ہے، اس [illegible] روایتیں ہیں جن کو امراء و شیوخ نے دیگر ملوک اور امراء سے یا شیوخ نے اپنے قریب العہد ملوک اور خلفاء سے حاصل کیا ہے۔ میں نے اس کتاب کے آخر میں خاتمہ لکھا ہے جس میں ان روایتوں کے فوائد کا ذکر ہے جو ملوک اور امراء سے مروی ہیں یا جن کو شیوخ نے ملوک اور امراء سے روایت کیا ہے۔

۱۳ - کتاب اللباس والصحبة	اس کتاب میں تصوف کے طریقوں کا بیان ہے اس میں یہ دعوٰی کیا گیا ہے کہ اس کی مانند کوئی کتاب نہیں لکھی گئی ہے
۱۴ - شطر الحماسة لحبیب	نامکمل ہے
۱۵ - جزؤ فی الفرائض	نادر اسلوب پر ہے مشرق کے شہروں میں رائج ہے۔
۱۶ - الحجب والسلاح	بحر رجز میں ایک چھوٹی کتاب ہے
۱۷ - الجدل	بحر رجز میں ہے
۱۸ - الفصول المقتضبة فی الاحکام المنتخبه	شرعی احکام بحر رجز میں بیان کئے گئے ہیں
۱۹ - مثالیث القوانین فی التوریة والاستخدام والتضمین	منظوم ہے
۲۰ - فیض العباب واجالة قداح الادب فی الحرکة الی تسطنطنیة والزاب	

اشعار ابن الحاج کے چند قطعات یہ ہیں :-

طاب العذیب بما ذکرتك واننی	چشمۂ عذیب تیری یاد کے پانی سے ایسا خوش گوار ہو گیا اور پیچ کھانے لگا
فکانما ماء العذیب سلافه	گویا عذیب کا پانی نچوڑا ہوا عرق ہے
واھتز من طرب للقیاك الحمی	تیری ملاقات کی خوشی سے سبزہ زار جھوم اٹھا
فکانما باناته اعطافه	گویا اس کے درخت بان اس کے پہلو ہیں

دیگر

لی المدح یروی مذ کنت کانما	جب سے میں موجود ہوں مجھ سے صرف مدح مروی ہے
تصورت مدحا للوری وثناء	گویا میں نے خلق کی مدح وثنا کا ہی تصور کیا ہے
ومالی هجاء فاعجبن لشاعر	میں ہجو گو نہیں ہوں پس ایک ایسے شاعر اور کاتب سے پر

وکاتب سرّاً لا یقیم ھجاء — تعجب کرو جو ہجو گوئی نہیں کرتا

دیگر

ولی فرس من علیۃ الشہب سابق — میرے پاس ایک نہایت شریف سبزہ رنگ کا گھوڑا ہے جو سب سے

أحرفہ یوم الوغی کیف اطلب — آگے رہتا ہے جنگ کے دن میں جدھر چاہتا ہوں اسے پلٹا دیتا ہوں

غدوت لہ فی حلبۃ القوم مالکا — اسکی بدولت میں قوم کے میدان مسابقت کا مالک ہوگیا

فللہ ما أعناہ فی السبق أشہب — اللہ جانتا ہے دوڑ میں کوئی گھوڑا اس کا مقابلہ نہیں کرسکا

ایک دفعہ سلطان کے حاجب نے چشمۂ فیض الثغور پر پانی پیا اس وقت ابن الحاج نے یہ قطعہ کہا۔

تعجبت من ثغر ھذی البلاد — ہم کو اس ملک کے ثغر (سرحد) پر یہ دیکھ کر تعجب ہوا

وھا أنت من عینہا شارب — کہ تم اس کے عین (چشمہ) سے پانی پی رہے ہو

فللہ ثغر أری شاربا — خدا جانتا ہے وہ نہایت خوب ثغر ہے جہاں شارب دیکھا جاتا ہے

وعین بدا فوقہا حاجب — اور نہایت خوب وہ عین ہے جس کے اوپر حاجب ظاہر ہے

دیگر

وحمراء فی الکاس مشمولۃ — سرخ رنگ کی سرد شراب پیالے کے اندر سے

تحث العوادی فی کل بیت — ہر گھر میں عادتوں کو برانگیختہ کررہی ہے

فلا غرو أن جاء فی سابقا — پس اگر میرے پاس انس کو ترقی دینے والا کمیت نکلا

الی الانس خل یحث الکمیت — سرکہ آجائے تو تعجب نہیں کرنا چاہیئے

حمراء غرناطہ اور اس کے معمور دروازہ باب الفرج کی تضمین میں یہ اشعار ہیں:۔

أقول وحمراء غرناطۃ — ہم کہتے ہیں کہ غرناطہ کا قصر حمراء

تشوق النفوس وتسبی المہج — نفوس کو اپنا مشتاق بنالیتا اور دلوں کو گرفتار کرلیتا ہے

الا لیت شعری بطول السری — کاش ہم کو اتنا لمبا سفر کرنا پڑے

اذ تنا الوجی واشتکت فی العرج — کہ ہمارے پاؤں گھس جائیں اور لنگ کرنے لگیں

ومالی فی عرج رغبۃ — اور ہمکو لنگڑے ہونے کی خواہش صرف اس لیئے ہے

ولکن لاقرع باب الفرج — کہ ہم باب الفرج کو کھٹکھٹائیں

یہ چیستاں قلم کے متعلق ہے:

احاجیك ما واش یراد حدیثه — ہم تم کو ایک چیستاں سناتے ہیں بتاؤ وہ کون چغلخور ہے جسکی بات قصد کرکے

ویهوی الغریب النازح الدار فصاحه — سنی جاتی ہے اور جسکی فصاحت بعید الوطن کو فریفتہ کرلیتی ہے

تراه مع الاحیان اصفر ناحلا — اکثر اوقات اس کو زرد اور لاغر دیکھو گے

کمثل مریض وهو قد لازم الراحه — حالانکہ وہ ہمیشہ راحت کے ساتھ رہتا ہے

دیگر

وقالوا رمی فی الکاس وردا فهل تری — لوگوں نے کہا کہ معشوق نے پیالے میں ورد (گلاب کا پھول) ڈال دیا ہے

لذلك وجها قلت احسن به قصدا — کیا تم اسکی وجہ جانتے ہو؟ ہم نے کہا کہ اس کا مقصد کیا خوب ہے

الم تجد اللذات فی الکاس جامعة — اس نے یہ بتلایا ہے کہ پیالے کے اندر لذتوں نے میدان مقابلہ قائم کر رکھا ہے

فلا تنکروا فیها الکمیت ولا الوردا — پس اس میں کمیت اور ورد دونوں کو ہونا چاہیئے

دیگر

کماة تغنت تحت وقع سیوفهم — ان کی تلواروں کی ضرب سے زرہیں گانے لگتی ہیں

وللهام رقص کلما طلب الثار — اور جب انتقام خون طلب کیا جاتا ہے تو سر رقص کرنے لگتے ہیں

فلا غرو ان غنت وتلك رواقص — اگر زرہیں گائیں اور سر رقص کریں تو اس میں کچھ تعجب نہیں

لما فی میادین الکتائب اوتار — کیونکہ فوجوں کے میدان ان کے اوتار (اعصاب) ہیں

دیگر

وعارض فی خده نباته — ایک عارض (چہرہ) جس کے رخسار میں سبزہ اگا ہوا ہے

بحسنه بین الوری یسحرنا — تمام مخلوقات میں سے ہم پر اپنے حسن سے جادو کر رہا ہے

اجری دموعی اذ جری منو قاله — جب وہ چلا تو اس کے شوق میں ہمارے آنسو جاری ہو گئے

فقلت هذا عارض ممطرنا — اور ہم کہہ اٹھے کہ یہی عارض (بادل) ہم پر پانی برسا رہا ہے

جب سلطان ابو یحییٰ بن ابو بکر والی تونس کی وفات کے بعد اس کا فرزند ابو جعفر

اپنے بھائیوں کو قتل کرکے سریر آرا ہوا تو ابن الحاج نے یہ شعر کہے:۔

وقالوا أبوحفص حوی الملك غاصبا	لوگوں نے کہا کہ ابوحفص غصبا ملک پر قابض ہو گئے
واخوته أولی وقد جاء بالنکر	حالانکہ ان کے بھائی ان سے زیادہ لائق تھے اور یہ کام اچھا نہیں کیا
فقلت لهم کفوا فما رضی الوری	ہم نے ان سے کہا کہ زبان بند کرو اس لئے کہ حضرت ابوبکر کے انتقال کے بعد
سوی عمر من بعد موت أبی بکر	لوگ حضرت عمر کے سوا اور کسی سے راضی نہیں ہوئے

خاندان بنو مرین میں عنبر نامی ایک مشہور نوجوان شہسوار تھا، جب وہ جنگ میں شریک ہوا تو ابن الحاج نے اس کی شان میں یہ شعر کہے:۔

ولقد اقول وعنبر ذاك الفتی	ہم کہتے ہیں کہ یہ جوان مرد عنبر
یلقی الفوارس فی العجاج الاکور	شہسواروں کو پیچ کھاتے ہوئے غبار کے اندر گرا دیتا ہے
یا عاثرین لدی الجلاد لما فقد	اے صبر و تحمل کے موقع پر پھسل جانے والو سنبھل جاؤ کہ
بعثت لکم ریح الجلاد بعنبر	تمہارے لئے عنبر کی شکل میں صبر و تحمل کی خوشبو بھیجی گئی ہے

بیرون حمرا غرناطہ سبیکہ ایک مقام ہے جس کے اشتیاق میں ابن الحاج نے یہ شعر کہے:۔

لما نزلت من السبیکة صادنی	جب ہم سبیکہ سے نیچے اترے تو ہم کو ایک ہرن نے شکار کر لیا
ظبی وددت لدیه أن لم أنزل	اس وقت میری یہ خواہش ہوئی کہ ہم نہ اترتے
فاعجب لظبی صاد لیثا لم یکن	ایسے ہرن پر تعجب کرو جس نے ایسے شیر کو شکار کر لیا
من قبلها متخبطا فی أحبل	جو قبل سے رسیوں میں بندھا ہوا نہیں تھا

ظرافت کے رنگ میں یہ شعر کہے:۔

قد قارب العشرین ظبی لم یکن	وہ ہرن جس کی محبت میں خلق کو تسلی نہیں ہوتی تھی
لیوی الوری عن حبه سلوانا	بیس برس کے قریب پہنچ گیا
وبدا الربیع بخده فکأنما	اور اس کے رخسار پر فصل ربیع کے آثار ظاہر ہونے لگے
وافی الربیع ینادم النعمانا	گویا ربیع، نعمان کے ساتھ ہمنشیں ہے

وله

اتونی فعابوا من احب جماله	میرے پاس کچھ لوگ آئے اس شخص کی عیب چینی کی جس کا جمال مجھ کو محبوب ہے

وذالک علی سمع المحب خفیف	اور عاشق کے کان پر یہ بات گراں نہیں گزری
نما نیہ عیب غیران جفونہ	اس لئے کہ اس میں اس کے سوا کوئی عیب نہیں نکلا کہ اسکی
مراض وان الخصر منہ ضعیف	آنکھیں بیمار ہیں اور اس کی کمر نازک ہے

ولہ

أیا عجبا کیف تہوی الملوک	سخت تعجب ہے کہ ملوک میرے محل میرے اہل اور میرے لوگوں کے
محلی وموطن أھلی و ناسی	وطن کی کیوں خواہش رکھتے ہیں
وتحسدنی وھی مخدومۃ	اور ہم پر حسد کرتے ہیں حالانکہ وہ مخدوم ہیں
وما أنا الا خدیم بفاس	اور ہم فاس میں صرف ایک خادم ہیں

أیا قاضی العدل الذی لم تزل	اے انصاف کے قاضی تیرے آفتاب سے
تمار شہب الفضل من شمسک	ہمیشہ فضل کے شہاب جھڑتے رہتے ہیں
قعدت للانصاف بین الوری	تو خلق کے درمیان انصاف کے لئے بیٹھا ہے
فاطلب لنا الانصاف من نفسک	اسی لئے خود اپنے مقابلہ میں میرا انصاف بھی کر

قاضی صاحب کا یہ کیا حال ہے، اللہ ان کو سلامت رکھے کہ ان کے عدل کا وسیع ہاتھ تنگ ہوگیا اور عتاب سے بہرے ہو گئے، اور دوست کے ساتھ خط وکتابت سے بھی بخالت کرنے لگے آپ نے یہ تنگدلی مدونہ کبریٰ سے سیکھی یا اس امر مشتبہ کو مبسوط سے اختیار کیا، یا واضحہ کی تعلیم سے کہ امام کے ساتھ قابل تعریف وفاداری اور ثابت قدمی سے رک گئے ہ

ایک عام مثل ہے کہ اپنے بھائی کی طرف سے محبت کے دسویں حصہ پر راضی ہو جا، الحمد للہ کہ ہم نے آپ کے پیمانہ مد میں سے ایک دانہ پر آپ کے

صندوقچے میں سے ایک بچے ہوئے ٹکڑے پر اور آپ کے سن رشد کے زمانے سے بقدر وسعت معتدل وقعہ پر قناعت کرلی ... پھر آپ کا یہ کیا حال ہے کہ باوجود غنی ہونے کے ٹال دیتے ہیں اور ... کے قریب ہوتے ہوئے محنت ومشقت میں مبتلا کرتے ہیں۔

آپ کا حال اعتدال سے منحرف ہوگیا ہے ... وہ مطلع بھی ہے اور طامع بھی، مربی بھی ہے اور راعی بھی، مسمع بھی ہے اور سامع بھی، احاطہ وسیع ہے، مکان بہت دور اور فاصلے پر نہیں، جانوروں کے پستان دودھ سے بھرے ہوئے ہیں، غلہ کافی اور پورا ہے، طبیعت اشتعال پذیر ہے، اور امامت کا جھنڈا لہرا رہا ہے۔

فرض کرو کہ بھائیوں کے ساتھ خوان پر بخل واقع ہوتا ہے، پھر آپ کا یہ کیا حال ہے کہ بیان میں فیاضی دکھاتے ہیں، حالانکہ خبر مشاہدے کی مثل نہیں ہے، دل کی حالت متعدی ہوتی ہے مگر ہاتھ کی تحریر متعدی نہیں ہوتی، میری دعا ہے کہ آپ ایسی بدفہمی میں مبتلا ہونے سے محفوظ رہیں، جس کا نتیجہ یہ ہو کہ جب غیر کی طرف تمیم کا شعر نقل کیا جائے تو اس کا مطلب تمیم ہی سے بیان کرایا جائے۔

ہم سیاست قاصونیہ کا یہ حال دیکھ رہے ہیں کہ وہ نرم بستر پر اہل کہف کی نیند سوگئی ہے حسرت وافسوس کرنے والوں کی کچھ پروا نہیں کرتی، حفظ صحت کے لئے اس نے شیرۂ انگور پی لیا ہے اعادۂ شباب کے لئے بازوا ور برادہ میں کوٹ رکھا ہے، صبح کو شب تاریک سے چھپا دیا ہے کھلی ہوئی سفیدی پر گلابہ پھیلا دیا ہے، سوسن رخسار کو بنفشہ بنا دیا ہے اور بحر زاخر کو دریائی کائی کے کپڑے سے چھپا دیا ہے،

تیز رفتار سواری تیار ہوتی ہے اہلکار کی عورتیں اور دیوان کے کاتب سورۂ فلق پڑھتے ہیں حاجب اپنے قدموں پر کھڑے ہوگئے ہیں سپاہی نوخیزین کو قوم کے اندر سے کھینچ لاتے ہیں پھر یہ سب سید نے کھڑے ہوکر صف باندھتے جمع ہوکر باہم سمٹتے اور دائرہ بناکر گھیرتے ہو

ہوتے ہیں گویا انھوں نے نشر کی آواز سنی اور حشر اول کے لئے باہر نکالے گئے ان کی آنکھیں کواڑ کی طرف لگی رہتی ہیں اور ہیبت سے ان کی عقلیں گم ہوگئیں ہیں اور ان کی ضمانت طلب کئے جانے سے قبل ادا کی جا چکی ہے پھر گدی بچھائی جاتی ہے قبول در دکا ہنگامہ بلند ہوتا ہے رونا عام ہوتا ہے حساد غمگین ہوتے ہیں کون مستقیم اور فساد زائل ہوتا، ارواح اپنے اپنے جسموں میں واپس آتی ہیں۔ اس کے بعد حضرات قاضی تشریف لاتے اور بیٹھتے ہیں آنکھیں ان کو دیکھ کر مسرور ہوتیں اور پھڑ کنے لگتی ہیں ہاتھ یہاں تک صرف کرتے کہ مفلس ہو جاتے ہیں آفتاب اپنے فلک کو زینت دیتا ہے، تاریکی میں روشنی پھیل جاتی ہے دروازے کھل جاتے ہیں گروہ اہلکار خاموشی کے ساتھ کھڑے ہو کر ہر قسم کے شہاب ثاقب، اندھیری رات میں گشت کرنے والے، حفاظت و نگہبانی کرنے والے، اونچی ازار والے، بعید مزار والے، پشمینہ پوش، خوش بیان جھگڑنے والے، بیکار باتوں میں سوفسطائیوں کے وارث، خصوم کی تعلیم و تلقین کے علاوہ، کنواں اور اس کا حریم بنانے کے ماہر، غرض ان سب لوگوں سے ایک کہکشاں کی شکل کا راستہ بناتا ہے جو آپ کے شکم تک جا پہونچتا ہے یہ لوگ بہ آواز بلند ہدیے کا اعلان کرتے ہیں، اور اللہ نے جو حکم ان کو دیا ہے اس کی نافرمانی نہیں کرتے، اور جو حکم دیا جاتا ہے اس کی تعمیل کرتے ہیں اہلکاروں کا رئیس ایک مقرب واقف حال اور تجربہ کار سردار ہے، جو تمام امور کو بذات خود انجام دیتا ہے بھونک کر شکر گزاری ظاہر کرتا، اور زبان نکال کر اعشر طلب کرتا ہے، یہ شخص عقد سے بچنا چاہتا، اور ادھار اور نقد کا فیصلہ کرتا ہے، تزکیہ کرتا، جرح کرتا، پکڑتا چھوڑتا جسکو چاہے مجل رکھتا اور تفصیل کرتا ہے، اور ایک گماشتہ ہے جس کے ہاتھ میں کاغذ کی میزان اور متفرق اجزا کا جمع کرنا ہے، وہ منہ کھولے ہوئے دوات بند کرنے کا کفیل اور گرم سینوں کو تر کرنے کا ذریعہ ہے۔

پھر جب فریقین شارع بڑنے کی انتہائی جگہ اور ایسے مقام پر کھڑے ہوتے جہاں اراذل جمع ہوتے ہیں دونوں کے سامنے مدا کا اعلان کیا،

جاتا، اعدا بلائے جاتے، اور دونوں پکار کر کہتے ہیں کہ اللہ ہماری جانوں کو آپ پر فدا کرے، تو معاملہ اس شخص کے پاس پیش کیا جاتا ہے جو حق و ثواب کا بڑا حامی ہے اس وقت ان دونوں کو پکڑ کر پیچھے کی طرف ہٹا دیا جاتا ہے دونوں لطیف اور مخفی پردہ اٹھاتے ہیں اور کمربند اور آستینوں کو پکڑتے ہیں تو وہ اس سے روک دئے جاتے ہیں، پھر جب کشف و دلیل سے ایک دوسرے کو خاموش کر دیتا، مدیون دلائل کو سنتا، بات ثابت ہو جاتی، خوف متحقق ہو جاتا اور قسم واجب ہوتی، یا ادائی یا رہن، یا ضمانت، یا ایسا حتفال جو دونوں میں سے ایک کے لئے مثل امین کے ہو، اس وقت سانپ ڈسنے اور بچھو ڈنک مارنے لگتے ہیں جن سے کوئی شخص بھاگ کر بچ نہیں سکتا، اور بحالت مشتبہ رات کی تاریکی میں تند اور سرد ہوا بہت سے پھول لاتی، شہد کے خم اور ایسے مینڈھے کے انتظار کرنے کی ہدایت کرتی، جو سینگ پکڑ کر کھینچا جاتا اور ساق اٹھا کر بڑھایا جاتا، بکری اور بکری کے بچے، اور موٹی تازی مرغیاں جو رات کے آنے والے کو فضیحت کرتیں اور جدا ہونے والے کے لئے شاق ہوتیں۔

پس جناب والا کو اس منفعت بخش ہنگامہ اور مسلسل لذتوں سے کب فرصت ہوگی، کہ آپ کا ید بیضا، محنت طلب کام اور سفیدی پر سیاہ خط کھینچنے، یا درخت و باغ کے شوق، یا کسی آنکھ کو کسی حرف کے اکتشاف کے ساتھ متمتع کرنے یا عدل رسول کو صرف کا عامل بنانے، یا کسی ظرف کو عمدہ اور نئے تحفہ سے بھرنے کی طرف متوجہ ہو۔

آپ کے استغراق کی حالت اس سے بہت زیادہ بڑھی ہوئی ہے، اور آپ کے پائیگاہ میں آمد و رفت، اس سے بہت زیادہ ہے کہ حبیب منزل حبیب اور رام معدل کی یاد آسکے، وہ قلم جو سیاہی کے پانی کو سونے کے پانی سے بدل دیتا ہے، ان فضولیات میں کیونکر کام کرے گا جن کا نتیجہ معدوم ہے، اور جس کے لفظ اور معنی کے حصے میں ناکامی بڑی ہوئی ہے۔

مگر ہاں اس صورت میں کہ نفس کو ایسا استغنا حاصل ہو جائے، جس سے قلب میں راحت و سکون پیدا ہو۔ اور اس کے جوف سے قابل قدر چاندی نظر آئے

یا مکاتبت دانش کی زندگی پیدا ہو جائے، یا اس کے پاس علم جنس کے حقوق مقبول ہو جائیں، تب شاید مخلصانہ مکاتبت واقع ہو، اور ضرورت اس مشکل کام کے ارتکاب کو مباح کردے،

سیدنا قاضی سے امید ہے کہ وہ کسی دن اپنی نعمتوں سے غافل ہو کر ہم کو بھی یاد کریں ہماری امیدوں کو جو ان کے دامان دولت سے وابستہ ہیں ناکام نہ کریں، اپنے عہدے کے فواید میں نہیں بلکہ اپنے خط کے موتیوں میں ایک حصے کا ہم کو بھی شریک کرلیں، اور اپنی بلی اور بطخ کا پس خوردہ نہیں بلکہ اپنی طبیعت اور فطنت کے پس خوردہ کا ایک جزو ہم کو بھی عنایت کریں۔

اس لئے ہم ان کے الفاظ شیریں کے مقابلہ میں دوسری شیرینیوں سے اور ان کے فنون حفظ کے مقابلے میں مجموعۂ نوادر سے اور ان کے نیزۂ قلم کے مقابلے میں نیزۂ شکر سے اور ان کے دوات کے مقابلے میں دوم کے اپل سے، اور ان کے ب.ی کے مقابلے میں ان کے جدی سے، ان کی دال ماش کے مقابلے میں، ان کے مرغ سے، ان کے درج کے مقابلے میں، ان کے اترج سے ان کے برّ کے مقابلے میں، ان کے برّ (گیہوں) سے اور ان کے حب کے مقابلے میں، ان کی(انکے) حب سے بے نیاز ہیں اور ہم کو ان کا خط آنے کے سوا اور کوئی انتظار نہیں ہے، اور ہم اس پر راضی ہیں جو ان کی طاقت کی وسعت کے اندر ہے، ورنہ ضروری ہو جائے گا کہ ان کے آستانے کی طرف کلام کی ایک فوج روانہ کی جائے، اور مختلف اقسام کے کتائب (لشکر) کا سلسلہ باندھ دیا جائے یہاں تک کہ وہ کتابت کا ٹیکس ادا کرکے اپنی حفاظت کریں۔

خط کا جواب ابن الحاج نے میرے خط کا یہ جواب دیا:۔

فینت من الانصاف منی لانی
کما قلت لکن من فراقکم قاضی

....

بکل الذی ترضاہ یا سیدی راضی

اے امام یکتا! خدا آپ کو زندہ رکھے، آپ کی مدح سے کانوں کو لذت اور خوشی ہوتی ہے، آپ دنیا میں یگانہ اور صاحب مرتبہ ہیں اگر آپ اقوال سے بالاتر نہ ہوتے، اور آپ کی ستائش کرنے میں زبان عاجز نہ ہوتی تو میں اپنے کلام کو بہت طول دیتا، اور بحیرہ سشترہ کی طرح خوب جوش خروش کرتا، گو تفصیل حاصل محال ہے، مگر آپ کے کمال کی توصیف و تعبیر میں ہر شخص کا طرز سخن، حالت، اور مقام جداگانہ ہے۔

اگر عالم غیب میں دعا مقبول نہ ہوتی خدا کے فضل کی زیادتی کا سلسلہ غیر مختتم نہ ہوتا، اور اس کی نعمتیں خواہش سے زیادہ حاصل نہ ہوتیں تو میں سمجھتا کہ آپ کی اس قدر ستائش کافی ہے، اور اس نمایاں وصف میں کوئی مخفی چیز نہیں ہے۔

ان قلت لا زلت مرفوعا فانت کذا — اگر میں کہوں آپ ہمیشہ سے رفیع القدر ہیں تو آپ ایسے ہی ہیں

او قلت زانک ربی فہو قد فعلا — اور اگر کہوں کہ خدا نے آپ کو زینت دی تو اس نے ایسا کیا ہے

سردار من! یہ آپ کے کیسے بہتر سحر آفریں الفاظ ہیں، اور آپ کے انفاس کیا ہی عمدہ صباحی انفاس ہیں یہ وہ مرغوب الفاظ ہیں جن سے دلوں میں بشاشت پیدا ہوئی، جن کی فصاحت، اسلوب اور خوبیوں سے عقلیں دنگ رہ گئیں، جن کی بلاغت سے لوگوں پر نسیان کا غلبہ ہوگیا اور جن کا حسن بیان کوئی نہ تو مٹا ہی سکتا ہے اور نہ کم بڑھا سکتا ہے۔

اس انشاء کے غیر مکدر محاسن و لطائف کی قسم! اس کی قابل تقلید براعت کی قسم! اور اس کی گوش چشم کو تازگی بخشنے والی کتابت کی قسم آپ کے گرامی نامے کے درود سے شوق کی عید دوبارہ آگئی، اور آپ کے خطاب سے شعلۂ اشتیاق از سر نو بھڑک اٹھا، گو اس سے پہلے میرا زمانہ رنج و محن کا رہین تھا، اور زبان پر گراں تھا،

لگی ہوئی تھیں مگر اب دل کی سوزش دور ہو گی، تازہ نسیم محبت چلنے لگی
آب شیریں مباح ہو گیا، اور آپ کے نور مکتوب سے مشرق سے
غرب تک جگمگا اٹھا، اب میری پراگندگی اور رنج وغم باقی نہیں رہے
اہل و عیال اور وطن کا شوق دور ہو گیا، زبان کی تلوار کند ہو کر تیز
ہو گئی اور اسپ فکر ٹھوکریں کھا کر اٹھ کھڑا ہوا، میں خوشی سے
جھوم رہا ہوں، اور رگ وپے میں شراب کی طرح مسرت دوڑ رہی
ہے، تاہم آپ کی جلالت قدر کے سامنے معذرت خواہ ہوں، اور نفس
میں کمزوری محسوس کر کے کہہ رہا ہوں، کون ہے؟ جو آپ کے
ساغر بیان سے ایک گھونٹ مجھے پلا دے، اور آپ کے دریائے
احسان سے ایک قطرہ لا کر میرے منہ میں ٹپکا دے، تاکہ آپ کا کچھ
حق ادا کر سکوں، اور آپ کو اپنی غلامی کی تحریر لکھ دوں۔

میں نے آپ کی خدمت میں ایک عریضہ سپرد قلم کیا تھا، جس کا
جواب موصول نہیں ہوا، اور جس کی نگارش سے میری سوزش باطنی کو
ایک ہیجان پیدا ہوا تھا، میں نے اس عریضے میں ادب کا وہ طریقہ
اختیار کیا تھا جو آپ کے بار خاطر کا باعث نہ تھا اور اس میں جو ناقص
سرمایہ تھا وہ میرا ذاتی تھا، مگر اب خود آپ کا حلم و رفق میرا شامل حال
ہوا، اور آپ نے مجھے معزز خطاب سے شاد فرمایا، اور میں نے
آپ کے والا نامے کے رخ پر جنت کی تر و تازگی مشاہدہ کی، اس کے
جواب میں ناچیز کا یہ عریضہ سراسر ناقص اور اس کی خوبی بالکل سرد ہے
آپ نے شیخ قاضی کے ساتھ ایک زمانہ بسر کیا ہے، سیاہ
خضاب کے متعلق ان کا مسلک بالکل درست ہے، انھوں نے مالکیہ
کے قول پر اعتماد کیا ہے، کہ یہ بھی ہدایت کی ایک دلیل ہے، بلکہ
بعض مالکیہ نے سیاہ خضاب کو ان شہروں میں جہاں جہاد ہو سکتا
ہے واجب قرار دیا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا سیاہ خضاب
کے منافع کو بیان کرنا اولین شہادت ہے، اور صحابۂ کرام رضوان اللہ

علیہم اجمعین کی ایک جماعت نے سیاہ خضاب استعمال کیا ہے، مگر یہ رخصت تھی، اسے مشروع نہ سمجھنا چاہیئے، اس سے جلب منفعت اور دفع شر مقصود تھا، کیونکہ ہر ایک نیک کام مشروع ہے اور وقت سے پہلے کسی چیز کے لئے عجلت کرنا ممنوع، بہرحال آپ عنقریب اپنے اس بھائی پر رشک کرینگے، اگرچہ کچھ دنوں کے بعد ہی سہی، کیونکہ ہر شخص واضح اور صاف طور سے بیان کرنے میں مجتہد نہیں ہوتا، اب میں امید کرتا ہوں آپ یا تو کسی باکرہ سے بیاہ کرکے دونوں ایک دوسرے سے لطف اندوز ہونگے، اور یا کسی ثیبہ سے شادی کریں گے اگرچہ اس صورت میں آپ کے مقاصد محدود ہو جائیں گے، بہرحال آپ خضاب کی طرف رجوع کرکے کسی کے لعاب دہن سے ضرور تمتع حاصل کریں۔

رہ گئے وہ اوصاف جنھیں آپ میری طرف نسبت فرماتے ہیں اور قیاس کے خلاف آپ نے ان کا فیصلہ کیا ہے، آپ کی جان کی قسم ان اوصاف کا کوئی طالب نہیں، اور یہ ترکش کا وہ تیر ہے جو بالیقین مردود ہے، بجز اس کے کہ میں اس ملک میں پیدا ہوا اور ایک مدت سے یہاں ہوں اور کوئی واسطہ اس سے نہیں ہے، میرا حال ان قاضیوں کا سا نہیں جن کا آپ نے ذکر فرمایا ہے، اگر آپ مخفی طور سے قضاء کے شرائط اور ارباب قطع و برید کے طبائع کو سامنے رکھ کر مجھے دیکھیں تو دونوں کے بعد کی تحقیق فرما کر آپ ان اوصاف سے اعراض فرمائیں گے۔ انسان کو تعلیم اس لئے دی جاتی ہے کہ وہ مزید علم حاصل کرے، اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو راہ راست کی ہدایت فرمائے، بیشک میں اپنی حالت کو خود جانتا اور اپنے عیوب سے خود واقف ہوں۔

جب سے میں غرناطہ کی دید سے محروم ہوکر یہاں آیا ہوں، اپنے کار مفوضہ میں مصروف ہوں، رنج والم میں مبتلا ہوں، جذبۂ شوق

سے بے چین ہوں، صبر و سکون میسر نہیں، اور وطن کی جدائی شاق ہے۔

وکانت جنتی فخرجت منہا — وہ جنت تھی جس سے میں نکل گیا

کآدم حین اخرجہ الضرار — جس طرح حضرت آدم کو ابلیس کی ضرر رسانی نے نکالا

جب میں نے اپنا سامان یہاں اُتارا، اور اپنے زادِ راہ پر قناعت کرکے ایک مکان میں داخل ہوا جس کے گوشے نہایت تنگ و تاریک تھے تو اس مکان نے قبر اور اس کی ہولناکیوں کو یاد دلایا، اور جس چیز کی آرزو تھی وہ دل سے زائل ہوگئی، بلکہ اس مکان کا درجہ قبر سے بڑھ کر ہے، اس میں السی کی کاشت کی مانند مچھر اور پسو رہتے ہیں جو کبھی جدا نہیں ہوتے، جن کے گیت کبھی ختم نہیں ہوتے بارش کی بوندوں کی طرح وہ گرتے ہیں اور دشمن کی طرح بستر پر حملہ کرتے ہیں، دیوار کے روزنوں سے قسم قسم کے سانپ نکلتے ہیں، جس کو کاٹا وہ تڑپ کر رہ گیا اور وہ مکان جنوں کا مسکن ہے جن کی بھن بھناہٹ سنائی دیتی ہے، اور چوروں کا خطرہ بھی ہر وقت لگا رہتا ہے، مزید براں مجھ سے زندانیوں کے سے گھر میں کوئی فرش بھی نہیں، ہاں دو چار چٹائیاں ہیں جو مدت سے بچھتے بچھتے سیاہ ہوگئی ہیں اور جو پانی ڈالنے سے بھی صاف نہیں ہوسکتیں، جو ان پر بیٹھتا ہے وہ زخمی ہوکر اٹھتا ہے، اور جب رات اپنے دامن سے عالم کو ڈھانک لیتی ہے تو ہادم مجھے تنہا چھوڑ کر چلا جاتا ہے، اس وقت میری آنکھوں سے اشک رواں ہوتے ہیں، سر کے نیچے تکیے کے بدلے ہاتھ ہوتا ہے، اطمینان و سکون سے محروم رہتا ہوں، ہر شب کو یہی حالت رہتی ہے، دردِ سر اور بیداری کو طوعاً و کرہاً برداشت کرتا ہوں۔ جب صبح ہوتی اور چشمِ دل وا ہوتی ہے، اور مدعی و مدعا علیہ جاگ اُٹھتے ہیں تو سو برس کا ایک پیرِ فرتوت بیشکار سے جھکا ہوا میرے پاس آتا ہے، شاید اس نے نہ کبھی خوشبو سونگھی ہے،

اور نہ عمدہ باتیں سنی ہیں، وہ بربری الاصل ہے، مقدمات کی اصلیت اور فیصلوں سے ناواقف ہے، پھر جب میں توانین اجرا کرنے کے لئے مدعی اور مدعی علیہ کو طلب کرتا ہوں تو دونادان اہلکار لہسن اور پیاز کھا کر میرے پاس آتے ہیں جس کی بو سے وہ اپنی رسوائی کرتے ہیں، اور پھر جب کسی فریق کے خلاف کسی رو رعایت کے بغیر فیصلہ کرتا ہوں تو وہ اہلکار رفع حاجت کے لئے بھاگ کر چلا جاتا ہے، اس کے بعد فصیح و بلیغ اصحاب مجھ سے آکر کہتے ہیں، کیا آپ جلد اپنی موت طلب کر کے احباب کو رلانا چاہتے ہیں، آپ کے ساتھ وہی سلوک کیا جائیگا جو قاضی حداد کے ساتھ کیا گیا تھا، میں انھیں جواب دیتا ہوں کہ یہ جہاد ہے، اور مجھے اپنی زندگی کی خواہش نہیں، میں تمام خطرات کا مقابلہ کر کے اسی طرح فیصلے صادر کرتا رہوں گا، اللہ تعالیٰ میری حفاظت کر کے اپنا کامل لطف مجھ پر نازل فرمائے گا۔

اور اگر کوئی شخص میرے پاس دستاویز لکھانے کے لئے آتا ہے اور نقد یا نسیہ حق الخدمت کی مجھے بھی طمع ہوئی تو تحریر کا مطلب سمجھانے میں ایک دن صرف کرنا پڑتا ہے جس کے لئے بار بار نعوذ باللہ پڑھتا ہوں اور جب اس سے فارغ ہو کر طے شدہ رقم کا مطالبہ کرتا ہوں تو وہ دانت نکال کر اور چیں بہ جبیں ہو کر جانے کے لئے تیار ہو جاتا اور کہتا ہے کہ آپ نے غلط دستاویز لکھی ہے آپ کے دل میں جو آیا لکھدیا، پھر مجھے دوبارہ اور سہ بارہ لکھنا پڑتا ہے یہاں تک کہ جب وہ کسی ایک تحریر پر راضی ہوتا ہے تو ایک بدبودار درہم منہ سے نکال کر دیتا ہے جس کی بدبو کو بخور سے اور پتھر پر گھس کر دور کر کے نان بائی کے پاس بھیجتا ہوں، وہ اس درہم میں کھوٹ پاتا ہے، اگرچہ وہ خود جوار کی بدمزہ روٹیاں پکا کر بیچتا اور اس کو حسن سمجھتا ہے، درہم لے جانے والا لوٹتا ہوا واپس آتا ہے اور بیچارہ قاضی فاقے سے رہ جاتا ہے بلکہ بھوک سے پیٹ پر پتھر باندھ لیتا

ہے، اگرچہ میں خلوئے معدہ کو پسند کرتا ہوں جس کی وجہ اپنی کمزوری ہے جو قابل بیان نہیں، یہاں بیت الخلا کا وجود نہیں، حوضوں میں پانی فاصلہ پر ہے، جہاں جنگلوں میں درندے چھپے رہتے ہیں، سانپ بھی لمبی چادر میں لپٹ جاتے ہیں، کلوخ بھی وہاں کے نجس ہیں، لوگوں کی آمد و رفت بھی برابر جاری رہتی ہے، جس سے بُری ہوا پھیلتی ہے، اور بارش کا پانی بھی خراب جگہ میں جمع رہتا ہے، یہ تو یہاں کے حالات ہیں جن کی شرح میں ابھی گنجائش باقی ہے۔

میرے لئے یہاں گائے، بکرے اور مرغ کا گوشت نایاب ہے، حلوہ اور ترنج کا نام نہیں، غرض میں نے اپنا خیال اور اپنے دل کی باتیں آپ سے ظاہر کر دیں، کاش مجھے معلوم ہوتا کہ آپ معمولی ہدایا بھی قبول فرما کر اپنے احباب کے خصوصیات کو زیادہ فرماتے ہیں تو میں یہاں کے کچھ کپڑے آپ کی خدمت میں ہدیۃً بھیجتا، اور استغنا کا اظہار کرکے امیدوں کے منیٰ میں ٹھہرتا مگر آپ نے ابن ادہم کا زہد اختیار فرمایا ہے اور آپ لوگوں کے اموال سے ہمیشہ دستکش رہتے ہیں۔

جب میں اپنے دوست کے مذہب کا پیرو اور اس کے مسلک اور طریقہ پر عامل ہوں تو میرے لئے سزاوار ہے کہ میں بھی درہم و دینار سے بے نیاز ہو کر دنیا کے ساز و سامان کو مبغوض نگاہوں سے دیکھوں، اور امید رکھوں کہ آپ کے دست مبارک سے مجھے اطمینان قلب حاصل ہوگا تجلی کے اسرار معلوم ہوں گے۔ اور آپ کی ذات سے مجھے دین و دنیا میں سعادت اور حیات و موت میں برکت ملے گی، خدا آپ کو آرام کے ساتھ زندہ رکھے، اور میں بھی آپ کے ان مناقب پر قانع رہوں جن پر یاقوت اور لولو کو رشک ہے، آپ ہمیشہ ایسی سیادت پہ قایم رہیں جو ممدوح ہو اور ایسی سعادت سے ہمکنار رہیں جو ضعف سے پاک ہو، والسلام علیک و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

آپ کے برادر، آپ کے مملوک اور آپ کے مجد کے تابع نے ۲۴ رجادی الاول ۷۶۱ھ میں یہ نامہ لکھا۔

ولادت ابن الحاج ۷۱۳ھ میں غرناطہ میں پیدا ہوئے۔

دورِ ابتلا ابن الحاج سلطان کی طرف سے ایلچی بن کر والی تلمسان سلطان احمد بن موسیٰ بن یوسف بن عبدالرحیم بن یحییٰ بن زیاد کے پاس جارہے تھے، دہران کے ناحیہ اور جزیرۂ جبینہ میں دشمنوں نے ان کا جہاز گرفتار کر لیا اور جہاز کے تمام مسلمان جو ان کے ساتھ تھے اسیر ہو گئے، اس خبر سے اہل غرناطہ کو بڑا صدمہ ہوا، اور انھوں نے ارادہ کیا کہ ان مسافروں کے جہاز کا انتقام لیا جائے تاکہ آئندہ سے اس قسم کے واقعات کا سدباب ہو جائے، اسی اثنا میں سلطان مذکور کا ہدیہ پہونچا جو سات ہزار سے زیادہ زرِ خالص پر مشتمل تھا، اسی رقم سے زرِ فدیہ دے کر ابن الحاج اسیری سے رہا کرائے گئے، اور مصیبت کے چند ہی دنوں کے بعد نجات پاکر واپس آ گئے، سلطان نے ان کی خوشنودی اور تلافیٔ مافات کے لئے پہلے سے دوچند دولت انھیں عطا کی، ان کی داستان «الفرج بعد الشدۃ» کی ضرب المثل ہے، اور ان کی سعادت بادشاہ سے منسوب ہے، اس مصیبت کے واقعے کے بعد میں نے ان سے اشعار سنوا کر اپنی عادت کے مطابق بادشاہ سے انھیں صلہ دلوایا جس سے ان کی کمی پوری ہوئی اور مصیبت ہلکی ہو گئی۔

میں نے ابن الحاج کے ایک خط سے اس واقعے کی تاریخ نقل کی ہے وہ لکھتے ہیں:۔

سردارِ من! خدا آپ کو زندہ سلامت رکھے، واضح ہو کہ ہمارا سفر المریہ سے پنجشنبہ ۶ ربیع الآخر ۷۶۱ھ کو شروع ہوا، ۷ رشنبہ جمعہ کو شدید جنگ کے بعد دشمن ہم پر غالب آئے، شنبہ ۲۲ ربیع الآخر کو ہم لوگ قید سے رہا کئے گئے، اور جمادی الاخریٰ سال رواں میں سلطانی جہاز کے بیڑے پر سوار ہو کر میں اندلس پہونچا، یہ بیڑہ پہلے قرطاجنہ گیا جہاں سے دشمن کے تین جہاز گرفتار کرلایا، اس موقع پر

مسلمانوں نے کارہائے نیک انجام دئے۔

ابراہیم بن خلف بن محمد بن حبیب بن عبداللہ بن عمر بن فرقد قرشی عامری

نام کنیت وسکونت ابراہیم نام، اور ابواسحٰق کنیت ہے، بذرہ کے رہنے والے تھے، اشبیلیہ میں آکر سکونت اختیار کی تھی۔

ابن عبدالملک کہتے ہیں کہ ابواسحٰق بن فرقد کے نسب کے متعلق خود ان کی تحریروں سے مجھے اسی طرح واقفیت حاصل ہوئی ہے۔

حالات ابواسحٰق بن فرقد کو علوم و معارف میں تفنن حاصل تھا، محدث، راویہ، فقیہ، حافظ، شاعر، اور نہایت ماہر کاتب تھے، اخلاق و عادات بھی پسندیدہ تھے، ہر ایک کام کو احباب و اخوان کے ساتھ متحد ہو کر خوش اسلوبی سے انجام دیتے تھے، چھوٹے اور بڑے بکثرت دواوین خود نقل کئے، صحت کتابت میں ان کا درجہ سب پر فائق تھا، حروف، حرکات اور سکنات کو اچھی طرح ضبط کرتے تھے، جس کتاب کی ایک دفعہ تصحیح کر لیتے اس میں پھر کسی قسم کا خلل باقی نہیں رہتا تھا، فطرتاً نہایت رحیم تھے، یتیموں، مسکینوں اور ضعیفوں پر بہت زیادہ شفقت کرتے تھے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کا معاملہ بہت صاف تھا، سفر وطن کی خدمت مفت انجام دیتے اور اس کے اجر و ثواب کی امید اللہ تعالیٰ سے رکھتے تھے۔

اساتذہ ابواسحٰق بن فرقد کے اساتذہ کے نام یہ ہیں۔

ابو عمران موسیٰ بن حبیب قرأت سبعہ کے استاد تھے، ابوالحسن بن سلیمان مقری، عبدالرحمن بن محمد بن بقی، ابو عمرو میمون بن یاسین، اور ابو محمد بن عتاب حدیث کے شیوخ تھے، ابو عبداللہ بن احمد بن الحاج، ابن حمید

اور ابو الولید ابن رشد سے فقہ پڑھی تھی، ابو الاصبغ بن مناصف، ابو بکر بن قزمان، اور ابو الولید بن طریف نے اجازت کی سندیں عطا کی تھیں۔

تلامذہ تلامذہ کے ناموں کی فہرست یہ ہے۔

ابو جعفر ابو اسحٰق بن علی مزوالی، ابو امیہ اسمٰعیل بن سعد، سعود بن عمیر، ابو بکر بن حکیم رشرمسی، ابن خیر، ابن تشیع، ابن عبد العزیز صدفی، ابو الحاج ابراہیم بن یعقوب، ابو علی بن وزیر، ابو الحسن بن احمد بن خالص، ابو زید محمد انصاری، ابو عبداللہ ابن عبد العزیز ذہبی، ابو العباس بن سلمہ، ابو القاسم محمد بن ابراہیم مراغی، ابو محمد بن احمد بن جمہور اور عبداللہ بن احمد اطلس۔

تالیفات ابو اسحٰق بن فرقد نے اپنے تمام شیوخ کی ایک طویل فہرست مرتب کر کے اس میں ان کا تذکرہ اور ان سے استفادہ کرنے کی کیفیت لکھی ہے، فرایض میں ایک مشہور جزء، ایک دقیق نظم، متعدد رسالے، مختلف مقاصد کے چند خطبے، اور عروض کا ایک مجموعہ، یہ ان کی تالیفات کی کل کائنات ہے۔

ورودِ غرناطہ مورخ مذکور کا بیان ہے کہ ۵۵۸ھ میں جب خلیفہ مہدیہ گیا تو اس کے والی سید ابو سعید نے حافظ ابو بکر بن جد، کاتب ابو بکر بن جیش کاتب ابو القاسم بن مراغی، اور کاتب ابو اسحٰق بن فرقد کو غرناطہ میں مدعو کر کے دو سال تک اپنے پاس رکھا۔

اشعار ابو اسحٰق بن فرقد نے اندلس کے مرثیہ میں ایک مشہور قصیدہ لکھا ہے جس کے چند شعر یہ ہیں۔

الا مسعد منجذ و فطن	کیا کوئی ایسا مدد گا اور فطین شخص نہیں ہے
یبکی بدمع معین ھتن	جو لوگوں کو اشک رواں سے رلائے
جزیرۃ أندلس قد سطت	جزیرۂ اندلس کی حالت پر
علیھا غوائل حقد الزمن	جس پر کہ بدباطن زمانہ کے اشرار نے سطوت پائی ہے
و یندب اطلالھا آسفا	اس کے کھنڈر پر تاسف سے نوحہ کرے
و یرثی من الشعر ما قد وھن	اس کی کمزوریوں کا مرثیہ پڑھے
و یبکی الیتامی و یبکی الایامی	یتیموں اور بیواؤں کو رلائے

ويحكي الحمام ذوات الشجن　　غمگین قمریوں کی حکایت بیان کرے

ويشكو الى الله شكوى شجٍ　　زخمیوں کی مانند اللہ سے فریاد کرے

ويدعوه في السر ثم العلن　　اور علانیہ و پوشیدہ اس سے دعائیں مانگے

وكانت رباطا لاهل التقى　　یہ جزیرہ جو پرہیزگاروں کے لئے بمنزلہ رباط تھا

فعادت مناطا لاهل الوثن　　اب بت پرستوں کا گھر ہے

وكانت ملاذاً لاهل التقى　　اور نیکوکاروں کے لئے جائے پناہ تھا

فصارت ملاذا لمن لم يدن　　اب بے دینوں کا ملجا ہے

وكانت شجي في حلوق العدا　　اور دشمنوں کے حلق میں ہڈی بن کر پھنستا تھا

فاضحت لهوما لها محتجن　　اب یہ ان کا ہے اور کوئی ان سے چھیننے والا نہیں

یہ قصیدہ مطول ہے، اس کے حسن و خوبی کی بابت جن لوگوں نے افراط اور مبالغے کو دخل دیا ہے ان سے مجھے اختلاف ہے، میرے نزدیک ابو اسحق بن فرقد کے سے اشعار متوسط درجہ کے ہیں۔

ابو اسحق بن فرقد کی عمر کا اندازہ ان کے اشعار سے کیا جا سکتا ہے، اگرچہ ان کی ولادت اور وفات کا اختلاف پھر بھی باقی رہ جاتا ہے، اشعار یہ ہیں:-

ثمانين مع ست عمرت وليتني　　چھیاسی سال کی میری عمر ہو گئی ہے

أرقت دموعي بالبكاء على ذنبي　　کاش میں اپنے گناہوں پر رو رو کر آنسو بہاتا

فللدمع في محو الخطيئة غنية　　کیونکہ آنسو گناہوں کو دھو دیتے ہیں

اذا هاج من قلب منيب الى الرب　　بشرطیکہ دل بھی خدا کی طرف متوجہ ہو کر ہیجان پیدا کر دے

فيا سامع الاصوات رحماك ارتجي　　اے صداؤں کے سننے والے خدا، میں تیری رحمت کا امیدوار ہوں

فهبني انسكاب الدمع من رقة القلب　　تو مجھے توفیق دے کہ رقت قلب سے اشک رواں کروں

وزك الذي تدريه مني شيمة　　اور مجھے ان برائیوں سے جنہیں تو جانتا ہے پاک کر دے

تعلق بالمظلوم في شدة الكرب　　تیری عادت ہے کہ تو مظلوم کی طرف اس کے انتہائی کرب میں متوجہ ہوتا ہے

وزك مقامي في العقود وكتبها　　اور میرے ان معاملات کا تزکیہ فرما

لوجهك لو اطلب ثوابا على الكتب　　جن کی کتابت کا میں نے تجھ سے ثواب حاصل نہیں کیا

ولا تحرمني أجر ما كنت فاعلا　　اور تو مجھے میرے اعمال کے اجر سے بھی محروم نہ فرما

فانك ذو الافضال والمن والوهب	بیشک تو فضل و موہبت اور احسان کا مالک ہے
ولا تخزني يوم الحساب وهو لـه	نیز تو مجھے بروز حساب رسوا نہ کر
اذا جئت مذعوراً من الهول والرعب	جس دن کہ میں تیرے پاس رعب اور وحشت سے ڈرتا ہوا آؤں

ولادت ابو اسحٰق بن فرقد سنہ ۴۸۲ھ میں پیدا ہوئے تھے، یہ تاریخ ولادت خود ان کے فرزند ابو جعفر کے ایک نوشتہ سے منقول ہے

وفات ۱۸ محرم سنہ ۵۷۲ھ میں سہ شنبہ کی شب کو نماز مغرب کے بعد ابو اسحٰق بن فرقد واصل بحق ہوئے، ان کی وفات کی نسبت دیگر روایتیں بھی منقول ہیں۔

ابراہیم بن محمد بن ابراہیم بن محمود نفزی

نام کنیت اور سکونت ابراہیم نام، اور ابو اسحٰق کنیت ہے، ابدی الاصل تھے، غرناطہ میں آکر سکونت اختیار کی تھی۔

حالات ابو اسحٰق نفزی پر رجال اندلس کا خاتمہ ہوگیا ہے، وہ مجاہدین اور ارباب مقامات کے شیخ، سچے حالات اور شریف مقامات سے واقف، اخلاص اور کرامت میں مشہور، ریاضت اور مجاہدے میں سب سے زیادہ صابر، نماز روزہ، ذکر اور شغل میں سب سے زیادہ مداوم تھے ان مشاغل سے کبھی نہ تھکتے اور نہ ان سے غافل ہوکر سوتے تھے اور ایثار کرنے میں اللہ تعالیٰ کی نشانی تھے، کوئی چیز دوسرے دن کے لئے اٹھا رکھنے کی عادت نہ تھی، اور وہ کوئی پیشہ ور بھی نہ تھے، ابو اسحٰق نفزی، فقیہ، حافظ، لغوی، ادیب اور نہایت ماہر نحوی تھے، ابتدا میں ان مضامین کا درس بھی دیا تھا، نہایت خوش اخلاق تھے ان پر تصوف غالب تھا، جس سے ان کی بہت شہرت تھی اور راہ تصوف کی معرفت حاصل کرنے کے لئے ابنائے زمانہ کو دعوت دی اور زیادہ شہرت پیدا کی تھی، علم تصوف میں ان کی متعدد کتابیں ہیں۔

اوقات کی ترتیب

ابواسحٰق نفزی صبح کی نماز پڑھکر آفتاب کے طلوع ہونے تک ایک جگہ بیٹھے رہتے تھے اچھے اچھے لوگ حاضر ہوکر تفسیر، حدیث، اور موعظت کی باتیں یا جو کلام اللہ تعالیٰ ان کی زبان پر جاری کر دیتا سنتے تھے، پھر چاشت کی نماز پڑھ کر گھر چلے جاتے اور ظہر کی نماز تک قرآن شریف کی تلاوت، ذکر و اوراد میں مصروف رہکر ظہر کی نماز کے وقت اُٹھ جاتے اور تکبیر اقامت تک نفلیں پڑھتے رہتے تھے ہر نماز میں یہی معمول رہتا تھا اور مغرب و عشاء کے درمیان میں نوافل ادا کرتے تھے، یہ ان کے روزانہ کے معمولات تھے۔

توکل کی عجیب و غریب حالت تھی، کسی ظاہری سبب کی طرف ان کا رخ نہیں تھا، پھر بھی ہر قسم کے میوے ان کے پاس آتے رہتے تھے، جن کو وہ اسی وقت تقسیم کردیتے، اکثر یہ بھی ہوتا تھا کہ کھانے کی چیزیں ان کے پاس موجود رہتیں اور وہ جب کھانے کا ارادہ کرتے دفعۃً کوئی سائل آجاتا تو سب اسی کو دیدیتے اور خود بھوکے رہ جاتے، مسکین اور ضعیف لوگ ہر طرف سے آکر انھیں گھیرتے مگر وہ کسی کو ناکام واپس نہیں کرتے، اللہ تعالےٰ نے ان کی صحبت اور خدمت سے بے شمار لوگوں کو فائدے پہونچائے اور ان کے فیض سے بکثرت علماء فارغ ہوکر نکلے،

اساتذہ

ابواسحٰق نفزی کے اساتذہ کے نام یہ ہیں :-

ابو عبداللہ حضرمی، اور ابوالکرم جودی بن عبدالرحمٰن سے تعلیم پائی، ابوالحسن ابن عمرو ادی آشی، اور ابو محمد سلیمان بن حوط اللہ سے حدیث پڑھی، ابویربوع وغیرہ سے نحو اور لغت کی تعلیم حاصل کی، پھر سفر کیا اور فریضۂ حج سے فارغ ہوکر مدینۂ منورہ میں مجاور ہو گئے، اور یہاں کے متعدد اکابر علماء اور صوفیہ سے ملے، ۶۱۰ھ میں شریف ابو محمد بن یونس، ابوالحسن علی بن عبداللہ اور ابن المغربان نصر بن ابوالفرج حضرمی سے صحیح بخاری کی سماعت کی، الحسن بن ابوالمکارم نصر بن ابوالمکارم بغدادی (جو ابوالفتح کروخی کے سامعین میں سے تھے) ابوعبداللہ محمد بن ستری، ابوالمعالی بن وہب بن البنا، اور بجایہ کے

ابوالحسن علی بن عمر بن عطیہ سے سنن ابو داؤد اور جامع ترمذی کی تعلیم پائی۔

تلامذہ ابواسحٰق نفزی سے بے شمار مخلوق نے روایت کی ہے، جس میں احمد بن عبدالحمید بن ہذیل غسانی اور ابوجعفر بن زبیر بھی ہیں۔

تالیفات ابواسحٰق نفزی نے تصوف وغیرہ موضوع پر متعدد معتبہ کتابیں تصنیف کیں جن کے نام یہ ہیں۔

مواهب العقول و حقایق المعقول، الغيرة المذهلة عن الحيرة والتفرقة والجمع، الرحلة العنويه، چند کتابیں فقہ اور دوسرے مسائل پر مشتمل ہیں۔

اشعار تصوف میں ابواسحٰق نفزی کے اشعار اچھے ہوتے ہیں۔ ابواسحٰق بن زکریا کاتب نے ان کے کلام کا ایک مجموعہ مرتب کیا ہے، میں نے کاتب مذکور کی تحریر سے نفزی کے کچھ اشعار نقل کئے ہیں اور وہ یہ ہیں۔

يضيق علیّ من وجدی الفضاء	غم سے فضا مجھ پر تنگ ہے
ويسليني من الناس العناء	اور لوگوں کی تکلیف دہی مجھے تسلی دیتی ہے
وأرض الله واسعة ولكن	خدا کی زمین وسیع ہے مگر
أبت نفسي تحيط بي السماء	میرا نفس آسمان کے احاطہ کو بھی گوارا نہیں کرتا
وأينا العرش والكرسي اعلا	ہم نے عرش و کرسی کو بلند تر دیکھ کر
فنادينا ها حرم الولاء	یہ ندا دی کہ محبت حرام ہو گئی ہے
فأين الأين منا أو زمان	زمان و مکان کا کیا ذکر
بحيث لنا على الكل استواء	ہمارے نزدیک سب مساوی ہیں
شهدنا للاله بكل حكم	ہم نے خدا کے ہر ایک امر کا مشاہدہ کیا
فغاب القلب وانكشف الغطاء	یہاں تک کہ ہمارا دل ڈوب گیا اور پردہ اٹھ گیا
ويدعوني الاله اليه حقا	خدا جب مجھے اپنی طرف مدعو کرتا ہے
فيؤنسني من الخوف الرجاء	تو امید ہی اس کے خوف سے انس دلاتی ہے
ويقبضني ويبسطني ويقضي	خدا مجھ میں قبض و بسط کی حالت پیدا کر کے
بتفريقي وجمعي ما يشاء	جس طرح چاہتا ہے میری پراگندگی اور جمعیت کا فیصلہ کرتا ہے

فلم أخفى وجودي وقت فقدي	میں اپنے وجود کو کھو کر کتنا مخفی رکھوں
وكان الفقد والاخفا سواء	میرے لئے فقدان اور اخفا دونوں برابر ہیں
بسكرثم صحو ثم سكر	مجھے کبھی سکر ہوتا ہے کبھی محو اور پھر سکر
كذاك الدهر ليس له انقضاء	اسی طرح زمانہ رہتا ہے جس سے اس کو مفر نہیں
فوصفي حال من وصفي ولكن	میرا بیان میری توصیف میں حائل ہے ورنہ
ظهور الحق ليس له خفاء	حقانیت ظاہر اور غیر مستتر ہے
اذا شمس النهار بدت تولت	جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو
نجوم الليل ليس لها انجلاء	رات کے تارے روپوش ہو جاتے ہیں۔

دیگر

كم عارف سرحت في العلم همته	عارفوں کی ہمتوں نے علم کی سیر کی ہے۔
فعقله لحجاب العقل هتاك	اور ان کی دانش نے عقل کے پردے کو چاک کر دیا ہے
كساه نور الهدى بردا و قلده	نور ہدایت نے انہیں جا در اڑھائی ہے اور موتیوں کا ہار پہنایا ہے
درا ففي قلبه للعلم اسلاك	اور ان کے دلوں میں علم کے سلسلے قائم ہیں
كسب ابن آدم في التحقيق كسوته	درحقیقت ابن آدم نے جامۂ علم حاصل کیا ہے
ان القلوب لانوار واحلاك	بیشک ان کا دل روشن بھی ہے اور تاریک بھی
كلف فؤادك ما يبدي عجائبه	اپنے دل کو مکلف کرو کہ عجائب کا اظہار کرے
ان ابن آدم للاسرار دراك	یقیناً ابن آدم اسرار کا ادراک کرتا ہے
كيف وكم متى والاين منسلب	کم وکیف زمان و مکان باری تعالے کے وصف سے
عن وصف بارئنا والجهل بتاك	مسلوب ہیں تاہم جہالت ان سب کو قطع کر دیتی ہے۔
كبر وقدس ونزه ما استطعت فلم	حتی الوسع خدا کی تقدیس و تنزیہ اور تکبیر میں معروف رہو
يصل الى مالك الاملاك أملاك	اس مالک الملک تک ملائک کی بھی رسائی نہیں ہے
كرسيه ذل والعرش استكان له	عرش و کرسی سب اس کے مطیع ہیں
ونزه الله أملاك وافلاك	اور تمام فلک اور ملک نے اس کی تنزیہ بیان کی ہے
كل يقر بان العجز تيده	سب کے سب عجز میں اپنے مقید ہونے کا اعتراف کرتے ہیں

والعجز عن درك الادراك ادراك　　اور تمام ادراکات سے عجز کرنا ہی ادراک ہے

ذیل کے اشعار بہت مشہور ہیں جنھیں نفزی نے اپنے سفر میں بعض مشارقہ کو کسی غرض سے پڑھکر سنایا تھا۔

یامن أناملہ کالمزن ھامیة	اے ممدوح تیری انگلیاں ابر کی طرح باراں ہیں
وجود کفیہ أجری من مجاریھا	اور تیرا دست سخا اس کے مجرے سے زیادہ فیض بخش ہے
بحق من خلق الانسان من علق	بواسطہ اس ذات کے جس نے انسان کو خون بستہ سے پیدا کیا ہے
أنظر الی رقعتی وافھم معانیھا	تو میرے رقعے کو دیکھ اور اس کے مطالب کو سمجھ
انی فقیر و مسکین بلا سبب	میرے فقر اور مسکنت کا کوئی سبب نہیں ہے
سوی حروف من القرآن أتلوھا	بجز اس کے کہ میں قرآن کی چند آیتیں تلاوت کرتا ہوں
سفینة الفقر فی بحر الرجا غرقت	میرے فقر کی کشتی امید کے دریا میں غرق ہو گئی ہے۔
فامنن علیھا بریح منك تجریھا	تو اسے اپنے احسان کی ہوا سے رواں کر دے۔
لا یعرف الشوق الا من یکابدہ	شوق کو وہی جانتا ہے جس نے اس کا مزہ چکھا ہے
ولا الصبابة الا من یعانیھا	اور عشق کو وہی پہچانتا ہے جو اسے جھیلتا ہے

قاضی ابوعبداللہ بن عبدالملک ابواسحٰق کا تذکرہ کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ وہ سرزمین اندلس میں جلیل القدر صوفیاء کے گروہ میں سلسلے کی آخری کڑی ہیں، خدا انھیں اور ان سے دوسروں کو نفع بخشے۔

ولادت　سنہ ۶۰۲ھ یا ۶۰۳ھ میں ابواسحٰق نفزی جیان میں پیدا ہوئے تھے

ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن ابوبکر تسولی

نام و کنیت　ابراہیم نام، ابوسالم کنیت اور ابن ابویحییٰ عرف ہے، اہل تازی میں ان کا شمار تھا۔

حالات　ابن ابویحییٰ تہذیب اور رسالہ ابن ابوزید کے ماہر تھے اور ان دونوں کتابوں کا نہایت خوش اسلوبی سے درس دیتے تھے، جس زمانے

میں وہ ابو الحسن صغیر سے پڑھتے تھے اسی زمانے میں انھوں نے ان پر نہایت عمدہ حاشیہ لکھا تھا۔

فاس کے مدرسۂ عدوۃ الاندلس میں ابن ابو یحییٰ کی مجلس گرم رہا کرتی تھی، جس میں میں بھی شریک ہوا تھا، اس شہر کے تمام سربرآوردہ مدرسین میں ان سے بڑھ کر اچھا درس دینے والا میں نے کسی کو نہیں پایا۔

ابن ابو یحییٰ بڑے فصیح تھے سہل الفاظ استعمال کرتے اور ان کے پورے حقوق ادا کرتے تھے، جس کی وجہ یہ تھی کہ شہریوں کے تمدن میں وہ برابر کے شریک وسہیم تھے، گو ان کی مجلس صرف تہذیب اور رسالۂ مذکور کے درس کے لئے وقف رہتی تھی، تاہم ان کی عام فضیلت اور بزرگی مسلم تھی، وہ لوگوں سے خندہ پیشانی سے ملتے تھے، اور اہل شہر کے اخلاق سے بالکل جداگانہ اخلاق کا برتاؤ کرتے۔

ابن ابو یحییٰ زیادہ تر بادشاہ کی صحبت میں رہتے اور شاہی حکم سے رسائل لکھا کرتے جس میں ان کی عمر کا بہت بڑا حصہ ضایع ہوا، اس خدمت سے انھوں نے دنیا میں کوئی آرام نہیں اٹھایا، اور آخرت کا کچھ حصہ بھی نہیں پایا، وہ کہا کرتے تھے کہ جو لوگ بادشاہوں کی خدمت کرتے ہیں ان کے حق میں یہ سنت الٰہی ہے کہ وہ ان کے عطیات پر نگاہیں رکھتے ہیں مگر اس کا خیال نہیں کرتے کہ سلاطین ان کی عمر اور راحت کا کس قدر حصہ لے لیتے ہیں، خدا ان لوگوں پر اپنا لطف وکرم فرمائے جو اس آزمایش میں مبتلا کئے گئے ہیں، اور ہمیں اس ابتلا سے بہ خوشی نجات دے۔

کتاب عاید الصلہ میں ان کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے:-

ابن ابو یحییٰ شیخ، حافظ، فقیہ، قاضی اور مغرب کے صدر نشین تھے، علوم میں انھیں یکساں دسترس حاصل تھی، فقہ میں تبحر تھا، بادشاہوں کے نزدیک ان کی وجاہت مسلم تھی سلاطین کی صحبتوں میں رہتے اور انکی مجلسوں میں شرکت کرتے تھے ایک دفعہ وہ سفیر بناکر بھیجے گئے تو میں نے غرناطہ میں ان سے کچھ فوائد حاصل کئے۔

غرض ابن ابو یحییٰ کی صحبت خوش آیند، ان کی مجلس پر لطف، ان کی گفتگو شیریں، ان کی طبیعت کریم اور ان کا مسلک صحیح واقع ہوا تھا۔

تصانیف ابن ابو یحییٰ نے اپنے شیخ قاضی ابو الحسن کی مجلس میں ایک مفید کتاب لکھی جو مدونہ کا حاشیہ ہے۔ مختلف سوالات کے جوابات جو انھوں نے دئے تھے ان کو ایک جلد میں جمع کر دیا ہے، الرسالہ کی ایک عمدہ شرح لکھی ہے۔

اساتذہ ابن ابو یحییٰ زیادہ تر ابو الحسن صغیر کی صحبت میں رہے اور ان سے فقہ کی کتابیں پڑھیں، اور اس علم میں تمام تر استفادہ انھیں سے کیا، ابو زکریا بن ابو یاسین سے روایت کی، اور مؤطا پڑھی، مگر اس کے دو باب "کتاب المکاتب" اور کتاب المدبرہ کی ساعت دوسرے شخص کی قراءت سے کی، ابو عبداللہ بن رشید سے مؤطا اور شفاء عیاض پڑھی اور روایت کی، ابو الحسن بن عبد الجلیل سدوانی سے عبد الحق کی کتاب احکام صغریٰ پڑھی اور روایت کی، اور ابو الحسن بن سلیمان سے ابن ابو زید کا رسالہ پڑھا، ان کے علاوہ دوسرے اساتذہ سے بھی روایت کی ہے۔

وفات ابن ابو یحییٰ آخر عمر میں مرض فالج میں مبتلا ہوئے، اور شہر فاس کے مکان میں گوشہ گیر ہو گئے، بادشاہ اور عوام ان کے گھر جاتے اور ان سے ملتے تھے ایک سال تک اس مرض میں مبتلا رہے اور اسی مرض سے ۷۴۳ھ میں وفات پائی۔

ابراہیم بن محمد بن علی بن محمد بن ابو العاصی تنوخی

نام و سکونت ابراہیم نام ہے، اصل جزیرۂ طریف سے شروع ہوتی ہے، غرناطہ میں نشو و نما پائی اور یہیں شہرت حاصل کی۔

حالات کتاب عائد الصلہ میں مذکور ہے کہ ابراہیم تنوخی احیاء، ایثار، اخلاق، رسم و راہ پیدا کرنے اور صدقہ دینے میں بے نظیر تھے، ۷۱۱ھ میں جب جزیرۂ طریف دشمنوں کے قبضے میں آگیا تو وہ سبتہ

چلے گئے، اور یہاں اپنی نوشت و خواند پوری کی اور یہاں کے اساتذہ سے استفادہ حاصل کیا، پھر وہ اندلس کے شہر غرناطہ میں پہونچے، اور کتابت سلطانی کی خدمت انجام دینے لگے، اور بہت جلد اعلےٰ مرتبے پر فائز ہو گئے، اور کسی نے آپکی فضیلت اور استحقاق کے بارے میں اختلاف نہیں کیا۔

استاذ الجماعت ابو جعفر بن زبیر کی وفات کے بعد انھوں نے علوم و فنون کا درس دینا شروع کیا، جس کی ہدایت استاد مرحوم نے کی تھی، وسط صفر ۷۰۸ھ سے غرناطہ کی جامع مسجد میں امامت اور خطابت کی خدمت بھی انجام دینے لگے، قرآن شریف کی تعلیم اور دوسری کتابوں کا درس ایک طرح سے دیتے تھے، یعنی جس طرح وہ معلم قرآن اور اس کی تجوید کے ماہر تھے، اسی طرح ادب عربی اور فقہ کے مدرس بھی تھے، ادب میں انھیں بہت دلچسپی تھی، تفسیر میں متکلمانہ رنگ تھا، بہت اچھے خوش نویس تھے، اور ہر چیز کو تحقیق سے لکھتے تھے۔

وہ لوگوں میں مقبول تھے، اور اللہ تعالےٰ نے سب کے دلوں میں انکی بے پایاں محبت اور عظمت ڈال دی تھی، اور یہ حالت ترقی کرتے کرتے یہاں تک پہونچی کہ لوگ اپنے اہل و عیال اور آبا و اجداد سے زیادہ ان سے محبت کرنے لگے، راہ چلتے ہوئے ان کے گرد و پیش بھیڑ لگ جاتی تھی، اور مس کرنے کے لئے عام خلقت ان کے آگے اور پیچھے دوڑتی ہوئی چلتی تھی، ان کے آستانے پر فقیروں اور مسکینوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگے رہتے تھے، وہ فقرا کے ساتھ خندہ پیشانی اور ہمدردی سے پیش آتے تھے، جب کبھی ان کے پاس کھانے کی کچھ چیزیں آتی تھیں تو فقیروں کو تقسیم کر دیتے تھے، اکثر یہ گروہ روٹی پکنے سے پہلے طلب میں عجلت کرتا تھا تو وہ خمیر ہی تقسیم کر دیتے تھے اس امر میں ان کے عجیب و غریب واقعات مشہور ہیں۔

وہ بڑے حق گو، مذہبی معاملات میں غیور، اہل بدعت کے مخالف، سنت کے پابند بلند ہمت، نہایت خلیق، اور منکسر مزاج واقع ہوئے تھے، عام لوگوں کے ساتھ اپنے تعلقات وابستہ رکھتے اور ان کی ضرورتیں پوری کرتے

رہتے تھے، تنوخی کو وضو میں بہت وسوسے پیدا ہوتے تھے جس سے لوگوں کی نمازیں بہت تنگ وقتوں میں ادا ہوتی تھیں جو نمازیوں کی تکلیف کا باعث تھا۔

اساتذہ ابراہیم تنوخی نے اپنے شہر طریف میں اشبیلیہ کے خطیب قاضی ابوالحسن عبید اللہ بن عبدالعزیز قرشی مغربی معروف بہ ابن قاری سے، سبتہ میں استاذ القرار ابوالقاسم محمد بن عبدالرحمن بن طیب بن زرقون قیسی صنزیر مقیم سبتہ سے استاذ ابو اسحق غافقی مربونی، شیخ وزیر ابوحکم بن منظور قیسی اشبیلی، اور شیخ الراویہ الحاج ابو عبداللہ محمد بن محمد کتانی تلمسانی بن خضار سے تعلیم پائی" اور غرناطہ میں استاذ ابو جعفر بن زبیر، اور ابوالحسن بن مسمغور کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔

اشعار تنوخی شعر کہتے تھے، مگر اشعار متوسط درجہ سے کچھ گرے ہوئے تھے، شیخ وزیر ابوبکر بن حکم اپنی کتاب " الفوائد المنتخبة والموارد المستعذبة " میں بیان کرتے ہیں کہ ابو جعفر ابن زیات نے اہل بیت نبوی میں سے کسی کے لئے چند شعر لکھ کر تنوخی کے پاس بھیجے تھے، اشعار یہ ہیں:-

رجل یدعی القرابة للبیت	ایک شخص خاندان نبوت میں سے ہونے کا دعویٰ کرتا ہے
وان الثریا منه بمعزل	حالانکہ ستارۂ ثریا کو اس سے دوری ہے
سال منی خطا بکم وهذا	اس نے مجھ سے آپ کے نام سفارش طلب کی ہے جو یہ ہے
ولکم فی القلوب ارفع منزل	بیشک لوگوں کے دلوں میں آپ کا رتبہ بڑا ہے
فهبونی دعاءکم وا منحوا لی	آپ مجھے اپنی دعا اور اس شخص کے لئے ایسی تحریر
منه خطا یمی الثواب ویجزل	عطا فرمائیں جو ثواب جزیل کا باعث ہو
وعلیکم تحیة الله ما دا	اور جب تک امیرالمومنین عزل ونصب فرماتے رہیں
م امیرالهدی یولی ویعزل	اس وقت تک خدا کا سلام آپ پر نازل ہو

تنوخی نے جواب میں حسب ذیل اشعار لکھ کر بھیج دیئے

یا اماما ومن به أتغزل	اے وہ امام جس کے نام پر میری یہ غزل ہے
ذالك حاوی البلاد المهیب منزل	جو ملک کا جامع اور اچھے رتبے کا شخص ہے
لم اضع ما نظمتم من یدی حتی	آپکی نظم کو میں نے ہاتھ سے اس وقت تک جدا نہ کیا

انیل الشریف بخطة وبمنزل	جب تک اس شریف آدمی کو قدر و منزلت نہ عطا ہوئی
وحباه بکل منح جزیل	اس ذات سے ہر قسم کا عطیۂ وافر اسے عطا ہوا
من غدا یمنح الثواب ویجزل	جس سے بکثرت عطایا صادر ہوتے ہیں
دمتم تنشرون علما ثواب الله	دعا ہے آپ ہمیشہ علم کی اشاعت کریں
فیه لکم اعز واجزل	جس میں آپ کے لئے خدا کا ثواب بہت وافر ہے
تذکرون الله ذکراً کثیراً	اور آپ بکثرت خدا کا ذکر کریں
وعلیکم سکینة الله تنزل	اور آپ پر خدا کی تسکین نازل ہوتی رہے
وطلبتم منی الدعاء وانی	آپ نے مجھ سے دعا طلب کی ہے
عند نفسی من الشروط بمعزل	حالانکہ میں اس کے شرائط سے بہت دور ہوں
لکن ادعو لتدع لی برضا الله	تاہم میں آپ کے لئے دعا کرتا ہوں اور آپ بھی
وابدای فی فهم ذکر قد انزل	میرے لئے رضائے الٰہی اور فہم قرآن کی دعا فرمائیں
وحدیث الرسول صلی علیه	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے
کل وقت رب لنا الغیث ینزل	کہ رب العالمین ہر وقت اپنا باران نازل فرماتا ہے
وعلیکم تحیتی کل حین	آپ پر اس وقت ہر آن سلام ہو
ما اطمأنت بمکة ام معزل	جب تک کہ مکے میں ام معزل مطمئن ہے

تنوخی نے ایک نظم میں طلبہ کو کچھ نصیحتیں کی تھیں جس کے بعض شعر مجھے بھی سنائے تھے۔ وہ یہ ہیں:-

اعمل بعلمك توت علما انما	اپنے علم پر عمل کرو تو مزید علم حاصل ہوگا
عدوی علوم المرء منع الاقوم	راہ راست سے روکنا انسانی علوم کا دشمن ہے
واذا الفتی قد نال علما ثم لم	جب کوئی نوجوان علم حاصل کرکے
یعمل به فکانما لم یعلم	اس پر عمل نہیں کرتا تو گویا اس نے علم حاصل نہیں کیا

تنوخی کے دو شعر اور ہیں، آخر کی بیت وہ اپنے اوپر محمول کرتے تھے

أمولای انت الغفور الکریم	اے خدا تو غفور اور کریم ہے
ببذل النوال مع المعذرة	اور اپنی بخشش کے ساتھ معذرت بھی قبول کرتا ہے
علی ذنوب وتصحیفها	میں گناہ اور غلطیاں کرتا ہوں

ومن عندك الجود والمغفرة — لیکن تو جود اور مغفرت کرتا ہے

اسماعیل بن فرج بن اسمٰعیل بن یوسف بن محمد بن احمد بن نصر ابن قیس انصاری خزرجی

نام اسمٰعیل نام ہے۔ اندلس کے امیر المومنین تھے

اولیت امیر المومنین اسمٰعیل کی اولیت ان کی قوم کے بادشاہوں کے سلسلے اور ان کے نانا امیر المسلمین ابو عبداللہ بن غالب باللہ کے نام کے ضمن میں موجود ہے۔

ہماری کتاب "طرف العصر فی تاریخ دولت بنی نصر" میں ان کا تذکرہ اس طور سے کیا گیا ہے:-

اسمٰعیل خوش خلق، خوش منظر نہایت آزاد، صاف دل، باحیا، پاکدامن، اور صحیح العقل تھے، معرکوں میں ثابت قدم رہتے تھے، طہارت کی گود میں نشو ونما پائی تھی، بوالہوسی سے محفوظ تھے،

امیر اسمٰعیل کے نانا امیر کے والد کے چچازاد بھائی تھے اور بادشاہ بھی تھے وہ ٹھیک ٹھیک اپنے نانا کے نقش قدم پر چلتے تھے، ابتدا میں اسلحہ کو درست کرنے گھوڑوں کو صاف ستھرا رکھنے اور شکاری جانوروں کی پرداخت میں مصروف رہا کرتے تھے، یہاں تک کہ زمانے نے ان کی مساعدت کی، اور تقدیر یاور ہوئی، تو وہ تاج وتخت کے مالک بنائے گئے اور سلطنت ان کے گھرانے میں منتقل ہوگئی۔

امیر اسمٰعیل نے رعایا میں عدل وانصاف کے قوانین نافذ کئے، مالگزاری کی معتدل شرح رکھی، سرحدوں کے استحکام اور دشمنان الہٰی کی مدافعت میں سعی بلیغ کی، جس کے باعث وہ اپنی قوم کے شریف فرد، اپنے گھرانے کے دریکتا، اور

اپنے زمانے کی نیکی تصور کئے گئے، امیر ممدوح کے کچھ حالات آیندہ مذکور ہونگے جن سے ان کی جلالت اور فضیلت آشکارا ہوگی ۔

حلیہ

امیر اسمٰعیل کا قد وقامت متوسط، چہرہ حسین، ہاتھ موٹے تازے، رنگ گورا، ڈاڑھی گھنی مائل بہ سرخی و سیاہی آنکھیں خوبصورت کشادہ اور سرگیں جن میں ملاحت بھری ہوئی، دہن کشادہ، ناک اونچی، اور آواز بلند تھی۔

امیر اسمٰعیل کی ماں

امیر اسمٰعیل کی ماں فاطمہ شہزادی ملک کی چیدہ خاتون، امیر المومنین ابو عبداللہ کی صاحبزادی، اور شاہی خاندان کی ایک برگزیدہ شہزادی تھیں، گویا یہ ہار کا درمیانی ہیرہ تھیں، حرم میں ان کا وجود فخر کا باعث تھا، عزت، حرمت اور صلہ رحمی میں نہایت بلند درجہ رکھتی تھیں، جب تک وہ زندہ رہیں برابر ان سے رائیں لی گئیں، یہ بہ نفس نفیس فواید کی ایک فہرست اور انساب کی تاریخ تھیں، سلطان ابوالحجاج کے عہد میں جو ان کے پوتے تھے وفات پائی، اس وقت عمر نوے ۹۰ سال سے تجاوز کر چکی تھی، جنازے میں خلقت کا ہجوم تھا اپنے پوتے کے لئے ورثہ میں جو کچھ چھوڑا اس کی مقدار بہت تھی، میں نے ان کا ایک مرثیہ لکھا تھا وہ یہ ہے :-

نبيت على علم بغائلة الدهر	ہم زمانے کے شر کو جان کر شب باشی کرتے ہیں
ونعلم ان الخلق في قبضة القهر	اور یہ بھی جانتے ہیں کہ تمام مخلوق ایک قہار کے قبضے میں ہے
ونركن للدنيا اغترارا بعزها	ہم دنیاوی عزت کا دھوکا کھا کر دنیا کی طرف مائل ہوتے ہیں
وحسبك من يرجو الوفاء من الغدر	مگر جس سے وفا کی امید ہوتی ہے وہ دھوکا دیتا ہے
ونمطل بالعزم الزمان سفاهة	ہم نادانی سے اپنے عزم کو زمانے سے ٹالتے رہتے ہیں
فيوم الى يوم وشهر الى شهر	یہاں تک کہ ایک دن سے دوسرا دن اور ایک ماہ سے دوسرا ماہ ہو جاتا ہے
وتغري منا النفس المطامع والهوى	افسوس! نفسانی مرغوبات اور خواہشات کا نفس پر کس طرح دھوکہ دیتا ہے
ونرفض ما يبقى فيا ضيعة العمر	کہ ہم باقی رہنے والی چیز کو چھوڑ دیتے ہیں
هو الدهر لا يبقى على حدثانه	زمانے کی کوئی جدید شے اپنی جدت پر باقی نہیں رہتی
جديد ولا ينفك من حادث نكر	اور نہ زمانہ بری چیزوں کے پیدا کرنے سے باز رہتا ہے

وبين الخطوب الطارقات تفاضل	مصائب کو ایک دوسرے پر اسی طرح فضیلت ہے۔
كفضل من اغتالته فى رفعة القدر	جس طرح بلند رتبہ کے مصیبت زدوں کو ایک دوسرے پر ہے
الوتر ان المجد اقوت ربوعه	دیکھو! مجد و بزرگی کے مکانات ناپدید ہو گئے
وصوح من ادواحه كل مخضر	اور اس کے تمام شاداب درخت سوکھ گئے
ولاحت على وجه العلاء كآبة	اوج کے چہرہ پر حزن کے آثار نمایاں ہو گئے
فقطب من بعد الطلاقة والبشر	اور بشاشت کے بعد وہ چیں بجبیں ہو گیا

کتاب مذکور میں بسلسلہ وفیات امیر اسمٰعیل کی ماں کا تذکرہ اس طرح کیا گیا ہے:۔

"امیر المسلمین ابو عبداللہ بن امیر المومنین غالب باللہ کی صاحب زادی فاطمہ نہایت پاکدامن، نیک طینت، اور شریف سلطانہ تھیں، امارت کے نظام کو محفوظ رکھنا، صلۂ رحمی اور قرابت کا خیال کرنا، نیک کاموں کو انجام دینا، خاندانوں کی عیب پوشی کرنا ان کا ذاتی وصف تھا، پاکیزگی نفس، علوے ہمت، دینی متانت، پردے کی سختی، عزم کے نفاذ، اور صبر کے اظہار میں سلف صالح کی پیرو تھیں، اپنے پوتے امیر المسلمین ابو الحجاج کے عہد حکومت میں جنت کو سدھاریں، آخر عمر تک اپنے احسانات سے ہر ایک کو مرہون منت رکھا، لوگ ان کی دعاؤں کے طالب رہتے، اور ان کے تجربات اور تاریخی معلومات سے استفادہ کرتے تھے، صباح یکشنبہ ۷ رذی الحجہ ۷۴۹ھ کو الحمراء کے مقبرۂ جنان میں دفن کی گئیں۔

اسمٰعیل کی اولاد

اسمٰعیل کے چار بیٹے تھے، بڑا فرزند محمد ولی عہد تھا، منجھلا فرج اپنے بھائی محمد کے مرنے کے بعد بیرون اندلس دوسرے ملکوں میں مارا مارا پھرا، بالآخر قلعۂ المریہ کے قید خانے میں ۷۵۱ھ میں ہلاک ہو گیا، گمان کیا جاتا ہے کہ وہ قتل کیا گیا، تیسرے فرزند ابو الحجاج نے (خدا عزوجل رحمت کرے) اپنی قوم کے سلاطین کے مقابلہ میں زیادہ دنوں تک حکومت کی اور حکمرانی میں سب سے زیادہ سعید ثابت ہوا، چھوٹے فرزند اسمٰعیل نے اپنے بھائی کے عہد میں شباب کا زمانہ خوفناک جھگڑوں میں گزارا، اور آج کل وہ قصر مستخلص میں قیام پذیر ہے جو

شالوبانیہ کے سواد میں واقع ہے، اور یہیں اسے آزوقہ بہم پہونچایا جاتا ہے،
امیر اسمٰعیل کی دو صاحبزادیاں تھیں، ابو الحجاج نے ان کا نکاح قرابت کے
دو شخصوں سے کر دیا تھا۔

وزرائے دولت

امیر اسمٰعیل کے ابتدائے عہد حکومت میں ابو عبداللہ محمد بن ابو الفتح فہری جو ایک بڑے بہادر سالار عسکر تھے، وزارت کے عہدے پر مامور کئے گئے، ان کا خاندان سالار عسکری میں مشہور تھا، اور ملوک بنو نصر میں ان کی بڑی توقیر اور عزت تھی، وزیر موصوف کے ساتھ فقیہ وزیر ابو الحسن علی بن مسعود بن علی بن مسعود محاربی بھی عہدۂ وزارت میں برابر کے شریک و سہیم بنائے گئے، جو غرناطہ کے ممتاز اعیان میں سے تھے، انھوں نے اپنے شریک کار کے اقتدار پر قبضہ کرنا چاہا اور وزارت کے حلۂ فاخرہ کو تنہا زیب تن کرنے کی سعی کی، بالآخر وہ وزارت کے اسم اور مسمی دونوں کے حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے، اسی اثناء میں قائد ابو عبداللہ ابن ابو الفتح کا انتقال ہوا تو وہ تنہا اس عہدے کے حقدار باقی رہ گئے، ان دونوں کے حالات علیحدہ علیحدہ آیندہ آئیں گے۔

کاتب

امیر اسمٰعیل کے دور حکومت میں جس شخص نے سب سے پہلے کتابت کی خدمت انجام دی وہ فقیہ کاتب ابو جعفر بن صفوان تھے جن کا تذکرہ اوپر گزر چکا ہے، ابن صفوان نے کچھ دنوں مالقہ میں، چند دنوں تک اثنائے سفر میں، اور پھر چند روز شہر غرناطہ میں امیر کی طرف سے کتابت کی خدمت انجام دی، ان سے شیخ ابو الحسن ابن جیاب نے جائزہ لیا، جو اس خدمت کتابت کے لئے بڑے فاضل اور بزرگ تھے اور جب تک زندہ رہے کوئی دوسرا شخص اس خدمت پر مامور نہیں کیا گیا۔

قاضی

امیر اسمٰعیل نے عہدۂ قضا شیخ فقیہ ابو بکر یحیٰی بن مسعود بن علی کو عطا کیا، جو وزیر ابو الحسن کے بھائی تھے، اور فصل مقدمات کی اہلیت رکھتے تھے، وہ شرعی مسائل اور اپنے فیصلوں کو نافذ کرنے میں بہت سختیاں کرتے تھے اور ان کی ذاتی وجاہت بھی اس میں معین تھی،

جس کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں ان کی دھاک بیٹھ گئی تھی، تا زیست وہ اس خدمت پر مامور رہے۔

مغربی عسکر کی ریاست

امیر اسمٰعیل کے زمانۂ حکومت میں مغربی عسکر کے رئیس شیخ ابو سعید عثمان بن ابو العلاء ادریس بن عبد اللہ بن عبد الحق تھے، جو اپنی قوم کے رکن رکین، اپنے خاندان کے وزرا علے بہت بڑے شجاع، اور تنعم میں امیر اسمٰعیل کے برابر والے تھے، ان کے پاس دولت بہت تھی، لوگوں کے ساتھ لطف کا برتاؤ کرتے تھے، جب معزول سلطان کا انتقال ہوا تو ان کے لئے بھی فضا صاف ہوگئی اور انھوں نے بھی اپنے لئے سعی کی۔

ملوک ہم عصر

امیر اسمٰعیل کے عہد میں جتنے ملوک سریر آرا تھے ان کا اجمالی تذکرہ یہ ہے:۔

عدوہ مغرب میں مغربی ملوک میں سے ابو سعید عثمان بن سلطان اعظم مجاہد و مرابط ابو یوسف عبد الحق ایک مشہور سلطان تھے جو سلاطین میں سخی تر بڑے مہمان نواز آرام و عافیت کے دشمن، رفاہ عام کے دوست، صاحب نعمت، باحشمت اور عام و خاص کے لئے باعث سعادت تھے، امیر اسمٰعیل اور سلطان ابو سعید سے مراسلت رہتی تھی، امیر اسمٰعیل اور پھر ان کے فرزند ابو عبد اللہ کے ابتدائے دور حکومت تک سلطان ابو سعید کی حکومت مغرب میں قایم رہی، جس کا بیان بیشتر اپنے موقع پر گزر چکا ہے۔

شہر تلمسان میں امیر ابو حمو موسیٰ بن عثمان بن یغمراسن بن زبان کی حکمرانی تھی، جسے اس کے فرزند نے ۹؍جمادی الثانیہ سنہ ۷۱۸ھ میں قتل کر دیا اور پھر خود حکمران بن گیا، اور مسلسل حکمرانی کے بعد ابو الحجاج کے اوائل عہد حکومت میں راہی ملک عدم ہوا، ان دونوں نے ایک دوسرے کو مراسلے اور ہدیئے بھیجے تھے۔

شہر تونس میں شیخ ابو یحیٰی زکریا بن ابو حفص ملقب بہ امیر المسلمین مشہور بہ لحیانی امیر تھے جو بہت معمر اور صاحب رتبہ تھے، لحیانی نے ایک سن رسیدہ امیر ابو البقا خالد بن ابو زکریا بن ابو حفص پر حملہ کر کے ۹ جمادی الآخر سنہ ۷۱۱ ہجری میں

تونس کی حکومت حاصل کی تھی، اور ابو البقا کو معزول کر کے قید کر دیا تھا۔ جس سے تونس میں سخت ہنگامہ برپا ہوا، اور جب شوال ۷۱۱ھ میں ابو البقا کو دھوکے سے قتل کر دیا تو یہاں اور زیادہ شورش ہوئی، مجبور ہو کر وہ ۷۱۵ھ کے وسط میں اپنے داماد شیخ ابو عبد اللہ بن ابو عمر کو اپنا قایم مقام کر کے طرابلس کی طرف چلے گئے اور پھر یہاں واپس نہ آئے، اس کے بعد سے افریقیہ کی حکومت کا مطلع کبھی صاف نہ ہوا، باری باری سے حفصی خاندان کے کئی بادشاہ یہاں حکمران ہوئے جن کے نام یہ ہیں:۔

امیر ابو عبد اللہ بن ابو عمر مذکور، ابو عبد اللہ بن لحیانی، سلطان ابو بکر بن امیر ابو زکریا بن امیر ابو اسحٰق، یہ حفصی خاندان کے آخری حکمراں تھے، یہاں انکی مسلسل حکمرانی قایم رہی، اور ان کی حکومت کا عہد امیر اسمٰعیل کے دونوں فرزندوں کے عہد حکومت سے جو اندلس کے حکمراں تھے مل گیا تھا خدا ان سب پر رحم فرمائے۔

قشتالہ میں طاغیہ ہرانہ بن شانجہ بن ہنشہ بن ہرانذ رومی بادشاہ تھا اس کا عہد امیر اسمٰعیل کی تخت نشینی سے متصل تھا، قشتالہ، اور لیون دونوں ملک اس کے زیر نگیں تھے، اشبیلیہ، قرطبہ، مرسیہ، اور جیان، پر بھی یہ قابض تھا۔

ابن ہنشہ وہ شخص ہے جس کے ساتھ اراک، اور عقاب کے واقعات پیش آئے تھے، اور اراک واقعات میں اسے سخت ہزیمت ہوئی تھی۔

ابن شانجہ جس کا نام ارشدون تھا وہ شخص ہے جس نے اپنے داماد کو ملک برطال دیا تھا، ان دونوں کا سلسلۂ نسب چندا جدا دکے بعد اوپر مل جاتا ہے جس کا تفصیلاً بیان کرنا ہماری غرض وغایت سے باہر ہے۔

ارغون میں جو مشرقی اندلس میں واقع ہے طاغیہ جاسس بن بطرہ بن جاس حکمران تھا، اس نے بلنسیہ پر نہایت غلبے کے ساتھ قبضہ کیا تھا، پھر یہاں کی بادشاہی ابن بطرہ بن ہنشہ کو ملی، ان دونوں کا سلسلہ بھی چندا جداد کے بعد اوپر جا کر مل جاتا ہے، امیر اسمٰعیل کے آخری عہد میں اس کا انتقال ہوا اور ملک ارغون کے تخت پر ہنشہ بن جاسس متمکن ہوا جو امیر اسمٰعیل کے آخر

زمانے تک سریر آرا رہا تھا۔

برطال میں ہنشہ بن یوسف بن ہنشہ بن شانجہ بن ہنشہ بن شانجہ ابن ہونشہ کی بادشاہت تھی، ابتدا میں اس کا نام دوقادتھا۔

امیر اسمٰعیل کی خود مختاری

یوم عید الفطر ۷۱۳ھ میں سلطان ابو الجیوش نصر بن سلطان ابو عبد اللہ محمد بن سلطان غالب باللہ ابو عبد اللہ بن نصر نے حملہ کر کے اپنے بھائی عبد اللہ ارمد کو معزول کر دیا، اور اس کے وزیر ابن الحکم کو مکان کے دروازے میں دھوکہ سے قتل کر کے اندلس کے تخت پر خود متمکن ہو گیا اگرچہ عبد اللہ کی کمزوری سے نصر کی حکومت قائم ہو گئی مگر درپردہ اس کے خلاف بھی سازش کا بازار گرم ہو گیا، اور خاص خاص لوگوں کی منافست سے حالت اور زبوں ہو گئی، چنانچہ ابو سعید فرج نامی ایک رئیس کبیر جو عبد اللہ اور نصر کا برادر عم زاد تھا، جسے سلطنت کا علم، اور رشتہ داروں کا ستون کہنا چاہیئے حکومت کے معاملات میں بہت دخیل تھا، آبائی میراث کا حق رکھتا تھا، اور ابا عن جد مالقہ اور اس کے مضافات کی نگرانی کرتا تھا اور تھوڑے دنوں سے سبتہ کا بھی جو معزول سلطان کے صوبہ جات میں داخل تھا نگراں ہو گیا تھا، اس رئیس نے موجودہ حالات سے فائدہ اٹھا کر اپنے بیٹے امیر اسمٰعیل کو (جس کا تذکرہ کرنا مقصود ہے) ان مقامات کا مختار بنا دیا، اور یہاں کی تمام رعایا اس کی مطیع اور فرماں بردار ہو گئی، اگرچہ رئیس ابو سعید سے بعض امور کی بنا پر رعایا ناخوش تھی۔

امیر اسمٰعیل دستور کے مطابق برسم تہنیت اور بیعت کے لئے سلطان نصر کے پاس غرناطہ آیا، مگر بعض ارکان حکومت نے اسے متنبہ کر کے مشورہ دیا کہ وہ جلد اپنے شہر واپس جا کر اپنی کامل خود مختاری کا اعلان کر دے اور ان لوگوں نے ہر ممکن طریقے سے امداد دینے کا وعدہ بھی کیا۔

امیر اسمٰعیل اسی وقت وہاں سے واپس ہو گیا، اور ابھی اس کی واپسی کو زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ غرناطہ میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑک اٹھی، اور لوگوں کے دل غیظ و غضب سے مشتعل ہو گئے، امیر اسمٰعیل نے ۱۷ رمضان سنہ مذکور

میں اپنے شہر میں پہونچتے ہی اپنی کامل خود مختاری کا اعلان کردیا، شاہانہ کروفر قائم کیا فوجی محکمے کی تنظیم کی، اور ایک ہی حملے میں تنقیرہ کو مسخر کرلیا، یہ دیکھ کر اہل المریہ نے اس کی اطاعت قبول کی، پھر وہ بلش کی طرف بڑھا، اور یہاں بھی اس نے جنگ کی اور آلات مجانیق نصب کئے، آخر کار یہاں کے باشندے بھی اس کے مطیع ہو گئے، رفتہ رفتہ اس کی تحریک دعوت نے زور باندھا، مالگزاری کی رقم اچھی مقدار میں وصول ہونے لگی، اور کثرت سے عوام اور جنگجو آدمی اس کی تحریک دعوت میں شریک ہو گئے۔

یکم محرم ۷۱۳ھ کو امیر اسمٰعیل نے غرناطہ پر چڑھائی، اور قریۂ عطشا میں فوج اتار دی ادھر سلطان نصر پورے جنگی سامان کے ساتھ فوج گراں لے کر مقابلے کو نکلا، ۱۴ محرم کو دونوں فوجوں میں جنگ ہوئی جس میں امیر اسمٰعیل کی چھوٹی جماعت غالب رہی، اور غرناطہ کی فوج کو ہزیمت ہوئی، سلطان نصر کا گھوڑا ایک نہر کے پاس ٹھوکر کھا کے گرا، تھوڑی دیر کے بعد سلطان سنبھلا اور بے نیل مرام شہر غرناطہ میں داخل ہوا، اور ادھر مالقہ کی فوج اپنے شہر کامران واپس گئی۔

اس کامیابی سے رئیس ابوسعید اور اس کے فرزند اسمٰعیل نے سربلندی حاصل کی اور دونوں نے ملک کے فتنوں سے خوب فائدے اٹھائے، مگر چونکہ امیر اسمٰعیل کو مال وزر کی سخت ضرورت لاحق ہوئی ملک کی ضرورتوں کا اس پر سخت دباؤ پڑا، اور بغیر مال وزر کے اُسے فضیحتوں کا سامنا تھا اس لئے امیر اسمٰعیل نے سلطان نصر سے صلح کی سلسلہ جنبانی کی اور ان شرائط پر صلح کرلی۔

شہر مالقہ میں امیر اسمٰعیل کی حکومت علیٰ حالہ رہے گی، اور امیر سلطان کی سیادت قبول کرنا، خراج دینا اور سلطانی لشکر کو رسد بہم پہونچانا لازم ہوگا۔

شرائط صلح ربیع الاول سنہ مذکور میں طے پائے۔

اسی سال غرناطہ میں ایک اور فتنہ اٹھا، وہاں کے شیوخ نے ماہ رمضان میں بغاوت کرکے سلطان کو تخت سے اتارنے، اور معزول سلطان کو دوبارہ تخت نشین کرنے کے لئے بہت شور وغل مچایا، مگر جب سلطان نے ان باغیوں کا زور توڑ دیا تو ان کے تمام سرگروہ مالقہ چلے گئے، امیر اسمٰعیل کے لئے یہ

نادر موقع ہاتھ آیا، اس نے آخر شوال میں پے در پے کوچ کرکے لوشہ پر چڑھائی کردی اور اسے تسخیر کرکے کافی خزانہ لے کر وطن واپس آگیا۔

افسران فوج میں ایک سردار پر امیر اسمٰعیل کی خاص نظر لطف رہتی تھی، اتفاقاً سے وہ امیر کے نزدیک متہم ثابت ہوا تو اس نے سردار کو قید خانے میں ڈالدیا مگر جب اس کی طرف سے امیر کا دل صاف ہوگیا تو حلف لے کر اسے چھوڑ دیا، اس بات سے امیر کے حاشیہ نشینوں کے دل سخت رنجیدہ ہوئے، اور دوسروں کو بھی اس کا صدمہ ہوا، مگر امیر کی قوت وشوکت کی وجہ سے وہ کچھ نہ کرسکے،

تاہم یہ لوگ سلطان سے جو ملک گیری کی ہوس رکھتا تھا مل گئے، امیر کو خطرہ لاحق ہوا کہ ان کی وجہ سے سلطان احواز اور حدونہ کی طرف رخ کرے گا اس لئے اس نے خود ہی غرناطے پر حملہ کردیا، سلطان کی فوج عبدالحق بن عثمان کی سرکردگی میں مقابلے کے لئے نکلی، مگر حملہ آوروں نے اس زور کا حملہ کیا کہ اگر سلطان ثابت قدمی سے نہ لڑتا تو اس کی فوج ہر طرف سے گھر جاتی، تاہم وہ ہزیمت اٹھا کر بھاگی،

حملہ آور شہر پناہ کے دامن تک تعاقب کرتے ہوئے پہونچ گئے، اور غوغائیوں کی جماعت جو سلطان کو معزول کرکے انقلاب حکومت کی خواہاں تھی اس حملے سے خاموش ہوگئی، باب البیرہ فوراً بند کردیا گیا، امیر کی فوج قفل توڑ کر شہر غرناطہ میں جا گھسی، سلطان اپنے اہل وعیال، تمام ذخائر اور خاص لوگوں کو لے کر الحمرا کے قلعے میں جاکر پناہ گزیں ہوا، اور امیر ابو الولید (اسمٰعیل) ابن ہوتل کے پرانے قلعے میں جو الحمرا کے مقابل دار کبریٰ میں واقع تھا داخل ہوا، اور لوگوں کو مال وزر دینے کے لئے تحریری فرمان نافذ کیا، اور خطائیں معاف کرکے منتشر لوگوں کی تالیف قلوب کی۔

الحمرا میں جتنے لوگ محصور ہوگئے تھے باوجودیکہ ان کے پاس رسد کافی تھی، مال وافر تھا، اور مدافعت کی قدرت رکھتے تھے، با ایں ہمہ وہ ہمت ہار گئے اور اتنے کور چشم ہوگئے کہ انھیں کچھ نظر نہ آیا، مجبور ہوکر انھوں نے امیر اسمٰعیل سے اپنے اور سلطان کے لئے ایک معاہدہ مرتب کرنے کی

درخواست کی، جس کا مفہوم یہ تھا کہ وہ لوگ تمام مال و اسباب اور ذخیروں کے معاوضے میں سلطان کو لے کر وادی آش منتقل ہو جائیں گے، چنانچہ یہ معاہدہ مرتب ہوا، اور ۲۸ رشوال ۷۱۳ھ میں سلطان معزول ہوکر غرناطہ سے کوچ کر کے وادی آش چلا گیا، اور یہاں وہ کبھی جنگ اور کبھی صلح کی حالت میں زندگی بسر کرتا رہا یہاں تک کہ شمشیر اجل نے اس کا خاتمہ کر دیا، اس کا بیان آگے آتا ہے۔

سلطان کے انتقال کے بعد امیر اسمٰعیل کے لئے فضا صاف ہوگئی، لوگوں نے اس کی سیادت تسلیم کر لی، دور و نزدیک اس کی اطاعت پھیل گئی اور کسی نے اس کی مخالفت نہیں کی، اور بقا صرف خدائے وحدہ لاشریک کے لئے مخصوص ہے۔

مناقب

امیر اسمٰعیل اہل بدعت کے لئے سخت اور اہل ملت کے لئے نرم تھے ایک روز امیر کے سامنے سادات کا ذکر چھڑا تو اس نے ان میں سے بعض کے لئے زر فدیہ کی گراں قدر رقم ادا کی، اور بعض کو اپنی فوج کی لڑائیوں سے علیحدہ کر دیا، لوگوں کا گمان ہے کہ امیر نے خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سادات کے ساتھ سلوک کرنے پر شکریہ ادا کرتے ہوئے دیکھا۔

امیر شرعی حدود قائم کرنے اور مسکرات کے روکنے میں سخت واقع ہوا تھا، ولیمہ کی دعوتوں میں معززین کے پاس طوائفوں کی آمد و رفت کو ممنوع قرار دیا، اور ان کی طرب انگیزی سے لطف اندوزی کی اجازت صرف ان لوگوں کو دی جو اسی قماش کے تھے۔

یہودیوں کے لئے یہ لازم کر دیا کہ وہ کوئی ایسی علامت اختیار کریں جو دوسروں سے ان کا امتیاز کر سکے اور مخاطبت و راہروی میں جو حق شریعت نے انھیں دیا ہے اسے ملحوظ رکھیں، چنانچہ سروں پر زرد لفہ باندھنا ان کا شعار قرار دیا گیا۔

ایک شیخ جن سے اکثر لوگ مزاح کرتے تھے بیان کرتے ہیں کہ ایک روز ہم چند آدمیوں نے عیش و نشاط کی مجلس گرم کی، میرے سر پر سرخ لفہ بندھا

تھا، دوستوں نے مجھے گہری نیند سلا دیا اور زرد کپڑے کے ٹکڑوں کو جوڑ کر ایک لفہ تیار کر کے میرے سر پر سرخ لفہ کی جگہ لپیٹ دیا، پھر انھوں نے مجھے جگایا جب میں اٹھ بیٹھا، تو مجھے پیسے دیئے کہ میں کچھ سبزی اور میوہ بازار سے لے آؤں میں اسی طرح بازار چلا گیا، اور ایک دکاندار سے بھاؤ کرنے لگا، اس نے مجھے دیکھکر اپنے ساتھی سے کہا، خدا امیر کو جزائے خیر دے، میں اس لعین کو مسلمان سمجھتا تھا اور عندالملاقات سلام کرنے میں سبقت کرتا تھا، یہ کہکر اس نے مجھ پر تھوک دیا میں اس وقت دکاندار سے دست و گریباں ہوتے ہوتے رہگیا، کیونکہ مجھے فوراً اپنے فریب دیئے جانے کی اطلاع ہوگئی تھی میں نے لفہ نوچ ڈالا، اور بازار سے واپس جاکر دوستوں کی بُری طرح خبرلی، اس وقت میری ندامت کی کوئی انتہا نہ تھی، چونکہ ان کا جاسوس مجھ سے پہلے جا چکا تھا اس لئے میرا وہاں پہونچنا تھا کہ وہ ہنستے ہنستے لوٹ گئے، غرض امیر اسمٰعیل کے مناقب بہت ہیں۔

جہاد اور بعض حوادث

رومیوں کی فوج نے معزول سلطان کی امداد سے امیر اسمٰعیل کی فوج کو وادی فرتونہ میں سخت ہزیمت دی، طاغیہ، بطرہ، کا فل رومی بادشاہ اس جنگ کا بانی تھا، اس سے پہلے امیر کے باپ اور چچا کے عہد میں اس رومی بادشاہ کی کوئی بڑی ہستی نہ تھی، بلکہ وہ اس کی مدافعت بہ آسانی کرتے تھے، امیر اسمٰعیل کی ہزیمت کا واقعہ ۱۷ھ میں پیش آیا، جس میں چوٹی کے آدمی مارے گئے، حصن ہتماس، حصن بجیج، حصن طشکر، اور ثغر روطا کو تسخیر کر کے پایۂ تخت غرناطہ پر حملہ کرنے کے ارادے سے یہاں کی چراگاہ کی طرف رخ کیا، مگر اللہ تعالےٰ نے حملہ رد کر کے اس کا قلع قمع کر دیا، اور اسلام کو نصرت عطا فرمائی، سواد غرناطہ میں تین میل کے فاصلے پر سمرج کے مقام پر اس طاغیہ کو کامل شکست ہوئی، تمام سوار اور پیدل فوج کام آئی، اس کا سارا سامان لوٹا گیا، اور مسلمانوں کو فتح عظیم نصیب ہوئی، جس کی شہرت دور دور تک پھیل گئی اور مسلمانوں کی سعادت دوبارہ واپس آگئی، یہ واقعہ ۶ جمادی الاولیٰ ۱۸ھ کو رونما ہوا، اسی واقعے کے متعلق

شیخ ابوالحسن جیاب کاتب کے یہ اشعار ہیں:۔

الحمد حق الحمد للرحمٰن	تمام حمد خدائے رحمٰن کے لئے ہے
کافی العدو و ناصر الایمان	جو ایمان کی مدد کرنے والا اور دشمن سے بچانے والا ہے
و مکیف الصنع الکریم ودافع	جو بڑے بڑے مصائب دور کرے
الخطب العظیم وواھب الاحسان	احسان اور بھلائی کرنے والا ہے
فی کل أمر للمھیمن حکمة	ہر ایک بات میں اس محافظ کی حکمت مضمر ہے
أعیت علی الافکار والاذھان	جس کے ادراک سے فکر و ذہن عاجز ہے

بقیۃ السیف نے راہ گریز اختیار کی، اور رومی مقتول بادشاہ کی لاش کو مسلمانوں نے ایک چوبی تابوت میں رکھ کر الحمراء کی فصیل پر باب یعقوب کے پاس جو شہر میں جاتے ہوئے بائیں سمت ملتا ہے لٹکا دیا تاکہ اس فتح کی عام شہرت ہو اور اس فخر کی یاد تا دیر قایم رہے۔

ایک عجیب ماجرا یہ ہے کہ اس واقعے کے پورے پچاس سال کے بعد جبکہ میں غرناطے میں سلطان کی طرف سے نیابت کی خدمت انجام دے رہا ہوں اپنی عادت کے موافق بعض واقعات کے سلسلے میں اس جگہ کی جستجو کی جہاں یہ لاش لٹکائی گئی تھی، تو وہاں مجھے پتھروں کا ایک ٹیلہ جو بچوں کی سنگ اندازی سے بن گیا تھا نظر آیا، میں نے اس خیال سے کہ یہ یادگار از سرنو نمایاں ہو لاش کی بوسیدہ ہڈیوں کو دوسرے تابوت میں رکھوانے کے لئے پتھروں سے جدا کرایا تو ایک تیز بھالا روئی کے ایک چوڑے پہل میں لپٹا ہوا ملا جو ہڈیوں میں پیوست تھا، وہ کھینچ کر نکالا گیا، اس وقت مجھ پر رقت طاری ہوئی اور میری زبان سے یہ دعا نکلی، "اے خدا! جس شخص نے اس طاغیہ کی ہڈیوں میں جہاد کا یہ بھالا مار کر چبھویا ہے جو اب تک پیوست ہے اسے تو جنت رضواں میں داخل فرما، اور اس کا درجہ بلند کردے، بیشک تو اس کا اہل ہے۔

غرض معزول سلطان نے وفات پائی اور امیر اسمٰعیل کے لئے فضا صاف اور زمانہ موافق ہوگیا، لوگ عام طور سے متحد ہوگئے اور ان میں جہاد کی روح پیدا ہوگئی، امیر اسمٰعیل نے رجب ۷۱۹ھ میں دشمن کے ملک پر چڑھائی کی،

اور حصن اشکر شیجا پر فوج کے پرے جمائے جو بسطہ کے سرے پر عرض میں واقع ہے امیر نے اس کا محاصرہ کرکے جنگ شروع کی، اور ایک بہت بڑے آلہ سے جو نفط سے بنا تھا لوہے کے آتشیں گولے مضبوط برجوں پر پھینکے جن کے شرارے اڑ اڑ کر محصورین کے حلقے میں پہونچے، ان گولوں سے جن کی آواز آسمان کی کڑک کے مانند تھی محصورین کو بہت نقصان پہونچا اور خدا نے ان کے دلوں میں ایسا رعب ڈالدیا کہ وہ ہاتھ باندھکر سیدھے امیر کے پاس چلے آئے اور چاروناچار اطاعت قبول کر لی، یہ واقعہ ۲۴ رجب کا ہے امیر اسمٰعیل نے اپنے جہاد کا مرکز شہر سے باہر قایم کیا تھا، اور خندق کھودنے میں اس نے بھی شرکت کی تھی، فتحیابی کے بعد وہ یہاں سے واپس ہوا۔

اس جنگ سے مسلمانوں کو بے شمار برکتیں حاصل ہوئیں، اور اندلس کے مشرقی علاقے میں اہم فوائد ظاہر ہوئے، شعراء نے اس جنگ کی فضیلت نمایاں کرنے اور شہرت دینے کے لئے قصائد لکھے، امیر کے ایک خاص کاتب نے جو قصیدہ لکھا تھا اس کا ایک شعر یہ ہے۔

اما مداك نغاية لم تلحق	تیری حد ایسی انتہا ہے جہاں تک کوئی نہیں پہونچ سکتا
أعيت على عز الجياد السبق	اصیل تیز رفتار گھوڑے بھی عاجز رہ جاتے ہیں

ہمارے شیخ حکیم ابوزکریا بن ہذیل نے بھی ایک قصیدہ لکھا تھا اس کا مطلع یہ ہے

يحث القباب الحمر دا الاسد الورد	جفاکش سردار وغیرہ دل بہادران افواج کی ہمت افزائی کرتے ہیں
كتائب سكان السماء لها جند	جن کے سپاہی آسمان کے رہنے والے ہیں

حکیم موصوف نے نفط کی تعریف میں اشعار لکھ کر مجھے سنائے تھے اشعار یہ ہیں:۔

وظنوا بان الصعق والرعد في السماء	لوگ یہ سمجھ رہے تھے کہ چمک اور گرج آسمان پر ہوتی ہے
فحاق بهم من دونها الصعق والرعد	پس ان کو آسمان کے نیچے ہی چمک اور گرج نے احاطہ کرلیا
غرائب اشكال سما هرمس بها	عجیب غریب شکلیں جن سے شور و ہنگامہ بلند ہوتا رہتا تھا
مهندة تأتى الجبال و تنهد	پہاڑوں پر شور مچاتی ہوئی آتیں اور اوپر چڑھ جاتی تھیں۔

۱۰ رجب ۷۲۵ھ میں امیر نے پورے ساز و سامان فوج اور رضاکاروں کی فراوانی کے ساتھ جہاد کے لئے مرتش کا رخ کیا، آب و ہوا کے لحاظ سے یہ ایک اچھا

اور بڑا شہر تھا، ان حملہ آوروں کے پہونچتے ہی وہاں ہر طرف تہلکہ پڑ گیا اور تمام لوگ ایک جگہ مجتمع ہو گئے، حملہ آوروں نے کمانوں میں تیر جوڑے، اور شہر کے دروازے کی طرف چلا ئے، مگر سامنے بڑے بڑے درخت اور انگور کی کاشت کا ایک دریا حائل تھا اس لئے پہلے ان کو تباہ و برباد کرنا چاہا، مگر ان کے محافظین باہر نکل کر کٹ مرنے کے لئے تیار ہو گئے، اور برابر ان کی حمایت اور حفاظت پر تلے رہے اور حملہ آوروں کو اندر جانے سے باز رکھا تاہم انھیں اس میں کامیابی نہیں ہوئی، اور گو انگوری کاشت کا دریا حائل تھا مگر حملہ آور شہر پناہ کی دیواروں پر چڑھ گئے اور سوار ہو کر امیر کو دروازے پر طلب کیا، چنانچہ وہ پورے غلبے کے ساتھ شہر میں داخل ہوا، یہاں کے باشندوں نے قلعہ میں جا کر پناہ لی، امیر وہاں بھی بزور داخل ہو گیا اور حملہ آوروں کے سامنے عورت، مرد، بچہ، اور بوڑھا جو آیا قتل ہوا، امیر عدیم المثال ظفر اور نصرت کے ساتھ ۴ ر رجب مذکور کو غرناطے واپس آیا۔

وفات جب امیر اسمٰعیل مرتنش سے واپس آیا تو وہ ایک رئیس محمد ابن اسمٰعیل سے جو اس کا برادر عم زاد اور صاحب جزیرہ کے عرف سے مشہور تھا کسی بات سے خفا ہو گیا، اور بہت سختی سے دھمکیاں دیں جس سے وہ بھی طیش میں آگیا اور ارباب دولت اور خدم و حشم کے روبرو باب نصر میں امیر کو قتل کر دیا، یہ وہ زمانہ تھا کہ امیر ہر طرح سے مطمئن اور فوج و طاقت کے لحاظ سے غالب تھا، قتل کا واقعہ دوشنبہ کو مرتنش سے واپس آنے کے تیسرے دن پیش آیا، اس سے پہلے امیر نے اپنے تمام ملازمین اور رشتہ داروں سے حکومت کے متعلق ایک معاہدہ کیا تھا۔

قتل کا واقعہ یوں پیش آیا کہ امیر مجلس عام میں شرکت کے لئے دورویہ صفوں سے گزر رہا تھا کہ قاتل جھپٹ کر قریب آیا اور خنجر سے جسے ہاتھ میں چھپا رکھا تھا امیر پر تین وار کئے، ایک وار ہنسلی سے اوپر گردن کے پاس لگا جس سے وہ فوراً بیہوش ہو کر گر پڑا، وزیر بکر نے شور مچایا تو اس پر بھی قاتل کے ساتھیوں کی تلواریں برس پڑیں، ایک ہنگامہ رستخیز برپا ہو گیا ہر طرف تلواریں نیام سے

باہر نکل آئیں، لوگ امیر کو قاتل سے چھڑانے میں مشغول ہو گئے، کچھ وزیر کی طرف متوجہ ہوئے اور کچھ لوگ موقع پاکر امیر کو یہاں سے اٹھالے گئے مگر جب انھیں معلوم ہوا کہ امیر زخم کے صدمے سے جاں بحق تسلیم ہو چکا ہے تو وہ مبہوت ہو کر بھاگنے لگے، مگر ان کے راستے بند تھے، یہ جہاں پہونچے تہ تیغ کیے گئے اور جو لوگ بالکل بے قصور تھے وہ بھی سوء ظن کی بنا پر ماخوذ ہوئے اور ان کی آزمائش کی گئی، غوغائیوں نے لوگوں کے گھر لوٹے، اور ان کے اعضا دیواروں پر لٹکائے یہ دن بہت سخت، اور یہ منزل نہایت مشکل تھی، بادشاہ قصر کے ایک مکان میں پڑا تھا، اس میں کچھ کچھ جان باقی تھی اور وہ اس وجہ سے کہ کٹی ہوئی شریان کے منہ پر عمامہ کا پیچ لپٹ گیا تھا جس وقت عمامہ سر کا خون جاری ہوا بقیہ جان بھی نکل گئی، قتل کے واقعے کے بعد امیر اسمٰعیل کے فرزند امیر ابو عبد اللہ کے ہاتھ پر لوگوں نے بیعت کی، جو بجائے خود ایک مشہور واقعہ ہے۔

وفات کے دوسرے دن شنبہ کی تاریک شب میں قصر کے باغیچے میں امیر اسمٰعیل اپنے جد کے پہلو میں دفن کیا گیا، قبر پر انتہائی کمال اور استحکام کے ساتھ رنگسازی، نقاشی، اور گل کاری کی گئی جس کا وصف احاطۂ تحریر سے باہر ہے، اور قبر کے سرھانے سنگ رخام کی لوح پر ہمارے شیخ کا حسب ذیل کلام افتتاحی کلمات کے بعد کندہ کیا گیا:۔

یہ مشہور سلطان کی قبر ہے جو شہروں کا فاتح، دین اسلام کا حامی، آبائی طریقوں کا زندہ کرنے والا، امام عادل، بہادر سردار، حرب اور محراب کا رئیس، پاک دامن پاک انساب، جہاد کی تلوار، بلاد کا نور، ایمان کی نصرت میں شمشیر بکف، دل میں خدا سے خائف اور راہ الٰہی کا مجاہد تھا اور فضل خداوندی سے وہ ہمیشہ منصور رہا کون ؟ یعنی:۔

امیر المسلمین ابو الولید بن الہمام الاعلیٰ الطاہر الذات والفخار، الکریم المآثر والآثار، کبیر الامۃ النصریۃ، وعماد الدولۃ الغالبیۃ، المقدس المرحوم ابی سعید فرج بن علم الاعلام وحامی حمی الاسلام، صنو الامام الغالب، وظہیرہ العلی المراتب المقدس المرحوم ابو الولید اسماعیل بن نصر۔

خدا اس کی روح کو پاک اور اپنے باران رحمت سے سیراب فرمائے، اور اسے جہاد و شہادت کا نفع بخش کر مزید احسانات سے ابدی حیات عطا فرمائے، امیر مرحوم نے جہاد کا پورا پورا حق ادا کرکے بلاد کے فتح کرنے میں خدا کی تائید حاصل کی، اس نے جہاد میں ہزاروں کو تہ تیغ کیا جس کا اجرا سے قیامت میں ملیگا، جب خدا کے حکم سے اس کی اجل آئی تو اس کی عمر نیک عمل پر ختم ہوئی، اور خدا نے اسے اپنے کرم اور ثواب کی طرف کھینچا، اس وقت بھی اس کے کپڑے جہاد کے غبار سے آلودہ تھے، اس کی شہادت نے اس کا قدم شہدائے ملوک کی جماعت میں راسخ کرکے اس کی سعادت کا جھنڈا بلند تر کردیا۔

ولادت بیعت اور شہادت

امیر اسمٰعیل کی پیدائش ۱۷ر شوال ۶۷۷ھ میں جمعے کی صبح کو مبارک ساعت میں ہوئی، بروز پنجشنبہ ۲۷ر شوال ۷۱۳ھ میں اس کی بیعت لی گئی، اور بروز دوشنبہ ۲۶ر رجب ۷۲۵ھ میں اس نے جام شہادت نوش کیا۔

پاک ہے وہ ذات جو حقیقی مالک ہے اور مخلوق کی فنا کے بعد صرف اسی کو بقا ہے۔

لوح مزار کی دوسری طرف یہ اشعار کندہ کئے گئے:۔

تخص قبرك يا خير السلاطين	اے بہترین سلطان تمہاری قبر کے لئے وہ سلام مخصوص ہے
تحية كالصبا هبت بدارين	جو مقام دارین سے گزری ہوئی صبا کی مانند ہے
قبر به من بنى نصر امام هدى	اس قبر میں بنو نصر کا وہ فرد ہے
عالى المراتب فى الدنيا وفى الدين	جو ہدایت کا امام اور دین و دنیا میں عالی مرتبت تھا
ابو الوليد وما ادراك من ملك	وہ ابو الولید تھا وہ کون بادشاہ یعنی جو
مستنصر واثق بالله مأمون	لوگوں کا مددگار واثق باللہ اور عفیف تھا
سلطان عدل وبأس غالب ندى	وہ عدل و دبدبہ سخاوت، فضل، تقویٰ
وفضل تقوى واخلاق ميامين	اور بابرکت اخلاق کا بادشاہ تھا
لله ما قد طواه الموت من شرف	بخدا موت نے جس چیز کو اس قبر میں نہاں کردیا ہے

وسر مجد بهذا اللحد مدفون	وہ شرف اور ستر مجد تھا
ومن لسان بذكر الله منطلق	اور ایک ایسی زبان تھی جو خدا کی یاد میں متحرک رہتی تھی
ومن فؤاد بحب الله مسكون	اور ایک ایسا دل تھا جو خدا کی محبت میں ساکن تھا۔
أما الجهاد فقد احيى معالمه	اس سلطان نے جہاد کی نشانیوں کو زندہ کرکے
وقام منه بمفروض ومسنون	فرائض اور سنن کو قایم کردیا تھا
فكم فتوح له تزهو المنابر من	اس کے فتوح کے عجیب وغریب واقعات سے
عجيب بهن وأوراق الدواوين	دواوین کے اوراق اور منبر مزین رہتے تھے
مجاهد نال من فضل الشهادة ما	وہ ایسا مجاہد تھا جس نے شہادت کی فضیلت سے
يجرى عليه بأجر غير ممنون	غیر منقطع اجر حاصل کیا ہے
قضى كعثمان فى الشهر الحرام ضحى	اس نے حضرت عثمان کی طرح ماہ حرام میں
وفاة مستشهد بالدار مطعون	گھر ہی میں زخمی ہوکر جام شہادت نوش کیا
فى عارضيه غبار الغزو تمسحه	اس کے رخسارے جہاد کی گرد سے آلودہ تھے
فى جنة الخلد ايدى حورها العين	جسے جنت کی حوریں اپنے ہاتھوں سے پوچھینگی
يسقى بها عين تسنيم وقاتله	وہ جنت میں چشمۂ تسنیم سے سیراب ہوگا
مردود بين زقوم و غسلين	اور اس کا قاتل زقوم اور غسلین کا مزا چکھے گا
تبكى البلاد عليه والعباد معًا	اس سلطان پر ملک اور رعایا یکساں روتے ہیں
فالخلق ما بين أحزان أفانين	اور اس کے لئے خلق طرح طرح کے غم میں مبتلا ہے
لكنه حكم رب لا مرد له	لیکن یہ خدا کا فیصلہ تھا جو رد نہیں ہوسکتا تھا
محتم الجزم بين الكاف والنون	اس کا فیصلہ سارے عالم میں یقیناً نافذ ہوکر رہتا ہے
ورحمة الله رب العالمين على	اس عادل سلطان پر جو اس قبر میں مدفون ہے
سلطان عدل بهذا القبر مدفون	خدائے رب العالمین کی رحمت نازل ہو

تمام لوگ امیر اسمٰعیل کے جہاد، عزم، سعادت اور نصرت کے نام پر روتے، شعراء نے مرثیئے لکھے، عام طبایع میں رنج والم پیدا ہوا، ماہر ودن نے اس پر آنسو بہائے، اس کی قبر پر بکثرت مراثی پڑھے گئے، ان میں ایک مرثیہ امیر کے کاتب ابوالحسن بن جیاب کا یہ ہے:۔

ایا عبرة العین امزج الدمع بالدم	اے سوزش چشم! اشکوں میں خون ملا دے
ویا زفرة الحزن احکمی وتحکمی	اے آہ غم! تو بھی اپنا مستحکم فیصلہ صادر کر دے
ویا قلب ذب وجداً وغماً ولوعة	اے دل! اب رنج وغم اور سوزش کو دفع کر
فان الاسی فرض علی کل مسلم	کیونکہ تسکین دہی ہر مسلمان پر فرض ہے
ویا سلوة الایام لا کنت فابعدی	اے زمانے کی تسلی تیرا وجود باقی نہ رہے تو وہاں جا
الی حیث القت رحلها أم قشعم	جہاں موت نے اپنا کجاوہ اتار کر رکھا ہے
وصح بأناة الصبر سحقاً تأخری	اور اے صبر وحلم پیچھے ہٹ جاؤ
وقل لشکاة الحزن أهلا تقدمی	اور مرض حزن سے کہہ دو کہ آگے بڑھے
ولم لا وشمس الملک والمجد والهدی	کیونکہ وہ جو ملک و مجد اور ہدایت کا آفتاب
ومفتاح أبواب الندی والتکرم	اور جود وکرم کے ابواب کی کلید تھا
ثوی بین اطباق الثری رهن غربة	زمین کے پردوں میں تنہا رہین غربت پڑا ہے
وحید أصابته اللیالی بأسهم	اور راتوں کے تیر اس پر چل رہے ہیں
علی مالک الاسلام فاسمح بزفرة	اے نفس! مالک اسلام پر ایک ایسی آہ کھینچ
تساقط دراً بین فذ و توأم	جس سے طاق وجفت موتی گرنے لگیں
علی عالم الاعلام والقمر الذی	وہ آہ ایک بڑے عالم اور ایک ایسے ماہتاب سے متعلق ہو
تجلی بوجه العصر غرة أدهم	جس سے زمانے کا سیاہ فام چہرہ بھی روشن تھا
علی واحد الاملاک غیر منازع	اور وہ آہ ایسے یکتائے زمانہ بادشاہ سے متعلق ہو
اصالة أعراق وفضل تقدم	جس کی اصالت اور فضیلت میں سب کو اتفاق تھا
ومن مثل اسماعیل نوراً لمهتد	کون ہے اسمٰعیل کے مانند جو طالب ہدایت کے لئے نور
وبشری لمکروب وعفو المجرم	مصیبت زدوں کے لئے بشارت اور مجرم کے لئے سراپا عفو تھا
ومن مثل اسماعیل للبأس والندی	اور کون ہے سخاوت وبہادری میں اسمٰعیل کی مانند
لاصراخ مذعور واغناء معدم	جو خوفزدوں کی فریاد سنتا اور مفلسوں کو غنی کرتا تھا
ومن مثل اسماعیل للحرب یجتنی	اور کون ہے جنگ میں اسمٰعیل کی مانند جس کے ذریعہ
به الفتح من غرس القنا المتحطم	شکستہ نیزوں کو نصب کرکے فتح حاصل کی جاتی تھی
ومن مثل اسماعیل سهم سعادة	اور کون ہے اسمٰعیل کی مانند جو سعادت کا تیر تھا

أصاب به الاسلام شاكلة الدم
جس کی وجہ سے اسلام نے خونی طریقے کو درست کیا

شهيد سعيد صبحة شها دة
اس نے ایسی شہادت کی سعادت حاصل کی

بتوأمنها في الخلود ا لتنعم
جس سے اس نے ہمیشہ کے لئے جنت نعیم میں اپنا ٹھکانا بنایا

اتت وغبار الغزو طيّ ثيابه
وہ اس وقت شہید ہوا کہ ہنوز جہاد کی گرد کپڑوں میں موجود تھی

ظهير أمان من دخان جهنم
جو جہنم کے دھوئیں سے اسے امان دلانے میں معاون ہو گی

فتبا لدار لا يدوم نعيمها
وہ گھر برباد ہو جائے جس کی نعمتیں ہمیشہ نہیں رہتیں

فما عرسها الا طليعة مأتم
اور اس کی شادمانی بھی ماتم کا پیش خیمہ ہے

ولا أنسها الا رهين بوحشة
اس کا انس بھی رہین وحشت ہے

ولا شهدها الا مشوب بعلقم
اور اس کا شہد بھی حنظل سے مخلوط ہے

فيا من يرى الدنيا مجاجة نحلة
اے وہ شخص جو دنیا کو انگبین خیال کرتا ہے

الا فاعتبرها فهي بنت لأرقم
دیکھ اور دنیا سے عبرت حاصل کر وہ بچۂ افعی ہے

فمن شام منها اليوم برق تبسم
جس نے آج دنیا کی برق تبسم دیکھی ہے

ففي الغد تلقاه بوجه مجطم
بے شک وہ اس کو کل ترش رو دیکھے گا

فضاحكها باك وجذلانها شج
دنیا میں جو خنداں ہے وہ روئے گا جو شاداں ہے غمگین ہو گا

وطالعها هاو ومبصرها عمي
جو اوپر چڑھتا ہے وہ گرے گا اور جو بینا ہے وہ نابینا ہو گا

وسراؤها بؤس وضراؤها معًا
دنیا کا رنج و غم دونوں یکساں تکلیف دہ

فكلتاهما طيف الخيال المسلم
اور خیالی عکس ہیں

سطت بملوك الارض من بعد آدم
دنیا نے حضرت آدم کے بعد شاہان جہاں پر حملہ کر کے

تبدد منهم كل شمل منظم
ان کی منظم جماعت کو پراگندہ کر دیا

فكم من قياصر قصرت مشأو عمره
اس نے بہتیرے قیصروں کی عمریں گھٹا کر

فخرصرعنها لليدين وللفم
ہاتھ اور منہ کے بل ان کو گرا دیا

وكم كسرت كسرى وفضت جيوشه
اور اس نے بہتیرے کسریٰ ایران کی فوجوں کے ٹکڑے کر دے

فلم تحمه منها كتائب رستم
کہ رستم کے لشکر بھی ان کی حمایت نہ کر سکے

ولو أنها ترثي امام هداية
اگر دنیا ہدایت کے امام پر مرثیہ خواں ہوتی

لاعفت علينا من حسام ابن ملجم
تو وہ حضرت علی کو بھی حسام بن ملجم سے بچا لیتی

وما قتلت عثمان فی جوف دارہ	اور نہ وہ دنیا حضرت عثمان کو گھر کے اندر قتل کرتی
فقدس من مستسلم ومسلم	جس سے وہ (جان) تسلیم کرنے والے اور تسلیم کرانے والے کے باعث مقدس ہو گئے
وما امکنت فیروز من عمر الرضی	اور نہ وہ حضرت عمر پر فیروز کو قدرت دیتی
فهدت من الاسلام ارفع معلم	جس کی وجہ سے اسلام کا بلند منارہ منہدم ہوگیا

یہ مرثیہ آخر تک اسی طرح ہے، اس واقعے کا اجمالی تذکرہ ہماری ایک تاریخی تالیف میں بھی ہے، جس کا نام "قطع السلوک" ہے، یہ کتاب منظوم اور اس کی بحر رجز ہے۔ اشعار یہ ہیں:-

وعند ماخیف انتشار الملک	اور جس وقت ملک میں ابتری پھیلنے کا خوف ہوا
ووزر الروم وزیر الملک	اور رومی وزیر سلطنت بنائے گئے
تدارک الامر الامام الطاهر	اس وقت امام طاہر نے حالت کی اصلاح کی
فعالج الداء طبیب ماهر	اور طبیب ماہر نے بیماری کا علاج کیا
وهو ابو الولید اسماعیل	امام کی کنیت ابوالولید اور نام اسماعیل ہے
والشمس لا یفقدها دلیل	اور آفتاب کی دلیل مفقود نہیں ہوتی
ابن الرئیس الماجد الهمام	یہ ایک ذی عزت اور باہمت رئیس کے بیٹے ہیں
فرد العلا وعلم الاعلام	جو بلند آہنگی میں یگانہ اور مشاہیر زمانہ میں سے تھے
وجده صنو الامام الغالب	ان کے دادا امام غالب کے بھائی تھے
مناقب کالشهب الثواقب	یہ مناقب شہاب ثاقب کی طرح روشن ہیں
فقاد من مالقة الجنودا	انھوں نے مالقہ سے فوج کشی کی
ونشر الاعلام والبنودا	اور علم ونشان ہر جگہ پھیلا دئے
وعاد نصر بمدى حمرائه	اور نصرت قصر حمراء کے حدود میں واپس آگئی
أتى وأمر الله من ورائه	اور اس کے پیچھے اللہ کا امر بھی آیا
فخلع الامر وألقى بالید	پھر اس نے مستحکم عہد وپیمان کے بعد
من بعد عهد موثق مؤکد	خلافت سے استعفا دیدیا اور اطاعت قبول کر لی
وسار فی الحین الی وادی الاشا	اور شب کے وقت وادی آش کی طرف چلا گیا
والملک لله یعز من یشا	اور ملک اللہ ہی کا ہے وہی جس کو چاہے عزت دے

ولم یزل بہا الی ان باتا	اور وہ وہیں رہا یہاں تک کہ اس نے وہاں قیام کر لیا
وطلق الدنیا سبہ بتاتا	اور وہیں اس نے دنیا کو طلاق قطعی دی (مر گیا)
وانسق الامر وقر الملك	اور امر منتظم ہو گیا اور ملک میں قرار و سکون قائم ہو گیا
وربما جبر الحیاۃ الہلك	اور اکثر ہلاکت سے زندگی حاصل ہو جاتی ہے

اسی بحر کے جز میں امیر مرحوم کے جہاد اور قتل کا وصف بیان کیا گیا ہے:-

وکان الیوم المرج فی دولته	اور ان کے عہد حکومت میں جنگ مرج واقع ہوئی۔
ففرق الاعداء من صولته	کہ اس دن دشمن ان کے رعب سے متفرق ہو گئے
وفتح المعاقل المنیعة	اور بڑے بڑے محفوظ پہاڑی قلعے مفتوح ہوئے
وابتہجت لعدله الشریعة	اور ان کے انصاف سے شریعت تازہ دم ہو گئی
وانتبه الدھر له من نومه	اور ان کی قوم کے ایک گروہ کے ہاتھ پر زمانہ
علی یدی طائفة من قومه	ان کے لئے اپنی نیند سے جاگ اٹھا
بکی علیه الحرب والمحراب	میدان جنگ اور محراب مسجد دونوں انکے واسطے رو رہے ہیں
وندبته الضمر العراب	اور شریف دبلے پتلے گھوڑے ان پر نوحہ کر رہے ہیں

اسمٰعیل بن یوسف بن اسمٰعیل بن فرج بن نصر

نام وکنیت اسمٰعیل نام اور ابو الولید کنیت ہے۔

حالات ابو الولید ایک نوعمر بچہ، گورا بدن کا بھاری، اخلاق کا کمزور، بزدل، ناسمجھ اور حسن ادب سے عاری تھا۔ اس کے حاشیہ نشینوں کی تعداد بہت تھی اور اس کی گفتگو سے عجمیت ٹپکتی تھی، جس روز اس کا باپ قتل کیا گیا اسی دن اس کے بھائی نے عنان سلطنت اپنے ہاتھ میں لے لی، جو خاندان شاہی میں سب سے بہتر اور عقل وسن کے لحاظ سے باپ کی جانشینی کا مستحق تھا، اس نے بخیال شفقت ابو الولید کو ایک قصر میں رکھا اور اس کی ماں پر جو بیت المال پر حاوی تھی کسی قسم کا دباؤ نہیں ڈالا،

بلکہ خزانے کی کنجی بھی اسی کے پاس رہنے دی اور اس کا تمام سیاہ و سفید اختیار اسی کے ہاتھ میں رہنے دیا۔

سلطان نے اپنے بھائی کے ساتھ نہایت اچھا سلوک مرعی رکھ کر ایک معلم مقرر کیا، اور اس کے چھوٹے بھائی کو بھی اسی کے حوالہ کردیا، مگر یہی معلم جس کا نام شیخ محمد بطروحی تھا ان دونوں کی ہلاکت کا باعث ہوا، یہ کمینہ طبیعت کا ایک آدمی تھا، قصر میں اس کا تعلق رمضان سنہ ۸۶۰ھ تک رہا، اس نے ایک طرف ابوالولید اور اس کی ماں کو سلطنت کے دام تزویر میں پھنسایا، اور دوسری طرف فتنہ انگیز لوگوں کو ابھارا، جو ابوالولید کی ماں کے پاس آ آکر سرگوشیاں کرنے لگے، یہاں تک کہ وہ ان کی انگلیوں کے اشاروں پر ناچنے لگی، اور ان کے وعدوں پر اعتماد کرنے لگی، یہ تمام فتنہ انگیز سلطان کے پنجۂ اقتدار سے حکومت کو نکالنے کے لئے کمربستہ ہوئے اور سلطان کا بہنوئی رئیس ابوہود محمد بن اسماعیل (جس کا تذکرہ حرف میم میں آئے گا) ان سازش کرنے والوں کا مرکز بن گیا۔

ابوالولید کی ماں نے مال وزر رئیس کے حوالہ کیا جس نے اس کو فتنہ انگیزی اور خباثت کے کاموں میں صرف کرکے اپنے اغراض پورے کئے، اور ۲۸ رمضان سنہ ۸۶۰ھ شب چہارشنبہ کو فصیل کی ایک شکستہ دیوار کی طرف سے جو بوجہ کہنگی مرمت کے لئے مسمار کی گئی تھی تقریباً سو آدمیوں کو لے کر قلعہ میں داخل ہوا، اس شب کو سلطان یہاں موجود نہ تھا ان باغیوں نے قلعہ میں بہت شور و غل اور ہنگامہ برپا کیا، بےشمار مشعلیں جلائیں قلعے کے باشندے اور پاسبانوں میں بھی جو ان کے ہم خیال تھے ان کے ساتھ ہو گئے مگر دوسرے لوگ جو ان باغیوں کے ہتھے چڑھ گئے تھے۔ غمگین اور نالاں تھے، رات بھر وہاں ہولناک خونریزی اور آبروریزی ہوتی رہی قلعے کا ہر شخص اپنی حفاظت میں سرگرم تھا۔

باغیوں کے دو گروہ ہو گئے، ایک نے سلطنت کے ایک بڑے رکن رضوان نامی کے گھر کا رخ کیا جو ایک معمر، بااختیار، صاحب جبروت، خوش قسمت، دنیاوی

نعمتوں سے مالا مال، عفیف متدین اور خوش معاملہ تھا، اور لوگ اس سے خوش تھے، اور اس کے گھر میں گھس کر اہل و عیال سمیت اس کو قتل کر دیا، دوسرے گروہ نے جس کے ساتھ رئیس ابو ہود بھی تھا ابو الولید کے مکان کی راہ لی، اور جب اس کو گھر سے باہر لا کر گھوڑے پر سوار کیا تو اس کا دل دھڑکنے لگا، چہرہ کا رنگ فق ہو گیا، اور اس کے منہ سے بے ربط باتیں نکلنے لگیں، اس کی اناثیں چاروں طرف سے اسے گھیر کر کھڑی ہو گئیں، کوئی آہ و بکا کرنے لگی، کسی کے منہ سے کف نکلا، اور کوئی خدا سے دعائیں مانگنے لگی، اور جس طرح لہو و لعب میں لوگ نیزوں کو ہاتھ میں لے کر رقص کرتے ہیں اسی طرح یہ گروہ بھی ابو الولید کے سامنے تلواروں کو اونچا کر کے رقص کرنے لگا، شاہی نقارے نکال کر بجائے گئے اصطبل کے گھوڑے کھول کر لائے گئے ان پر سب سوار ہوئے اور پھر اسلحہ خانہ میں جا کر تمام اسلحہ کو باہم تقسیم کر لیا، پھر ابو الولید دار الامارہ میں لایا گیا، اور اس کی طرف سے مختلف شہروں میں پروانے بھیجے گئے جن کا اہم مضمون یہ تھا، جو لوگ وہاں حکومت کے اہل ہیں قتل کر دئے جائیں، اور سلطان کو بھی ہلاک کر دیا جائے، غرض اس طرح ابو الولید کی تخت نشینی انجام کو پہونچی۔

دوسری طرف ابو الولید کے بھائی سلطان کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا کہ وہ قلعہ کے باغ سے نکل کر نہایت سرعت سے ایک تیز رو لدو گھوڑے پر جو اس کی تجارتی منڈی میں بندھا ہوا تھا سوار ہو گیا، اور اسی رات کو نہایت حزم و احتیاط سے چھپتا ہوا وادی آش پہونچ گیا، جہاں اس نے اطمینان کی سانس لی راستے میں بعض لوگوں نے اسے چھیڑا، دق کیا، اور اس کے خلاف تدبیریں کیں، مگر وہ خدا کے حکم سے ان کے مقابلے میں ثابت قدم رہا، پھر وہ اسی سال عید الضحیٰ کی صبح کو دیارِ مغرب میں جا پہونچا، اور ایک زمانے تک وہاں مقیم رہا یہاں تک کہ خدا نے اس کی حکومت واپس کر دی اور دوبارہ اسے حق عطا کیا گیا، جس کا تذکرہ انشاء اللہ آئندہ آئیگا۔

سلطان کے چلے جانے کے بعد اگرچہ مسکین ابو الولید کے لئے فضا صاف ہو گئی، مگر حکومت کے معاملات میں جاہل ناکارہ لوگ، اور ابو الولید کے

بہنوئی کے احباب بہت دخیل ہو گئے، اس کے بہنوئی نے گو حکومت کی تحریک
اولاً ابوالولید سے کے لئے کی، مگر آخر میں اپنی طرف منتقل کر کے اس کو برائیوں میں
پھنسا دیا، رئیس کے دل میں کھوٹ تھی، وہ بدمعاملہ تھا، اور اس نے فاسد نیت
چھپا رکھی تھی۔

ماہِ شعبان میں چہار شنبہ کی شام کو رئیس ایک وسیع کمینگاہ سے جو قصر کے
پاس تھی برآمد ہوا، اور اپنے گھوڑسے، احباب کی جماعت، اور فتنہ انگیز لوگوں کو
لے کر جو کمینگاہ میں چھپے ہوئے تھے امیر ابوالولید کی طرف چلا، امیر کے خدام
نے فوراً قصر کے دروازے بند کر لئے، رئیس نے اس کا محاصرہ کر لیا، امیر نے
قصر مصنع میں جو اپنی وسعت اور بلندی کے باعث ہامان کی طرف منسوب تھا،
جا کر پناہ لی، اور اس کے بالا خانے پر چڑھ کر عوام کو چیخ چیخ کر پکارا، اور قسمیں دے
دے کر ان سے امداد کا خواستگار رہا، اس کی آواز سن کر شارع عام پر خلقت کی
بھیڑ لگ گئی، عباد نامی ایک شخص نے جو امیر کے باپ کا ایک مملوک اور غداروں
سے ملا ہوا تھا، قصر کے بالا خانے سے امیر کے اتروانے کا ذمہ لیا، اس نے
امیر سے اس کے زندہ رکھے جانے کا وعدہ کیا، امان لینے کے بعد امیر قصر سے
نیچے اترا، اس کا قصر سے اترنا تھا کہ رئیس کی جماعت اسے گرفتار کر کے قید خانے
کی طرف جو قصر سے متصل تھا لے چلی اور یہاں اس کے سر پر ہر طرف سے تلواریں
برسنے لگیں، امیر کا چھوٹا بھائی قیس بھی جسے اس کی ماں نے اپنی جان خطرے
میں ڈال کر خزانے میں چھپا دیا تھا گرفتار ہو کر آیا، اور اس کے ساتھ بھی وہی سلوک
ہوا جو اس کے بھائی کے ساتھ کیا گیا، فتنہ پردازوں نے امیر کا سر کاٹ کر
ان لوگوں کے سامنے ڈال دیا جو اس کی آواز سن کر امداد کو آئے تھے، یہ لوگ
مقتول امیر کا سر دیکھ کر منتشر ہو گئے، دوسرے روز تک یہ سر گھوڑے کے
نمدے کے نیچے دبا پڑا رہا، دوسرے دن دونوں بھائیوں کی لاشیں ان کے
آبائی قبرستان میں دفن کی گئیں، ان دونوں کے واقعات نہایت عبرت خیز
ہیں، ہم نے اپنی کتاب "نفاضۃ الجراب" میں ان واقعات کا تفصیلاً بیان
کیا ہے۔

وزارت امیر ابو الولید نے اپنی تخت نشینی کے روز شام کے وقت قلمدان وزارت محمد بن ابراہیم بن ابو الفتح کے حوالہ کیا، یہ وزیر نہایت منحوس اور بدبخت تھا۔

ابراہیم بن زرزار طبیب اسرائیلی جو فن نجوم میں بڑے ماہر اور میرے معاصر تھے وہ اس منحوس وزیر کی ذات کو امیر ابو لولید کی تخت نشینی کے لئے فال بد ظاہر کرکے کہتے تھے کہ اس وزارت کو جہال اپنی حیوانیت اور بد تدبیری سے صدمہ پہونچائیں گے، چنانچہ ان کی یہ پیشینگوئی بالکل درست ثابت ہوئی کہ سرزمین اندلس میں کوئی وزارت اس سے زیادہ خبیث اور منحوس نہیں گزری امیر و وزیر دونوں ہمیشہ کے لئے راہی بہ جہنم ہوئے، اور ظالموں کی یہی سزا ہے یہ وزیر سیاہ رو داغدار، اور بد رنگ تھا، چہرہ کی رنگت زہر کھانے والے شخص کی طرح اڑگئی تھی، آنکھیں ڈوبی ہوئی تھیں، سر برابر جھکا رہتا تھا، نہایت لالچی اور کینہ پرور تھا، زبان میں قوت گویائی نہ تھی، مٹھیاں بخل سے کبھی کھلتی نہ تھیں، وہ جہالت کی کان اور خیانت کی زندہ مثال تھا، اگرچہ وزارت کے حاصل کرنے میں وہ مزاحمتوں سے دو چار ہوا، مگر رئیس اور اپنے غدار چچازاد بھائی کی امداد سے اپنے مقصد میں کامیاب ہوگیا اس کے عہد میں وزارت کے امور نہایت بری طرح انجام کو پہونچائے گئے۔

سکین امیر رئیس کی مداخلت سے قتل کیا گیا، یہ وہ رئیس ہے جسے امیر ابو الولید کے باپ نے اعلیٰ مرتبہ عطا کیا تھا، آخر کار یہ بھی ایک ایسے شخص کے پنجے میں گرفتار ہوا جس نے اسے خوب ذلیل و رسوا کرکے اس کے ساتھ وہ سلوک کیا جو موجودہ اور آنے والی نسلوں کے لئے موجب عبرت اور پرہیزگاروں کے لئے باعث موعظت ہے، جس کا بیان اس کے نام میں انشاء اللہ آئیگا،

کتابت امیر ابو الولید نے عبد الحق بن محمد بن عطیہ محاربی کو (جس کا ذکر آگے آتا ہے) اپنا کاتب مقرر کیا، یہ بھی نہایت بدکردار، احمق اور تمام اوصاف حمیدہ سے خالی تھا، اس کا خط متوسط درجے کا، عبارت بازاری اور مسجع، اور نظم ادنیٰ درجہ کی تھی، بے انتہا بدعہد اور بدمعاملہ

تھا، اور وعدوں کو بہت کم ایفا کرتا تھا۔

قضاء امیر ابوالولید نے عہدۂ قضا پر ابو جعفر احمد بن ابوالقاسم بن جزی کو مامور کیا کچھ دنوں تک وہ یہ خدمت انجام دیتے رہے مگر فقہاء کی مخالفت اور بعض الزام کی بنا پر اس خدمت سے علیحدہ کر دئے گئے اور اس خدمت پر سلمون بن علی بن سلمون کا تقرر عمل میں آیا۔ یہ بزرگ دریائے سازش کے بہت بڑے سن رسیدہ تیراک تھے اور بڑے القاب سے یاد کئے جاتے تھے، آخر کار قضا کی چھری نے ان کے حلقوم اور رگ گلو کو کاٹ دیا، خدا ان سے درگزر فرمائے۔

قیادت یحییٰ بن عمر بن عبداللہ بن عبدالحق جو امیر عبدالولید کے بھائی کے عہد میں شیخ الغزاۃ تھے، امیر کے عہد میں سپہ سالار بنائے گئے یحییٰ نے امیر ابوالولید کی خیر خواہی کی جس کے صلے میں امیر نے ان کا معاوضہ دوچند کر دیا۔

ولادت امیر ابوالولید دوشنبہ ۲۲ ربیع الاول ۶۷۷ھ کو پیدا ہوا

وفات امیر کی وفات مذکورۂ بالا بیان کے مطابق ماہ شعبان روز چہار شنبہ ۷۲۵ھ میں ہوئی۔

ابوبکر بن ابراہیم مسوفی صحراوی

نام و نسب ابو بکر نام ہے، امرائے مرابطین میں سے ہیں، اور علی بن یوسف بن تاشفین کے بہنوئی تھے، ان کا فرزند یحییٰ تھا جو علی بن یوسف کی بہن کے بطن سے تھا، اسی لئے ابو بکر کی کنیت ابو یحییٰ ہے، یہ بہت سخی مشہور تھے۔

اولیت ابو بکر کی اولیت معروف و مشہور ہے، جو ان کے خاندان کے بادشاہوں کے تذکرے میں مذکور ہو چکی ہے۔

حالات ابو بکر فضل و کرم میں ضرب المثل، سخاوت کے علم بردار دورِ اسلام اور عہد جاہلیت کے ارباب جود و کرم کے سردار، اور بے انتہا باحیا اور شجاع تھے، بزمِ فضائل میں انھیں نمایاں حیثیت حاصل تھی، مشہور حکیم ابو بکر بن صائغ ان کے وزیر اور مقرب خاص تھے، جس کے باعث امیر ابو بکر کی حکومت خوش اسلوبی سے قایم رہی، اور ان کی قدر و منزلت میں چار چاند لگ گئے، امیر ابو بکر کے فیاضانہ واقعات جو وزیر ابن صائغ کے ساتھ پیش آئے بہت مشہور ہیں۔

ولایت امیر ابو بکر سنہ ۵۰۳ھ میں غرناطہ کے والی بنائے گئے، پھر وہ سرقسطہ منتقل کر دئے گئے، اور جب مستعین بن ہود نے روطہ پر چڑھائی کی تو یہ دوبارہ سرقسطہ میں آئے، اور یہاں شاہی آداب و مراسم قایم کر کے عیش و نشاط کی محفل گرم کی، اس وقت ان کی حالت یہ تھی کہ شاہی لباس میں ملبوس ہو کر جلوہ افروز ہوتے اور ندیموں کے روبرو اپنا تاج رکھ دیتے تھے۔

جب رومی طاغیہ نے سرقسطہ پر حملہ کیا تو وہ اس معرکہ میں ہلاک ہوئے اور یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب وہ صحرا کو ترک کر چکے تھے۔

ایک مورخ کا بیان ہے کہ امیر ابو بکر صحرا کے بعض قبائل کے سردار تھے، اور ان کے برادر عم زاد ایک نہایت مدبر شخص تھے، ایک روز ابو بکر اپنے بھائی کے پاس خیمے میں گئے، وہاں ان کی بیوی بالوں میں کنگھی کر رہی تھیں، ان کا حسن دیکھ کر ابو بکر کا دل ان کی زلفوں میں الجھ گیا، وہ خیمہ میں اس لئے گئے تھے کہ اپنے بھائی سے ایک دوست کو یہاں لانے کی اجازت طلب کریں، لیکن اس دوست کا نام لیتے وقت بھول کر اپنے بھائی کی بیوی کا نام لیا، حسن پر ان کا دل ابھی آ چکا تھا، ان کے بھائی نے بڑی دیر کی خاموشی اور غور و فکر کے بعد کہا " میں اسے نہیں پہچانتا اور یہاں آنے کی اسے اجازت بھی نہیں دی جا سکتی ہے" یہ سن کر ابو بکر کے ہوش اڑ گئے، ان کی کھوئی ہوئی عقل واپس آئی اور اب انھیں احساس ہوا کہ کتنی بڑی قبیح حرکت کے وہ مرتکب ہوئے، چنانچہ وہ خیمے سے نکلے، اور اونٹ پر سوار ہو گئے، ان پر اتنی ندامت طاری ہوئی کہ ترک وطن گوارا کیا، دوستوں کی ایک مختصر جماعت کے ہمراہ شب و روز چلتے ہوئے سجلماسہ پہونچے

جوان کے ایک برادر عم زاد علی بن یوسف کی قلمرو کا پہلا علاقہ تھا، جب علی بن یوسف کو ان کی آمد کی اطلاع ہوئی تو اس نے ان کے حقوق اور مرتبہ کے خیال سے اپنی بہن سے انکا نکاح کردیا، اور انھیں غرناطہ کا والی بنایا، اور پھر سرقسطہ کی ولایت پر منتقل کردیا، یہ شہر مشرقی اندلس میں واقع ہے اور بنو ہود کا یہ دارالحکومت تھا۔

فیاضی کے بعض واقعات

کہتے ہیں کہ جب ابوبکر سجلماسہ کے قریب پہونچے تو چونکہ وہ بالکل اجنبی تھے، ان کے حالات سے کوئی واقف نہ تھا، اس لئے وہ سواد شہر میں ایک درخت کے نیچے اُترے، وہ کسی کو یہاں جانتے نہ تھے، اور کوئی ان کے پاس آتا بھی نہ تھا، ایک روز ایک لوہار وہاں پہونچا جس کے پاس ایک بکری تھی، اس نے اپنی بکری ذبح کرکے ان کی دعوت کی، اور ان سے اپنا تعارف کرایا، ابوبکر کو اس واقعے سے بہت تعجب ہوا، جب سب لوگ کھانے سے فارغ ہوئے تو ابوبکر نے لوہار سے پوچھا اگر تم بھائی بن کر ہمارے مرجع امید تک ساتھ چلنا پسند کرو تو یہ ہماری ملاقات تمہارے لئے باعث ستایش ہوگی، آہنگر رفاقت کے لئے تیار ہوگیا، اور ساتھ ہوکر ابوبکر کی خدمت کرتا چلا، جب یہ قافلہ مراکش کے قریب پہونچا، تو ابوبکر نے علی بن یوسف بن تاشفین سے اپنے تعارف کے بعد خدمت میں حاضری کی اجازت چاہی، علی نے ایک عمدہ گھوڑا، ایک جوڑا، اور ہزار دینار کا ایک توڑا ابوبکر کو بھیجا، انھوں نے یہ سب چیزیں آہنگر کو دے دیں، وہ ابوبکر کی اس فیاضی کو دیکھ کر مبہوت ہوگیا، جب علی کو اس کے فرستادہ شخص سے اس چشم دید واقعے کی اطلاع ہوئی تو اس نے ایک اور گھوڑا، ایک خلعت، اور ہزاروں دینار ابوبکر کے پاس دوبارہ بھیجے۔

جب ابوبکر شہر مراکش میں داخل ہوکر علی بن یوسف سے ملے تو اس نے انھیں ایک مکان میں اتارا، ابوبکر نے یہاں اپنے ساتھ آہنگر کو بھی رکھا اور اپنے مال میں جو ان کے پاس بھیجا گیا تھا اس کو بھی شریک کرکے اسے دولتمند بنادیا۔
جب ابوبکر سرقسطہ کے والی بنائے گئے تو انھوں نے وزیر حکیم ابوبکر بن

صایغ کو اپنا مقرب خاص بنا کر ہمیشہ ان پر الطاف کی نظر رکھی ۔

ایک روز کا ذکر ہے کہ ابن صایغ سرقسطہ کی مجلس میں ابو بکر کے پاس نہ آئے، دوسرے روز جب وہ علی الصباح حاضر ہوئے تو ابو بکر نے ان سے پوچھا حکیم صاحب! آپ کہاں چلے گئے تھے؟ ابن صایغ نے جواب دیا، اے آقا! میں مرض سودا اور غم میں مبتلا ہو گیا تھا، یہ سن کر ابو بکر نے ایک نوجوان شخص سے جو وہاں قریب ہی کھڑا تھا اشارہ سے عجمی زبان میں کچھ کہا، وہ اسی وقت اشرفیوں سے بھری ہوئی ایک کشتی لایا جس میں قسم قسم کے عمدہ پھول بھی تھے، اور حکیم ابن صایغ کے حوالہ کی، ابن باجہ نے (حکیم ابن صایغ کا دوسرا نام ہے) کہا، یا مولائی! جالینوس کو بھی یہ طبی نسخہ معلوم نہیں تھا، ابن صایغ کی اس بات سے ابو بکر ہنس پڑے ۔

ایک روز ابن صایغ نے ابو بکر کو مدحیہ اشعار سنائے، اس وقت شراب کا دور چل رہا تھا اور ابو بکر نشۂ طرب میں از خود رفتہ تھے، ابن صایغ نے قسم کھائی کہ میں سیم و زر پر قدم رکھتا اپنے گھر جاؤں گا، ابو بکر نے خدام سے کہا کہ ابن صایغ کے راستہ میں قیمتی چیزیں ظروف میں ڈالکر بھرتے جاؤ یہاں تک کہ وہ ان پر قدم رکھتے ہوئے اپنے گھر تک پہونچ جائیں، اس بات سے حکیم ابن صایغ کے رفقاء کو حسد پیدا ہوا مگر ان میں اتنی جرأت نہ تھی کہ وہ بھی اس قسم کا مطالبہ کریں ۔

ایک دفعہ امیر ابو بکر نے سفر کا ارادہ کیا، اور اپنے ندیموں کو حکم دیا کہ وہ بھی ساتھ چلیں، حکیم ابن صایغ نے بھی سفر کی تیاری کی، اور باربرداری کے عمدہ اور زرد سات خچروں پر قبائیں، خیمے، کپڑے، فرش، اور مال و زر بار کیا، جب ابو بکر مقام مقبرہ میں فروکش ہوئے تو یہ خچر ان کے سامنے سے بڑی اچھی ہیئت میں گزرے، ابو بکر نے ہم بزموں سے پوچھا کہ یہ خچر کس کے ہیں؟ اور ہمارے آدمیوں میں ایسا کون شخص ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ یہ خچر سرقسطہ کے حکیم ابن صایغ کے ہیں، ان پر ساز و سامان کے علاوہ ایک ایک ہزار دینار سرخ بار ہیں، یہ سن کر ابو بکر بہت مسرور ہوئے اور پھر پوچھا کیا تم سچ کہتے ہو؟ لوگوں نے کہا، جی ہاں! ابو بکر نے خزانچی کو حکم دیا کہ ابن باجہ کو پانچ ہزار دینار دیدو

تاکہ بارہ ہزار پورے ہو جائیں، میں نے کئی دفعہ ان کی زبان سے اس بات کی تمنا کرتے ہوئے سنا ہے، پھر حکیم ابن صائغ سے بلا کر پوچھا، حکیم صاحب! یہ تیاری کیسی ہے؟ ابن صائغ نے جواب دیا، آقا! یہ سب چیزیں حضور کی عطیات اور موہوبات ہیں، بندہ کو معلوم ہوا ہے کہ حضور کو ان عطیات کے اظہار سے مسرت ہوتی ہے، یہ سن کر ابوبکر خوش ہوئے۔

ابوبکر کے اس قسم کے واقعات بکثرت ہیں، خدا ان پر رحمت نازل فرمائے،

ایام ابتلا

کہتے ہیں کہ جب امیر ابوبکر [illegible] میں غرناطہ کے والی مقرر ہوئے تو کسی [illegible] امر کی وجہ سے وہ اپنی قوم سے خلاف ہو گئے، ان کی قوم بھی کشیدہ ہو کر ان کے خلاف معرکہ آرا ہوئی اور انھیں گرفتار کرکے علی بن یوسف کے پاس بھیج دیا، [illegible] ان کی خطا معاف کر دی، اور انھیں اُن کے عہدہ پر [illegible] مقرر کر دیا، یہ ملاحی کا بیان ہے، لیکن میرے نزدیک یہ واقعہ ابوبکر کا نہیں ہے، بلکہ جس شخص کے ساتھ یہ ماجرا گذرا وہ ابوبکر بن علی بن یوسف بن تاشفین تھے، آیندہ اس کی تحقیق ہو جائے گی۔

وفات

سنہ ۵۱۰ھ میں ابوبکر نے سرقسطہ میں وفات پائی، وفات سے پہلے رومی طاغیہ کی چیرہ دستیوں سے بہت تنگدل ہو گئے تھے، جس وقت ان کی موت کی خبر امیر ابو اسحاق ابراہیم بن تاشفین کو پہونچی جو مرسیہ کے والی تھے تو وہ فوراً سرقسطہ آئے، اور یہاں کے تمام معاملات کی دیکھ بھال کی اور نظم ونسق کو درست کرکے مرسیہ واپس گئے

مرثیہ

حکیم ابوبکر بن صائغ نے ابوبکر کے چند مرثیے لکھے، جن میں ذیل کے اشعار مشہور ہیں:

سلام والمام ووسمی مزنة	سلام زیارت اور ابر بہاری کا پہلا پانی
علی الجدث النائی الذی لا ازوره	اس دوسری قبر پر نازل ہو جس کی ہم پھر زیارت نہیں کرینگے
أحق أبوبکر تقضی فلا تری	کیا یہ سچ ہے کہ ابوبکر قضا کر گئے اور اب تم
ترد جماهیر الوفود ستوره	ان کی ڈیوڑھی پر وفود کی جماعت وارد ہوتے نہیں دیکھو گے
لئن أنست تلك اللحود بلحده	اگرچہ ان کی قبر سے یہ قبریں مانوس ہو گئی ہیں،

لقد أوحشت أقطاره وقصوره — گران کے ملک اور محل دہشت زدہ ہو رہے ہیں

دیگر

ایہا الملک المفدی لعمری — اے بادشاہ جس پر میری زندگی فدا ہو جس دن ہم نے
نعی المجد ناعیك یوم قمنا فنعینا — کھڑے ہو کر ماتم کیا اس دن تیری موت کی خبر نے شرافت کی تو کی خبر دی
کم تقارعت بالخطوب الی ان — تو نے مشکلات کا بہت مقابلہ کیا یہاں تک کہ
غادرتك الخطوب فی الترب رھنا — مشکلات نے تجھ کو ہمیشہ کے لئے مٹی میں مقیم کر دیا
غیرانی اذ ذکرتك والدھر — مگر جب ہم تجھ کو اور زمانہ کو یاد کرتے ہیں
اخال الیقین فی ذاك ظنا — تو اس بارے میں یقین کو ظن سمجھنے لگتے ہیں
وسألنا متی اللقاء فقیل الحشر — اور ہم نے سوال کیا کب ملاقات ہوگی، جواب ملا حشر کے دن
قلنا صبرا الیہ وحزنا — ہم نے کہا تو اب اس پر صبر اور غم ہی کرنا چاہیئے

ادریس بن یعقوب بن یوسف بن عبدالمومن بن علی

نام و نسب ادریس نام، مامون لقب، امیر المومنین تھے، اور مامون الموحدین کہے جاتے تھے، مامون سے آگے جد اسفل عبدالمومن ہے، جو اپنے شجرۂ نسب کی اصل اور اس اصل کی شاخوں کا منبع تھے،

عبدالمومن کے حالات عبدالمومن کا نسب نامہ یہ ہے:۔
عبدالمومن بن علی بن علوی بن یعلی بن موار بن نصر بن علی بن عامر ابن موسیٰ بن عون اللہ بن یحییٰ بن ورجایغ بن سطور بن لغور بن مطماطہ بن ہودج بن قیس بن عیلان بن مضر بن نزار بن معد ابن عدنان۔

عبدالمومن ایک بربری ضعیف طالب علم تھے، سفر مشرق کے ارادہ سے اپنے چچا کے ساتھ نکل کھڑے ہوئے، انھوں نے ایک دہشت ناک خواب دیکھا جو

کسی سلطنت کے ملنے کا پتا دیتا تھا، خواب یہ تھا کہ عبدالمومن کے گھٹنوں پر ایک طشت ہے جس میں کھانا چنا ہوا ہے اور اس میں سے لوگ کھا رہے ہیں، ان کی ماں نے بھی جب وہ حاملہ تھیں ایک خواب دیکھا تھا کہ ان کے جسم سے آگ نکلی جس نے مشرق اور مغرب کو جلا کر خاکستر کر دیا۔

عبدالمومن کے دل میں خواب کی پھانس کھٹک رہی تھی جس سے رہ رہ کے درد ہوتا تھا، جب وہ سجلماسہ پہونچے تو یہاں مہدی کے حالات سنے نیز اس شہر میں ایک اور صاحب علم ابو عبداللہ سوسی کے نام سے مشہور تھے، عبدالمومن کو ان سے ملنے کا شوق پیدا ہوا تاکہ خواب کی تعبیر دریافت کریں، اس شوق میں وہ بعض طلبہ کے ساتھ جاکر ان سے ملے، سوسی کے متعلق لوگوں کا خیال تھا کہ وہ ابو حامد غزالی کے ایک واقعے سے مشہور ہو گئے ہیں، غزالی کی تحریک تھی کہ اہل لثام یعنی مرابطین کی حکومت الٹ دی جائے کیونکہ انھوں نے ان کی کتابیں جلا دی تھیں، سوسی اس تحریک سے دلچسپی رکھتے اور مرابطین کے خلاف لڑنے کے لئے آمادہ تھے، اگرچہ عالم غیب میں مرابطین کی تحریک دعوت کو کچلنے کے لئے وہ پہلے ہی سے تیار تھے، اب انھیں اپنا ایک ہم خیال نظر آیا، مثل ہے " وما اجتمع اثنان الا لیقتلا "، دو بیماریاں مل کر ہلاکت کا باعث ہوتی ہیں، اور اللہ تعالیٰ کا حکم سب پر غالب ہے۔

غرض ابو عبداللہ سوسی نے عبدالمومن کو اپنے پاس بٹھایا، نام، شہر، عمر، اور نسب پوچھا پھر ہدایت کی کہ تم اپنی باتوں کو لوگوں سے مخفی رکھو، اور خواب کی تعبیر یہ بتائی کہ تم ایک سلطنت کے مالک بنو گے، یہ سن کر عبدالمومن کی امیدیں سرسبز ہو گئیں اور جسم میں توانائی پیدا ہوئی۔

اللہ تعالیٰ کی مشیت اس طرح پوری ہوئی کہ محمد بن تومرت مہدی نے انتقال کیا، حکومت میں انقلاب پیدا ہوا، زمام حکومت عبدالمومن کے ہاتھ میں آئی، وہ لمتونیوں پر (یعنی مرابطین) غالب آئے اور اکابر مرابطین کو ہلاک کر کے انھوں نے ان کا استیصال کر دیا، اور سارے ملک مغرب پر حکمرانی کر کے بڑے بڑے کارہائے نمایاں انجام دئے، ان کے بعد ان کی اولاد تاج و تخت

کی وارث ہوئی، اللہ تعالےٰ جس کو چاہتا ہے اپنا ملک عطا کرتا ہے۔

مامون کے حالات

مامون بڑے شجاع، جری، طباع، بلند ہمت، ارادے کے پختہ، طبیعت کے مضبوط، عقلمند، انشا پرداز، فصیح، بلیغ، خوددار، فیاض، اور نہایت عاقبت اندیش تھے۔

ابن عساکر مالقی نے اپنے شہر کی تاریخ میں مامون کا تذکرہ لکھا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ مامون اپنے بھائی کی طرف سے ۱۱ محرم کو مالقہ میں وارد ہوئے اس وقت یہ نوجوان تھے، تاہم ان میں علو مرتبت، جلالت نفس، اور دبدبۂ شاہی کی شان اس قدر تھی کہ اکثر بادشاہوں میں یہ اوصاف نہیں ہوتے ہیں، اس شہر میں پہونچ کر انھوں نے ایک مجلس مذاکرہ منعقد کی جس میں نامی طلبہ کو شریک کیا، شیخ علی بن عبد الحمید بھی اس میں شریک ہوئے، مامون باوجودیکہ بالکل نوعمر تھے، مگر ان کے چہرہ سے ذکاوت، فطانت، اور شوکت ٹپکتی تھی جسے دیکھ کر تمام حاضرین مبہوت تھے اور ان کی نگاہیں ایک ایسی ذات پر تھیں جس میں ماہتاب کا حسن، شیر کی ہیبت، اور ایک سن رسیدہ شخص کا وقار موجود تھا۔

مامون نے دیگر سلاطین کی طرح بڑی بڑی عمارتیں تعمیر کرائیں، مثلاً ان کی تعمیر شدہ ایک عمارت وہ ریاض مسعود ہے جو مالقہ کی وادی کے کنارے پر انھیں کے نام سے مشہور ہے، فن تعمیر کے بڑے بڑے ماہر مامون کی رائے کے بغیر تعمیر میں کسی قسم کا تصرف نہیں کرتے تھے۔

مالقہ میں مامون کی گورنری کا زمانہ نہایت شاندار اور پرشوکت تھا، یہاں سے وہ قرطبہ اور پھر اشبیلیہ میں منتقل کئے گئے، اور یہیں انھوں نے لوگوں سے اپنی خلافت کی بیعت لی۔

حصول حکومت اور سفر عدوہ

مامون اپنے بھائی سید ابوزید امیر بلنسیہ کی تحریک اور اعانت سے اپنے ایک دوسرے بھائی کے مقابلہ میں حکومت لینے کے لئے کھڑے ہوئے اور اس میں کامیاب ہوگئے، مراکش اور اندلس میں ان کی بیعت لی گئی، کچھ

دنوں کے بعد مراکش کے موحدین کو ان کی حکومت میں کچھ ایسی باتیں نظر آئیں جن سے وہ برگشتہ ہو کر ان کے چچازاد بھائی ابوزکریا بن ناصر سے مل گئے، جب مامون کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ سنتے ہی طیش میں آ گئے، اور ان کی آتش غضب بھڑک اٹھی، تیار ہو کر انتقام لینے کے لئے رومی سواروں کا ایک دستہ ساتھ لیا اور اشبیلیہ سے روانہ ہو گئے، ۶۲۶ھ میں سمندر کو عبور کر کے مراکش کی طرف بڑھے، ابن ناصر مدافعت کے لئے نکلا، دونوں صفیں معرکہ آرا ہوئیں، ناصر کو شکست ہوئی وہ بھاگ کر کوہستان چلا گیا، اور اس کی ساری فوج کام آئی، مامون نے شہر مراکش میں داخل ہو کر حکم دیا کہ مقتولین کے سر شہر پناہ کے کنگروں پر لٹکا دئے جائیں، شہر پناہ کی دیواریں بہت وسیع تھیں تاہم ان سروں سے کنگروں میں کوئی جگہ خالی نہیں رہی - پھر مامون نے حکومت کے عمائد اور ارکان کو جو فسخ بیعت کر چکے تھے طلب کیا اور ان کے خطوط اور بیعت نامے قاضی کے سامنے پیش کر کے ان کے متعلق فتویٰ لیا، قاضی نے ان لوگوں کو جو تعداد میں سو تھے واجب القتل قرار دیا، جس کے بعد یہ تہ تیغ کئے گئے، اور جو بچ کر نکل گئے تھے ان کی جستجو ہوئی - بعد ازاں مامون نے دولت موحدین کے آثار اور مراسم مٹا دئے، چنانچہ خطبہ، سکہ، اور اذان گاہوں سے مہدی کا نام نکلوا دیا، نماز کے وقت جو ندا ہوتی تھی اسے موقوف کر دیا، اور اسی طرح کی دوسری باتوں کو بھی جن پر موحدین کا عمل تھا مٹایا، جن کا تذکرہ مامون کے خط میں موجود ہے یہ خط انشاپردازی کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے جس کا بیان آگے آتا ہے۔

مامون جب اندلس سے روانہ ہوئے تو امیر ابو عبداللہ بن ہود کے لئے میدان خالی ہو گیا، اس سے پہلے دونوں میں بعض جنگی واقعات پیش آ چکے تھے، اور عیسائیوں نے بھی اس موقع سے فائدہ اٹھا کر بڑے بڑے فتنے برپا کئے اور ایک قیامت برپا کر دی۔

ورود غرناطہ	اگرچہ غرناطہ میں مامون کا وارد ہونا ثابت نہیں ہے، تاہم گمان غالب ہے کہ وہ یہاں آئے ہیں، کیونکہ متوکل بن ہود

کی مدافعت کے لیے وہ مرسیہ کی طرف غرناطہ ہی کے راستے سے گئے تھے، اور اس مہم کو سر کرنے کے لئے اپنے بھائی سید ابوزید کی استدعا پر اشبیلیہ کی فوج لیکر بلنسیہ پہونچے تھے، اور اس سے پہلے بھی مشرقی اندلس میں ابن ہود کو متعدد شکستیں دے چکے تھے، حاصل کلام یہ ہے کہ جب مامون ابن ہود کی مہم سر کرنے چلے تو رمضان ۶۲۶ھ میں غرناطہ میں وارد ہوئے اور یہاں سے اپنے بھائی کو ایک بصیرت افروز خط لکھا جس میں اپنے اثر و نفوذ کا بھی اظہار کیا، پھر وہ غرناطہ اور اس کے مضافات کی فوجیں ساتھ لے کر مشرق کی طرف روانہ ہوئے، ابن ہود مقابلہ کو آیا، لورقہ کے میدان میں لڑائی ہوئی، جس میں ان کا دشمن پسپا ہوکر مرسیہ کی طرف بھاگا، موحدین کی فوج نے اس کا تعاقب کیا۔

ہم ان واقعات کو مفصل بیان کرنا نہیں چاہتے ہیں ورنہ اپنے مدعا سے دور جا پڑیں گے۔

جب مامون نے حکومت کی باگ اپنے ہاتھ میں لی تو اندلس میں لوگوں سے بیعت لے کر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا خارا شگاف فرمان صادر کیا، صدقہ، زکوٰۃ، اور نماز کے لئے لوگوں کو مستعد کیا تمام مسکرات اور شراب پینے سے منع کیا، اور تیر اندازی کی مشق کی ترغیب دی۔

خط کے اقتباسات

مامون اپنے خط میں ایک جگہ لکھتے ہیں:-

تمام تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اصل قرار دیا ہے، جس پر دین و دنیا کے تمام مصالح مبنی ہیں، اور اس نے عدل و احسان کا حکم دے کر حق کو بلند کر دیا ہے۔

اور صلوٰۃ و سلام ہمارے سردار نبی کریم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہو جو ایسی شریعت لے کر آئے جس نے دلوں کا میل پاک و صاف کر کے جسم کے ظاہر اور باطن حصوں سے سختی اور نرمی سے خدمت لی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان واجب الاذعان ہے جو شخص شبہات

سے بچا اس نے اپنے دین اور آبرو کو محفوظ رکھا، یہ فرمان اس بات کی تنبیہ ہے کہ شکوک چھوڑ کر یقین حاصل کیا جائے۔

اور درود وسلام نازل ہو آپ کی آل پر جو اسلام کے پرچم تھے اور جنھوں نے اسلامی علم کو اپنے دست راست سے بلند کیا تھا، اللہ تعالےٰ نے انھیں دنیا میں تمکنت عطا فرمائی تھی، انھوں نے اس تمکنت کا حق نمازیں پڑھ کر، زکوٰۃ دے کر اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر فرما کر ادا کیا۔

خط کا ایک ٹکڑا یہ ہے:-

جب ہم اپنی قوم کو دنیا کے حقوق عطا کر کے قرب وبعد میں اس کی حمایت کرتے ہیں تو ہم پر دین کے حقوق کا خیال کرنا اس سے زیادہ اہم اور اولیٰ ہے، دین اس بات کا مستحق ہے کہ اقامت شریعت کا اہتمام اور شعائر دینی کا احیاء مقدم رکھا جائے، ہم پر فرض ہے کہ شارع علیہ السلام نے جن چیزوں کا امر فرمایا ہے، ان پر عمل کریں، اور جن باتوں کی نہی فرمائی ہے ان سے بچیں، اور شرعی قوانین کا اتباع کر کے بدعات سے محترز رہیں۔

قوم کا ہم پر یہ حق ہے کہ کسی نصیحت کو اس سے نہ چھپائیں اور رفاہ عام کے وسائل سے اسے محروم نہ رکھیں، اور ہمارا قوم پر یہ حق ہے کہ وہ ہماری سنے اور اطاعت کرے۔

خط کا ایک دوسرا ٹکڑا یہ ہے:-

جو چیز اوّل حکم کے نفاذ کی مستحق ہے وہ صحیح اوقات میں نماز کا ادا کرنا ہے، جو مکمل ہیئت میں جماعت کے ساتھ ادا کی جائے تاکہ اس سے ایمان کا اظہار ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے "اللہ تعالےٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب عمل اپنے اوقات میں نماز کا ادا کرنا ہے" نیز ارشاد مبارک ہے "بندوں کے اعمال میں سب سے پہلے نماز دیکھی جائے گی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک تمھارے

امور میں سب سے زیادہ اہم نماز ہے، جو اس کی حفاظت پر مداوم رہا اس نے اپنے دین کو محفوظ رکھا، اور جس نے اسے ضایع کیا اس نے نماز اور ماسوی چیزوں کو بھی ضایع کیا"

نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں" جس نے نماز چھوڑ دی اس کے لئے اسلام میں کوئی حصہ نہیں ہے"

نماز ارکان ایمان کا رکن اعظم اور انسانی اعمال کا سر محکم ہے، مسجدوں میں نماز جماعت سے ادا کرنا اور اس کی مداومت تنہائی کی نماز پر فوقیت اور مزیت رکھتی ہے، ایماندار ایسی نماز پر مداوم رہتے اور ارباب فلاح اس وصف کو ضایع نہیں کرتے

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں" ہم نے بجز علانیہ منافقوں کے تمام لوگوں کو دیکھا کہ وہ کبھی نماز سے پیچھے نہیں رہے، یہاں تک کہ بعض ضعیف لوگ ایسے تھے جو دو آدمیوں کے سہارے آتے اور جماعت میں کھڑے ہو جاتے تھے۔

صبح اور عشا کی نمازوں کی حاضری خاص ایمان کی دلیل ہے اور اس کی صراحت آئی ہے کہ صبح کی جماعت میں شریک ہونا ساری رات کے قیام کے برابر ہے، تمہارے لئے نماز با جماعت کی ترجیح کے لئے اس قدر بیان کافی ہے، اس لئے ضرور ہے کہ دین کے اس بڑے قاعدے کی طرف توجہ کی جائے، اور مسلمانوں کے تمام چھوٹے اور بڑے شہروں میں اس پر عمل ہو، نماز کے لازم ہونے کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد کافی ہے کہ تم اپنے ہفت سالہ بچوں کو نماز کی تاکید کرو، اور جب ان کی عمر دس سال کی ہو تو نماز پڑھنے کے لئے انھیں مارا کرو۔

مامون کی تحریر مطول اور بہت سے معانی پر مشتمل ہے۔

نثر و نظم

جب مامون نے موحدین کے رسوم اور آثار مٹا دئے، اور ان ارباب دولت کو جنھوں نے اس سے بد عہدی کر کے اس کے

بھائی اور برادرِ عم زاد کی بیعت کی تھی قتل کر دیا تو اس نے ملک کے ہر ایک گوشے میں خطوط روانہ کئے جو بہت سی فصلوں پر مشتمل ہیں " المغرب و البیان المعرب " وغیرہ کتابوں میں یہ تمام فصلیں مذکور ہیں ۔
ایک خط اس نے اہل اندوجر کو لکھا ، جس کا مضمون یہ تھا :۔

تمام اہل اندوجر کے نام خواہ وہ کسی جماعت اور قبیلے سے ہوں یہ نامہ ہے ،

اللہ تعالیٰ ان کو زبان کی لغزشوں سے محفوظ رکھے اور ہدایت دے کہ وہ اپنے سیئات کو حسنات سے مٹائیں ۔

اما بعد واضح ہو کہ تم سب لوگوں کی طرف سے خط پہونچا، تمھارے لئے انتقاد کے تیر ترکش سے نکل آئے ، اور تم مکاری کی وجہ سے اعتبار کے قابل نہ رہے تمھارا یہ عذر ہے کہ جس وقت ہم حرم کو لے کر تمھارے پاس پہونچیں تو تم اپنی کمی تعداد اور اپنی کمزور حالت کے سبب سے ہمارا ساتھ نہیں دو گے ، گویا تمھاری باتوں کا مطلب ، تمھارا انجام بد اور بد احوال ہم نہیں سمجھتے ، تم نے دشمن کی بابت سُنا ہوگا کہ وہ تمھارے پاس پہونچنا چاہتا ہے (خدا اس سے محفوظ رکھے) تمھارے دلوں میں بزدلی سے طاقت باقی نہیں ، تمہاری صاف زندگی پر کدورت چھا گئی ، اور تم کہیں آنے اور جانے میں اپنی موت محسوس کرتے ہو ، تم نے یہ گمان کر لیا ہے کہ دشمن ہر طرف چھائے ہوئے اور ان کے پرے فضا میں جمے ہوئے ہیں ، تم جس چیز کو دیکھتے ہو دشمن کی فوج کا ہراول سمجھتے ہو تمھاری پست ہمتی پر تف ہے ، جب تم ایمان کی مدافعت اور بھائیوں کی حمایت کے لئے بلائے جاتے ہو تو جھوٹی باتیں بنا کر لا طائل عذر کرتے ہو تمھارے لئے یہ وہ وقت ہے کہ نیزوں کو اٹھانے کے بدلے عورتوں کے چرخے چلاؤ ، اور گھوڑوں کی پشت چھوڑ کر گانے والیوں کی طرح دامنوں کو سمیٹو ، تمھارا خیال ہے کہ ہم گھر دن

سے تمھیں جدا نہیں کر سکتے، مگر اس سے تمھیں مفر نہیں، خدا کا حکم تمہارے پاس پہونچیگا اور ہماری طلب تمھیں نہیں چھوڑے گی۔

اے بابلو! تم اپنے دلوں سے نفاق دور کرو اور موجودہ مہلت سے دھوکے میں نہ آؤ۔

مامون نے جس وقت حکومت کے فتنہ پرداز ارکان کو قتل کر کے درخت اور شہر پناہ کی دیواروں پر لٹکایا تو یہ اشعار پڑھے۔

اهل الحرابة والفساد من الورى	مخلوقات میں سے فساد و جدال کرنے والے
يعزون في التشبيه للفكار	اپنے آپ کو ذکر کرنے والوں کی مشابہت میں رکھتے ہیں
فنساده فيه الصلاح لغيره	ایسے لوگوں کو درختوں میں لٹکانے اور
بالقطع والتعليق في الاشجار	قطع و برید کرنے سے دوسروں کی بھلائی ہوتی ہے
ذكارهم ذكوا اذا ما أبصروا	پھر یہ لوگ شاخوں کے اوپر اور شہر پناہ کی
فوق الجذوع وفي ذرى الاسوار	بلندیوں پر ذکر کرتے ہوئے نہ دیکھے جائیں گے
لوعم عفو الله سائر خلقه	اگر خدا کا عفو تمام مخلوق پر عام ہوتا
ماكان اكثرهم من النار	تو لوگ زیادہ تر دوزخی نہ ہوتے

فرمان

ابن عساکر کہتے ہیں کہ مامون کے فرامین نہایت اچھے ہوتے تھے، ایک دفعہ ایک فوجی آدمی نے کسی عورت کے گھر میں فروکش ہو کر ناجائز حرکت کا ارتکاب کیا، عورت نے سعدوضہ پیش کیا، اس پر مامون نے یہ فرمان لکھا، "اس عورت کے گھر سے وہ آدمی نکال دیا جائے، اور جنگ کا کوئی معاوضہ اسے نہ دیا جائے"

مامون کے فرامین اور بھی ہیں لیکن میں نے اختصاراً اسی ایک کو درج کیا۔

اولاد ذکور

مامون کے چار بیٹے تھے، ایک ابو محمد عبداللہ جو ولی عہد تھے اور مامون کی وفات کے بعد امیر المومنین ہوئے، رشید ان کا لقب تھا، دوسرے عبدالعزیز، تیسرے امان، اور چوتھے ابوالحسن علی جن کا لقب سعید تھا، اور اپنے بھائی رشید کے بعد والی بنائے گئے

اولاد اناث

صفیہ، بجمہ، عائشہ اور فتنونہ مامون کی بیٹیاں تھیں، ان کی مائیں

مغرب کی سرایا اور نسلاً رومیہ تھیں۔

وزراء شیخ ابوزکریا بن ابوالعمری وغیرہ مامون کے وزیر تھے۔

کتاب مامون نے کتابت کی خدمت مشہور کاتبوں کو عطا کی تھی، بعض کے نام یہ ہیں:۔
ابوزکریا فازازی، ابوالمطرف بن عمیرہ، ابوالحسین رعینی، ابوعبداللہ ابن عیاش، ابوالعباس بن عمران وغیرہم ان میں ہر ایک کاتب بجائے خود بہت مشہور تھے۔

وفات مامون نے وادی ام الربیع میں وفات پائی، وفات سے پہلے سبتہ کے میدان سے کئی منزلیں آگے طے کر چکے تھے، اور محاصرہ اٹھا کر مراکش کی طرف بڑی تیزی سے روانہ ہو رہے تھے اور یہ خبر سن کر کہ یحییٰ بن ناصر وہاں داخل ہو چکا ہے، رفتار اور تیز کر دی تھی، اہل مراکش کی تادیب پہلے بھی کر چکے تھے، اور اب کی دفعہ یہ عہد کیا تھا کہ مراکش کی سرزمین رومی فوجوں کے لئے مباح کر کے لوگوں کا نام ونشان مٹا دینگے، مگر جب مراکش کے قریب پہونچے تو دفعتًہ ان کی زندگی کا لبریز پیمانہ چھلک گیا۔ یہ واقعہ اہل مراکش کے لئے ایسا تھا جیسے کسی کو رنج کے بعد خوشی میسر آئے مامون کی رومیہ بیوی حبابہ نے جو رشید کی ماں تھیں بعض شیوخ اور چند عیسائی جنگی افسروں کو اس حادثے کی اطلاع دی مگر عام لوگوں سے مخفی رکھا، دوسرے روز مخصوص لوگوں سے باتفاق رائے رشید کی بیعت لی گئی، اور مامون کی لاش ایک عماری میں رکھ کر اس کی علالت کی خبر مشہور کی گئی، اور فوجیں اسی طرح پوری تیاری کے ساتھ بڑھتی چلی گئیں، یحییٰ بن ناصر مقابلے کے لئے مراکش سے نکلا، دونوں صفوں میں معرکہ آرائیاں ہوئیں، یحییٰ کو شکست ہوئی، اور رشید غلبے کے ساتھ مراکش میں داخل ہوئے، پھر تمام حالات خود بخود اصلاح پذیر ہوتے گئے۔

مامون ابوالعلاء کی وفات ۱۵ محرم ۶۳۰ھ کو واقع ہوئی۔
میں نے اپنی بحر رجز والی نظم میں جو دول اسلامی کے متعلق ہے

دولت لمتونیہ کے ذکر کے بعد مامون اور مہدی نیز ان کی اولیت کا تذکرہ کیا ہے،
اس نظم کے چند اشعار یہ ہیں:

ونجم المہدی وھو الداھیہ — اور مہدی ظاہر ہوا اور وہ ایک مدبر شخص تھا
فاصبحت تلك المبانی واھیہ — جس سے یہ ساری عمارتیں کمزور ہوگئیں
واستحکم الامر له واجتمعا — اور اس کی حکومت مضبوطی کے ساتھ قایم ہوگئی
فی خبر نذکر منه لمعا — اور اس پر اجتماع ہوگیا جس کا مختصر تذکرہ ہم کرتے ہیں
لم یأل فیہا ان دعا لنفسه — اس نے اپنی ذات کی طرف دعوت کرنے میں بڑی کوشش کی
وکان فی الحزم فرید جنسه — اور وہ حزم میں اپنی قسم کا ایک ہی شخص تھا
اغرب فی ناموسه ومذھبه — وہ اپنی عزت اور مذہب میں اور جو کچھ لوگوں نے اس کے
وفی الذی قد سطروا من نسبه — نسب کی نسبت لکھا ہے اس میں ایک عجیب و غریب شخص تھا
وعنده سیاسة وعلم — اور وہ صاحب تدبیر اور صاحب علم شخص تھا
وجرأة وکرم وحزم — اور جرأت و کرم اور حزم کا جامع تھا
ووافقت ایامه فی الناس — اور اس کا عہد مسترشد
لدولة المسترشد العباسی — عباسی کی حکومت کے ہمعصر تھا
ثم انقضت ایامه المنیفه — پھر اس کا بابرکت زمانہ تمام ہوگیا
وکان عبد المؤمن الخلیفه — اور عبد المومن خلیفہ ہوا
فضاء لون سعده وضحا — اور عبد المومن کی سعادت کا رنگ روشن
ولاح مثل الشمس فی وقت الضحیٰ — اور واضح ہوا اور مثل آفتاب نصف النہار کے چمکا
ثم تلمسان وفاسا فتحا — پھر اس نے تلمسان اور فاس کو فتح کیا
وملك اصحاب اللثام قد محا — اور مرابطین کی حکومت نا پدید ہوگئی

اس نظم میں جب مامون کی باری آئی تو میں نے ان کے دادا عبد المومن کے بعد کے امرا کا ذکر کرکے یہ اشعار لکھے:-

ثم تولی امرھم ابو العلا — اور پھر ابو العلا امر کا متولی ہوا
فسلط البیض علی بیض الطلا — اور اس نے سفید رنگ والوں کو طلائی بیضے پر مسلط کر دیا
وھو الذی ارکب جیش الروم — اور یہی وہ شخص ہے جو رومیوں کی فوج کو چڑھا لایا

وجہ فی ازالۃ الرسوم — اور پرانے رسوم کے مٹانے میں کوشش کرتا رہا

اسباط بن جعفر بن سلیمان بن ایوب بن سعد السعدی بن بکر بن عفان ابدی

نام — اسباط نام ہے، اور سعید بن جودی بن سوادہ بن جودی بن اسباط امیر مغرب کے جدا علےٰ تھے، اس خاندان کی قدر و منزلت شہر غرناطہ میں مشہور و معروف تھی۔

حالات — اسباط عالم، فقیہ، متدین، متقی، اور صالح تھے۔
امیر عبدالرحمٰن کو جب ان کے زہد و تقویٰ کی خبر ہوئی تو اس نے ان کو البیرہ کا قاضی مقرر کیا، انھوں نے اپنے باپ کی میراث میں سے کوئی حصہ نہیں لیا، بلکہ سب اپنے بھائیوں کو دیدیا، جس کی وجہ یہ بتائی کہ وہ فتوح میں شریک نہیں ہوئے تھے۔

اسباط نے اپنی جائے پناہ کے لئے وطن میں کچھ زمین خرید کر کے دوسرے مقام سے اس میں پانی للانے کا انتظام کیا، وہ اسی مامن میں تنہا عبادت اور ریاضت میں مشغول رہا کرتے تھے خلیفہ ہشام نے ان کو اپنے پاس طلب کیا، تو وہ اپنے خچر پر سوار ہوکر نہایت ردّی حال میں وہاں پہونچے، امیر ہشام نے ان کا بہت پاس و لحاظ کرکے اونچی جگہ پر بٹھایا، اور ان کے گزارے میں اضافہ کرکے کئی نئی جاگیریں عطا کیں جو اب تک ان کے نام سے موسوم ہیں۔

جس وقت امیر ہشام کا انتقال ہوا اس وقت اسباط البیرہ کے قاضی تھے، امیر ہشام کے فرزند امیر الحکم نے ان کو اپنے عہدے پر بحال رکھا اور پھر شرطی کے عہدہ پر انہیں مامور کیا، جس کے بعد اسباط نے وفات پائی۔
مولف کہتا ہے کہ خلفاء کے جو شرطی ہوتے تھے، ان کے حالات کا مطالعہ

کر دیہ وہ لوگ ہوتے جنھیں خلفاء اپنا والی مقرر کرتے تھے۔

اسلم بن عبدالعزیز بن ہشام بن عبداللہ بن خالد ابن حسین بن جعفر بن اسلم بن آبان مولی عثمان رضی اللہ عنہ

نام وکنیت اسلم نام، اور ابوالجعد کنیت ہے۔

اولیت اسلم کا خاندان اندلس کے اشراف میں سے تھا، اس خاندان کی اصل اونشہ سے شروع ہوتی ہے، غرناطہ میں اس کا مسکن معروف ومشہور ہے، اس خاندان کے جد اعلیٰ کی طرف جبل ابو خالد منسوب ہے، یہ بلند پہاڑ اسی شہر میں واقع ہے، یہاں اس خاندان کو بہت عروج ہوا، اس میں بڑے بڑے سردار، اور صاحب فضل گذرے ہیں۔

حالات اسلم شہر البیرہ کے اچھے لوگوں میں سے تھے، ان کا گھرانہ شریف تھا، ان کے والد بہت فیاض تھے، خود اسلم اکابر اہل علم میں شمار کئے جاتے تھے، بہت مزاح پسند واقع ہوئے تھے، مگر اس کی وجہ سے کوئی ذلت یا لغزش ان کی دینداری کی طرف منسوب نہیں ہوئی۔ ابوالفضل عیاض کا بیان ہے کہ اسلم البیرہ کے نیک لوگوں میں سے تھے، علم میں ان کا درجہ بڑا تھا، ادراک، روایت، دیانت، اور ہم نشینی میں بلند پایہ رکھتے تھے، علم کی طلب میں دور تک سفر کیا، اور امراء کو مخلصانہ نصیحت کرنے میں مشہور تھے۔

اساتذہ اسلم نے مصر میں مدنی، محمد بن عبدالحکم، یونس، ربیع بن سلیمان موذن، اور احمد بن عبدالرحیم برقی سے کسب کیا، اور قیروان میں علی بن عبدالعزیز اور سلیمان ابن عمران سے حدیث سنی۔

تلامذہ عثمان بن عبدالرحمن، عبداللہ بن یونس، محمد بن قاسم، اور متعدد

مخصوص نے اسلم سے حدیث سنی۔

جب اسلم سفر سے اندلس میں واپس آئے تو بڑی وجاہت حاصل کی۔

منصب قضاء

۳۱۶ھ کے وسط میں سلطان ناصر لدین اللہ نے اپنے ابتدائے عہد حکومت میں اسلم کو غرناطہ کے مسلمانوں کا قاضی مقرر کیا، ۳۱۹ھ میں انھوں نے اس عہدہ سے استعفاء دیا، جو منظور ہوگیا، مگر پھر وہ اس خدمت پر مامور کئے گئے، وہ فیصلہ کرنے میں تیغ براں اور نرمی ولینت سے ناآشنا تھے۔

ایک مورخ کا بیان ہے کہ سلطان ناصر جب جہاد کے لئے جاتے تو اسلم کو قصر کے بالاخانے پر اپنا جانشین کر جاتے تھے۔

قضا کے بعض واقعات

ابن حارث ایک حکایت بیان کرتے ہیں کہ ایک روز ابن معاذ اور ابن صالح اسلم کے پاس آئے اور اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے، اسلم نے ان کی طرف دیکھ کر کہا "تم کن لوگوں سے ملا کرتے ہو"، یہ سن کر وہ دونوں ششدر رہ گئے۔

ایک روز محمد بن ولید اسلم کے پاس حاضر ہوئے، اور کچھ گفتگو کی، اسلم نے کہا ہم نے سنا اور نہ مانا، ابن ولید نے جواب دیا ہم نے بھی کہا اور امتحان لیا۔

ایک دفعہ چند گواہ اسلم کے اجلاس پر آئے، ان میں سے بعض شہر قرطبہ کے اور بعض شہر شلار کے مشرقی حصے کے تھے، اور ایک زانیہ عورت کی گواہی دینے آئے تھے، جو شلار کے مغربی حصے کی رہنے والی تھی، جب یہ سب اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے تو اسلم نے اجلاس کے کمرے کی کھڑکی جسکی دہلیز پر وہ بیٹھا کرتے تھے، کھولی اور باہر کے لوگوں کو آواز دے کر بلایا، وہ اندر آئے تو ان سے کہا، ایک عجیب بات سنو، کسی شاعر نے کیا اچھا کہا ہے:۔

راحت مشرقۃ ورحت مغربا	وہ مشرق کی طرف گئی اور میں مغرب کی طرف چلا
شتان بین مشرق ومغرب	مشرق اور مغرب کا بعد ظاہر ہے

یہ لوگ شلار کے باشندے ایک عورت کے زنا کی گواہی دینے آئے

ہیں جو بلاط مغیث کے آخری حصے کی رہنے والی ہے، یہ کہہ کر خاموش ہو گئے، قاضی اسلم کی گفتگو سے لوگوں پر دہشت طاری ہوئی اور سب خاموش اٹھ کر دبے پاؤں چلے گئے۔

قاضی اسلم کو ایک گواہ کی بابت جو پہلے سے متہم تھا خبر پہونچی کہ اس نے گواہی دینے کے لئے کوئی فرش رشوت میں لیا ہے، جب وہ اسلم کے پاس آیا، اور بساط یعنی فرش کے قریب جوتا اتارنے لگا تو قاضی اسلم نے اسے مخاطب کرکے کہا، اے شخص یہ بساط ہے، اللہ اللہ، گواہ نے اس خیال سے کہ اس کی رشوت ستانی کی اطلاع قاضی اسلم کو ہو چکی ہے گواہی دینے کی جسارت نہیں کی۔

ایک دفعہ قاضی اسلم کے پاس کسی نفیسہ نے ایک شخص پر اس کی خادمہ کے بارے میں مقدمہ دائر کیا، اور شہر اشبیلیہ سے ایک گواہ لائے، اور قاضی اسلم سے کہا، یہ ہمارے گواہ ہیں، ان کی گواہی سن لیجئے، قاضی اسلم نے سر سے پاؤں تک ایک نظر ڈال کر کہا، خدا آپ کی اصلاح فرمائے آپ حسبتہ للہ گواہی دینے آئے ہیں یا کچھ لے کر؟ گواہ نے جواب دیا، قاضی صاحب آپ اپنا گمان درست فرمائیے، آپ کو اس قسم کی باتوں کے پوچھنے کا کب حق ہے، یہ خدا کو اختیار ہے جو دلوں کی باتیں جانتا ہے، آپ اس لئے نہیں مامور کئے گئے کہ اس قسم کے سوالات اجلاس پر فرمائیں، آپ کو صرف ظاہری حالت کا اختیار ہے، اور باطنی حالت کو اللہ پر چھوڑ دیجئے، اگر آپ چاہتے ہیں تو کما ینبغی شہادت لیجئے، اس کے بعد آپ خواہ قبول فرمائیں یا اسے دیوار پر دے ماریں۔"

دوسری روایت یہ ہے، کہ آپ کو یہ اختیار نہیں ہے کہ جو پردہ میرے اور آپ کے درمیان حائل ہے اسے اٹھا دیں، ورنہ آپ کے نزدیک گواہوں کو اس قسم کی تفسیر کرنے سے شہادت دینے میں رکاوٹ پیدا ہوگی، جو آپ کی اہانت کا باعث ہے، اور جس سے حقوق کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے، اور یہ آپ سے مخفی نہیں گواہ کی اس تقریر سے قاضی اسلم نے نادم ہو کر کہا، تم نے جو کچھ بیان کیا وہ درست ہے، تم اپنی شہادت دو خدا تم پر رحم فرمائے، گواہ نے کہا، وہ

خادمہ کہاں ہے؛ حاضر کی جائے، میں اس کے سامنے گواہی دونگا، قاضی اسلم نے حکم دیا کہ خادمہ کو یہاں لاؤ، اور فقیہ بھی سامنے آئیں، خادمہ امین کے پاس سے آئی اور گواہ کے سامنے کھڑی ہوئی، گواہ نے اسے کچھ دیر تک دیکھ کر کہا، میں جانتا ہوں یہ خادمہ اس شخص کی ملکیت میں تھی، اور مجھے اس شہادت کے دینے تک اس کی ملکیت زائل ہونے کی کوئی اطلاع نہیں ملی، یہ کہہ کر گواہ نے قاضی کو سلام کیا اور اجلاس سے باہر چلے آئے، قاضی اسلم گواہ کی شہادت سن کر بہت متعجب ہوئے۔

دورِ ابتلا عہدۂ قضاد کے آخر زمانے میں اسلم کی بصارت جاتی رہی جسکی وجہ سے انھوں نے خدمت سے استعفا دیا جو منظور ہوگیا، پھر وہ اپنے گھر ہی میں صبر و شکیب کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگے، یہاں تک کہ انھوں نے داعی اجل کو لبیک کہا۔

ولادت قاضی اسلم کی ولادت ۲۳۱ھ میں ہوئی تھی۔

اسد بن فرات بن بشر بن اسد المری

نام اور سکونت اسد نام ہے، غرناطہ کے قریہ الطیر کے رہنے والے تھے، جو اقلیم بسا طا میں داخل ہے۔

حالات اسد بہت دیندار، عارف، اور بڑے رتبہ و شرف کے آدمی تھے۔

استاد و شاگرد اسد نے مشرق کا سفر کیا، اور مالک بن انس رضی اللہ عنہ سے ملے، سحنون بن سعید اسد سے روایت کرتے ہیں۔

تالیف قضا اور غزوہ اسد کی تالیفات میں ایک کتاب المختلطہ ہے، وہ قیروان میں عہدۂ قضا پر فایز کیے گئے، جب اللہ نے ان کو صقلیہ کی مہم پر مامور کیا تو انھوں نے اس شہر کو فتح کیا یہ ان کی ایک

نیک آزمائش تھی۔

وفات اسد سرقسطہ کا محاصرہ کیے ہوئے تھے کہ اسی اثنار میں ان کا رشتۂ حیات منقطع ہو گیا۔ خدا ان پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔

یہ واقعات ابوالقاسم ملاحی کی کتاب میں مذکور ہیں، لیکن عیاض نے اسد کا نام اور ان کی اولیت کچھ اور لکھی ہے۔

ابو بکر اعمی مخزومی مدوری

نام ابوبکر نام ہے اور نابینا تھے۔

حالات ابوبکر مخزومی شر انگیزی اور ہجوگوئی میں نہایت مشہور تھے، اور لوگوں کی عزت اور ناموس پر حملے کرتے تھے بہت حاضر جواب ذکی الذہن، اور ذومعنی الفاظ کے سمجھنے میں فطین واقع ہوئے تھے لیکن ہجو میں گوئے سبقت لے گئے تھے، مگر جب یہ کسی کی مدح کرتے تو ان کا کلام پھیکا پڑ جاتا تھا۔

ورود غرناطہ ابوالحسن بن سعید کتاب "الطالع السعید" میں لکھتے ہیں کہ جس زمانے میں ابوبکر بن سعید غرناطہ کے والی تھے۔ مخزومی یہاں وارد ہوئے اور ابن سعید کے مکان سے اس قدر متصل فروکش ہوئے کہ وہ مخزومی کی باتیں سنا کرتے تھے، ایک روز ابن سعید نے کہا کہ مخزومی عذاب ہیں، اللہ تعالیٰ جس بندہ پر چاہتا ہے یہ عذاب مسلط کر دیتا ہے، پھر انہوں نے یہ مناسب خیال کیا کہ مخزومی پر احسان اور انس کی ابتدا مجھ سے ہونی چاہیئے، اس لئے ذیل کے چند اشعار لکھ کر مخزومی کو اپنے پاس طلب کیا۔

یا ثانیا للمعری	اے معری ثانی
فی حسن نظم ونثر	اچھی نظم ونثر کے
وفرط ظرف ونبل	وافر ظرافت وشرافت کے

وغوص فہم وفکر — اور نازِ فہم و فکر کے
صل ثم واصل حفیا — آپ مجھ سے ملئے اور خوشی خوشی
بکل برو شکر — احسان و شکر کے ساتھ مواصلت کیجئے
ولیس الاحدیث — میرا مقصد صرف اس طرح باتیں کرنا ہے
کما زھا عقد در — جس طرح موتیوں کی لڑی باعث زینت ہوتی ہے
وشادن یتغنی — اور جس طرح کوئی غزال صفت
علی رباب وزھر — رباب و مزمار پر سرود کرتا ہے
وما یسامح فیہ — خدائے غفار جس چیز میں مسامحت کرے گا
الغفور من کاس خمر — وہ شراب کا ایک پیالہ ہے
وبیننا عھد حلف — ہم میں باہم دوستانہ عہد قایم تھا
لیا سر حلف کفر — تاکہ عہد کفر کو اسیر رکھا جائے
فقم نجدده عھداً — پس اٹھئے تاکہ ہم شکر و یسر کے ساتھ
بطیب شکر ویسر — پھر اپنا عہد تازہ کریں
والکاس مثل رضاع — جام شراب رضاعت کی مانند ہے
ومن کمثلک یدری — اور اس رمز کو آپ کی طرح کون جان سکتا ہے

نیز وزیر ابن سعید نے ایک کمسن خادم ان کے پاس بھیجا کہ وہ جا کر انھیں لے آئے جب مخزومی مجلس میں حاضر ہوئے عود اور پھولوں کی خوشبو نے ان کے مشامِ جاں کو معطر کیا اور ستار کے نغموں نے ان کے جذبات کو حرکت دی تو وہ یہ اشعار زبان پر لائے۔

دار السعیدی ذی أم دار رضوان — یہ سعید کا گھر ہے یا جنت
ما تشتھی النفس فیھا حاضر دانی — جس چیز کی خواہش ہو وہ یہاں موجود ہے
سقت أبارقھا للند سحب ندی — عود کے بخارات سے بادل اٹھ کر صراحیوں میں برس گئے ہیں
تجد و برعد لا وتار و عیدان — اور ستار کے نغموں سے بادلوں کی گرج پیدا ہوئی ہے
والبرق من کل دن ساکب مطرا — اور ہر ایک خم سے برق شراب پانی بن کر برس رہی ہے
یحیي بہ میت افکار و اشجان — جس سے مردہ افکار زندہ ہو گئے ہیں

هذا النعيم الذي كنا نحدث له — یہ وہ نعمتیں ہیں جن کے متعلق ہم باتیں کر رہے ہیں
ولا سبيل له الا بآذان — مگر مخزومی کے لئے کانوں کے سوا ان کے علم کا کوئی ذریعہ نہیں

وزیر ابن سعید نے پوچھا کیا اب بھی کانوں کے سوا ان کے علم کا کوئی ذریعہ نہیں؟ انھوں نے جواب دیا ہاں اس وقت تک کہ اللہ ایک ولد الزنا کو مبعوث فرمائے جو میرے اشعار سن کر یہ کہے یہ اندھے کے اشعار ہیں، وزیر ابن سعید نے کہا اب میں ایک حرف نہ بولوں گا، مخزومی نے جواب دیا جو خاموش رہتا ہے وہ نجات پاتا ہے۔

اس مجلس میں نزہون بنت قلاعی بھی موجود تھی، اس نے کہا، اے استاد! آپ ایک ایسی جگہ آئے ہیں جہاں خوشبو کی انگیٹھی، نغمہ وسرود، اور شراب کی سی قدیم نعمتیں موجود ہیں، آپ ان چیزوں کو پسند کر کے جنت سے تشبیہ دے رہے ہیں، اور پھر آپ یہ کہتے ہیں کہ ان کا علم مجھے سماعت کے سوا نہیں اور نظر کی رسائی وہاں تک نہیں ہوسکتی، تو وہ شخص جو حصن المدور سے آیا، اور جس نے گاؤ وبز کے زمرے میں نشو ونما پائی مجلس کی ان نعمتوں کی خبر اسے کیونکر ہوئی؟ نزہون کی گفتگو ختم ہوتے ہی کورچشم مخزومی کے گلے سے خرخراہٹ کی آواز نکلی، نزہون نے کہا "ان کے گلے میں کوئی بیماری ہوگئی ہے" مخزومی نے پوچھا یہ کون زانیہ ہے؟ نزہون نے جواب دیا ایک بڑھیا جو تمہاری ماں کے برابر ہے، مخزومی نے کہا تو جھوٹی ہے، یہ کسی بڑھیا کی آواز نہیں بلکہ ایک دریدہ دہن قحبہ کے نغمے ہیں جو کئی فرسخ کے فاصلے سے بو سونگھ کر آتی ہے، وزیر ابن سعید نے مخزومی سے کہا، اے استاد! یہ نزہون بنت قلاعی شاعرہ اور ادیبہ ہے، مخزومی نے کہا، ہاں میں اس کے بارے میں سن چکا ہوں "خدا اسے کوئی عمدہ بات نہ سنائے، اور اسے آلۂ تناسل کے سوا کچھ نہ دکھائے"

نزہون بولی اے شیخ بد! تمہاری باتیں الٹی ہیں، کسی عورت کے لئے اس سے بڑھکر اور کیا خیر ہے؟ مخزومی نے کچھ دیر تک سوچنے کے بعد یہ اشعار پڑھے:۔

على وجه نزهون من الحسن مسحة — نزہون کے چہرے پہ حسن کا اثر ظاہر ہے
وان كان قد امسى من الضوء عاريا — اگرچہ وہ چمک دمک سے خالی ہے

تواصل نزھون تارک غیرھا　　نزہون کے چاہنے والے غیر کو چھوڑ دیتے ہیں
ومن قصد البحر استقل السواقیا　　اور جو دریا کا طالب ہے وہ نہروں کو حقیر جانتا ہے

نزہون نے بھی حسب ذیل اشعار نظم کر کے سنا دئے:۔

قل للوضیع مقالا　　اس کمینے سے وہ بات کہدو
یتلی الی حین یحشر　　جو قیامت تک زبان زد رہے
من المدور انشئت　　تو مدوّر سے پیدا ہوا ہے
والخرأ منہ اعطر　　مگر وہاں کا پاخانہ زیادہ معطر ہے
حیث البداوۃ امست　　اور وہاں کی بدویت میں بھی
فی مشیہا تتبختر　　اٹھلاتی ہوئی چال ہوتی ہے
لذاک امسیت صبا　　اسی لئے تو ہر ایک مدور شے کا
بکل شئ مدور　　گرویدہ ہو گیا ہے
خلقت اعمی و لکن　　تو اندھا پیدا ہوا ہے مگر
تہیم فی کل اعور　　ہر قبیح شے کی طرف رخ کرتا ہے
جازیت شعرا بشعر　　میں نے تیرے ایک ایک شعر کا بدلہ ادا کیا ہے
فقل لعمری من اشعر　　اب تو ہی کہہ بڑا شاعر کون ہے
ان کنت فی الخلق انثی　　اگرچہ میں پیدائشی مونث ہوں
فان شعری مذکر　　مگر میرے اشعار مذکر واقع ہوئے ہیں

مخزومی نے نزہون سے کہا میرے اشعار بھی سنو

الا قل لنزھونۃ مالھا　　ہاں نزہون سے کہدو وہ کیوں
تجر من التیہ اذیالھا　　غرور سے اپنے دامنوں کو کھینچتی ہے
ولو ابصرت فیشۃ شمرت　　اگر وہ آلۂ تناسل دیکھ لے
کما عود تنی سربالھا　　تو وہ حسب عادت اپنی چادر اٹھا دیگی

ابن سعید نے دونوں کو قسمیں دیں کہ اب کوئی دوسرے کی شان میں ہجو کا ایک کلمہ نہ کہے، مخزومی نے کہا میں اندلس کا ہجو گو ہوں بغیر کسی معاوضہ کے کیونکر باز آؤں، ابن سعید نے کہا، میں اس خاتون کا ناموس مول لیتا ہوں، کیا معاوضہ لوگے، مخزومی

نے کہا کہ میں معاوضے میں اس خادم کو طلب کرتا ہوں جو آپ کا فرستادہ تھا اور جس نے آپ کے دولتکدے تک میری رہبری کی تھی، اس کے ہات نرم ہیں اور وہ سبک سیر ہے، ابو بکر نے کہا اگر وہ کمسن نہ ہوتا تو میں آپ کی مقصد برآری سے پہلے ہبہ کر دیتا، مخزومی ابن سعید کا مطلب سمجھ گئے، بولے میں اس خادم کے جوان ہونے تک صبر کروں گا، اگر وہ اس وقت جوان ہوتا تو آپ مجھے اپنی ذات پر ترجیح نہ دیتے، یہ باتیں سن کر ابن سعید کو ہنسی آ گئی، وہ بولے آپ کے گو نظم میں میری ہجو نہیں کی مگر نثر میں کہہ ڈالی، مخزومی نے کہا اے وزیر! لا تبدیل لخلق اللہ، یہ کہہ کر مخزومی نے خادم مذکور کو ساتھ لیا اور وہاں سے روانہ ہو گئے، چلتے وقت ابن سعید نے مخزومی اور نزہون دونوں میں مصالحت کرا دی۔

ایک روز مخزومی نے ابوالحسن بن اضحیٰ قاضی غرناطہؒ کی مدح میں یہ اشعار پڑھے

عجبا للزمان یطلب ھضمی	تعجب ہے کہ زمانہ مجھے ہضم کرنا چاہتا ہے
و ملاذی منه علی ابن اضحی	حالانکہ علی بن اضحیٰ میرے ملجا ہیں
جارہ قد سما علی النطح عزا	جن کے پڑوسی عزت کے آسمان پر جا پہونچے ہیں
لیس یخشی من حادث الدھر نطحا	اور اب انہیں حوادث دہر کا ڈر نہیں ہے

ابن اضحیٰ نے کہا، مخزومی! تم جس چیز کے درپے رہتے ہو وہیں تک اپنے آپ کو محدود کیوں نہیں رکھتے اور کب تک لوگوں پر گرتے رہو گے؟ مخزومی نے جواب دیا، میں ایک نابینا ہوں، اور لوگ گڑھے ہیں میں ہمیشہ ان میں گرتا رہوں گا،

ابن اضحیٰ کہتے ہیں باوجودیکہ مخزومی کی یہ بات قبیح تھی مگر مجھے پسند آئی مخزومی کی اور باتیں جو غرناطہ سے متعلق نہیں طوالت چاہتی ہیں۔

اصبغ بن محمد بن شیخ مہدی

نام وکنیت اصبغ نام اور ابوالقاسم کنیت ہے،

حالات اصبغ ایک مشہور عالم، علم ہندسہ و عدد کے محقق، علم ہیئت، علم افلاک، اور علم نجوم کے امام تھے، ان خوبیوں کے علاوہ وہ علم طب کے ساتھ بھی اعتنا رکھتے تھے۔

تالیفات اصبغ نے چند عمدہ کتابیں مفید موضوع پر تالیف کی ہیں ان کے نام یہ ہیں:-

(۱) کتاب المدخل الی ہندسہ، اقلیدس کی تفسیر میں ہے۔
(۲) کتاب ثمار العدد معروف بہ المعاملات، علم ہندسہ میں ایک ضخیم کتاب ہے۔
(۳) اصطرلاب کے متعلق ایک مشہور کتاب لکھی۔
(۴) تاریخ میں ایک ضخیم کتاب تالیف کی

وفات ابن جماعت نے اپنی تاریخ میں ابومروان سلیمان بن عیسیٰ ہاشمی مہندس کا قول نقل کیا ہے کہ اصبغ نے ۱۸ رجب شب سہ شنبہ ۴۲۶ھ کو غرناطہ میں انتقال کیا، اس وقت یہ شہر امیر حبوس کا پایہ تخت تھا، انتقال کے وقت اصبغ کی عمر ۶۵ سال شمسی تھی، اندلس کے مفاخر میں ان کا شمار تھا

ابو علی بن حدیہ

نام وسکونت ابو علی نام ہے، اور غرناطہ کے رہنے والے تھے۔

حالات ابوالقاسم ملاحی بیان کرتے ہیں کہ ابو علی دیندار، فاضل، امین، عادل، ہنکسیر اور اعمال سلطانی کے عالم تھے، جب وہ مستخلص[1] غرناطہ کے افسر بنائے گئے تو اس خدمت کو حسن نظر و فکر سے انجام دیا۔

[1] مستخلص سے مراد غالباً خیرانسپلٹی اور صفائی کا محکمہ ہے "

ابن صیرفی کہتے ہیں کہ ابو علی بن ہدہ جب مستخلص کے افسر بنائے گئے اور اس کے اہم اور دقیق معاملات کی سربراہی کی، تو جن لوگوں پر نصف آمدنی کا ادا کرنا لازم تھا ان کی حمایت کرکے ان کی شکایتیں اور تکلیفیں دور کیں اور جتنی رقم انھیں پہلے دی جاتی تھی اس میں اضافہ کرکے اس کی آمدنی میں نصف ان کا اور نصف بیت المال کا حق قرار دیا۔

وہ حاجب اور دربان نہیں رکھتے تھے، اس لئے کمزور و قوی، شریف و رذیل، بڑے اور چھوٹے، عورت اور مرد سب ان کے پاس پہونچ سکتے تھے،

ابو علی خصوصیت سے جامع غرناطہ کے اوقات کے نگراں تھے، انھوں نے اس اوقاف کی آمدنی بڑھاکر، اور اس سے کچھ رقم پس انداز کرکے مسجد کے مشرقی و مغربی مسقف حصوں میں دو چبوترے اپنی سعی و اہتمام سے بنوائے، جس سے ان کی بڑی نیک نامی ہوئی۔

مستخلص کی ایک ربع آمدنی سے اس کے نئے حمام بنوائے، اس کی دوکانوں کی مرمت کرائی اور بیت الخلا بنوایا جس کا نام "مستی بنہ" رکھا، پانی کے موقعوں پر ناریل کے درخت لگائے، اور جہاں درخت گر گئے تھے وہاں دوبارہ نصب کرائے، نہایت مستعدی سے مستخلص کی آمدنی پس انداز کی، اور متعدد کنوئیں کھدوائے۔

وہ بقدر استطاعت لوگوں کو پند و نصایح بھی کرتے تھے، مکاری میں وہ دراز دست نہ تھے، اور کسی سازش میں ان کا ہاتھ آلودہ نہ ہوا تھا، امر حق میں کسی نے ان کو نہیں ٹوکا، اور راہ باطل میں بھی کسی نے ان سے مناقشہ نہیں کیا۔

ام الحسن بنت قاضی ابو جعفر طنجالی

نام و سکونت ام الحسن نام ہے، لوشہ کی رہنے والی تھیں

حالات ام الحسن شریف، باحسب، قرآن مجید سے واقف، مبادی عربی

کے مختلف فنون سے آگاہ، اور طبی مسائل کی دانست میں منفرد تھیں، اشعار بھی کہتی ہیں۔

اکلیل کے خاتمے میں ہیں ہے ان کا ذکر اس طرح کیا ہے:۔

"ام الحسن تیسری حمد، اور دلآدہ اور ادب میں فاضلہ تھیں، فطرت سے اپنے ساتھ خوبیاں لائی تھیں، بچپن ہی میں اچھوتے خیالات اور افکار پیدا کرتی تھیں، باپ کے آغوش میں پرورش پائی، اس لئے باپ نے بیٹی سے کوئی چیز چھپا نہ رکھی، اور خواہ تدریجاً یا دفعۃً ہر ایک بات بتا دی، جس سے ام الحسن نے علم و ادراک میں پختگی، اور علوم و معارف میں نمایاں حیثیت حاصل ہوگئی تھی، طبی تعلیم بھی حاصل کی، اس کے اغراض و مقاصد اور اسباب و علل سے واقفیت پیدا کی۔

شاعری جب قاضی ابو جعفر طنجالی مغرب سے آئے، اور اپنی صاحبزادی کی عجیب و غریب باتیں بیان کیں، تو بعض افاضل نے ام الحسن کا امتحان لے کر ان کی عام استعداد معلوم کی، انھوں نے ام الحسن کے مقاصد کو ارفع و اعلےٰ پاکر پسندیدہ نگاہوں سے دیکھا، پھر ان کی زباں دانی کا امتحان لیکر ان سے خطاطی کا سوال کیا، چونکہ وہ اپنے ذخیرۂ علوم میں خوشنویسی کا سرمایہ کم رکھتی تھیں اس لئے یہ شعر نظم کر کے سنائے:۔

الخط لیس لہ فی العلم فائدۃ	علم میں خطاطی سے کوئی فائدہ نہیں
وانما ھو تزیین بقرطاس	اس سے صرف کاغذ کی زینت ہوتی ہے
والدرس سؤلی لا أبغی بہ بدلا	مجھ سے صرف پڑھانے کے سوالات کئے جائیں
بقدر علم الفتی یسمو علی الناس	لوگوں میں کسی کی رفعت علم کے مطابق ہوتی ہے

کسی منچلے نے ان اشعار کا یہ جواب دیا

ان فرط الدرس یا أمی منحق	اے ماں! درس میں افراط کرنا گھٹنے کے مرادف ہے
وھذا ھو المشھور فی الناس	اور یہ بات اسی طرح لوگوں میں مشہور ہے
فخذ من الدرس شیأ ثم اخطا	درس میں، وہی چیز اختیار کرو جو خطا میں بلند درجہ رکھتی ہو
خطا و بالفھم یحیی کل الناس	اور ہر شخص اپنی سمجھ کے مطابق زندہ ہے

ام الحسن کے دو شعر مدحیہ یہ ہیں

ان قیل من فی الناس رب فضیلۃ	اگر پوچھا جائے کہ لوگوں میں صاحب فضیلت کون ہے
حاز العلا والمجد منہ اصیل	جس نے سربلندی اور بزرگی حاصل کی ہے
فاقول رضوان وحید زمانہ	تو میں کہوں گی کہ وہ فرد زمانہ رضوان ہیں
ان الزمان بمثلہ لبخیل	بیشک زمانہ ان کی مانند لانے سے بخیل ہے

بلکین بن بادیس بن حبوس بن ماکسن بن زیری بن مناد صنہاجی

نام ولقب بلکین نام اور سیف الدولہ لقب ہے، یہ ولی عہد اور باپ کی حکومت کا نگراں کار تھا۔

خاندان کے حالات زیری بن مناد نے ابو یزید کی جنگ افریقیہ میں بہت نام پیدا کیا، جس کے بعد سے یہ اور اس کی قوم شیعی امرائے عبیدئین کے وفاداروں میں اور زناتے کے مخالفوں میں شمار ہونے لگی، زناتہ ان امرار کے مخالف تھے، اس لئے وہ زیری کی قوم سے ہمیشہ برسرپیکار رہے، زناتہ اپنے تئیں مروانی بادشاہوں کے موالی قرار دیتے تھے، اس خاندان کے مورث اعلیٰ خزر نامی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے موالی تھے

جب ان ملوک شیعہ کا خاتمہ ہوگیا، تو ان کی حکومت خاندان بنو مناد میں منتقل ہوگئی، اور بادیس بن منصور بن بلکین (بن زیری) حکمراں قرار پایا، اس حکومت کی وسعت مشرق تک تھی، بادیس نے اپنے اور باپ کے اعمام کو اس حکومت میں سے کچھ نہیں دیا، جس کی وجہ سے ان لوگوں نے اس کے خلاف جنگ کی، اس خانہ جنگی میں بادیس کے باپ کا چچا ماکسن بن زیری مارا گیا، اور اس وجہ سے اس خاندان کے بقیہ لوگ بادیس کی صولت سے سہم گئے، اور گو وہ نوعمر تھا تاہم اس کی دشمنی سے لوگوں کو اپنی جانوں کا خطرہ پیدا

ہوا، اس لئے اس خانوادے کے ایک معمر شخص زاوی بن زیری نے منظفر بن ابو عامر سے اپنے بھتیجوں کو لیکر اندلس میں آنے کی اجازت چاہی تاکہ جہاد میں وہ بھی شریک ہوکر اپنا شوق پورا کرے۔

منظفر نے زاوی کی بلند ہمت اور اپنے ملک کی وسعت دیکھ کر خیال کیا کہ اسے شرفاء کی خدمات حاصل کرنے اور ریاستوں کے قایم کرنے کی ضرورت ہے اس لئے اس نے زاوی کو اپنے ملک میں آنے کی اجازت دی، زاوی اپنے برادرزادہ، حباسہ، حیوس اور ماکسن اور ایک جماعت کو لے کر سرزمین اندلس میں داخل ہوا، منظفر نے عزت کے ساتھ اپنے ملک میں ان کو جگہ دی۔ مگر پھر زمانے کے مصائب نے ان کو اس حالت پر پہونچا دیا کہ وہ اپنے دشمن بادشاہوں کی ڈیوڑھیوں پر خدام بن کر رہنے لگے۔

جب اندلس میں امامت کا خاتمہ ہوا، اور جماعت کا شیرازہ بکھر گیا تو اہل اندلس کی سختیوں پر دوسرے بربری قبائل کی طرح یہ لوگ بھی فتنے برپا کرنے لگے، اور جب بربری قبائل اہل اندلس پر غالب آئے تو شاہان بنوحمود کے ساتھ ان شہروں میں جاکر بس گئے، جہاں ان کی بود و باش کے لئے کافی گنجایش تھی، صنہاجہ کا قبیلہ بھی اپنے شیخ اور رئیس زادی بن زیری کے ساتھ غرناطہ کے شہر میں جاکر بس گیا، مگر کچھ مدت کے بعد زاوی اندلس سے اپنے وطن واپس چلا گیا، جس کا بیان اپنے موقع پر آئے گا۔

اندلس سے زاوی کے چلے جانے کے بعد اس کے بھتیجے حیوس بن ماکسن کے زیر علم قبیلہ صنہاجہ جمع ہوا چونکہ یہ بڑی جماعت تھی اس لئے اس نے اپنے علاقے کی خوب حمایت اور حفاظت کی، حیوس نے اپنی جماعت کی امداد سے بادشاہی قایم کرکے شہر غرناطہ کے اردگرد صوبوں پر قبضہ کرلیا، نیز قبرہ اور جیان کو بھی اپنی قلمرو میں شامل کرلیا۔

حیوس وسیع النظر تھا اس نے اپنے ملک اور بربری رعایا کی جو اطراف میں پھیلی ہوئی تھی حمایت کی، اور چونکہ وہ مدبر اور شجاع تھا اس لئے مدت تک اس کی ریاست قایم رہی، اور اس نے مسلسل حکمرانی کی، جب اس نے

وفات پائی تو اس کا بیٹا بادیس جانشین ہوا، جس کا تذکرہ آیندہ آئیگا،
بلکین بادیس کا بیٹا تھا، اس بیان میں اسی کا تذکرہ کرنا مقصود ہے، بادیس نے بلکین میں حکومت کی اہلیت دیکھی، تو اس نے اپنی قوم اور خاندان سے اس کی ولی عہدی کی بیعت لی۔
ایک مورخ کا بیان ہے کہ جب بادیس بن حبوس کا فرزند بلکین سن رشد کو پہونچا تو بادیس نے اس کی دانشمندی اور شریف مزاجی کی وجہ سے اپنے بعد جانشینی کے لئے اسی کو نامزد کرکے سیف الدولہ کا خطاب دیا، یہ اپنے باپ کی زندگی میں مالقہ کا والی بنایا گیا، یہ نہایت جلیل القدر اور شریف تھا، اس کا ایک خط مجھے ملا ہے جو اسی کے ہات کا لکھا ہوا ہے بسم اللہ کے بعد لکھتا ہے:-

"قاضی ابو عبداللہ بن حسن حزامی سلمہ اللہ کے لئے بلکین بن بادیس کا یہ واجب الاذعان فرمان ہے جس پر عمل کرنا لازم ہے، مجھے وثوق ہے کہ قاضی ابو عبداللہ نے تمام صوبوں کے لئے عہدۂ وزارت وقضا قبول کیا ہے، اس لئے ان کے ساتھ کمال اعزاز واکرام کا سلوک مرعی رکھا جائے، اور ان کی املاک پر جو تمام صوبوں میں واقع ہے، خواہ اس کا کوئی حصہ شہر میں ہو یا بادیہ میں، موروثی ہو یا اکتسابی، قدیم ہو یا جدید، یا خریدی ہوئی ہو کسی قسم کی مالگذاری عاید نہ کی جائے، اور نہ کسی حال میں وہ اس کے مکلف قرار دئے جائیں، نیز ان کے جتنے قرابت مند، خدم حشم، حاشیہ نشین، اور خاص لوگ ہیں ان کی اچھی طرح حفاظت کی جائے، اور ان کے ساتھ عمدہ سلوک اور احترام ملحوظ رکھا جائے، ان باتوں کے لئے بلکین بن بادیس خدائے عظیم اور قرآن حکیم کی قسم کھاتا، اور اپنے نفس اور فرمان کی پابندی پر خدا کو شاہد گردانتا ہے اللہ تعالے کی شہادت بس ہے۔

میں نے اس فرمان کو ۴۴۴ھ ماہ رمضان مبارک کی آخری تاریخ میں اپنے قلم سے لکھا، اور اللہ تعالی کارساز ہے"

درحقیقت اس تحریر سے بلکین بن بادیس کی شرافت ظاہر ہوتی ہے۔

وفات البیان المعرب کے مصنف اور دوسرے مورخین لکھتے ہیں کہ بادیس نے اپنے باپ کے کاتب اور وزیر اسمٰعیل بن نغزلہ کو جو یہودی تھا وزارت، کتابت، اور تمام خدمات پر بحال رکھتے ہوئے اس کا درجہ بلند کر دیا، مگر بادیس کے فرزند بلکین کو یہودیوں سے بغض تھا، اس لئے اس کے تمام خدام مسلمان تھے، ایک روز یہودی وزیر کو اطلاع ملی کہ بلکین نے اس امر کے متعلق باپ سے کچھ گفت و شنید کر کے اس کے کان بھر دئے ہیں، یہ سن کر وزیر ایک داؤں چلا، کہتے ہیں کہ ایک روز یہودی وزیر بلکین کی خدمت میں حاضر ہو کر زمیں بوس ہوا، اس نے پوچھا کیا ہے؟ وزیر نے کہا اس غلام کی خواہش ہے کہ حضور اس کے غریب خانے پر تشریف لے چلیں خدام اور غلاموں میں سے جسے چاہیں ساتھ رکھ لیں، بلکین وہاں گیا، وزیر نے ہر ایک کے روبرو طعام و شراب پیش کی، اور بلکین کو شراب کا زہر آلود پیالہ دیا، جب اس نے یہاں سے چلنے کا ارادہ کیا، تو چل نہ سکا، لوگ اسے اٹھا کر قصر میں لائے، اسی روز اس کی روح پرواز کر گئی، بادیس کو اس کی اطلاع ہوئی، مگر وہ بلکین کی اصلی ہلاکت کے سبب سے بے خبر تھا، یہودی وزیر نے اسے یہ باور کرا دیا کہ بلکین کے دوست اور بعض لونڈیوں نے مل کر زہر دیا ہے، یہ سن کر بادیس نے بلکین کی لونڈیوں اور بیویوں کو بچازاد بھائیوں سمیت تہ تیغ کر دیا، اور بقیہ لوگ خوف زدہ ہو کر بھاگ گئے، بلکین کی وفات سنہ ۴۵۶ھ میں ہوئی اور سنہ ۴۵۹ھ میں یہودی وزیر کا بیٹا قتل کیا گیا۔

بادیس بن حبوس بن ماکسن بن زیری بن مناد صنہاجی

نام کنیت اور لقب بادیس نام، ابو مناد کنیت، اور حاجب مظفر باللہ ناصر لدین اللہ لقب تھا۔

اولیت بادیس کی اولیت کا ذکر اس کے فرزند بلکین کے تذکرہ میں گزر چکا ہے۔

حالات بادیس ایک طرف جری، سرکش، جابر، اور شر انگیز تھا، دوسری طرف شجاع، مدبر، دانشمند، صابر، صاحب رائے، اور بلند ہمت تھا، تیغ زنی، غارتگری، چقماق سنگ سے شعلہ فشانی، اور مال و زر کی پس اندازی میں مشہور اور حریص تھا، اس کے عہد میں حکومت مستقر اور القاب شاندار ہو گئے اور رعایا کو امن ملا، اس کی تلوار کے سائے میں آبادی بڑھی، اس کے خوف سے ملک میں اطاعت پھیلی، اس کے رعب سے ہر جگہ نگرانی قائم ہوئی، اور اس کے ملک کی وسعت زیادہ ہو گئی۔

بادیس خوش قسمت تھا فتحیابی اور دشمنوں پر نصرت اس کا طرۂ امتیاز تھی، رؤسا اس کی مصالحت کو غنیمت جانتے تھے اور اعدا اس کے ساتھ جنگ کرنی پسند نہیں کرتے تھے۔

ابن عساکر لکھتے ہیں کہ بادیس کی کنیت ابو مسعود تھی، وہ دور اندیش اور گرد و پیش کے علاقے کا حامی تھا، خطبے میں مالقہ کے علویین کا نام لیتا، اور ان کے لئے دعائیں کرتا تھا، جب ادریس بن حمود کا انتقال ہو گیا تو وہ ۴۴۸ھ میں مالقہ کا بھی حکمران بن گیا۔

فتح اپنی کتاب قلائد میں بیان کرتے ہیں کہ بادیس بن حبوس غرناطہ کا بادشاہ تھا، اپنے فریق کو تباہ کرنا، عدل و انصاف سے گریزاں رہنا، اور اللہ تعالےٰ پر بے باکی سے جرارت کرنا اس کا شیوہ تھا، وہ انجام پر بغیر غور و فکر کئے جو چاہتا کر گزرتا، وہ زبان سے پہلے نوک سنان سے کام لیتا تھا، اور اس کا شر اس کے خیر پر غالب تھا، وہ گناہوں کا مرتکب ہوتا اس پر کئی راتیں گزر جاتیں مگر وہ نادم نہ ہوتا جب وہ پانی پینا چاہتا تو خونی چاہ سے اپنی پیاس بجھاتا، وہ مکاروں سے زیادہ مکار، اور مجرموں سے زیادہ مجرم تھا، ہر وقت اپنے مقاصد میں شعلۂ جوالہ، اور نوازح و مضافات کا طالب رہتا تھا، شتاب یا درنگ کسی کا اس پر داؤں نہیں چلا، اور اس کے جوار میں بغیر خوف کے کوئی شب باش نہیں ہوا۔

بادیس کے چند واقعات

زہیر عامری اور اس کے رفقاء کے ساتھ بادیس کی جو جنگ ہوئی اسے زہیر کے نام کے ساتھ دیکھنا چاہیئے، وہاں کچھ واقعات درج کیے گئے ہیں، نیز بادیس کا مالقہ جانا، وہاں ابن عباد کے لشکر سے معرکہ آرا ہونا، اس شہر پر تسلط پانا، اور یہاں کے باشندوں کا قلعہ بند ہوکر فریاد کرنا، یہ وہ واقعات ہیں جو سب کو معلوم ہیں، اور اس قدر مشہور ہیں کہ انھیں طول دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

بادیس کا ابو نصر بن ابو السفری امیر رندہ مسندی کو قتل کر کے ابن عباد کی طرف واپس آنے کا واقعہ ابن حیان نے بالاستیعاب بیان کیا ہے، نیز وہ بادیس کی بربریت اور قساوت قلبی کا ایک واقعہ ابو بکر رستشانی فقیہ کی روایت سے لکھتے ہیں کہ ایک صادق اور ثقہ تاجر شہر غرناطہ میں بادیس بن حبوس کے پاس تھا جس کا بیان ہے کہ بادیس نے ابو بکر والی تاکرنا پر بڑے بڑے مصائب توڑے، اور اس کی عصبیت کا خون اتنا جوش زن ہوا کہ اس نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے، چیخیں ماریں اور شراب جس پر وہ بے صبر تھا چھوڑ دی، اور اس کی نفسانی خباثت نے یہاں تک اسے وہم میں مبتلا کر دیا کہ اس کی رعایا بھی ابو نصر کی طرح مکر و فریب سے آلودہ نظر آنے لگی، اس لیے اس نے تمام اہل غرناطہ کو ایک جگہ مجتمع کر کے غلاموں کے ذریعے سے ایک ایک کا گلا گھونٹ کر اپنے نفس کو محفوظ کرنا چاہا چنانچہ اس نے یہ تدبیر سوچی کہ آیندہ جمعے کو جب سب لوگ جامع مسجد میں جمع ہوں تو وہ اپنی مجوزہ تدبیر اور قوت کو کام میں لائے، اس نے اپنے یہودی وزیر یوسف بن اسماعیل سے بھی جو نہایت مدبر تھا اور جس کے مشورے کے بغیر کوئی کام نہ کرتا تھا تخلیہ میں رائے لی، اور اخفائے راز کی تاکید کی، اور دل میں یہ مصمم ارادہ کیا کہ اگر وزیر نے اس خیال کی تائید نہ بھی کی پھر بھی وہ اپنے ارادے کو پورا کریگا، وزیر نے بادیس کو اس ارادے سے روکا، اور اس خیال کی غلطی ظاہر کی، اور اس نے اس مسئلے پر ٹھنڈے دل سے سوچنے اور نرمی اختیار کرنے

کی استدعا کی، اور کہا فرض کیجئے کہ آپ ان لوگوں کے ساتھ جو نظر کے سامنے ہونگے اپنا ارادہ پورا کر لیں گے، گو اس میں بھی خطرات ہیں، مگر پایۂ تخت کے تمام لوگوں کا کس طرح احاطہ کرینگے، کیا یہ خیال ہے کہ وہ ان مصائب کو بھول کر اور مطمئن ہوکر اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہیں گے؟ ہرگز نہیں بلکہ وہ پوری جمعیت کے ساتھ منظم ہوکر اور تلواریں لے کر آپ کے مقابلہ میں آکھڑے ہونگے، اور آپ کو ناچار اس متلاطم دریا میں فوج لے کر کودنا پڑے گا، بادیس نے وزیر کی نصیحت نہیں مانی اور پھر اپنا راز اس سے بھی مخفی رکھ کر آئندہ جمعے کو قتل عام کے لئے سواروں کو اسلحہ سے آراستہ کیا بالآخر یہ راز افشا ہوگیا، جس سے شہر میں ایک تہلکہ پڑ گیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہودی وزیر نے چند عورتوں کو خفیہ طور سے غرناطہ کے سربرآوردہ مسلمانوں کے پاس جن سے ان کی شناسائی تھی بھیجا تاکہ وہ جمعے کو مسجد میں نہ آئیں بلکہ اس روز کہیں روپوش ہوجائیں، یہ خبر اتنی پھیلی کہ اکثر لوگ جمعے کی نماز میں شریک نہ ہوئے صرف عوام میں سے چند آدمی بربری مشائخ کے ساتھ آئے، اور کچھ وہ لوگ مسجد میں گئے جو اصل واقعہ سے بے خبر تھے، بادیس کی فوج مسلح قصر کے چاروں طرف تیار کھڑی تھی اس کو جب مسجد میں لوگوں کے نہ آنے کی اطلاع ملی تو اس نے اپنا سر پیٹ لیا، اور بہت رنجیدہ ہوا، اور اسے یقین ہوگیا کہ وزیر نے یہ راز افشا کردیا ہے اس لئے وزیر کو طلب کرکے یہ الزام اس کے سر لگایا، وزیر نے افشائے راز سے انکار کیا، اور کہا یہ خبر لوگوں سے کس طرح پوشیدہ رہ سکتی تھی، آپ پر نہ کسی دشمن نے حملہ کیا اور نہ کسی سفر میں آپ کے جانے کا تذکرہ تھا، باوجود اس کے تمام فوجیں مسلح کھڑی تھیں، اس سے لوگوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہوگا کہ آپ کا ارادہ ان کے قتل کا ہے۔

اے امیر! درحقیقت اللہ تعالےٰ نے آپ کے ساتھ بڑی مہربانی کی کہ لوگوں کو آپ سے متنفر ہونے کا موقع نہیں دیا، اور ان کے شر سے آپ کو محفوظ رکھا،

اے ہمارے سردار! اگر آپ اس مسئلے میں دوبارہ غور فرمائیں تو عنقریب ہماری رائے کی ستائش فرماکر ہماری نصیحت کو قابل رشک قرار دیں گے، اس موقع

پر منہاجہ کے ایک شیخ نے بھی وزیر کی تائید کی، بالآخر بادیس نے کچھ دیر کے بعد اپنی رائے بدل دی اور اللہ تعالےٰ نے اسے شرح صدر عطا فرمایا۔

اب یہاں سے بادیس کے وزیر کی بعض باتوں کی تعریف بیان کی جاتی ہے ابن عذار مراکشی اپنی کتاب "البیان المغرب" میں لکھتے ہیں کہ بادیس نے اپنے باپ کے کاتب اور وزیر ابن نغزلہ یہودی کو نیز اس مذہب کے تمام کارندوں کو اپنے اپنے عہدوں پر بحال رکھا، ان لوگوں نے بادیس کے عہد میں بہت کچھ جاہ و مرتبہ حاصل کر کے مسلمانوں پر بڑی دست درازیاں کیں۔

ابن حیان کہتے ہیں کہ یہ وزیر لعین، بجز اس کے کہ اللہ تعالےٰ کی ہدایت سے دور تھا، مگر فی ذاتہ علم، حلم، فہم، ذکاوت، امانت، ثابت قدمی، تدبیر اور مکر میں تمام لوگوں سے کامل تر تھا، اسے اپنے نفس پر پوری قدرت حاصل تھی، اخلاق وسیع رکھتا تھا، زمانے کو خوب پہچانتا تھا، دشمنوں کے ساتھ مدارات کرنا اور اپنے علم سے ان کی دشمنی زائل کرنا اُسی کا کام تھا، ارباب قلم، اور اصحاب تعلیم کی طرف اس کی توجہ بہت مبذول رہتی تھی، اس نے عربی اتنی سیکھی تھی کہ اس زبان میں غور و فکر کرتا، کتابیں پڑھتا، اور اصول کا مطالعہ کرتا تھا، جس سے اس کے قلم اور زبان میں روانی آگئی تھی، جب کبھی اسے ذاتی یا سرکاری کوئی ضرورت پیش آئی تو وہ اسی زبان میں لکھتا تھا، تحریر میں وہ پہلے اللہ تعالےٰ کی حمد، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت و درود، اور دین اسلام کی تعریف و فضائل بیان کر کے اپنا مدعا ظاہر کرتا تھا، عربی انشاپردازی میں متوسط درجے کے مسلمان انشا پردازوں کے برابر تھا، علوم ریاضی سے واقف، علم نجوم میں نکتہ رس، اور اس نکتہ رسی سے تمام ریاضی دانوں پر فائق، علم ہندسہ اور علم منطق سے آگاہ، اور جدول کے ایک ایک مسئلے سے مطلع تھا، اور گو وہ کم سخن تھا مگر ذکی تھا، اس کی نظروں میں ظاہری اسباب کی وقعت نہ تھی، وہ ہمیشہ فکر میں غلطاں رہتا تھا، اور کتابوں کے جمع کرنے کی اسے دھن لگی رہتی تھی۔

محرم کے دوسرے عشرہ ۴۵۹ھ میں ابن نغزلہ یہودی نے انتقال کیا،

یہودیوں نے اس کا جنازہ اٹھایا، انکسار سے اس کے سامنے اپنی گردنیں جھکائیں اور اس پر نہایت آہ وزاری سے ماتم کیا۔

ابن نغزلہ یہودی نے اپنے فرزند ابوحسین یوسف کی تعلیم و تربیت، اور کتابوں کے مطالعے کے لئے اکناف ملک سے ادیب اور معلموں کو فراہم کیا اور ان سے یوسف کو فن کتابت کی تعلیم دلاکر اس کو اپنے ابن مخدوم بلکین کا کاتب بنا دیا تھا، تاکہ قواعد ملازمت کے تحت آیندہ وہ اس کی جگہ لے سکے، چنانچہ جب اسمٰعیل کا انتقال ہوا تو بادیس نے یوسف کو اپنا مقرب بنایا اور اس پر اپنی خوشنودی کا اظہار کر کے باپ کا عہدہ اس کو عطا کیا۔

یوسف کا قتل

صاحب البیان لکھتے ہیں کہ وزیر اسمٰعیل نے مرتے وقت ایک فرزند چھوڑا جس کا نام یوسف تھا، اس یہودی بچے نے یہودیت کی ذلت نہیں دیکھی ذمیت کی قدر سے بالکل ناآشنا تھا، وہ بہت خوبصورت تھا، اور اس کی نظر تیز تھی، اس نے مختلف حالات میں نہایت جدو جہد سے خدمت انجام دی، مال جمع کرنے اور وصول کرنے میں بڑی کوششیں کیں، اور حکومت کے تمام خدمات پر یہودیوں کو مامور کر دیا، جس سے امیر کے نزدیک اس کا رتبہ اور بڑھ گیا۔

اس یہودی نے محلسرا میں کثرت سے عورتوں اور کمسن بچوں کو جاسوسی کے لئے مقرر کیا تھا اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرتا تھا جس کے باعث اگر کوئی شخص محل میں سانس بھی لیتا تو اس کی خبر یوسف کو ہو جاتی تھی

بلکین کے تذکرہ میں گذر چکا ہے کہ یوسف نے بادیس کے سامنے اس کو زہر دینے کی تہمت خود اس کی اکثر کنیزوں اور خادموں پر رکھی، اور اسی سلسلے میں بلکین کے ایک قریبی رشتہ دار فائد نامی کو جو خدمت اور وجاہت میں اس یہودی کا ہمسر تھا باہمی چشمک کی بنا پر قتل کرا دیا، اور دوسرے لوگوں کو بھی اس الزام کا ہدف بنایا، یوسف یہودی کی ان حرکات سے عام لوگوں کے دلوں میں اس کے خلاف غیظ وغضب پیدا ہوا، ان کی زبانوں سے بد دعائیں نکلیں، اور زاہد ابواسحٰق البیری نے ایک مشہور قصیدہ لکھ کر عوام کے جذبات

بھڑکائے، اتفاق وقت کہ اس زمانے میں صنہاجی جماعتوں نے غرناطہ پر چڑھائی کردی، جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ زاہد ابو اسحٰق البیری کی استدعا پر یہ حملہ ہوا تھا کہ یہ صنہاجی مسلہ شہر المریہ کے امیر تک جس نے ان جماعتوں کو حملہ کے لئے بھیجا تھا پہونچ جائے غرض ایک طرف یہ حالات درپیش تھے، اور دوسری طرف بادیس اپنی بدکرداریوں میں مبتلا تھا اور شراب اس کے منہ سے چھوٹتی نہ تھی، جب ان باتوں کی اطلاع صنہاجیوں کو ہوئی تو وہ عوام کو اپنے ساتھ لے کر یوسف یہودی کے گھر میں گھس گئے، وہ کسی گوشے میں چھپ گیا، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ ایک گھر میں جہاں کوئلے رکھے تھے چلا گیا، تاکہ کوئلوں سے اپنا منہ کالا کرکے لوگوں کو شناخت کا موقع نہ دے، مگر جس گھڑی اس کی شناخت ہوئی اسی وقت اس کا سرتن سے جدا کیا گیا، اور شہر غرناطہ کے ایک دروازے پر اسے سولی دی گئی، اس روز کثرت سے یہودی قتل ہوئے اور ان کے گھر لوٹے گئے، یہ واقعہ ۴۵۹ھ کا ہے۔

آج بھی یوسف اور اس کے باپ کی قبریں یہودیوں کی ملک کہی جاتی ہیں، یہودی بہ تواتر بیان کرتے ہیں کہ یہ دونوں قبریں باب البیرہ سے کچھ فاصلہ پر بخط مستقیم رستہ کی ایک جانب واقع ہیں، اور بوسیدہ اور سخت پتھروں سے ڈھکی ہوئی ہیں، یوسف یہودی کا درجۂ ادب وعقل، اور عیش وتنعم میں بہت مشہور تھا۔

ہم نے اس یہودی کا تذکرہ بڑے بڑے ادبا اور افراد کے سلسلے میں اسلئے بیان کیا کہ بجز مذہب کے اور کوئی چیز اس بیان کی مانع نہ تھی ۔

بادیس کی ذکاوت اور پیشنگوئی

ابن صیرفی کہتے ہیں کہ ابو الفضل جعفر ایک نوجوان شخص نے جو صداقت، عزت نفس، شجاعت اور فیاضی کے اوصاف سے متصف تھے، جن کا تذکرہ آیندہ آئے گا مجھ سے بیان کیا کہ ایک روز بادیس ندیموں کے ساتھ قصر کی بڑی مجلس میں

شراب کے دور سے لطف اندوز تھا، اور صقلبی خدام و غلام اس کے احکام کی بجا آوری کے لئے صف بستہ کھڑے تھے، دفعۃً کوئی ایسی خبر پہونچی جس کے سننے کے لئے بادیس مجلس سے اُٹھ کر باہر گیا، اور جب واپس آیا تو اس کا چہرہ پژمردہ اور اس کی طبیعت مکدر تھی، تمام ندیم اس کیفیت کو دیکھ کر سہم گئے، اور ان کو یہ خوف ہوا کہ جانوں پر کوئی نئی آفت آنے والی ہے، بادیس نے پوچھا تم لوگ سمجھے کیا واقعہ ہے؟ سب نے جواب دیا واللہ ہمیں کچھ بھی خبر نہیں، اس نے کہا، مرابطین دمنہ تک پہونچ گئے ہیں، یہ سن کر سب کا رنگ فق ہوگیا اور وہ بادیس کی نصرت، درازیٔ عمر، اور بقائے دولت کی دعائیں کرنے لگے، مگر بادیس کی خاموشی سے یہ سب پھر خاموش ہوگئے، جب بادیس نے مجلس بے رنگ دیکھی، تو کہا، تمھیں اس واقعے سے کیا مطلب ہے؟ اپنا کام کرو، آج شراب کا دور چلے، کل دوسرا کام ہوگا، ابھی تو ہمارے اور مرابطین کے درمیان وسیع صحرا، اونچے پہاڑ، اور دریا کی موجیں حائل ہیں، گو وہ ضرور ایک دن ہمارے شہر پر قابض ہو کر ہماری اس نشست پر متمکن ہونگے، مگر ہم میں سے کسی کے زمانے میں یہ واقعہ نہیں پیش آئیگا، البتہ ہمارے پوتے یہ منحوس دن دیکھیں گے۔

جعفر کہتے ہیں کہ جب امیر مرابطہ بادیس کے پوتے کو معزول کر کے قصر میں داخل ہوئے اور ایک ایک گوشہ کو دیکھا، میں بھی ساتھ تھا، اور گشت کرتے ہوئے بادیس کی مجلس میں پہونچے تو یہاں وہی فرش بچھا جس پر بادیس نشست کرتا تھا اس وقت مجھے اس کی پیشینگوئی یاد آئی جس سے مجھے بے انتہا تعجب ہوا اور اس کا اثر میرے چہرے پر نمودار ہوا، امیر المسلمین نے میری طرف متوجہ ہو کر حال پوچھا، میں نے اصل واقعہ بیان کرکے بادیس کا قول نقل کیا تو وہ بھی متعجب ہوئے، پھر وہ ساتھ والوں کو لیکر مسجد میں گئے اور چند رکعتیں نماز پڑھکر بادیس کی قبر پر ترحم کی ایک نگاہ ڈالی۔

بادیس کی وفات

ابو القاسم بن خلف بیان کرتے ہیں کہ بادیس نے ۲۰ رشوال شب یکشنبہ کو ۴۶۵ھ میں وفات پائی، اور قصر کی مسجد میں سپرد خاک کیا گیا۔

مولف کہتا ہے کہ اب اس مسجد کا نشان تک مٹ گیا ہے مگر بادیس کی قبر ہنوز باقی ہے، جس کی چاروں طرف کٹہرے ہیں، ان کٹہروں میں دروازے لگے ہیں، اور ایک سکوت کا عالم یہاں طاری ہے، قبر کے گرد اگرد سنگ رخام بچھا ہے، جس کا سلسلہ امیر مجاہد ابوزکریا یحییٰ بن غانیہ کی قبر تک چلا گیا ہے، جو بادیس کی قبر کے پہلو میں دولت موحدین کے عہد میں دفن کئے گئے۔

بادیس کی وفات کے بعد اس کے متعلق خلیفہ نے اپنی رائے بدل دی، اور اس کی سرکشی اور جبروت کے واقعات بھی پرانے ہو گئے، اور چونکہ انسان کی سرشت میں اوہام کی اطاعت اور گمراہیوں کی طرف میلان داخل ہے اس لئے آج کل اس کی قبر پر اہل حاجت اور مریضوں کی بھیڑ رہتی ہے، لوگ اپنے بیمار چوپایوں کو بھی وہاں لیجاتے ہیں، ازدحام اتنا رہتا ہے کہ حضرت معروف کرخیؒ اور حضرت ابویزید بسطامیؒ کی قبروں پر بھی اتنی کثرت نہ ہوتی ہوگی۔

سب سے زیادہ عجیب و غریب واقعہ یہ ہے کہ اہل خیر میں سے ایک شخص نے جن کا عرف ابن ماتی تھا اور جو بادیس کے گھر کی قلعہ قدمی والی مسجد میں امامت اور بچوں کو خوش نویسی کی تعلیم دینے کے لئے مامور تھے سلطان سے ایک قصے میں اس کی اجازت طلب کی کہ جب وہ مر جائیں تو بادیس کے پہلو میں دفن کئے جائیں۔

بیشک خداوند کریم کا عفو اس سے کہیں وسیع ہے کہ بادیس جیسے شخص پر تنگی فرمائے، جس نے نفسانی خواہشوں میں حد سے زیادہ تجاوز کر کے اپنے رب کے حقوق کو ضائع کر دیا تھا۔

اگرچہ آج بادیس کے گھر کھنڈر ہو گئے ہیں، ان کی ہیئت بدل گئی ہے اور اس کے باغ لوگوں کی ملکیت میں تقسیم ہو گئے ہیں، تاہم یہاں بادیس کے جتنے مقامات ہیں وہ اب تک اسی کی طرف منسوب ہیں اور اب بھی اس کے واقعات زباں زد عام و خاص ہیں۔

میں نے اپنے ایک قصیدے میں بادیس کے بعض مشاہد اور مقامات کی طرف اشارہ کیا ہے، یہ قصیدہ چند فنون پر مشتمل ہے، اور اس کے اغراض عجیب و غریب

ہیں، اگرچہ اس کتاب کے مطالعہ کرنے والوں کے لئے وہ ضروری نہیں ہے تاہم اس سے زبان کو چٹخارہ اور فکاہات کا لطف حاصل ہوتا ہے، اس کا ایک شعر یہ ہے :-

عسی خطرۃ بالرکب یاحادی العیس　　اے اونچے ٹیلے پر اونٹوں کو ہانکنے والے

علی الھضبۃ الشماء من قصر بادیس　　قصر بادیس کی طرف سے قافلہ پر خطرہ قریب ہوگیا ہے۔

بکرون بن ابو بکر بن اشقر حضرمی

نام و کنیت بکرون نام، اور ابو یحییٰ کنیت ہے۔

حالات بکرون صاحب اصالت، شیخ لشکر، دلیر، دانشمند، شہسوار، خوبصورت، صائب الرائے، اور قوی الجثہ تھے، ان کی باتیں لوگوں میں مقبول تھیں، سلطان دوم شاہان بنو نصر کے عہد میں اندلسی فوج کے سالار عسکر تھے، ان کی زندگی شگفتگی اور دنیاوی طمطراق سے بسر ہوئی اور ان کے عہد میں فوجوں نے بے شمار مال غنیمت حاصل کیا۔

ہمارے شیخ ابن شیرین اپنے ایک تذکرہ میں جو خود ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے بیان کرتے ہیں کہ بکرون اعلےٰ خدمت پر ممتاز تھے، اور نہایت جاہ و جلال سے رہتے تھے، آخر میں وہ گردش زمانہ سے سرکاری عہدے اور حکومت کے رتبے سے علیحدہ کر دئے گئے، خدا سے دعا ہے کہ وہ اپنی رحمت کے آغوش میں انکو جگہ دے۔

وفات ۷۱۴ھ میں بکرون نے انتقال کیا، اور اپنی قوم کے قبرستان میں جو باب البیرہ میں واقع ہے دفن کئے گئے۔

بدر

نام و کنیت
بدر نام، اور ابو نصر کنیت ہے، رومی الاصل، اور عبدالرحمٰن بن معاویہ الداخل کے مولیٰ تھے۔

حالات
ابو نصر بدر شجاعت، فضیلت، دانشمندی، ارادے کی پختگی، پرہیزگاری، اور سیاست دانی کے اوصاف سے متصف، اور وفاداری میں چوٹی کے آدمی تھے، انھوں نے اپنے آقا عبدالرحمٰن الداخل کے دورِ نکبت میں شریک حال رہ کر مغرب اقصیٰ تک ساتھ دیا اور برابر اپنے آقا کی محافظت کرتے رہے، یہاں تک کہ انھوں نے اندلس میں عبدالرحمٰن الداخل کی حکومت قایم کر دی، جس کی تفصیل یہ ہے:۔

ابو مروان نے المقتبس میں بیان کیا ہے کہ جب عبدالرحمٰن الداخل (عباسیوں کے) خوف سے مغرب اقصیٰ کی طرف بھاگ گئے، اور بربری قبائل میں سے گذرتے ہوئے اندلس کے ساحل تک پہونچے تو دریافت کرنے سے انھیں معلوم ہوا کہ یہ ملک عرب کے دو فرقوں میں تقسیم ہو گیا ہے، ایک مضر اور دوسرا یمن کا فرقہ ہے، یہ سنا تو لالچ میں آگئے، اور اپنے مولیٰ بدر کو اندلس بھیجا کہ وہ تحقیقات کر کے وہاں کی کچھ خبر لائیں، چنانچہ وہ وہاں گئے، اور لوگوں کے دلوں کو ٹٹول کر یمنی قبائل سے ساز باز کیا اور چونکہ اس زمانہ میں خاندان عباسی کے ظہور سے مضری قبائل کی آندھی تیز و تند چل رہی تھی، اس لئے بدر نے صرف یمنی قبائل سے پوچھا کہ خاندان خلافت امویہ کے ایک شخص کے متعلق تم کیا رائے رکھتے ہو جو تم سے حکومت کا طالب ہے، اور جو تمھاری کمزوریوں کو دفع کر کے تمھاری تمام امیدیں بر لا سکتا ہے، یمنی قبائل کے لوگوں نے پوچھا کہ اس ملک میں اس قسم کا کون آدمی ہمارا ہو سکتا ہے، بدر نے جواب دیا کہ وہ تم سے قریب تر ہے، اور میں ایسے آدمی کا ذمہ دار ہوں، وہ فلاں شخص، اور فلاں جگہ میں موجود ہے، ان لوگوں نے کہا اسے یہاں جلد لے آؤ، ہم اس کی فوراً اطاعت کریں گے، اس کے بعد یمنی قبائل نے عبدالرحمٰن الداخل کو

طلبی کے خطوط لکھ کر بدر کو دیئے، وہ یہ مژدہ لے کر اپنے آقا کے پاس حاضر ہوئے اس طرح عبدالرحمٰن الداخل کے گرد انصار کی ایک بڑی جماعت مجتمع ہوگئی جس کی مدد سے اُنھوں نے یوسف فہری سے جنگ کرکے پہلے ہی حملے میں اس کو مغلوب کرلیا اور اس سے اندلس کی حکومت چھین کر خود اس ملک کے وارث ہوگئے

مصائب راوی کہتا ہے کہ عبدالرحمٰن بن معاویہ نے سب سے زیادہ جس شخص پر اپنا سیاسی حکم اور معدلت کا قانون نافذ کیا وہ ان کے مولیٰ بدر تھے، جو اپنے آقا کے ساتھ ہر ایک پر خطر سختی جھیل کر ان کی حفاظت میں سینہ سپر رہے تھے، مگر جب انھوں نے آقا سے شوخیاں شروع کیں اور ان کے احترام و آداب کا لحاظ ترک کردیا یہاں تک کہ ان کا اسپ تعدی قابو سے باہر ہوگیا تو ان کی تمام جاں نثاریاں رائگاں گئیں، اور وہ شدید تکلیف میں مبتلا کئے گئے، اور ان کے آقا نے رنجیدہ ہوکر ان کی اتنی سرزنش کی کہ وہ مر ہی گئے ہوتے اگر ان کے زندہ رکھنے کا خیال نہ ہوتا۔

راوی کہتا ہے کہ بدر پر عتاب کی آخری حد یہ تھی کہ عبدالرحمٰن نے ان کے تمام گھر اور املاک کو ضبط کرکے تمام نعمتوں سے انھیں محروم کردیا، اور مزید براں چالیس ہزار زر نقد ان سے تاوان وصول کیا اور ان کو اپنے پاس سے دور کرکے سرحد کی طرف جلا وطن کردیا، اور پھر ان کو ابھرنے کا موقع نہیں دیا، یہاں تک کہ اسی حال میں ان کا انتقال ہوگیا، ان کے مرنے کے بعد عبدالرحمٰن نے ان کے اہل و عیال اور خدام سے وفاداری کی امید کرکے در گزر کیا، اور لوگوں میں بدر کا واقعہ بطور ضرب المثل کے مشہور ہوگیا۔

تاشفین بن علی بن یوسف

نام تاشفین نام ہے، باپ کے بعد ۵۳۳ھ کے امیر المسلمین بنائے گئے یہ ان کے

عہد میں موحدین سے جنگوں کا سلسلہ برابر قایم رہا۔

اولیت

تاشفین کے باپ اور دادا کے تذکرے میں ان کی قومی اولیت انشاءاللہ معلوم ہوگی، ابن الوراق نے کتاب المقیاس میں اور دیگر مورخین نے بیان کیا ہے کہ ۵۲۲ھ میں علی بن یوسف امیرلمتونہ نے جو مرابطے کے نام سے مشہور تھے اپنے ایک بیٹے سیر کو ولی عہد قرار دے کر اپنی بقیہ زندگی میں تاج و تخت کا مالک بنا دیا، اور دوسرے بیٹے تاشفین میں اندلس کی گورنری کی اہلیت دیکھ کر ان کو غرناطہ، اور المریہ کا گورنر مقرر کیا، اور پھر قرطبہ کو بھی ان کے حدود گورنری میں داخل کردیا۔

مولف کہتے ہیں کہ مورخین کا یہ کہنا کہ تاشفین میں اندلس کی گورنری کی اہلیت دیکھ کر ان کو غرناطہ کا گورنر مقرر کیا، اس قول سے ہماری توصیف کی جو شہر غرناطہ کی بزرگی کے متعلق ہے بڑی شہادت ملتی ہے۔

تاشفین نے اندلس کے مصالح کا کافی لحاظ کیا، جس کے باعث انھوں نے اس سرزمین کی دوسری حکومتوں پر نصرت کی برکتیں حاصل کیں اور اس وقت ان کی قسمت نے بھی یاوری کی، مگر جب موحدین سے لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہوا تو ان کی تقدیر برگشتہ ہوگئی، جس کا بیان اپنے موقع پر آئیگا۔

تاشفین نے اندلس میں عیسائیوں پر بڑی بڑی جنگوں میں فتحمندی پائی جس سے ان کی شہرت دور دور تک پھیل گئی، اس کا تذکرہ آگے آتا ہے، ان کی یہ کامیابیاں سیر کو جو ولی عہد تھا شاق گذرنے لگیں، اس نے باپ سے کہا "کہ آپ نے مجھے جس حکومت کا اہل قرار دیا ہے اس کی انجام دہی تاشفین کے مقابلے میں غیر خوشگوار ہوگی، انھوں نے نیکنامی حاصل کرکے مجھے گمنام کردیا ہے اور تمام اہل مملکت بھی ان کی طرف مائل ہوگئے ہیں، یہاں تک کہ کوئی میرا نام بھی ان کے ساتھ نہیں لیتا، اس گفتگو سے سیر نے اپنے باپ کو اس بات پر راضی کرلیا کہ تاشفین کو اندلس سے معزول کرکے فرمان بھیجکر اپنے پاس بلالے، چنانچہ تاشفین ۵۳۱ھ کے وسط میں اندلس سے مراکش میں بلائے گئے اور دوسرے لوگوں کی مانند سیر کے زیر اطاعت کردئے گئے، اور اس کے

دربار میں ایک حاجب سے زیادہ انھیں رتبہ نہیں دیا گیا، مگر اللہ تعالےٰ کے حکم سے سیر بری طرح ہلاک ہوا جس کا بیان اپنی جگہ پر مذکور ہے۔

سیر کے مرنے کا اس کے باپ کو بے انتہا رنج اور قلق ہوا اور اس کے غم میں سوگ منایا، کیونکہ وہ اپنی بیوی قمر کو جو سیر کی ماں تھیں بہت محبوب رکھتے تھے، اور ان کی ہر ایک بات کو دوسری باتوں پر ترجیح دیتے تھے، قمر ہی نے سیر کی خاطر تاشفین کو معزول کرایا تھا، مگر قضا و قدر کے فیصلے نے سیر کو ہلاک کرکے اس کی ماں کی تمام امیدوں اور ارادوں پر پانی پھیر دیا۔

جب امیر سیر نے وفات پائی تو اس کی ماں قمر نے اپنے شوہر کو مشورہ دیا کہ وہ اپنے دوسرے فرزند اسحٰق کو امیر بنائیں، اسحٰق کی حقیقی ماں کا انتقال ہو چکا تھا، قمر نے اس کی پرورش کی تھی، اور اس کو اپنا متبنّیٰ کیا تھا، جس کے باعث وہ اپنی سوتیلی ماں کا محبوب تھا، امیر علی بن یوسف نے بیوی کو جواب دیا کہ اسحٰق کم عمر ہے اور ابھی سن رشد کو نہیں پہونچا ہے، تاہم میں عام و خاص لوگوں کو مسجد میں جمع کرکے مشورہ لیتا ہوں اگر سب نے مجھے اختیار دیا تو میں تمہارے مشورے کے مطابق عمل کروں گا، چنانچہ امیر علی نے لوگوں کو مجتمع کرکے یہ مسئلہ ان کے سامنے پیش کیا، سب نے بیک آواز تاشفین کا نام لیا، امیر علی کے لئے ان کی مخالفت کرنی سیاست کے خلاف تھی، اس لئے تاشفین ہی کو اپنا ولی عہد بنا کر دینار و درہم پر اپنے نام کے ساتھ ان کا نام بھی منقوش کرایا، اور امور مملکت کی نگرانی ان کے حوالے کر دی، عدوہ، اندلس، اور بلاد مغرب میں بھی ان کی بیعت کے خطوط لوگوں کو لکھے گئے، اور ہر ایک جگہ سے ان کی بیعت کی اطلاعیں آئیں۔

تاشفین کی تخت نشینی کو زیادہ دن نہ ہوئے تھے کہ ان کے خلاف موحدین کی فوجیں اُٹھ کھڑی ہوئیں، اور یہ ان کی تقدیر کی برگشتگی اور زمانے کی نامساعدت تھی کہ ہر ایک جنگ کا نتیجہ بجائے موافق آنے کے برعکس ظاہر ہونے لگا، اگرچہ اس سے پہلے اللہ تعالےٰ نے اندلس میں انھیں مظفر و منصور رکھا تھا۔

ابو مروان وراق کہتے ہیں کہ امیر علی بن یوسف بن تاشفین کو اپنے فرزند

تاشفین سے جو امیدیں وابستہ تھیں وہ تقدیر کی ناسا عدت سے منقطع ہو گئیں، اور بیٹے کو منحوس خیال کر کے معزول کر دینا چاہا، اور ان کی جگہ چھوٹے بیٹے اسحٰق کو اپنا ولی عہد بنانے کا ارادہ کر کے اشبیلیہ کے عامل کو اپنے پاس طلب کیا تاکہ وہ اس کی اتالیقی کی خدمت انجام دے، مگر بعض تردد انگیز خبروں کے موصول ہونے سے امیر علی بن یوسف اپنے ارادے کی تکمیل نہ کر سکے، اور ۷ رجب ۵۳۲ھ میں تاشفین کو دشمنوں کے مقابلے پر پوری جنگی تیاری کے ساتھ بھیجا اور عقب سے مزید کمک روانہ کی،

حالات تاشفین نے ۷ رجب ۵۳۲ھ میں باپ سے حکومت کا جائزہ لیا، یہ نہایت جوانمرد، شجاع اور خوش اندام تھے، شریعت کے قوانین پر چلتے، اور جادۂ مستقیم پر گامزن رہتے تھے، بیان کیا جاتا ہے کہ تاشفین نے کبھی شراب نہیں پی، کسی مغنیہ کا گانا نہیں سنا، اور جس طرح سلاطین لہو ولعب میں مصروف رہتے ہیں وہ کبھی اس میں مشغول نہ ہوئے۔

ابن صیرانی کہتے ہیں کہ "تاشفین جوانمرد، بہادر، خوش اخلاق، اور عام وخاص کے محبوب تھے، انھوں نے سرحدوں کو مستحکم کیا، دشمن پر ہوشیار جاسوس متعین کئے، فوجی قوت بڑھائی، جدوجہد، استغنا اور بہادری کی شان پیدا کی، لوگوں کو گھوڑوں کے پالنے اور اسلحہ سے مسلح رہنے کی تاکید کی، اور ان کے روزینے بڑھائے، اسپ سوار تیر اندازوں کی تعداد میں اضافہ کیا، اور ان کی بڑی ہمت افزائی کی، یہ اسباب تھے جن کے باعث جب وہ جنگ کے لئے اٹھتے تو غالب رہتے، اور مظفر و منصور واپس آتے تھے، انھوں نے بہت سے ممالک فتح کئے، عقل وحزم سے حکمرانی کی، رعایا کی جانوں کو اور فوج کے دلوں کو عدل وانصاف سے اپنے قبضے میں کیا"

ابن صیرانی کہتے ہیں کہ "اگر شرطِ اختصار کا خیال نہ ہوتا تو تاشفین کے عمدہ عادات وخصائل کے واقعات اس کثرت سے ضبط تحریر میں لاتا کہ بہت کو بھی تنگی کی شکایت ہوتی، اور کتابوں میں گنجایش باقی نہیں رہتی"۔

مذہبی حالات ایک مورخ کا بیان ہے کہ تاشفین قرطبہ میں ابو وہب

نیاہ کی قبر پر زیارت کے لئے حاضر ہو کر معتکف ہوئے، ارباب ارادت کی صحبت میں بیٹھے، اور اپنی مجلس میں حاجبوں اور دربانوں کی رکاوٹوں کو دور کر کے اعیان و اکابر کو شریک کیا اور ان سے مذاکرہ کیا۔

ابن صیرافی کہتے ہیں کہ تاشفین جب غرناطہ میں وارد ہوئے تو دن کو روزے رکھے، راتیں بیداری میں گزاریں، قرآن شریف کی تلاوت کی، پوشیدہ صدقے دیئے، اور حق و صداقت کو ہمیشہ ترجیح دی،

مزاح کہتے ہیں کہ ایک روز تاشفین مرج القلوب (ایک چراگاہ کا نام ہے) کی طرف جو قلعہ یحصب کے نواح میں تھا گئے اور اپنے ایک نخیف خادم سے تفریحاً کہا "یہ تیری چراگاہ ہے" خادم نے جواب دیا "نہیں حضور یہ تو آپ کی اور آپ کے باپ کی چراگاہ ہے، میں کون ہوں" یہ سن کر تاشفین ہنس پڑے اور اس سے کچھ تعرض نہیں کیا۔

ورود غرناطہ ارباب تاریخ بیان کرتے ہیں کہ جب امیر ابو محمد تاشفین بن امیر المسلمین علی بن امیر المسلمین یوسف ۵۲۳ھ میں گورنر ہو کر ۲۷ ذی الحجہ کو غرناطہ میں وارد ہوئے تو انھوں نے یہاں کے تمام قلعوں کو مستحکم کیا، سرحدوں کی ناکہ بندی کی، ہوشیار جاسوس متعین کئے، اسلحہ خانہ لوگوں کی نشست اور قصاص کے لئے قصر کے میدان میں مسقف چبوترے اور مکانات بنوائے، نہایت عمدہ ڈھالیں اور زرہیں تیار کرائیں، خود اور تلواروں پر صیقل کرائی، گھوڑے پالے اور میں مسجدیں تعمیر کرائیں، اور ایک مسجد قصر میں بنوائی، مقدمات کی سماعت، اور مواعظ کے پڑھنے اور جواب دینے کے لئے باقاعدہ اجلاس قائم کیا، فرامین لکھے، فقہا اور طلبہ کو اعزاز بخشا، اور ہفتے میں جمعے کا ایک دن مناظرے کے لئے مخصوص کیا۔

وزارت ابو بکر کہتے ہیں کہ اللہ تعالے نے تاشفین کے ساتھ زبیر بن عمر لمتونی کو وزارت کے عہدے پر غرناطہ بھیجا جو جود و کرم، شجاعت و بسالت اور حزم و اصالت میں زمانے کے نور تھے، اور اس حدیث نبوی کے مصداق تھے کہ اللہ تعالے مسلمانوں کے جس والی کی بھلائی چاہتا ہے اس کی نیت درست

کردیتا ہے اور اس کے لئے ایک صالح وزیر مقرر فرماتا ہے تاکہ اگر والی کچھ بھولے تو یہ اس کو یاد دلائے اور اگر نہ بھولے تو وہ اس کی اعانت کرتا رہے۔

عامل وزیر ابو محمد حسین بن زید بن ایوب بن حامد بن محمد امیر تاشفین کے عامل تھے۔

کاتب امیر کے کاتبوں کے نام یہ ہیں:۔

ابو عبداللہ بن ابوالخصال یہ رئیس اور عالم تھے، ابو بکر صیرفی یہ کاتب اور مورخ تھے۔

واقعات جنگ امیر تاشفین کے بعض جنگی واقعات یہ ہیں:۔

رمضان ۵۲۲ھ میں امیر تاشفین نے غرناطہ کی فوج اور رضاکاروں کو لے کر حصن السکہ کی طرف کوچ کیا، یہ مقام اعمال طلیطلہ میں سے ہے، اثنائے راہ میں قرطبہ کی فوج بھی آکر مل گئی، حصن السکہ پر دشمن کا قبضہ ہو چکا تھا اور اس نے اپنے ایک مشہور سپہ سالار کی سرکردگی میں یہاں بہت زور باندھکر مسلمانوں کو بہت نقصان پہونچایا تھا، امیر نے یہاں پہونچتے ہی دشمن کا محاصرہ کرلیا اور لڑکر بزور اس مقام کو فتح کرلیا، اس جنگ میں دشمن کی تمام فوج تہ تیغ ہوگئی، صرف سپہ سالار برنک اور اس کے ساتھ چند سوار زندہ بچ کر نکل گئے، امیر موصوف مظفر و منصور غرناطہ واپس آئے، شہر کے باشندوں نے اس شان و شوکت سے ان کا استقبال کیا جس کی کوئی نظیر نہیں ملتی ہے۔

صفر ۵۲۳ھ میں امیر نے پھر اپنے دشمن سے مقابلہ کیا اور پہلے ہی حملہ میں اس کا ناطقہ بند کردیا۔

ربیع الاوّل ۵۲۶ھ میں امیر کو اطلاع ملی کہ طلیطلہ کے دشمن نے قرطبہ کی طرف پیش قدمی شروع کی ہے، امیر اسی وقت بعجلت کوچ کرکے قرطبہ پہونچے اور پھر یہاں سے روانہ ہوکر مقام ارجوانہ میں آئے اور یہاں تمام سامان اور سیف زنوں کو اپنے پیچھے چھوڑدیا اور مختصر سامان اور جماعت لیکر دشمن کی طرف آگے بڑھ گئے اور جب پیچھے سے آنے والی فوج سامانوں کو لے کر دریائے انغلش اور وادی احمر کے کنارہ پر آکر مل گئی تو وہ شباشب تیز گامی سے چل کر قریہ براشہ

میں غنیم کے قریب پہونچ گئے، صبح ہوئی تو دونوں طرف کی فوجوں نے اپنے اپنے حریف کو دیکھا، اسی وقت نیزے اور جھنڈے بلند ہوئے، طبل جنگ پر چوٹ پڑی اور ٹڈی دل فوجیں میدان کارزار میں چھاگئیں، دشمن کی فوج مال غنیمت کی طرف بڑھی، اور دونوں صفیں اس قدر باہم مل گئیں کہ نیزے بیکار ہو گئے اور تلواریں چلنے لگیں، مسلمانوں کی تلواروں نے اپنا پورا حق ادا کیا اور لڑائی کا پانسہ آخر انھیں کے ہاتھ آیا، دشمن کے تمام آدمی تیغ اجل کے نذر ہوئے، اور امیر تاشفین فتح مند و کامران غرناطہ واپس آئے۔

پھر اسی سال غنیم کی فوج بلاد اسلام کا رخ کرکے علی الصباح ۵ ارجب کو اشبیلیہ پہونچی، اس کے مقابلے کو امیر ابو جعفر بن الحاج نکلے، مگر وہ پسپا ہوکر مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ شہید ہو گئے، غنیم کی فوج نے شہر سے دو فرسخ کے فاصلہ پر اتر کر شہر کو تاخت و تاراج کیا، بہتوں کو قتل اور اکثر لوگوں کو گرفتار کیا، جب ان واقعات کی اطلاع امیر تاشفین کو پہونچی تو وہ پے در پے منزلیں طے کرکے اشبیلیہ پہونچے، اس وقت غنیم یہاں کے باشندوں کو انواع و اقسام کے مصائب و تکالیف میں مبتلا کرکے ہزاروں مشہور بہادر اور دلیر سپاہیوں کو لیکر بطلیوس، باجہ، اور بارزہ کی طرف روانہ ہوگیا تھا، اور اس کی باقی ماندہ فوج اشبیلیہ میں تھی جس سے امیر نے مقابلہ کیا، اور ایسی کامیابی حاصل کی جس کا کوئی حساب و شمار نہیں ہے، اس کے بعد وہ رہنماؤں کو لے کر یہاں سے روانہ ہوئے، اور تیزی کے ساتھ ہر ایک گھاٹی اور بلندی کو طے کرکے زلاقہ کے قریب ایک وسیع میدان میں پہونچے جہاں دشمن کو بچار و ناچار اس سے گزرنا تھا ابھی کچھ دیر نہ ہوئی تھی کہ امیر کے طلایہ نے دشمن کے پہونچنے کی خبر دی جس کے ساتھ اس قدر مال غنیمت تھا کہ جس سے زمین معمور تھی۔

جب دونوں طرف کی فوجیں مقابلے کے لئے میدان میں اتریں اور ہنگامہ رستخیز برپا ہونے کی نوبت آئی تو امیر نے اپنی فوج اس طرح آراستہ کی کہ قلب میں سربرآوردہ مرابطین کی جماعت کو لے کر بلند جھنڈوں کے ساتھ جن میں آیتیں لکھی تھیں خود رہے، ساقہ میں اندلس کے اولوالعزم سردار سلطنت کو

سرخ جھنڈے دیگر جن میں مہیب شکلیں بنی ہوئی تھیں متعین کیا، میمنہ اور میسرہ تھا سرحدی اور ساحلی لوگوں کو جن کی صلابت اور طاقت مشہور تھی رکھا، اور ان کے جھنڈوں میں سفید و سیاہ ڈوریاں لگی ہوئی تھیں، اور مقدمۃ الجیش میں قبیلۂ زناتہ کے عوام اور مشہور لوگوں کو مامور کیا، اور ان کے مختلف رنگین جھنڈے باترتیب قایم کئے، جب فوج آراستہ ہوگئی تو باہم مقابلہ شروع ہوا، ہر ایک نے ثابت قدمی اور بہادری کے جوہر دکھائے، تلواروں کی جھنکار بلند ہوئی، پے در پے کئی حملے ہوئے، اور کشتوں کے پشتے لگ گئے، انجام کار اللہ تعالےٰ نے کافروں کو ہزیمت دی، اور وہ منہ پھیر کر بھاگنے لگے، اس وقت ہر طرف سے ان پر تلواریں چلنے لگیں، اور ان کی گردنیں کٹ کٹ کر گرنے لگیں، یہاں تک کہ غنیم کی ساری فوج ہلاک ہوگئی، اور جو زندہ بچے وہ گرفتار کر لئے گئے، اس معرکہ میں امیر کو اتنی عظیم الشان فتح ہوئی جس کی کوئی نظیر نہیں، امیر تاشفین مظفر و منصور اسی سال جمادی الاولی میں اپنے شہر واپس گئے،

اگر ہم امیر کی تمام نقل و حرکت کا تذکرہ کریں تو یہ بیان نہایت مطول ہوگا،

امیر تاشفین کی مدح

امیر تاشفین کی شان میں جو مدحیہ قصائد لکھے گئے تھے ان کے بعض شعر یہ ہیں:-

اما و بیض الھند عنک خصوم	ہاں ہندی تلواریں تیری طرف سے لڑتی ہیں
فالروم تبذل ما طلبات سؤدم	اور تیری تلوار کے مطالبے کو رومی فوج پورا کرتی ہے
تمشی سیوفک فی العدا ویردھا	تیری تلواریں دشمنوں میں چلتی ہیں
عن نفسہ حیث الکلام رخیم	اور جیسے بات آسان ہو تو وہ رک جاتی ہیں

یہ قصائد حماسی اغراض پر مشتمل ہیں، درحقیقت بادشاہ کی حالت ایک بازار کی سی ہوتی ہے جہاں وہی چیزیں آتی ہیں جن کی مانگ ہوتی ہے

وفات

امیر تاشفین کا ملتہ ۵۳۲ھ میں اندلس سے واپس جانا، اور مراکش میں اپنے بھائی سیر کے زیردست ہونا، اور پھر باپ کے بعد حکمران ہونا یہ تمام واقعات اوپر گذر چکے ہیں۔

راوی کہتا ہے کہ امیر تاشفین امیر المومنین ابو محمد عبداللہ موبو علی خلیفہ مہدی

کی مدافعت کو نکلے، مگر چونکہ اللہ نے عبدالمومن کے غلبے کا فیصلہ کر کے تاشفین کی مدافعت اور سعادت کی مدت ختم کر دی تھی اس لئے ان کی کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوئی، عبدالمومن نے انہیں شکست دی، جس کے بعد ان کی جنگی طاقت منتشر ہو گئی، اور وہ خود مقام وہران میں جا کر پناہ گزیں ہوئے، مگر غنیم کی فوج نے جوان پر مسلط تھی فوراً ان کا محاصرہ کر لیا۔

کہتے ہیں کہ امیر نے اس موقع پر دریا کے ایک ساحل تک پہونچنے کی تدبیر کی جہاں ان کے جنگی بیڑے کا سپہ سالار ابن میمون انھیں اندلس لے جانے کے لئے پہلے سے موجود تھا، چنانچہ وہ ایک رات کو خاص لوگوں کی ایک جماعت لے کر ساحل کی طرف روانہ ہوئے، مگر رات کی تاریکی نے ان کے ساتھیوں کو منتشر کر دیا، اور وہ خوف وہراس سے ادھر ادھر بھٹک گئے اور دشوار گذار راستوں نے ان کی شیرازہ بندی توڑ دی، ان میں سے بعض قتل ہو گئے، اور بعض ساحل تک پہونچے، امیر کا گھوڑا راستے میں مر گیا اور دوسرے روز وہ خود بھی مردہ پائے گئے۔

یہ واقعہ ۲۷ رمضان کو بوقت شب ۵۳۹ھ میں پیش آیا، موحدین امیر کی لاش کو سولی پر لٹکا کر ان کی حکومت پر قابض ہو گئے، اور بقا صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔

ثابت بن محمد جرجانی ثم استرابادی

نام و کنیت ثابت نام اور ابوالفتوح کنیت ہے،

حالات ابن بسام بیان کرتے ہیں کہ ابوالفتوح پر علم لغت غالب تھا، انھیں جاہلیت اور اسلامی عہد کے اشعار اور غریب الفاظ بہت یاد تھے، مختلف تعلیمی انواع میں یکساں دخل رکھتے تھے، اسلحہ برداری، فنون سپاہ گری، اور اقسام شہسواری میں انھیں پوری مہارت اور

قدرت حاصل تھی، غرض وہ بہت سے اوصاف میں کامل تھے،

ابو مروان کہتے ہیں کہ علم ادب کے لحاظ سے کوئی شخص ابو الفتوح سے کامل تر اندلس میں نہیں آیا۔

ابن زیدون کا بیان ہے کہ میں نے ابو الفتوح سے غرناطہ میں ملاقات کی اور ان سے اہل مشرق کے بکثرت واقعات اور حکایتیں حاصل کیں، ان کی ادبی استعداد بہت زیادہ تھی، لغت کے بڑے حافظ تھے، علم اوائل یعنی منطق، نجوم، اور حکمت سے بہرہ یاب تھے، اور ان علوم میں انہیں ید طولیٰ حاصل تھا۔

ورود اندلس صاحب ذخیرہ بیان کرتے ہیں کہ ابو الفتوح نے جب الحاجب کی فیاضیوں کی خبر سنی تو وہ اس کے پاس اندلس میں حاضر ہوئے، اور گو اس وقت یہاں ابتدائی فتنے اٹھ چکے تھے تاہم اس کے بیٹے نے جو اپنے باپ کا نائب تھا ان کی بہت عزت کی، اور ایک زمانے تک ان دونوں نے انھیں قدر و منزلت سے رکھا، مگر جب لیل و نہار کی گردش اور زمانے کے انقلاب سے یحییٰ کے خیالات ان کی طرف سے بدل گئے تو وہ بربری لشکر کے ساتھ غرناطہ چلے گئے مگر یہاں امیر غرناطہ بادیس کی ان پر مصیبت نازل ہوئی۔

استاذ و تلمیذ ابو الولید کہتے ہیں کہ میں نے ابو الفتوح سے غرناطہ میں حماسہ پڑھا جس میں عرب کے اشعار ہیں، اور انھوں نے یہ دیوان ۴۰۸ھ میں بغداد میں احمد بن عبد السلام بن حسین بصری سے، اور احمد بن عبد السلام نے ۳۴۳ھ میں ابو ریاش احمد بن ہشام بن نبیل عبسی سے بصرہ میں پڑھا تھا،

دور ابتلاء امیر بادیس کو ابو الفتوح اور اپنے برادر عم زاد بدیر بن حباسہ کی نسبت یہ معلوم ہوا کہ یہ دونوں سلطنت پر قبضہ کرنے کے لئے اس کے خلاف سازشیں کر رہے ہیں اس اہتمام کی خبر سن کر دونوں غرناطہ سے بھاگ کر اشبیلیہ چلے گئے۔

ابو یحییٰ وراق کا بیان ہے کہ جب ابو الفتوح بدیر کے ساتھ فرار ہو کر اشبیلیہ

چلے گئے تو وہاں ان کے پاس یہ اطلاع پہونچی کہ بادیس نے ان کی بیوی اور فرزند کو گرفتار کر کے منکب کے قید خانے میں ڈالدیا ہے، اور ان پر ایک غلام قداح نامی مسلط ہے جو انہیں سزائیں دیتا ہے، اس خبر کے سننے سے ان کے دل میں اہل و عیال کا شوق بھڑکا، ان کی بیوی خوبصورت اور اندلس کی رہنے والی تھیں جن کی محبت ان کے دل میں جاگزیں تھی، اور ان کے بطن سے ایک فرزند اور ایک دختر تھی جن کے بغیر وہ صبر نہ کر سکتے تھے، اس لئے انھوں نے بادیس کے پاس یہ امید کر کے واپس آنا چاہا کہ وہ ان سے اسی طرح درگزر کرے گا جس طرح اس نے اپنے چچا ابو ریش سے درگذر کیا تھا، چنانچہ جب ابن عباد کی کی فوج نے اسنجہ کے شہر میں ہزیمت اٹھائی اور بادیس اس شہر میں داخل ہوا تو وہ اسی روز اس سے امان کے خواستگار ہوئے، مگر بغیر کسی مراسلت یا امان کی توثیق کے انھوں نے اپنے آپ کو بادیس کے حوالے کر دیا، لیکن ان کے رفیق یدیر نے راہ گریز اختیار کی،

جب ابو الفتوح نے بادیس کے پاس حاضر ہو کر سلام کیا، تو اس نے کہا "تو کیوں ہمارے پاس آیا ہے، تو اپنی موت پر کتنا جری ہے، تجھے اپنے سحر پر کس قدر غرور ہے، اور تو ہمارا کسن میں تفرقہ ڈال کر مجھے دھوکا دینے آیا ہے گویا تونے کچھ کیا ہی نہیں ہے" ابو الفتوح نے بادیس سے ملاطفت کی باتیں کیں اور کہا "اے آقا! خدا سے ڈر کر میرے حقوق کا لحاظ کیجئے، میری غریب الوطنی اور بدحالی پر ترس فرمایئے، اور اپنے چچازاد بھائی کا جرم میرے سر نہ ڈالئے مجھے اس جرم سے کوئی سروکار نہیں ہے، رہ گیا یدیر کے ساتھ میرا بھاگنا تو یہ اپنی جان کے خوف سے تھا کیونکہ سابق میں اس سے میرے تعلقات تھے آپ اس ملک میں میرے ماوی و ملجا ہیں، میں نے اگرچہ کسی جرم کا ارتکاب نہیں کیا ہے تاہم اس امید پر اعتراف جرم کرتا ہوں کہ آپ اسے معاف فرما کر ان بادشاہوں کا سا سلوک فرمائیں گے جو مجھ جیسے درویشوں سے کینہ نہیں رکھتے" بادیس نے جواب دیا "انشاء اللہ تم جس چیز کے مستحق ہو وہی سلوک تمہارے ساتھ کیا جائیگا، غرناطہ چلو، اپنی حالت پر قائم رہو اپنے اہل و عیال سے ملو، اور

اپنی حالت درست کرلو"

ابوالفتوح بادیس کی باتوں سے مطمئن ہوکر غرناطہ روانہ ہوئے، اس نے دو سوار اُن کے ساتھ کردئے، اور قداح کے نام خط لکھدیا کر وہ انھیں قید خانے میں ڈالدے"۔

جب وہ غرناطہ کے قریب پہونچے تو گرفتار کرلئے گئے، گلے میں طوق ڈالا گیا، اونٹ پر سوار کرائے گئے اور ایک تنومند حبشی ان کے سر کی گدی پر ضربیں مارنے لگا اور اسی طرح وہ تشہیر کراتے ہوئے شہر میں لائے گئے، اور ایک تنگ و تاریک محبس میں ڈالدئے گئے، ان کے ساتھ یدیر کا ایک صنہاجی رفیق بھی جو اس سازش میں ماخوذ تھا رکھا گیا، یہ دونوں اس محبس میں اس وقت تک رہے جب تک بادیس یہاں واپس نہ آیا۔

ابوالفتوح کا قتل

ابومروان اپنی کتاب تیسیر میں لکھتے ہیں، کہ بادیس نے غرناطہ میں واپس آکر چند دنوں تک آرام کیا اور برابر جرجانی (ابوالفتوح) کو یاد کرکے کبھی اپنی انگلیاں دانتوں سے کاٹتا اور کبھی اُنکے خلاف میں معارضہ قائم کرتا تھا۔

بادیس کے بھائی بلکین نے ابوالفتوح کی رہائی کی بڑی کوششیں کیں، اس نے بادیس کے تمام اوہام کی تکذیب کرکے اسے ترغیب دی کہ وہ انھیں رہا کردے، کچھ دنوں تک وہ ان کے معاملے میں غور کرتا رہا، بالآخر ایک روز اس نے اپنے بھائی کو شراب اور لہو ولعب میں جس کا وہ عادی تھا منہمک پاکر اور اس کی مخالفت سے مطمئن ہوکر ابوالفتوح کو قتل کردیا۔

قتل کا واقعہ یوں مذکور ہے، کہ بادیس نے جرجانی (ابوالفتوح) کو اپنی مجلس میں طلب کیا، اور سب وشتم کے ساتھ مخاطب کرکے کہا، اے کذاب! تیرا علم نجوم کام نہیں آیا، کیا تو نے جاہل امیر یدیر سے یہ نہیں کہا تھا کہ وہ مجھ پر فتح پاکر تیس برس تک اس ملک پر حکمرانی کریگا، تو نے اس وقت اپنے لئے غور نہیں کیا، اور اس ورطۂ ہلاکت سے اپنے آپ کو نہیں روکا اس لئے اللہ نے تیرا خون مجھ پر مباح کردیا ہے۔

بادیس کی اس تقریر سے ابوالفتوح کو اپنی موت کا یقین ہوگیا، سرنیچا کرلیا،

زمین پر اپنی نگاہ جما دی اور بادیس سے پھر ایک لفظ بھی نہ کہا، اور نہ اس کو نظر اُٹھا کر دیکھا، جس سے اس کا شعلۂ غضب اور بھڑک گیا، تلوار ہاتھ میں لے کر وہ اپنی مجلس سے اُٹھ کھڑا ہوا، اور مخبوط ہو کر قطعی فیصلہ کر کے ان کا سر تن سے جدا کرنے کا حکم دیدیا، پھر وہ صنہاجی جو ابو الفتوح کے ساتھ محبس میں تھا تلوار کے سامنے پیش کیا گیا وہ سخت مضطر ہو کر اپنے جرم کی معافی چاہنے لگا، اور گریہ وزاری شروع کی، بادیس نے کہا، اے حرامزادے! تجھے شرم نہیں آتی تیرا ضعیف القلب استاد اپنی موت پر اس قدر صابر تھا کہ مجھ سے باتیں تک نہیں کیں، اور نہ مجھے اپنی طرف مائل کیا، مگر تو نے واویلا مچا دی، اور تو نے اپنے نفس کو آگ الاپنے کے لئے بہت تیار کیا ہے، خدا تیری قبر غارت کر دے، یہ کہا اور اس کا سر قلم کرا کر اپنی مجلس برخاست کر دی۔

ابن حیان نے اس واقعے کا بقیہ حصہ بھی بیان کیا ہے، وہ یہ ہے:۔

صنہاجیوں نے اپنے مقتول صنہاجی رفیق کی لاش کو بادیس سے گفت وشنید کر کے مانگ لیا، اور اسی وقت تابوت میں رکھ کر قبرستان لے گئے اتفاقاً وہاں شہر کی کسی میت کے لئے ایک قبر کھودی گئی تھی، ان لوگوں نے اسی قبر میں صنہاجی کی لاش بغیر غسل وکفن اور نماز جنازے کے دفن کر دی۔

عام لوگوں کو صنہاجیوں کی اس حرکت پر تعجب ہوا کہ وہ مردوں کی قبروں کو بھی غصب کیا کرتے ہیں۔

ولادت ابو الفتوح کی ولادت کی تاریخ سنہ ۳۵۰ھ ہے۔

وفات ابو الفتوح کی وفات کا تذکرہ ابھی اوپر گذر چکا ہے، یہ واقعہ شنبہ کی رات کو ۲۸؍ محرم سنہ ۴۴۲ھ میں پیش آیا۔

بادیس کا ایک خادم برہون نامی بیان کرتا ہے کہ مجھے بادیس نے ابو الفتوح کی لاش کو زہیر عامری کے وزیر احمد بن عباس کے پہلو میں دفن کرنے کا حکم دیا، چنانچہ دونوں کی قبریں ایک ہی جگہ پاس پاس ہیں، بادیس نے کہا تھا کہ میرے ایک دشمن کی قبر کو دوسرے دشمن کے پہلو میں تا روزِ قصاص رکھنا۔

خوش نصیب ہیں یہ دونوں قبریں کہ دو بے نظیر ادیبوں کی حامل ہیں، اور بقا صرف اللہ سبحانہ کے لئے ہے۔

جعفر بن احمد بن علی خزاعی

نام، سکونت جعفر نام ہے، غرناطہ کے رہنے والے تھے۔

خاندان کے ایک مشہور سرگروہ اور قومی حالات ربض البیازین (غرناطہ کی ایک وسطی آبادی) کے باشندوں کے ایک سرگروہ جن کی کنیت ابو احمد تھی، مشرقی اندلس میں بہت مشہور تھے، اور ان کی کرامت بھی شایع و ذایع تھی، اور ان کی قبر محترم اور مرجع خلایق تھی، یہاں تک کہ غیر ملت کے دشمن بھی اس قبر کا ادب کرتے تھے۔

جب مشرقی اندلس پر دشمن کا تسلط ہوا تو ابو احمد کی قوم ترک وطن کر کے سکونت کے خیال سے ربض البیازین میں چلی آئی، یہ آبادی غرناطہ کے وسط میں واقع ہے، یہاں اسے فارغ البالی اور دولتمندی نصیب ہوئی اس جماعت کے لوگوں نے یہاں ایک قدیم مسجد کی از سر نو تعمیر کی، حلقۂ ارادت قایم کیا، اور اپنے خیال میں وہ شیخ ابو احمد کے مسلک اور نقش قدم پر چلے، ہر روز شیخ کے مکان میں (جہاں وہ ایک دفعہ فروکش ہوئے تھے) جاتے اور اپنی معروف و مشہور کیفیت کے ساتھ اجتماع قایم کرتے، جس میں خوش الحانی سے تلاوت کرنا، نمازیں پڑھنا، اور ذکر و شغل جاری رکھنا داخل تھا، اور اس جماعت کے قوال جو ممتاز اور مشایخ ہوتے وہ حسین بن حلاج اور ان کی مانند متصوفین کے صوفیانہ طریقہ کے اشعار گاتے، جن سے وجدان میں برانگیختگی پیدا ہوتی، فوراً جوش و خروش طاری ہو جاتا، اور یہ سب رقص کرنے لگتے مگر ان کا رقص کسی موزوں اور منتظم شکل میں نہیں ہوتا تھا، ان میں سے کسی کو بعض شعر کے ایک ہی کلمہ پر کیفیت پیدا ہو جاتی تھی اور بحالت رقص ایک دوسرے پر گرتا تھا، اگرچہ وہ اپنے موٹے اور کھردرے کپڑوں کو پہلے ہی اتار ڈالتے تھے مگر دیر تک ان کی یہ کیفیت قایم رہنے سے وہ پسینہ پسینہ ہو جاتے تھے، قوال اپنی سرود سے ان کی روحوں کو متحرک کرتے اان میں فتور پیدا نہ ہونے

دیتے، قوالی کے اشعار بدلتے رہتے، اور وہی اشعار گاتے جو ایک دوسرے سے مشابہ و مماثل ہوتے تھے، بسا اوقات ان کا رقص ساری رات تک جاری رہتا تھا، جو لوگ اس جماعت کے متبع تھے وہ اسے اپنے گھروں میں مدعو کرتے، اکثر سلطان بھی اپنے قصر میں لطائف نعمت کی چاشنی حاصل کرنے کے لئے اس جماعت کو طلب کرتے اور اس کی برکت سے مستفید ہونے کا ارادہ ظاہر کرتے تھے یہ گروہ شیخ ابو احمد سے جو ابو الجماعت تھے سخت عصبیت رکھتا اور ان کے مسلک کی تقلید کرتا تھا، نفیری باجوں سے اس کو بہت نفرت تھی، بلکہ وہ اس کو گناہ کبیرہ سمجھتا تھا، اگرچہ بڑے بڑے مقتدا اور صالحین نے ولیمہ کے موقعوں پر اس باجے کی رخصت دی ہے، بہر حال اس گروہ کو اس باجے سے طبعاً و جبلۃً اجتناب تھا، اس کے ذکر سے بھی وہ منقبض ہوتا، اور اگر اپنے کسی ہم مشرب کے یہاں اس کی آواز سن لیتا تو طریقت کی برادری اس سے منقطع کر دیتا تھا۔

اس جماعت کے لوگ اپنے لباس اور غذا میں بہت سادہ پسند اور میانہ رو تھے ان کا غالب حصہ کسب معاش کرتا، کچھ لوگ اینٹوں کا کام کرتے، کچھ کپڑے بنتے، ان میں شر انگیز اور مفسد لوگ بھی تھے، اور گداگروں کی تعداد ان میں بکثرت تھی، غرض اللہ تعالے تک پہونچنے کے راستے اتنے ہیں جتنے انفاس خلائق کی تعداد ہے، خداوند تعالے ہم سب کو مقبول بندوں میں شریک کرکے توفیق نیک عطا فرمائے۔

جعفر کے حالات

جب جعفر اپنے ایک قریبی رشتہ دار شیخ ابو تمام کے جانشین ہوئے تو اس وقت حالت نہایت مہلک تھی، اور وہ ناتجربہ کار اور کمزور تھے تاہم انھوں نے حالت کی اصلاح کرکے کثرت کار اور مشق سے بار خدمت کو اپنے اوپر سہل کر لیا، جس کے بعد وہ امامت و خطابت کی خدمت انجام دینے اور اہل ارادت کی قیادت کرنے کے اہل ہو گئے اور بعض البیازین میں قاضی جماعت کے زیر نگرانی امور شرعیہ کے قاضی بنائے گئے، اس وقت ان کی حالت بالکل شیخ ابو تمام کی سی ہو گئی، یعنی نیک طبع، خوش اخلاق، نرم مزاج، سادہ معاش، صادق، عفیف، مستغنی، اور

محو بصیرت ہو گئے، ان کی سفارشیں بہت قبول کی جاتی تھیں، ان کے اخراجات زیادہ تھے مگر آمدنی پوشیدہ تھی، وہ سنگ غفلت کے لئے بمنزلہ شعلہ اور اک تھے اور غرناطہ کے سربرآوردہ شخص تھے ان کے پیرو اکثر ہدایا و تحایف لے کر ان کے پاس حاضر ہوتے، اور مختلف موسموں اور مختلف حصۂ ملک میں انھیں مدعو کرتے تھے، بوقت جہاد ان کی علانیہ تحریک بہت سود مند ہوتی تھی خدا ان پر رحمت نازل ہو، اور اہل خیر کو نفع پہونچے،

ولادت جعفر ۵۸۶ھ میں پیدا ہوئے۔

وفات بروز دوشنبہ ۲۹ رمضان ۶۶۵ھ کو انھوں نے وفات پائی۔

جعفر بن عبد اللہ بن محمد بن سیدبونہ خزاعی

نام و کنیت جعفر نام، اور ابو احمد کنیت ہے، دانیہ کے رہنے والے تھے جو شرقی اندلس میں واقع ہے۔

حالات ابو احمد مشہور ولی اور اکابر لوگوں میں سے تھے، تارک دنیا ہو کر اللہ تعالے سے قریب ہو گئے تھے، صاحب ہدایت اور صاحب صدق و صفا تھے، ان کے مریدوں کی تعداد بہت تھی اور ان کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی، لوگ ان کے حقوق و احترام کا بہت لحاظ کرتے تھے، یہاں تک کہ جب غیر مسلموں نے ان کے قریہ پر تسلط حاصل کیا تو انھوں نے بھی ان کے احترام کا بہت لحاظ رکھا جو عجیب بات ہے۔

استاذ ابو جعفر بن زبیر کتاب الصلہ میں لکھتے ہیں کہ ابو احمد فضل و صلاح میں مشہور اور بڑے لوگوں میں سے تھے، انھوں نے بلنسیہ میں تعلیم پائی، اور وہیں فقہ بھی پڑھی، آدھی مدونہ انھیں زبانی یاد تھی، اور اس کتاب کا درس بھی دیا تھا، وہ حدیث، تفسیر اور فقہ کو دیگر علوم پر ترجیح دیتے تھے

اساتذہ ابو احمد نے مقری ابوالحسن بن ہذیل اور ابوالحسن بن النعمہ سے سات قرائتیں حاصل کیں، اور مشرق کا سفر کر کے جلیل القدر لوگوں سے ملے، جن میں ابو مدین شعیب بن حسن بلحاظ زہد، علو مقام، اور پاکیزہ احوال کے سب سے زیادہ مشہور جلیل القدر شیخ اور ولی اللہ تھے، اور بجایہ میں رہتے تھے، ابو احمد ان کی صحبت میں رہ کر مستفید ہوئے، اور جب ان سے رخصت ہوئے تو ان میں بلند ایمانی حالت اور عجیب دینی کیفیت پیدا ہو گئی تھی، اس کے بعد سے وہ عبادتوں میں مصروف رہنے لگے، رفتہ رفتہ ان کی عبادت کی شہرت ہوئی، لوگ ان کے پاس دیدار و ملاقات، اور برکت و دعا کے لئے آنے لگے، اور چھوٹے بڑے سب پر ان کی برکت ظاہر ہونے لگی، اور سب ان کے آب شیریں و صافی سے سیراب ہوتے، ان میں علم کی فراوانی اور عمل کی جلالت شان تھی اور علم و عمل کا باہم اتصال نور علی نور تھا، جب ابو احمد کے ایک قرابتی رشتہ دار شیخ ابو تمام غالب بن حسین بن سید بونہ غرناطہ میں آئے تو میں ان سے ملا، اس وقت انھوں نے ابو احمد کی بہت سی عجیب و غریب باتیں مجھ سے بیان کیں۔

وردو غرناطہ جب ابو احمد کہیں جاتے ہوئے اثنائے سفر میں غرناطہ میں ٹھہر گئے تھے، تو اس وقت بعض لوگوں نے ان کے حالات کی طرف اعتنا کیا تھا، وہ بیان کرتے ہیں کہ ابو احمد نے غرناطہ میں وارد ہو کر رابطہ الربیط میں نماز پڑھی، اور چندے یہاں مقیم رہے۔ جس کی وجہ سے اس مسجد کو اب تک لوگوں کے نزدیک خصوصیت حاصل ہے۔

جب مشرقی اندلس میں ابو احمد کے مسکن پر دشمنوں کا تسلط ہوا تو ان کے اکثر خاندان کے لوگ اور ارادتمند منتقل ہو کر غرناطہ میں چلے آئے اور ربض البیازین میں سکونت اختیار کر کے دینداری، نیکوکاری اور عزلت گزینی کے مسلک پر قایم رہے اور محبت کے موقعوں پر ابو احمد کے اسرار و مبشرات سے کام لیا، مگر دوسروں کو ان چیزوں کے عطا کرنے میں بخل کیا، ان لوگوں کی کچھ نسل اب تک غرناطہ میں باقی ہے جس کی طرف اوپر اشارہ گذر چکا ہے۔

وفات ابو احمد نے شوال ۶۳۴ھ میں ایک مشہور مقام زناتہ میں وفات

پائی، اس وقت ان کی عمر اسی برس سے تجاوز کر چکی تھی۔

حسن ابن عبدالعزیز بن محمد بن ابوالاحوص قرشی وفہری

نام وکنیت وعرف حسن نام، ابو علی کنیت، اور ابن ناظر عرف ہے، غرناطہ میں نشو ونما پائی۔

حالات ابن ناظر کو تمام علوم و معارف میں تفنن اور ہر ایک اعلےٰ علم میں حصۂ وافر حاصل تھا، حدیث، تفسیر، ادب، لغت، اور تاریخ کے حافظ تھے، علم سے انھیں بہت شغف تھا، اور اس سے افادہ اور استفادہ میں ہر وقت مصروف رہتے تھے، طلبہ سے اچھی طرح پیش آتے، انھیں شوق سے فائدہ پہونچاتے، اور ان کے شریک حال رہتے۔

ہمارے استاذ فرماتے ہیں کہ ابن ناظر ان بقیہ لوگوں میں سے تھے، جو ضبط و اتقان سے روایت کرتے ہیں، قرآن شریف کی تعلیم دینے میں اور اسانید وطرق، اور روایات کی معرفت میں معتبر سمجھے جاتے تھے، ان علوم میں وہ اپنے معاصرین پر فوقیت رکھتے، اور اپنی صدی میں علم عربیت و قرارت میں سرزمین اندلس کے تمام لوگوں سے زیادہ دستگاہ رکھتے تھے، انھوں نے مدت تک غرناطہ میں تعلیم دی، پھر مالقہ میں منتقل ہو کر چلے گئے، اور کچھ دنوں تک وہاں بھی درس دیا، بعدازاں تدریس چھوڑ کر صرف خطابت کی خدمت انجام دینے لگے، اور اس خدمت پر تقریبا پچیس سال تک مالقہ میں رہے، جب وہ دوبارہ غرناطہ آئے تو یہاں سے قاضی بنا کر المریہ بھیجے گئے، وہاں سے لبسطہ اور پھر مالقہ میں اسی عہدہ پر تبدیل ہوتے رہے۔

ہمارے استاذ کہتے ہیں کہ ابن ناظر میں ایک ایسی نامزاوار اور شان کے منافی عادت تھی جو عام طبائع کے خلاف ہے جس کی وجہ سے لوگ ان کے دشمن ہو گئے تھے، خدا ان سے درگذر فرمائے۔

اساتذہ
ابن ناظر کے اساتذہ کے نام یہ ہیں:۔
استاذ مقری ابو محمد عبداللہ بن حسین الکواب، ابو علی، ابوالحسن بن سہل ابن مالک ازدی، ابو عبداللہ محمد بن یحییٰ معروف بہ حلبی اور دیگر اساتذہ کی ایک جماعت سے روایت کی، اول الذکر سے قراءت سبعہ بھی حاصل کی۔
اشبیلیہ میں شیخ استاذ ابو علی سے سیبویہ کی کتاب کا اکثر حصہ اور دوسری کتابیں روایت کیں، اور یہاں کی ایک بڑی جماعت سے علمی استفادہ کیا اسی زمانہ میں اس شہر میں قاضی ابوالقاسم بن بقی وارد ہوئے ابن ناظر ان سے بھی ملے اور علم حاصل کیا۔ بلنسیہ میں الحاج ابوالحسن بن خیرہ اور ابوالربیع بن سالم سے علوم کی تحصیل کی، اور اسی شہر میں ایک جماعت نے ابن ناظر سے سماعت کی جس میں ابو عامر بن یزید بن ابو العطا ابن یزید وغیرہ جیسے لوگ تھے۔
جزیرۂ شقر میں ابوبکر بن وضاح سے، مرسیہ میں ایک جماعت سے، اربونہ میں ابوالحسن بن بیہقی سے، اور مالقہ میں بکثرت لوگوں سے علوم حاصل کئے۔

تلامذہ
ایک جماعت نے جس میں ساٹھ سے زیادہ اشخاص تھے ابن ناظر سے علم کی تحصیل کی۔

تصانیف
ابن ناظر کی تصانیف میں مسلسلات، اور اربعون حدیث کی دو کتابیں ہیں، ترشید فن تجوید میں ہے، اور ایک عمدہ فہرست اپنی روایتوں کی مرتب کی ہے۔

شاعری
ابن ناظر شاعر بھی تھے، مگر ان کی علمی حیثیت کے لحاظ سے ان کے اشعار اچھے نہ ہوتے تھے۔

ولادت
شوال کے آخری پنجشنبہ کو ۶۱۵ھ میں پیدا ہوئے،

وفات
۱۴ / جمادی الاخریٰ ۶۹۰ھ میں غرناطہ میں وفات پائی۔

———(۰)———

حسن بن محمد بن حسن نباہی وجذامی

نام کنیت و سکونت حسن نام، اور ابو علی کنیت ہے، مالقہ کے رہنے والے تھے۔

اولیت قاضی ابو عبد اللہ بن ابو عسکر مورخ کا بیان ہے کہ ابو علی مالقہ کے اعیان شرفا، اور قضاۃ میں سے تھے، اور خاندان بنو حسن مالقین کے جد تھے، ان کا خاندان علم، جلالت اور قضاء کے ساتھ ہمیشہ متصف رہا، اور یہ اوصاف بطور ورثہ کے بڑوں سے چھوٹوں کو ملتے رہے، ابو علی کے دادا منصور بن ابو عامر قاضی تھے، جن کی ایک حکایت مشہور ہے؛

قاضی ابن بیاض اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک روز وہ منصور بن ابو عامر کے ساتھ اپنے مکان میں جو قرطبہ میں بسمت ناعورہ واقع ہے مجتمع ہوئے اس وقت منصور کی نوجوانی اور طلب علم کا ابتدائی زمانہ تھا، ان کے دل میں بہت سی امنگیں اور امیدیں بھری ہوئیں تھیں، احباب میں منصور کے برادر عم زاد عمر بن عبد اللہ بن عسقلان، کاتب بن مرغزی، اور فقیہ ابو الحسن ملاحی وہاں موجود تھے، اور خوان پر کھانا چنا ہوا تھا، منصور نے اپنی وہی پرانی گفتگو دہرائی جس پر ہم لوگ ہمیشہ ہنسا کرتے تھے، یہ کہ ایک روز ہم یقیناً اندلس کے حکمراں ہو جائیں گے اس لئے آپ لوگوں میں سے ہر شخص اپنی آرزو بیان کرے، ہم اسے پورا کریں گے، عمر نے کہا ہماری تمنا ہے کہ آپ ہمیں اس شہر کا والی بنا دیں، ابن مرغزی نے کہا میں احکام سوق کا قاضی بننا چاہتا ہوں، ابو الحسن نے کہا میری آرزو ہے کہ آپ مجھے مالقہ کا قاضی مقرر فرمائیں، موسیٰ بن عذرون کہتے ہیں کہ منصور نے مجھ سے بھی کہا کہ تم بھی اپنی تمنا ظاہر کرو، مگر اس کہنے پر میں نے ان کی ڈاڑھی نوچ لی، اور اس کو اپنے ہاتھ سے خوب ہلا کر انھیں نہایت سفیہانہ اور قبیح باتیں سنائیں، حسن اتفاق جب منصور اندلس کے حکمراں ہوئے تو انھوں نے اپنے چچازاد بھائی کو قرطبہ کا والی بنایا، ابن مرغزی کو احکام سوق پر مامور کیا،

اور ابوالحسن مالقی کو قضاء کا عہدہ دیا، اور ہر شخص کی تمنا پوری کردی، مگر چونکہ میں نے انھیں نا سزاوار باتیں کہی تھیں اس لئے انھوں نے مجھ سے اس قدر مال وزر وصول کیا کہ میں فقیر ہوگیا"

غرض بنو حسن کا خاندان مشہور ہے، اس خاندان کے بعض سربرآوردہ لوگوں کا تذکرہ آئندہ آئے گا جو اس بیان کے ثبوت کے لئے کافی ہے۔

حالات ابن بن الزبیر کتاب نزہتہ البصایر والابصار میں لکھتے ہیں کہ ابوعلی شریف طالب علم تھے، دینداری، فضیلت، وجاہت اور امر و نہی میں مشہور تھے۔

وفات ابوعلی نے ۵۴۴ھ میں وفات پائی، ابن بشکوال نے صلہ میں لکھا ہے کہ ابوعلی غرناطہ کے قاضی تھے، ابن عسکر نے بھی ان کا تذکرہ لکھا ہے، ملاحی کو یہ وہم ہے کہ ابوعلی البیرہ کے رہنے والے تھے۔

حسن بن محمد بن حسن قیسی

نام، کنیت، سکونت حسن نام، ابوعلی کنیت، اور قلنار عرف ہے، مالقہ کے رہنے والے تھے،

حالات قلنار رحمہ اللہ اپنے شہر کے شیوخ اطباء میں سے تھے، طبی مسائل اور امراض کے ناموں کے حافظ تھے، اس فن کا تجربہ وسیع، اور اس کی مزاولت مدت کی تھی، اور جن امور کا تعلق دستی فنون سے ہے مثلاً بیطاری اور ایجادات پر پورے قادر تھے، نہایت سادہ اور معمولی زندگی بسر کرتے، ان کی صحبت اچھی اور ان کا عقیدہ درست تھا، مزاج میں تصنع نہ تھا کاشت کے شوق میں اپنی معیشت کے کام خود اپنے ہاتھ سے انجام دیتے تھے،

قلنار نے فن طب ابوالحسن ارکشی سے اور خاص خاص نباتات کا علم مصحفی سے حاصل کیا تھا، اور مصحفی کے ساتھ جڑی بوٹیوں کے مقام پیداوار

میں جا کر ان کی جستجو کی تھی، وہ اس فن میں اندلس کے آخری لوگوں میں سے تھے، علمار نے ۲۳۸ھ میں دیار سلطانی میں تریاق فاروق کا عملی تجربہ کرنے کے لئے اس کے اجزا کا امتحان کیا اور اس کی ترکیب سے احکام معلوم کئے اور اپنی زندگی خطرے میں ڈال کر اس کی آزمائش کے لئے پیش قدمی کی اور اس کی ذرا پروا نہ کی کہ وہ اس امتحان میں مقتول یا مضروب ہونگے اور یا ان کے جسم کے پرخچے اڑینگے، اس واقعے سے ان کی تعجب انگیز فراست اور جرارت کا پتا چلتا ہے،

حسن بن محمد بن باصنہ

نام، کنیت، عرف حسن نام، ابوعلی کنیت، اور صعلعل عرف تھا،

حالات صعلعل کی اصل مشرقی اندلس سے شروع ہوتی ہے، وہ فقیہ، علم حساب وہیئت کے امام اور غرناطہ کی مسجد اعظم کے رئیس الموقتین تھے، اکثر جلیل القدر اور مشہور لوگوں نے ان سے علم حاصل کیا ہے۔

صعلعل بہ پابندی سال صنعت تعدیل سے خوب واقف تھے، اور اس صنعت میں علمار نے جہاں تجدید کی ہے وہاں وہ بھی تجدید کرتے تھے، ان کی نظر و فکر ہر وقت مصروف کار رہتی تھی، وہ صاحب استنباط، صاحب تصنیف، اور یگانۂ روزگار تھے،

وفات ۷۱۶ھ میں غرناطہ میں وفات پائی۔

حسن بن محمد بن علی انصاری

نام، کنیت، عرف حسن نام، ابوعلی کنیت، اور ابن کسری عرف ہے،

حالات ابن کسریٰ ادب اور لغت کے بہت بڑے حافظ، علم نحو میں کامل، اچھے کاتب، لوگوں کے انیس و غمخوار، خوش اخلاق، خوش اندام، اور کریم النفس تھے، شاعری کی ہر صنف میں انھیں مہارت تھی، رؤسا اور بادشاہوں کی مدح سرائی کرتے، باوجود شہرت کے گمنامی کو ترجیح دیتے اور اسی گمنامی میں شعر کہتے تھے۔

اساتذہ ابن کسریٰ نے جن لوگوں سے روایت کی ہے ان کے نام یہ ہیں:۔ ابو بکر بن عبد اللہ، ابو عبد اللہ کندی، ابو الحکم بن ہر دوس، ابو عبد اللہ ابن غالب رصافی۔

تلامذہ جن لوگوں نے ابن کسریٰ سے روایت کی ہے ان کے نام یہ ہیں:۔ ابو طاہر احمد بن علی ہواری، ابو عبد اللہ محمد بن ابراہیم بن جریرۃ، ابراہیم بن سالم بن صالح بن سالم۔

شہرت کتاب نزہۃ البصائر والابصار میں حسب ذیل واقعہ قاضی ابو عبد اللہ بن عسکر کی روایت سے منقول ہے جسے آپکے ایک فقیہ اور قاضی دوست نے اپنے خط میں تحریر کیا تھا، وہ لکھتے ہیں کہ ابو علی فقیہ و ادیب نے مجھ سے بیان کیا کہ میں ایک دفعہ بعض ملوک سے ملنے کے لئے اشبیلیہ گیا، ایک روز میں وہاں کسی راہ سے گذر رہا تھا کہ شیخ ابو العباس سے ملاقات ہو گئی، سلام کرکے میں ان کے پاس کھڑا ہو گیا، انھوں نے مجھ سے کہا کہ ایک فاضل اور زاہد مرد صالح زہد کے مضامین میں عجیب و غریب اشعار کہتے ہیں، گو اس وقت مغرب کا وقت قریب تھا مگر ابو العباس نے میرا عندیہ دریافت کرکے مجھے ترغیب دی کہ میں ان کے ساتھ زاہد مذکور کے پاس چلا چلوں، چنانچہ جب ہم وہاں گئے تو دیکھا کہ ایک فرزانہ شخص گندی جگہ پر بیٹھے ہیں، ہم نے سلام کیا، انھوں نے جواب دیا، پھر ہم نے اس جگہ پر بیٹھنے کا ان سے سبب دریافت کیا، انھوں نے کہا یہاں میں دنیا اور اس کی گندی حالت کو یاد کیا کرتا ہوں۔ اس بات کے کہنے سے ہم لوگوں کو ان سے اور زیادہ انس پیدا ہوا، اور ہم نے ان سے درخواست کی کہ اس مطلب کے کچھ اشعار سنائیں، انھوں نے تھوڑی

دیر تک سوچنے کے بعد اپنا کلام سنایا، مگر وہ اس قدر گندہ، فحش اور قبیح تھا کہ ہم سن نہ سکے، اور ان پر لعنت کرتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوگئے، اور گو مجھے ابوالعباس سے ندامت ہوئی مگر میں نے انھیں معذور سمجھا، اتفاقاً ایک روز میں جس امیر کے پاس جانا چاہتا تھا وہیں شاہی مجلس میں ہم سب پھر مجتمع ہوگئے، ابوالعباس نے کہا کہ ابوعلی کو حاضرین میں سے ایک شخص کے کچھ زاہدانہ اشعار یاد ہیں جو نہایت عمدہ اور شیریں ہیں امیر نے مجھے شعر کے پڑھنے کا حکم دیا، اس وقت بھی مجھے سخت ندامت ہوئی مگر فوراً میں نے اپنے حواس ٹھکانے کر کے دو شعر فی البدیہہ نظم کر کے سنائے، شعر یہ ہیں:-

اشهد أن لا اله الا الله	میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں
محمد المصطفیٰ رسول الله	اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں
لاحول للخلق فی امورهم	مخلوق کو اپنے معاملات میں کوئی زور نہیں ہے۔
ان الحول کله لله	بیشک تمام قوتیں اللہ کے لئے ہیں

امیر کو یہ دونوں شعر بہت پسند آئے۔

میں نے ابن کسریٰ کے بعض ان حالات اور واقعات کو جو بادشاہوں کے حضور میں پیش آئے تھے، اپنے ایک دوست فقیہ وقاضی ابوالحسن بن ابوالحسن کے خط سے نقل کیا ہے، مروی ہے کہتے ہیں کہ ابن کسریٰ ایک قریہ کی طرف منسوب تھے جو مالقہ سے قریب ہے، شیخ ابوالحجاج بن الشیخ رضی اللہ عنہ نے ابن کسریٰ کی شان میں یہ شعر لکھے ہیں۔

اذا سمعت بمن اسری	جب تم کسی شخص کے متعلق سنو
ومن الی المسجد أسری	کہ وہ مسجد کی طرف جاتا ہے
فقل ولا تتوقف	تو بغیر کسی توقف کے کہو
أبا علی بن کسری	کہ وہ ابوعلی بن کسریٰ ہیں

شیخ بیان کرتے ہیں کہ ابن کسریٰ استاذ ابوعلی اشتیجی کے قریبی رشتہ دار اور معلم اور استاد ابوالقاسم سہیل کے شاگرد تھے، کم سنی میں ابن کسریٰ کی شہرت ہوئی، بچپن ہی میں غرناطہ اور مرسیہ کا سفر کیا، اور اسی نوعمری میں اشبیلیہ

کے سید ابو اسحٰق کو اشعار سنائے،

قسماً بحمص وانہ لعظیم	قسم ہے شہر حمص کی یہ مقام
ھذا المقام وانت ابراھیم	بلند رتبہ ہے اور تم اس کے ابراہیم ہو

جب ابن کسریٰ اپنا قصیدہ پڑھ چکے تو ابو القاسم سہیلی جو دربار میں موجود تھے اُٹھ کھڑے ہوئے اور کہا میں اس جیسے لڑکے کو اپنی نان جویں میں شریک کر کے مسلسل صبح و شام تعلیم دونگا، اس وقت دربار میں مجمع بہت تھا۔

ابن کسریٰ نے امیر ابو یعقوب کو جب وہ اشبیلیہ گئے تو اپنے یہ اشعار سنائے:۔

امعشر أهل الارض فى الطول والعرض	اے دنیا کے طول و عرض میں رہنے والو
بهذا استنادى فى القيامة والعرض	بروز قیامت اسی پر میرا سہارا ہے
لقد قال فيك الله ما أنت اهله	تو جس چیز کا اہل ہے اسے خدا نے کہہ دیا
فيقضى بحكم الله فيك بلا نقض	چنانچہ خدا کے حکم سے اس کا فیصلہ ہوگا
وایاك يعنى ذوالجلال بقوله	خدائے ذوالجلال نے اپنے کلام میں تیرے ہی متعلق کہا ہے
كذلك مكنا ليوسف فى الارض	کہ ہم نے اسی طرح یوسف کو روئے زمین میں متمکن کیا

ابن الزبیر، ابن عبد الملک، اور ابن عسکر وغیرہ نے ابن کسریٰ کا تذکرہ لکھا ہے ابن کسریٰ نے انقطاع اور تسلیم الی اللہ کے معنی میں جو اشعار کہے ہیں وہ حسب ذیل ہیں، انھیں اشعار پر ہم اس مضمون کو ختم کرتے ہیں، خدا ہمارا بھی خاتمہ بالخیر کرے۔

الهى انت الله ركنى وملجئى	اے خدا تو میرا رکن اور ملجا ہے
ومالى الى خلق سواك ركون	تیرے سوا مخلوق میں کوئی میرا رکن نہیں
رأيت بنى الايام عقبى سكونهم	میں لوگوں کے سکون کا انجام حرکت دیکھتا ہوں
حراك وعقبى ذاالحراك سكون	اور اس حرکت کا انجام بھی سکون ہے
اسلم ما قدرت تسليم عالم	میں تیرے مقدرات کو اس شخص کی طرح تسلیم کرتا ہوں
بان الذى لابد منه يكون	جو جانتا ہے کہ ہونیوالی بات ہو کر رہے گی۔

وفات ابن کسریٰ نے ۳۰۰ھ کے حدود میں مالقہ کے شہر میں وفات پائی۔

حسین بن عتیق بن حسین بن رشیق تغلبی

نام، کنیت، سکونت

حسین نام، اور ابو علی کنیت ہے، ان کی اصل مرسیہ سے شروع ہوتی ہے، سبتہ میں بود و باش اختیار کی، معتمد کے خلاف جو بغاوت ہوئی، اس کے سرغنہ شمار کئے گئے۔

حالات

ابو علی ابن عتیق علم و معرفت، ضبط و اتقان اور اکثر لسانی و تعلیمی فنون میں یکساں دخل رکھتے، اور ان میں یگانۂ روزگار و فرد زمانہ تھے، تاریخ میں متبحر، ادب میں ماہر، اور قادر الکلام و اعجوبۂ روزگار شاعر تھے، ان کے چہرے پر وحشت اور پیشانی پر شکن رہتی، اور ہر وقت چادر اوڑھے رہتے، اور عدالت کا پیشہ کرتے تھے، سبتہ کے شہر میں وہ بہت نمایاں ہوئے یہاں تک کہ امیر سبتہ نے ان کو اپنا کاتب مقرر کیا، ایک دفعہ ان میں اور ادیب ابو الحکم مالک بن مرحل میں اس قدر سب و شتم کا سلسلہ جاری ہوا کہ دو مخالفین میں بھی مخالفت کی اتنی تیزی نہیں ہوتی ہے، جس کی یہ حکایت بہت مشہور ہے۔ کہ ابن عتیق نے ایک روز مالک کی شان میں حسب ذیل قصیدہ لکھا،

لكلاب سبتة في النباح مدارك	سبتہ کے کتے بھونکنے میں مختلف مدارج رکھتے ہیں
وأشدها دركا لذلك مالك	اور ان میں سب سے زیادہ نیچا درجہ مالک کا ہے
شيخ تفانى في البطالة عمره	وہ ایک بڈھا ہے جس کی ساری عمر بے شغلی میں برباد ہوئی
واجال فكيه الكلام الآفك	اور جس کے جبڑوں کو جھوٹے کلام سے حرکت ہوتی ہے
كلب له في كل عرض عضة	وہ ایک کتا ہے جو ہر شخص کی آبرو پر دانت مارتا ہے
وبكل محصنة لسان آفك	اور اس کی زبان ہر پاکدامن عورت پر تہمت تراشتی ہے
متهضم بذوي الخلاعة متخشع	وہ بیہودہ کی عزت کرتا اور ان کے سامنے عاجزی کرتا ہے
متهازل بذوي التقى متضاحك	اور اہل تقوی کے ساتھ ہنسی مذاق کرتا ہے۔
احلى شمائله السباب المفترى	اس کی نہایت خوشگوار عادت مفتریانہ سب و شتم ہے

وأعف سيرته الهجاء الماعك
اور اس کی نہایت پاکباز خصلت توہین آمیز ہجو ہے

وألذ شيء عنده في محفل
اس کے لئے محفل میں نہایت لذیذ شے

لمز لاستار المحافل هاتك
عیب چینی ہے جس سے محفلوں کی پردہ دری ہو

يغشى مخاطره اللئيم تفكها
اس کے خطرات کمینہ شخص کو لذت سے ڈھانک لیتے ہیں

ويعاف رؤيته الحليم الناسك
اور حلیم زاہد اس کا دیکھنا مکروہ سمجھتا ہے

لوان شخصا يستحيل كلامه
اگر کسی شخص کا کلام گندگی میں منتقل ہو سکے

خرأ للاك الخرء منه لائك
تو کلام کا چبانے والا اس کی گندگی ہی کو چبائے گا

فكأنه التمساح يقذف جوفه
گویا وہ ایک گھڑیال ہے کہ جو کچھ اس کے پیٹ میں ہے

من فيه ما فيه ولا يتماسك
اس کے منہ سے باہر نکل رہا ہے اور وہ اسے روک نہیں سکتا

انفاسه وفساؤه من عنصر
اس کی سانس اور اسکی بے آواز ریاح ایک عنصر کی بنی ہوئی ہے

وسعاله وضراطه متشارك
اور اسکی کھانسی اور اس کا ضراط باہم ہمجنس ہیں

ويخال ان لسانه من استه
اگر نواجد وضوا حك اس کو چھوا دیں تو یہ سمجھا جائے

لو اسلمته نواجذ وضواحك
کہ اس کی زبان اس کی سرین کے قسم سے ہے

في شعره من جاهلية طبعه
اس کے اشعار میں اس کی طبعی جاہلیت کے اتنے خزانے ہیں

أثقال ارض لم ينلها فاتك
جو کسی ماہر فن کو نصیب نہیں ہوئے

صدر وقافية تعارضتا معا
اس کے شعر کے صدر و قافیہ باہم تعارض رکھتے ہیں

في بيته عنس وعرس فارك
اسکے گھر میں شوہردار اور بے شوہر عورتیں ہیں یا شوہر سے دشمنی رکھتی ہیں

ان سام مكرمة جثا متثاقلا
اگر کسی کرامت سے ملول ہوتا ہے تو اس کے بوجھ سے

يرغو كما يرغو البعير البارك
بیٹھنے والے اونٹ کی طرح غوکاتا ہوا گھٹنوں کے بل بیٹھ جاتا ہے

ويدب في جنح الظلام الى الخنا
اور رات کے وقت بیہودگی کی طرف اس طرح دوڑتا ہوا

عدوا كما يعدو الظليم الراتك
جاتا ہے جس طرح دوڑنے والا نر اونٹ

نبذ الوقار لصبية يمجونه
وقار کو اس نے ہجو گو لڑکوں کے لئے اتار پھینکا ہے

فسباله فرش لهم وارائك
اور اس کی ڈاڑھی ان کے لئے فرش اور تخت بنی رہتی ہے

يبدي لهم سوآته ليسوءهم
ان کے سامنے وہ اپنے ستر عورت کو ظاہر کرتا ہے تاکہ ان کو

بمسالك لا يرتضيها سالك
ایسی بری راہ پر لے چلے جس کو کوئی چلنے والا پسند نہیں کرتا

عربی	اردو
والدهر باك لانقلاب صروفه	زمانہ اس انقلاب حالات پر کہ جیسے کو پیٹ بتا رہا ہے روتا ہے
ظهراً لبطن و هو لاه ضاحك	اور وہ کھیلتا ہنستا ہے
والالسن تنصحه بافصح منطق	زبانیں نہایت فصیح کلام کے ساتھ اس کو نصیحت کرتی ہیں
لو كان ينجو بالنصيحة هالك	کاش نصیحت سے ہلاک ہونے والا نجات پا جائے
تب يا ابن تسعين فقد جزت المدى	اے مرد نود سالہ اب بھی توبہ کر کہ تو اس حد سے تجاوز کر چکا
. . . .	
اوما ترى من حافديك تشابها	کیا تو اپنی خدمت کرنے والوں میں یہ مشابہت نہیں دیکھتا
ابن يضاجع جده و بنا سلك	کہ ایک لڑکا اپنے دادا کے پہلو میں لیٹا ہوا عبادت کر رہا ہے
هيهات بادى عثرة لحجبت به	افسوس ہے ایسے مغفرت پسند مالک پر
هنوات مملوك وضيع ما لك	جس کے ساتھ کمینہ مملوک کے لونڈے لپٹے رہتے ہوں
يا ابن المرحل لو شهدت مرحلا	اے مرحل کے بیٹے اگر تو مرحل کو اس حال میں دیکھتا
وقد انحنى بالرحل منه الحارك	کہ اس کا شانہ کجاوے کے بوجھ سے جھک گیا تھا
وطريد لوم لا يحل بمعشر	اور وہ ملامت زدہ جس گروہ میں جاتا
الا أمال قفاه صفعا دالك	اس کے سر کو کوئی بدن ملنے والا جھکا دیتا تھا
مركوب لهو لجاجة و ركاكة	اور وہ لہو و لعب میں رکیک باتوں کا مرکوب تھا
وارك من ذالك اللجاج البارك	اور تجھے بھی اسی رکیک باتوں میں اونٹ کی طرح بیٹھا ہوا
لرأيت للعين اللئيمة سعة	تو جنبک اپنی چشم لئیم میں آنسو دیکھتا
وعلا بصفع عرك اذنك عارك	اور تیری گوشمالی کے لئے گوشمالی دینے والا چھڑی پکڑا اٹھتا
وشغلت عن ذم الانام بشاغل	اور تو ایک دوسرے شغل میں مشغول ہو کر لوگوں کی ہجو کرنے سے رک جاتا
وثناك خصم من ابيك مماحك	اور تیرا جھگڑالو اور دشمن باپ تجھے اپنی طرف متوجہ کر لیتا
قسما بمن سمك السماء مكانها	قسم اس ذات کی جس نے آسمان کو اپنی جگہ پر بلند کیا
ولديه وشك رداء نفسك شائك	اور جس کے پاس تیرے نفس کے برابر خار دار چیز ہے
لاقول للمغرور منك بشيبة	جو شخص تیرے بڑھاپے سے دھوکے میں آ گیا ہے میں اس کو [illegible]
بيضاء على الضعف منها حالك	کہ یہ ایسی سفیدی ہے جس کے بطن کی وجہ میں سیاہی ہے
لا تامنن للذئب دفع مضرة	بھیڑیے کے دفع ضرر پر کبھی اطمینان نہ کرو

فاِنّک ان اعفیتہ بلت فاتلک	اگر تم اس کو چھوڑ دو گے تو وہ تم کو ہلاک کر دے گا
عار علی الملک المعظم ان یری	ملک معظم کے لئے یہ عار ہے
فی ذلک الصقع المقدس مالک	کہ اس سرزمین مقدس میں مالک دیکھا جائے
فکلامہ للدین سم قاتل	اس شخص کا کلام دین کے حق میں سم قاتل ہے
و دنوہ للعرض داء ناھک	اور اس کی قربت عزت و آبرو کے لئے مرض مہلک ہے
فعلیہ ثم علی الذی یصغی لہ	خود مالک کے لئے اور اس کے لئے جو اس کی بات سنے
ویل یعاجلہ و حتف واشک	تباہی اور موت ہے۔ جو اس دنیا میں پہنچے گی۔
و اُتاہ من مثواہ آت مجھز	اور اس کے پاس اس کے ٹھکانے سے ایک تیز رفتار آنیوالا آئیگا
لدم الحناجر بالخناجر سافک	جو گلوں کا خون خنجروں سے بہانے والا ہوگا

یہ قصیدہ مطول ہے، اور نادر تعریض و تحریص پر مشتمل ہے، پھر اسے لکڑی کے چونگے میں جیسے خطوط کے رکھنے کے چونگے ہوتے ہیں رکھ کر اس کی پشت پر "رقاص معجل الی مالک بن مرحل" فقرہ لکھا، اور اسے ایک کتے کی گردن میں لٹکادیا اور پھر کتے کو اتنا ستایا کہ اس پر بدحواسی چھاگئی، جس کی وجہ سے وہ نہ کسی کی طرف رخ کرتا اور نہ کہیں ایک جگہ ٹھہرتا، بعدازاں اس کو مخفی طریقے سے گلیوں میں نکالدیا، خلقت اسے دیکھ کر اس کے پیچھے پیچھے دوڑی، جب لوگوں نے چونگے کی پشت پر کی تحریر پڑھی تو کتے کو ابوالحکم کے پاس لے گئے، اور اس کی گردن سے چونگا کھول کر ان کے حوالہ کیا، قصیدہ سے وہ آگاہ ہوئے، مدت تک لوگوں میں اس کا چرچا رہا، اور ابوالحکم کو بھی بہت جلد معلوم ہوگیا کہ ابوعلی ابن عتیق کا یہ فریب ہے، اس لئے انھوں نے جواب کے تیر اپنی کمان پر جوڑے مگر وہ نامراد واپس آئے، انھوں نے جو جواب لکھا تھا اس کے بعض اشعار یہ ہیں:

کلاب المزابل آذیننی	گندے نالوں کے کتوں نے میرے گھر کے
بابوالھن علی باب داری	دروازے پر پیشاب کرکے مجھے ستایا
وقد کنت اُوجعھا بالعصا	میں ان کتوں کو ڈنڈے سے مارا کرتا ہوں
ولکن عوت من وراء الجدار	مگر وہ پس دیوار بھونکا کرتے ہیں

امیر مغرب سلطان ابویعقوب نے آخر زمانے میں ابوعلی کو اپنے پاس طلب

کرکے کتابت کے عہدہ پر سرفراز کیا، اور ان کے حریف ابوالحکم کو بھی کتابت کی خدمت تفویض کی، بیان کیا جاتا ہے کہ ابوالحکم نے ابو علی کو شرمندہ کرنے کے لئے ایک ایسی تدبیر کی جو ابو علی کی وفات کا سبب بن گئی۔

جب ابو علی اندلس میں وارد ہوئے تو المریہ میں جاکر فروکش ہوئے، یہاں ان کے اہل و عیال گرفتار ہو گئے تھے، اس لئے انھوں نے والی المریہ کا جو سلطان کی قرابت میں سے تھے توسل اختیار کیا اور ان کی شان میں ایک مدحیہ قصیدہ لکھ کر ان کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس قصیدہ کے اول کے چند اشعار یہ ہیں:-

ملقی النوی ملق لبعض نوالکا	بوقت فرقت آپ کی بعض بخششیں رونما ہوتی ہیں۔
فاشف المحب ولو بطیف خیالکا	اس لئے آپ اپنے محب کو ادنیٰ خیال سے شفا بخشئے،
لا تحسبنی من فلان او فلا	یہ گمان نہ کیجئے کہ میں فلاں اور فلاں خاندان سے ہوں
انا من عیال اللہ ثم عیالکا	میں خدا کے اور پھر آپ کے عیال سے ہوں

اس کا اور ایک شعر یہ ہے:-

نصب العدو حبائلا لحبائبی	دشمن نے میرے عزیزوں کے لئے جال بچھائے
وعلقت فی استخلاصها بحبالکا	اور انکی رہائی کے لئے میں نے آپ کا رشتہ پکڑا

خاتمہ کا شعر یہ ہے:-

وکفاک شر العین عیب واحد	نظر بد سے بچنے کے لئے آپ کے واسطے ایک عیب کافی ہے
لا عیب فیه سوی فلول نصالکا	وہ یہ کہ آپ کے تیروں میں دندانہ پڑجانے کے سوا کوئی عیب نہیں ہے

المریہ سے ابو علی غرناطہ گئے، اور سلطان کی شان میں مدحیہ قصیدہ لکھا مجلس سلطانی میں المریہ کے رئیس سے بھی ان کی ملاقات ہوئی اور ایسی کامیاب کہ اس نے ان کی تلافی مافات کر دی،

جب ادیب و طبیب صالح بن شریف نے ابو علی کو خط لکھ کر اطلاع دی کہ ان کے ان دو قصیدوں کے متعلق لوگ باہم مختلف رائیں رکھتے ہیں، اور ان کے فیصلے کے لئے متفقاً یہ طے پایا ہے کہ ارباب قلم و اصحاب فہم حکم بنائے جائیں تو ابو علی نے اس وقت اپنی تمام نثر و نظم کو بھی ایک مجموعہ میں جمع کر دیا۔

جس کسی کو ان کے ان دو قصیدوں کے دیکھنے کا شوق ہو وہ دوسرے مقام پر دیکھے۔

تالیفات ابو علی کی تالیف وضع میں عجیب و غریب اختراع ہے انھوں نے شطرنج کی بساط پر ایک مستدیر شکل ایجاد کی جو ہیری نظروں سے بھی گزر چکی ہے، ان کی ایک ضخیم کتاب "میزان العمل" تاریخ و تلخیص میں ہے جو اپنے موضوع میں نہایت عمدہ اور بہت مشہور ہے۔

وفات ابو علی ۶۶۳ھ تک بقید حیات تھے۔

حبوس بن ماکسن بن زیری بن مناد صنہاجی

نام وکنیت حبوس نام، اور ابو مسعود کنیت ہے، البیرہ، غرناطہ، اور اس کے مضافات کے بادشاہ تھے۔

اولیت وحالات حبوس کی اولیت بلکین کے تذکرہ میں گذر چکی ہے، اور اس قدر وہ بیان کافی ہے،

جب زاوی بن زیری نے مرتضیٰ کو جسے اس کی جماعت نے جنگ کے لئے آمادہ کیا تھا، زیر کرنے اور غرناطہ کے میدان میں اس پر غالب آنے کے بعد سرزمین اندلس سے کوچ کر جانا چاہا تو عاقبت اندیشی کے خیال سے اور اس خیال سے کہ اہل اندلس ان کے خلاف نہ اٹھ کھڑے ہوں انھوں نے ارادہ کیا کہ حکومت اپنے بھتیجے حبوس بن ماکسن کو جو اس وقت حصن اشد میں تھے، تفویض کر دیں، یہ سوچ کر وہ منکب میں جہاز پر سوار ہونے کے لئے آئے، ابوعبداللہ بن ابی زمنین نے جو اس شہر کے بہت بڑے فقیہ اور سرگروہ تھے انکو وداع کہا، یہاں سے زاوی اپنے بھتیجے حبوس کے پاس گئے، اور انھیں حکمرانی کے لئے غرناطہ جانے کی ہدایت کی، اس کے بعد حبوس اور ان کے برادر عم زادوں میں جو غرناطہ میں اپنے باپ کے جانشین تھے گفت و شنید ہوئی بالآخر

انھوں نے بھی باپ کی اتباع میں ترک وطن اختیار کیا، اور حیوس تنہا خودمختارانہ حکومت کے مالک ہو گئے، جس کے بعد انھوں نے یہاں کی تمام کمزوریوں کو دور کیا، یہ واقعہ ۴۱۱ھ کا ہے۔

ابن عذاری اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ حیوس کے بھائی حباسہ کا انتقال گذشتہ فتنہ میں ہو چکا تھا اس لئے صنہاجہ کی قوم اپنے شیخ اور سردار حیوس بن ماکسن کے گرد مجتمع ہو گئی تھی، اور جب زاوی افریقیہ چلے گئے، تو صنہاجہ کی بڑی جمعیت حیوس کے ساتھ رہگئی، اور غرناطہ کے شہر میں آکر جمع ہوئی، حیوس یہاں کے رئیس اعظم قرار پائے، اور انھوں نے تمام بربری رعایا کی جو اطراف میں پھیلی ہوئی تھی حمایت کی، جس کی وجہ سے ان کی ریاست اس وقت تک قائم رہی جب تک اللہ تعالیٰ کو اس کا رکھنا منظور تھا۔

وفات حیوس نے ۴۲۸ھ میں غرناطہ میں وفات پائی۔

حکم بن عبدالرحمٰن بن حکم بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن حکم ابن ہشام بن عبدالرحمٰن بن معاویہ

نام حکم نام ہے۔

حلیہ اور حالات حکم کا حلیہ یہ تھا، آنکھیں سرخ، رنگ گندمی، ناک اونچی، نتھنے چھوٹے، ریش دراز، پشت لانبی، پنڈلیاں چھوٹی، کلائیاں موٹی، اور آواز بلند تھی، بڑے جاہ و جلال کے بادشاہ تھے، ان کی ہمت و مرتبت بلند اور شہرت چاروانگ عالم میں پھیلی ہوئی تھی، وہ اپنے مذہب کے فقیہ، انساب کے عالم، اور تاریخ کے حافظ تھے، کتابوں کے جمع کرنے کا بہت شوق تھا۔ علم اور علماء کے دوست تھے، ہر شہر کے لوگوں میں علمی تحریک پیدا کر دی تھی، اور ہر ایک ملک کے علماء کو اپنے

پاس طلب کیا تھا، بنو امیہ میں کوئی شخص علوم اور فنون لطیفہ میں ان سے بڑا اور ہمت و منزلت میں ان سے زیادہ سربلند نہیں گزرا ہے، اسی ہمت سے انھوں نے جہاد میں شہرت پائی، اور ہر جگہ ان کے عطیات و صدقات کے چرچے ہوئے بڑے بڑے جابرہ اور ملوک بھی اپنی امیدیں ان سے وابستہ رکھتے تھے۔

ورود البیرہ ابن فیاض بیان کرتے ہیں کہ ایک روز سرحد سے حکم کے پاس اطلاع آئی کہ فرانس کا عیسائی بادشاہ اپنی فوجیں وہاں جمع کر رہا ہے، اور ایک مدت تک محاصرہ قایم رکھنے کے بعد پیشقدمی کرنا چاہتا ہے، یہ خبر سُن کر حکم بہ نفس نفیس رجب ۳۵۲ھ میں پرجوش مجاہدین کی ایک جماعت لے کر جس میں منتخب اولیار اور بڑے رتبہ کے لوگ بھی شریک تھے، البیرہ کی طرف روانہ ہوئے اور جب یہاں پہونچے تو طرطوشہ سے احمد بن کیعلی کا خط ان کے پاس پہونچا جس کا مضمون یہ تھا مدخدائے غالب کی نصرت اور اس کی صفت کریمی سے ہمیں رومیوں پر فتح حاصل ہوئی"، فتح کی خبر سن کر حکم البیرہ سے المریہ چلے گئے، اور وہاں تمام امور کا ملاحظہ کیا، بیڑوں کو دیکھا، اور ان کی تجدید کا حکم دیا، اس وقت بیڑوں میں تین سو جہاز تھے پھر یہاں سے وہ قرطبہ واپس گئے،

ولادت حکم ۲۴ر جمادی الآخرہ ۳۰۲ھ میں پیدا ہوئے تھے

وفات ۴ر صفر ۳۶۶ھ میں ۶۳ سال کی عمر میں وفات پائی، بنو امیہ کے یہ آخری جلیل القدر فرمانروا تھے۔

حکم بن ہشام بن عبدالرحمن بن معاویہ ابن ہشام بن عبدالملک بن مروان بن امیہ

نام و کنیت حکم نام، ابوالعاصی کنیت ہے، باپ کا نام ہشام تھا۔

حلیہ و اوصاف حکم بن ہشام کا حلیہ یہ تھا، رنگ گندمی، قد لانبا، ناک کٹی ہوئی جسم نحیف، بالوں میں کبھی خضاب استعمال نہیں کیا

ان کے انیس بیٹے تھے، جن میں عبدالرحمٰن ولی عہد تھے، اور اکیس بیٹیاں تھیں، حکم کی ماں زخرف ام ولد تھیں،

وزرا اور قایدین حکم بن ہشام کے وزرا اور سپہ سالاروں کی تعداد پانچ تھی، ان کے نام یہ ہیں:—

اسحٰق بن منذر عباس بن عبداللہ، عبدالکریم بن عبدالواحد فطیس بن سلیمان سعید بن حسان۔

قضاۃ قاضیوں کے نام یہ ہیں:—

مصعب بن عمران، عمر بن بشر، فرج بن قتادہ، بشر بن غطن، عبداللہ ابن موسیٰ، محمد بن تلید، حامد بن محمد بن یحییٰ۔

کاتبین کاتبوں کے نام یہ ہیں:—

فطیس بن سلیمان، عطاف بن زید، حجاج بن عقیلی۔

حاجب عبدالکریم بن عبدالواحد بن مغیث حکم بن ہشام کے حاجب تھے

حالات حکم بن ہشام بہت دانشمند، صاحب عزم اور بڑے دبدبے کے فرماں روا تھے، نہایت حسن تدبیر سے حکمرانی کی انھوں نے انھیں لوگوں کو رعایا پر حاکم بنایا جو ارباب فضل اور اصحاب عدل تھے، داد و دہش میں ان کا ہاتھ کھلا رہتا تھا، اور وہ نہایت اچھے شاعر، ادیب، نحوی، فصیح اور بلیغ بادشاہ تھے،

ابن عذاری کہتے ہیں گو حکم میں کاہلی کی عادت تھی، تاہم وہ شجاع تھے، داد و دہش بہت کرتے اور لوگوں کی خطائیں معاف کر دیتے، اولاد اور مخصوص لوگ تو ایک طرف خود وہ اپنے نفس پر حکام اور قاضیوں کو مسلط رکھتے تھے۔

ایک دفعہ قرطبہ میں ربض کے لوگوں نے ان کی ہجو کی اور انھیں معزول کرنے کے لئے شور و شغب برپا کیا، حکم بن ہشام بحکم الٰہی ان پر غالب آ گئے

اوران سب کو قتل کر دیا، قتل عظیم کا یہ واقعہ بہت مشہور ہے۔
ایک اور مشہور واقعہ یہ ہے کہ انھوں نے طلیطلہ کے باشندوں کو ضیافت کے بہانہ سے طلب کیا اور ان کو تہ تیغ کر دیا۔

غرناطہ میں ورود بیان کیا جاتا ہے کہ حکم بن ہشام نے اپنے چچا ابو ایوب سلیمان بن عبد الرحمٰن کے مقابلہ میں البیرہ اور اس کے مضافات میں مقابلہ کیا اور شکست دے کر انھیں قتل کر دیا، یہ واقعہ ابو ایوب کے تذکرہ میں مذکور ہے،

اشعار منقول ہے کہ حکم بن ہشام کی پانچ مخصوص جاریہ تھیں جن کو وہ اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے، ایک روز وہ ان کے پاس آئے تو ان سبھوں نے ان سے اعراض کیا، حکم بن ہشام نے بے صبری میں یہ اشعار پڑھے:۔

قضب من البان ماست فوق کثبان	وہ جواری درخت بان کی ٹہنیاں ہیں جو ٹیلوں پر جھکیں
ولین عنی وقد ازمعن ھجرانی	اور مجھ سے مڑکر میری جدائی کا قصد کیا

ناشدتھن بحقی فاعتزمن علی العصیان میں نے انھیں اپنے حق کی قسم دی تاہم انھوں نے میری نافرمانی

حتی خلا منھن ھمیانی	یہاں تک کہ میرا کیسہ بھی ان سے خالی ہو گیا
ملکننی ملک من ذلت عزیمتہ	انھوں نے ذلیل العزم شخص کی مانند مجھے مملوک بنا لیا ہے
للحب ذل اسیر موثق عانی	محبت کا مشکبند قیدی ذلیل ہی ہوتا ہے
من لی بمغتصبات الروح من بدنی	میرا کون یار ہے ان جواری کے مقابلے میں جو میرے بدن سے روح غصب کر لے
یغصبننی فی الھوی عزی وسلطانی	محبت میں میری عزت اور سلطنت بھی غصب کر لیتی ہیں

پھر جب وہ جواری اپنے وصال سے انھیں بہرہ اندوز کرنے پر آمادہ ہوئیں تو حکم بن ہشام نے یہ دو شعر کہے:۔

قلت وصلا کان بعد البعاد	میں نے کہا کہ وصل بہت دور ہے
فکانی ملکت کل العباد	مگر اب وصل کی وجہ سے میں تمام لوگوں کا مالک ہو گیا
وتناھی السرور باذنلت ما لم	اور میری خوشی انتہا کو پہونچ گئی کیونکہ مجھے وہ چیز ملی
یغن عنہ تکاثف الاجناد	جس کے لئے بڑی بڑی فوجیں ناکافی تھیں

مناقب عباس بن صالح نے سرحد سے واپس آکر حکم بن ہشام کو اطلاع دی کہ وادی الحجارہ کے ایک حصہ میں رہنے والی ایک عورت یہ کہتی ہوئی ملی "اسے فریاد رس حکم! تو نے ہمیں چھوڑ دیا تو ہم برباد ہو گئے، اور تو نے ہمیں دشمن کے حوالے کر دیا تو ہم گرفتار ہو گئے"، عباس نے اسی مضمون کے اشعار بھی سنائے، جس کا یہ اثر ہوا کہ حکم بن ہشام اپنے مقصد کو پوشیدہ رکھ کر قرطبہ سے روانہ ہوئے اور مشرکین کے ملک میں داخل ہو کر متعدد قلعے فتح کئے مکانات منہدم کرائے اور اکثر لوگوں کو تہ تیغ اور بہتوں کو قید کر کے مال غنیمت کے ساتھ واپس ہوئے، اور جہاں وہ فریادی عورت رہتی تھی وہاں جا کر لوگوں کو مال غنیمت عطا کیا تاکہ وہ اپنے قیدیوں کا زر فدیہ ادا کریں اور اپنی حالت بھی درست بنائیں، اور اس عورت کو اوروں سے زیادہ مال اور متعدد قیدی دئیے اور پھر اس سے پوچھا، کیا حکم نے تیری فریاد رسی کی؟ اس نے جواب دیا، ہاں! بخدا حکم نے ہماری مدد کی اور ہم سے غفلت نہیں برتی، خدا اس کی مدد فرمائے، اور اپنی غالب نصرت اسے بخشے۔

وفات حکم بن ہشام نے ۲۶ ذی الحجہ ۲۰۶ھ کو پچاس سال کی عمر میں وفات پائی، ہم نے اپنی تاریخ دول الاسلام میں حکم بن ہشام کا تذکرہ بحر رجز میں منظوم کیا ہے۔ وہ یہ ہے:-

حتی اذا اللہ ھو علیہ حکما	یہاں تک کہ جب زمانے نے اس پر حکم جاری کر دیا
قام بہ ابنہ المسمی حکما	تو اس کا بیٹا جس کا نام حکم تھا متولی امر ہوا
واستشعر الثورۃ فیھا والقبض	اور وہ وہاں شورش محسوس کر کے منقبض ہوا
مستوحشا کاللیث اقعی یربض	اور وحشت زدہ ہو کر شل شیر کے سرین کے بل بیٹھا اور گھٹنا ٹیک دیا
حتی اذا فرصتہ لاحت نفض	یہاں تک کہ جب اسے موقع ملا تو وہ گرد جھاڑ کر اٹھ کھڑا ہوا
فاثخن الوقعہ فی اھل الربض	اور اہل ربض کو بری طرح شکست دی

حکم بن احمد الانصاری بن رجاء غرناطی

نام حکم نام، ابو العاصی کنیت ہے، باپ کا نام احمد تھا

حالات حکم بن احمد غرناطہ کے مشہور اور درخشندہ لوگوں میں سے تھے، اہل فضل وطلب میں ان کا شمار تھا، ان کی طرف مسجد ابو العاصی اور حمام ابو العاصی منسوب ہے، غرناطہ میں ان کے متعدد مکانات تھے، یہ باتیں ان کی اصالت پر دلالت کرتی ہیں، ابو القاسم نے ان کے تذکرہ میں ان باتوں سے زیادہ نہیں لکھا ہے۔

حاتم بن سعید بن خلف بن سعید بن محمد بن عبد اللہ ابن سعید بن حسن بن عثمان بن عبد الملک بن سعید بن عمار بن یاسر

نام حاتم نام ہے:۔

اولیت حاتم کی بعض اولیت اوپر گذر چکی ہے، اور آیندہ بھی بحول اللہ مذکور ہوگی۔

حالات ابو الحسن بن سعید اپنی کتاب میں جو قلعہ کے آخر میں لکھی ہے بیان کرتے ہیں کہ حاتم صاحب سیف، صاحب قلم اور صاحب علم تھے، انھوں نے فتنۂ مردنیشیہ میں، جس کا ذکر ان کے بھائی ابو جعفر کے تذکرہ میں گذر چکا ہے حصہ لیا تھا، جس کی وجہ سے وہ مرسیہ میں امیر ابو عبد الرحمٰن بن سعید بن مردنیش کے جلیس، مشیر، اور خاص وزیر بنائے گئے، اور وہ جسواری شجاعت، اور اصابت رائے میں بھی مشہور تھے۔

نادر حکایات

حاتم نادرہ گوئی اور ہزلیات میں کافی شہرت رکھتے تھے، اور یہ وصف ان پر غالب تھا، چنانچہ ہزلیات اور نادرات جس قدر ان سے سنے جاسکتے تھے دوسروں سے ناممکن تھا۔

ایک روز حاتم حلاب کی جنگ میں امیر محمد بن سعد کے ساتھ شریک تھے اس روز امیر نے نہایت صبر آزما جنگ کی اور پے درپے کئی حملے کئے، اور یہ سب کچھ حاتم کی آنکھوں کے سامنے ہورہا تھا، اس لئے امیر نے ان کی طرف رخ کرکے پوچھا اے قاید ابوالکرم! تم نے کیا دیکھا؟ انھوں نے جواب دیا اگر آج آپ کو سلطان دیکھتے تو وہ آپ کے مرتبہ کو بڑھا دیتے، ابن مردنیش ان کے جواب سے ہنسے، اور سمجھے کہ حاتم کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے لئے جان کو خطرہ میں ڈالنا سزاوار نہیں ہے، کیونکہ اس میں ثابت قدمی اور تدبیر کی ضرورت ہے۔

ایک روز امیر مذکور کے نزدیک جنات کا ذکر آیا تو امیر نے حاتم سے کہا اے ابوالکرم! آج تمھارے زنقات کے باغ میں ایک جن فروکش ہوگا، میں چاہتا ہوں کہ تم میری میزبانی کا بھی حق ادا کرو، عبدالرحمٰن بن عبدالملک جو اس زمانے میں امیر کے وزیر اور تمام اختیارات کے مالک تھے، بولے شاید امیر کو حاتم کے نام سے دھوکا ہوا ہے، فقط ان کا نام ہی نام ہے ان میں جود و کرم کچھ بھی نہیں ہے، حاتم نے بھی اس کا جواب دیا، "شاید امیر کو عبدالرحمٰن کے نام سے دھوکا ہوا ہے اسی وجہ سے انھیں تمام وزراء پر فوقیت دی ہے، بجز نام کے ان میں امانت تو ہے نہیں"، ابن مردنیش نے ہنسکر کہا پہلی بات میں سمجھا لیکن دوسری بات میں نہ سمجھ سکا امیر کے کاتب ابو محمد سلمی نے تشریح کی کہ حاتم کا اشارہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک قول کی طرف ہے، آپ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے متعلق ارشاد فرمایا ہے کہ یہ اس قوم کے امیر آسمان والوں کے امیر اور زمین والوں کے امیر ہیں، اس تشریح سے ابن مردنیش نے محظوظ ہوکر کہا احسنتما احسنتما یعنی تم دونوں نے خوب کہا۔

اشعار ابوالحسن کہتے ہیں کہ مجھے حاتم کا کوئی شعر یاد نہیں ہے جو اس موقع پر درج کیا جا سکے، بجز ان چند شعروں کے جن میں انھوں نے غرناطہ سے رخصت ہوتے ہوئے حفصہ رکونیہ شاعرہ کو جن کا ذکر آگے آتا ہے مخاطب کیا تھا،

احن الی دیارك یا حیاتی	اے میری زندگی تمہارے دیار کا میں مشتاق ہوں
لأبصر من حوی غرر الصفات	تاکہ میں عمدہ صفات کے حامل کو دیکھوں
وأهوی أن اعود الیك لکن	تمہاری طرف واپس ہونے کا مشتاق ہوں مگر
خفوق البند عاق عن القناة	علم کا بلند ہونا مانع ہے
وکیف الی جنابك من سبیل	آپ کی بارگاہ تک کیونکر رسائی ہو
ولیس یحله الا عداتی	واں تو میرے دشمنوں کے سوا کوئی نہیں جاتا

ولادت ۵۳۰ھ میں حاتم پیدا ہوئے، ابوالقاسم غافقی حاتم کے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ وہ نہایت اچھے اور مستعد طالب علم تھے ان میں مروت بہت اور ان کی معاشرت عمدہ تھی۔

وفات ۵۹۲ھ میں غرناطہ میں وفات پائی۔

حیاسہ

نام حیاسہ نام ہے۔

اوصاف حیاسہ تیز طبع، بارعب، بڑے شجاع، خوددار، اپنی قوم میں سب سے زیادہ فیاض، صنہاجہ کے سردار اور اپنے بھائی حبوس سے زیادہ بہادر تھے،

وفات ابومروان جنگ رمادی کے ذکر میں جو شوال ۴۰۲ھ میں بربری قبائل اور اہل اندلس کے درمیان قرطبہ کے نواح میں رونما ہوئی تھی بیان کرتے ہیں کہ جب زاوی بن زیری کے بھتیجے حیاسہ بن ماکسن صنہاجی کو جو قبیلہ صنہاجہ کے ایک نوجوان شہسوار تھے، اور اندلس میں وارد

ہو چکے تھے، نواح قرطبہ کی معرکہ آرائیوں کی خبر پہونچی تو وہ بھی اس جنگ میں آکر شریک ہوگئے، اتفاق سے ان کے گھوڑے کی زین ڈھیلی تھی جو رفتار کے وقت پشت پر ادھر ادھر مسک جاتی تھی، اسی حالت میں وہ گھوڑا اڑاتے صفوں کو چیرتے اور سامنے جو آتا اس کو زمین پر گراتے اپنی شجاعت کے نشہ میں آگے بڑھتے ہوئے چلے گئے، دفعتہً ان کے گھوڑے کی زین ایک طرف کو جھکی، اس کا جھکنا تھا کہ ان کی موت سر پر آگئی، وہ اس کے سیدھا کرنے میں مشغول تھے کہ ادھر موالی عامرین کے ایک عیسائی سوار نبیہ نامی نے بڑھ کر نیزہ کا ایک ایسا ہاتھ مارا کہ اسی وقت وہ گھوڑے سے زمین پر گر پڑے، موالی نے اپنے نیزوں سے ان کا کام تمام کر دیا، ان کے برادر حقیقی حیوس اور دوسرے چچازاد بھائی اور بربری بہادروں نے ہرچند ان کی لاش کی حفاظت کرنی چاہی مگر باوجود سخت کشاکش کے وہ کامیاب نہ ہو سکے، موالی نے فوراً ان کا سر کاٹ کر قصر شاہی میں بھیجدیا، اور جسد کو عوام کے حوالہ کر دیا جس کے گرد لوگوں کی بھیڑ لگ گئی، انھوں نے اس جسد کو راستوں پر گھسیٹا، بازاروں میں گشت کرایا، اس کے اعضا کاٹے، اور نہایت برے انداز اور اذیت سے دل و جگر نکالے، اور جو جو بدترین سلوک کسی ہمت کے ساتھ ہو سکتا تھا وہ کیا، پھر آگ روشن کی اور اپنی مذموم عادت کے موافق لاش کو اس میں ڈال کر جلا دیا، اس واقعے کے بعد جنگ کے بادل پھٹ گئے، تمام بربریوں کو حباسہ کے مقتول ہونے کا اتنا غم تھا کہ ان کے خیال میں تمام اہل قرطبہ کا خون اس ایک شخص کے خون کے برابر نہیں ہو سکتا۔

یہ تمام واقعات الکتاب المتین سے ماخوذ ہیں۔

حبیب بن محمد بن حبیب

نام، سکونت | حبیب نام ہے، وادیٔ منصورہ میں نخشش ایک مقام ہے وہاں

کے رہنے والے اور مالک بخشی کے بھائی تھے،

حالات حبیب کی جبلت عجیب وغریب واقع ہوئی تھی، سب سے ملنسار اور سب سے مانوس تھے، بڑے امانت دار تھے خواہ وہ حاجتمند ہوتے، خوش لباس، شستہ زبان، اور نادرات لغت کے حافظ تھے، ان کا منظوم کلام غایت متین تھا جس کی کوئی حد نہیں تھی، فقیہ اور حافظ قرآن تھے، اور خوش الحانی سے تلاوت کرتے تھے، غرناطہ میں وہ کئی دفعہ آئے اور جب آئے تو استاذ امام جماعت وسیبویہ صناعت ابو عبداللہ بن فخار معروف بہ البیری کے مکان میں فروکش ہوئے، ایک دفعہ وہ استاذ موصوف سے اس بات کے خواہشمند ہوئے کہ انھیں وہ بارگاہ سلطانی میں لے جاکر اوران کی حالت بیان کرکے وظیفہ کی تحریک فرمائیں، چنانچہ استاذ موصوف نے ایک سفارشی رقعہ انھیں دیا جس کو لے کر وہ میرے پاس آئے اور اپنا ایک قصیدہ میرے حوالہ کیا تاکہ میں اسے سلطان کی خدمت میں پیش کردوں، میں نے استاذ موصوف کو اس رقعے کا جواب ذرا ترش دیا، وہ یہ تھا:-

سیدی! مجھے آپ سے شرف حاصل ہے، اور آپ کے معارف کی طرف اپنا انتساب کرنا باعث تعارف وامتیاز سمجھتا ہوں، آپ کے بھیجے ہوئے حصن بخش کے حمید میرے پاس آئے جو اس خطے کے جوانوں میں سے ہیں، ان کے چہرے سے ان کے بھائی مالک کا گمان ہوتا ہے، یہ دونوں باہم دو کوّوں کی باہمی مشابہت سے بھی زیادہ مشابہ ہیں، اور یہ دونوں عجیب آب وگل سے پیدا ہیں، آپ نے ان کی ایسی ستایش کی ہے جس نے ان کی سیادت کو واجب کردیا ہے، عود کی خوشبو اس کے مقابلہ میں فرد تر ہے، اور چمکدار موتی اس کے سامنے شرمندہ ہیں، اور یہ آپ کی پہلی نوازش اور عنایت نہیں ہے جو اسکے ساتھ ظاہر فرمائی ہے، بہر حال ان کی تمام خوبیاں آپ ہی کی طرف منسوب اور محسوب ہیں۔

میں نے ان کے اوصاف کو جانچا، وہ فضیلت کے کسی وصف سے عاری نہیں ہیں، انھوں نے میرے سامنے نادر مسائل پر اپنے خیالات ظاہر

کئے اور ایک ذکی دو دانشمند کی طرح اپنی نشست جاری رکھ کر اپنا مدعا میرے سامنے پیش کیا، اور مجھ سے اپنی مقصد برآری میں مشارکت و معاونت کے خواہاں ہوئے، مجھ پر فرض ہے کہ ایسے لوگوں کی معاونت کروں انھوں نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ اپنا قصیدہ مجھے دکھائیں گے، چنانچہ وہ آج علی الصباح قصیدہ لے کر میرے پاس اس طرح آئے جیسے کوئی ساقی شراب صبوحی لے کر حاضر ہوتا ہے، اور قصیدہ اس طرح پیش کیا جس طرح کوئی تاجر اپنا نفیس سامان پیش کرتا ہے، اور پھر مجھ سے خواہشمند ہوئے کہ میں حتی الامکان اس کے الفاظ اور معانی کو درست کر کے اس کی چشم سے خس و خاشاک کو نکال دوں، چنانچہ جب میں نے اس پر ایک نظر ڈالی تو وہ ایک ایسا باغ نظر آیا جس میں بہ کثرت گڑھے ہیں، اور کلام کی ایک ایسی فوج پیش نظر ہوئی جس کے خواص عوام سے برسر پیکار ہیں، میں نے حتی المقدور اصلاح کا ارادہ کیا مگر عاجز آ کر اس سے باز آیا، اور میں نے خیال کیا کہ اس فرض کی انجام دہی میں اس وقت تک کوئی سبیل نہیں ہے جب تک اس کی زمین نہ بدلی جائے، اور خدا آپ کو زندہ رکھے تا وقتیکہ اس فن کو کسی قوی سبب کے ذریعے سے درست نہ کیا جائے، اور اس کا حسن کسی اصل بزرگ کی طرف منسوب نہ ہو اس وقت تک اس کا ترک کرنا ہی بہتر اور انسب ہے، کوئی منصف مزاج اور عادل شخص جب اس فن کا لحاظ کرے گا تو اس میں دو طریقے پائے گا ایک اعلیٰ جو قابل حصول ہے، دوسرا ادنیٰ جو باعث تمسخر ہے، رہگیا متوسط درجہ تو وہ باعث ثقل ہے جسے کوئی شریف آدمی قبول نہیں کرتا ہے۔

کسی سے کہا گیا کہ تم شعر کیوں نہیں کہتے، اس نے جواب دیا "میں جو چاہتا ہوں وہ نہیں آتا اور جو آتا ہے اسے میں نہیں چاہتا، کسی کا قول ہے کہ "فلاں شخص ایک متوسط درجے کے مغنی کی مانند ہے وہ نہ اچھا گاتا ہے کہ مسرت پیدا ہو اور نہ برا گاتا ہے کہ اس سے طبیعت اکتا جائے"

اس لئے آپ کی صائب رائے سے امید ہے کہ آپ انھیں مشورہ دیں کہ وہ اپنے قصیدہ سے بے نیاز ہو کر اسے سلطان کے حضور میں پیش نہ کریں

یہ ان کی بہتری، اطمینان اور شہرت کی بقا کے لئے مناسب اور ان کی ستر پوشی کا باعث ہے، لیکن اگر وہ اس پر رضا مند نہ ہوں اور اپنی کامیابی کی حرص وطمع کا سلسلہ قایم رکھیں تو پھر انھیں چاہیئے کہ اس قصیدے کو مختصر کریں کیونکہ بسیار گو بہت ٹھوکریں کھاتا ہے، نیز گھاٹیوں کو چھوڑ کر راہ راست اختیار کرنا لازم ہے، جب وہ اس کو دوبارہ مرتب و مہذب کر کے اس کی عبارت کو شیریں بنا دیں تو میں اسے سلطان کے حضور میں پیش کرنے کے لئے تیار ہوں۔ والسلام۔

حمدہ بنت زیاد المکتب

نام، سکونت | حمدہ نام ہے، وادی الحمہ کی رہنے والی تھیں، جو شہر وادی آش کے قریہ بادی میں واقع ہے۔

حالات | ابو القاسم کہتے ہیں کہ حمدہ ایک شریف شاعرہ اور کاتبہ تھیں، ان کے حسب ذیل اشعار بہت مشہور ہیں:—

اباح الدمع اسراری بوادی — آنسوؤں نے میرے راز کو ایک ایسی وادی میں افشا کیا ہے
له فی الحسن اسو امر ابوادی — جس کے حسن کے اسرار بہت نمایاں ہیں
فمن نهر یطوف بکل روض — یہ راز دریا سے باغوں کی طرف
ومن روض یطوف بکل وادی — اور باغ سے وادیوں کی طرف گشت لگاتا ہے
ومن بین الظباء مهاة انس — ان غزال صفت میں ایک مانوس بقر وحشی بھی ہے
سبت لبی وقد ملکت فؤادی — جو میری عقل کو اسیر کر کے میرے دل کی مالک ہو گئی ہے
لها لحظ ترقدہ لامر — اس کی چشم کسی بھید کی نگراں ہے
وذالك الامر یمنعنی رقادی — جس کی وجہ سے میری نیند بھی اچٹ گئی ہے
اذا سدلت ذوائبها علیها — جب وہ اپنے گیسوؤں کو اپنے اوپر بکھیرتی ہے
رأیت البدر فی افق السواد — تو ہم سیاہ افق پر چاند کو دیکھ لیتے ہیں

کأن الصبح مات له شقیق	گویا صبح کا کوئی بھائی مرگیا ہے
فمن حزن تسربل بالحداد	جس کے سوگ میں اس نے ماتمی لباس پہن لیا ہے

حمدہ کے بعض نادر اشعار یہ ہیں:۔

ولما أبی الواشون الا فراقنا	جب نمام پہرے اور تمھارے پاس کوئی مکافات نہ پاکر
وما لهم عندی وعندك من ثار	ہمارے فراق کے درپے ہوگئے
وشنوا علی اسماعنا کل غارة	اور ہر قسم کی غارتگریاں انھوں نے ہمارے کانوں تک پہونچائیں
وقل حماتی عند ذاك وانصاری	اور اس وقت ہمارے انصار و معاون بھی کم تھے
غزوتهم من مقلتیك وأدمعی	تو ہم نے تمہاری دونوں آنکھوں اور اپنے آنسوؤں اور نفس کے ذریعہ ان سے جنگ کی
ومن نفسی بالسیف والسیل والنار	کہ یہ چیزیں ان کے لئے بمنزلہ تلوار سیلاب اور آگ کے تھیں

ابو الحسن بن سعید حمدہ اور ان کی بہن زینب کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ یہ دونوں بہنیں ادیبہ اور شاعرہ تھیں حسن و جمال، مال و ثروت، علوم و معارف، اور عصمت و پاکدامنی کی مالک تھیں، اور گو وہ دونوں علم ادب سے شغف رکھنے کے باعث ادبا سے اختلاط رکھتی تھیں مگر ان کی عصمت مشہور تھی، اور ان دونوں کی پاکدامنی پر سب کو اعتماد تھا۔

حفصہ بنت الحاج رکونی

نام و سکونت حفصہ نام ہے، غرناطہ کی رہنے والی تھیں۔

حالات حفصہ حسن و ظرافت، اور ادب و فصاحت میں یگانۂ روزگار تھیں، ابو القاسم کہتے ہیں کہ حفصہ ادیبہ تھیں، ظرافت و فضیلت سے موصوف۔ نادر بدیہہ گوئی اور جلد شعر کہنے میں مشہور تھیں۔

وزیر ابو بکر بن یحیٰی بن محمد بن عمر ہمدانی بیان کرتے ہیں کہ ایک روز میری بہن نے حفصہ کے پاس جاکر درخواست کی کہ وہ اپنے قلم سے کچھ لکھ کر انھیں دیں،

چنانچہ اسی وقت انھوں نے یہ اشعار لکھ دیئے :-

یا ربة الحسن بل یا ربة الکرم　　اے حسن وکرم کی مالکہ
غضی جفونك عما خطه قلمی　　میرے قلم کی تحریر سے چشم پوشی فرمائیں۔
تصفحیه بلحظ الود منعمة　　اور براہ کرم چشم مودت سے درگذر فرما کر
لا تحفلی بردئ الخط والکلم　　میری ردی تحریر اور کلمات کی پروا نہ کریں

ابوالحسن بن سعید کہتے ہیں کہ حوز مومل میں وزیر موصوف کا ایک باغ تھا جس میں وزیر ابوبکر اور حفصہ دونوں نے وہاں ایک شب اس طرح گزاری جس طرح ادیب وظریف لوگ راتیں گذارا کرتے ہیں، اس شب کو وزیر نے یہ اشعار نظم کئے :-

رعی اللہ لیلا لم یرع بمذمم　　خدا اس رات کی رعایت فرمائے جس نے کسی بدگو کا خوف نہ کرکے
عشیة وارانا بحوز مؤمل　　حوز مومل میں ہماری پردہ پوشی کی
وقد نفحت من نحو نجد أریجة　　اس رات کو بلند مقام کی طرف سے خوشبو پھیلی
اذا نفحت هبت بریا القرنفل　　اور ہوا کے ساتھ لونگ کی خوشبو اڑتی رہی
وغرد قمری علی الدوح والتنی　　درختوں پر قمری نغمہ سنج ہوئی اور نہر کے کنارے
قضیب من الریحان من فوق جدول　　خوشبودار پودوں کی ٹہنیاں جھومتی رہیں
یری الروض مسرورا بما قد بدا له　　باغ خوش خوش نظر آیا کیونکہ اسے
عناق وضم وارتشاف مقبل　　ملنے والوں میں معانقے اور بوس وکنار کے مظاہر نظر آئے۔

حفصہ نے بھی حسب ذیل اشعار نظم کئے :-

لعمرك ما سر الریاض بوصلنا　　تمہاری عمر کی قسم باغ کو ہمارے وصل سے خوشی نہیں ہوئی
ولکنه أبدی لنا الغل والحسد　　بلکہ اس نے ہمارے لئے کینہ اور حسد ظاہر کیا
ولا صفق النهر ارتیاحا لقربنا　　نہر کو ہمارے قرب سے کوئی مسرت نہیں ہوئی ہے
ولا غرد القمری الا لما وجد　　اور قمری بھی صرف اپنے غم میں نغماں سنج تھی
فلا تحسن الظن الذی انت أهله　　آپ اپنی اہلیت کے گمانوں کو نیک تصور نہ کیجئے
فما هو فی کل المواطن بالرشد　　کیونکہ گمان ہر جگہ درست نہیں ثابت ہوتا ہے
فما خلت هذا الافق ابدی نجومه　　میں اس افق پر ستاروں کو ہوتا سمجھا اور کچھ نہیں خیال کرتی تھی
لامر سوی کی ما تکون لنا رصد　　کہ وہ ہماری نگرانی کر رہے ہیں

ابوالحسن بن سعید کہتے ہیں کہ ایک روز حفصہ کو اطلاع ملی کہ وزیر ابوبکر ایک سیاہ فام جاریہ پر فریفتہ ہیں جو کسی قصر سے ان کے پاس بھاگ کر آگئی ہے اور انھوں نے اس کے ساتھ بیرون غرناطہ خوشگوار ہوا اور گھنی چھاؤں میں کئی شبانہ روز بسر کئے، یہ سن کر حفصہ نے حسب ذیل عمدہ اشعار لکھ کر وزیر موصوف کے پاس بھیجے :-

یا اظرف الناس قبل حال	اے وہ شخص جو اس حالت کے قبل جس میں تقدیر نے اسکو ڈالدیا ہے
اوقعه نحوه المقدار	سب لوگوں سے زیادہ ظریف تھا
عشقت سوداء مثل لیل	تو ایک سیاہ فام پر عاشق ہوا جو ایسی رات کی شکل ہے
بدائع الحسن قد ستر	جس میں حسن کی ساری ادائیں چھپ جاتی ہیں
لا یظهر البشر فی دجاها	اس کی تاریکی میں نہ خندہ روئی کا پتہ ملتا ہے
کلا ولا یبصر الخفر	اور نہ کسی طرح شرمگینی ہی نظر آسکتی ہے
بالله قل لی وانت أدری	تو کجروی میں سرگردان رہنے والوں کو زیادہ جانتا ہے
بکل من هام فی الصور	اس لئے اللہ کے واسطے مجھ سے کہہ
من الذی هام فی جنان	وہ کون شخص ہے جو ایسے باغ میں گھوم رہا ہو
لا نور فیه ولا زهر	جس میں نہ گل ہے نہ غنچہ

وزیر موصوف نے نہایت لطیف و ظریف اعتذار کے ساتھ جواب میں یہ اشعار لکھ کر حفصہ کے پاس روانہ کئے :-

لا حکم الا لآمر ناه	حاکم وہی ہے جو امر و نہی کا اختیار رکھتا ہے
له من ذنبه معتذر	اور جو گناہ کی عذر پذیری کرتا ہے
له محیا به حیاتی	اسی کا چہرہ میری زندگی کا سبب ہے
أعیذ مداه بالسور	اس کا منتہا فضائل سے معمور ہے
کصبحة العید فی ابتهاج	وہ عید کی صبح کی مانند خوشی میں رہتا ہے
وطلعة الشمس والقمر	اور آفتاب و ماہتاب کی سی طلعت رکھتا ہے
بسعده لم اصل الیه	اس کی خوبی کی وجہ سے ہم اس کی طرف مائل نہیں ہوتے
الا طرافا له خبر	بلکہ اس کا ایک عجیب قصہ ہے

علمت صحبی فأسود عشقی	میں اپنے دوستوں سے محروم ہوگیا اس وجہ سے میرا عشق سیاہ ہوگیا
وانعکس الفکر والنظر	اور فکر و نظر الٹی ہوگئی
إن لم تلح یا نعیم روحی	اے میری روح کے آرام اگر تو سامنے نہ ہو
فکیف لا تفسد الفکر	تو پھر فکر کیوں فاسد نہ ہو جائے

ابوالحسن بن سعید بیان کرتے ہیں کہ ایک روز وزیر ابو بکر حاتم اور دیگر چند رشتہ داروں کے ساتھ لہو و طرب کی مجلس میں مشغول تھے، کہ حفصہ چھپ کر دروازے تک آئیں اور دربان کو ایک رقعہ دیا جس میں یہ اشعار درج تھے :۔

زائر قد أتی بجید غزال	ایک ملاقاتی آہو گردن والا حاضر ہوا ہے
طامع من محبه بالوصال	اور اپنے دوست سے وصل کا خواہشمند ہے
أتراکم باذنکم مسعفیه	کیا آپ اجازت دیکر اس کی خواہش پوری کرینگے
أم لکم شاغل من الاشغال	یا آپ ابھی کسی شغل میں مشغول ہیں؟

جب رقعہ وزیر ابو بکر کو ملا تو انھوں نے کہا بخدا یہ حفصہ کا رقعہ ہے، ان کی جستجو کی گئی مگر وہ جا چکی تھیں، وزیر نے جواب میں یہ اشعار لکھ بھیجے :۔

ای شغل من المحب یعوق	کون شغل دوست کے ملنے سے مانع ہو سکتا ہے
یا صباحا قد آن منه الشروق	اے صبح تیرے روشن ہونے کا وقت آگیا ہے
صل وواصل فانت اشهی الینا	تم تمام امیدوں سے زیادہ مرغوب ہو وصل و مواصلت کا
من جمیع المنی فکم ذا نشوق	موقع دو تم مجھے کب تک مشتاق رکھوگی
بحیاء الرضی لا یطیب صبوح	پسندیدہ زندگی کی قسم ہے اگر تم جفا کروگی تو شراب
عرفا ان جفوتنا أو غبوق	صبوحی یا مسائی خوشگوار نہ ہوگی
لا و ذل الهوی و عز التلاقی	محبت اور ملاقات کی عزت و ذلت کی قسم ہے
واجتماع الیه عز الطریق	کہ اب راہ و رسم دشوار ہوگئی ہے

استاذ نے حفصہ کا تذکرہ اپنے صلہ میں کیا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ حفصہ اپنے وقت کی استانی تھیں، انھوں نے منصور کے گھر میں عورتوں کو تعلیم دی تھی، ایک روز منصور نے حفصہ سے اشعار سنانے کو کہا تو انھوں نے فی البدیہہ یہ اشعار سنائے۔

امنن علی بعبدك	ایک دستاویز لکھ کر آپ مجھ پر احسان فرمائیں
یکون للمرء عدة	تا کہ وہ ایک شخص کا ساز وسامان قرار پائے
تخط یمنالك فیه	اور اس دستاویز میں آپ اپنے ہاتھ سے
الحمد لله وحده	خدائے واحد کی حمد تحریر فرمائیں۔

استاذ کہتے ہیں کہ منصور نے یہ شعر سن کر ان پر یہ احسان کیا کہ حفصہ کی تمام مملوکہ چیزوں کی ایک دستاویز لکھدی۔

وفات مورخین بیان کرتے ہیں کہ حفصہ نے آخر ۵۸۶ھ میں مراکش کے پایہ تخت میں وفات پائی۔

حضر بن احمد بن حضر ابو العافیہ

نام کنیت سکونت حضر نام، اور ابو القاسم کنیت ہے، غرناطہ کے رہنے والے تھے۔

حالات کتاب عائد الصلہ میں ہے کہ ابو القاسم تامنیوں کے صدر صدور تھے، صاحب نظر، علم کے دلدادہ، مسائل احکام پر قادر، اور نصوص قرآنی کے مستنبطات پر بصیرت یاب تھے۔ بکثرت مسائل ضبط تحریر میں لائے، اور بہت سی کتابیں اپنے ہاتھ سے لکھیں جس کی وجہ سے لوگوں پر ان کی فضیلت آشکارا ہوئی، اور ان سے مشکلات میں مشورے لئے جانے لگے، شرائط کے لکھنے میں انھیں بصیرت تھی، وہ ایک اچھے خطیب، ماہر ادیب، اور پر گو و خوش کلام شاعر بھی تھے، اولا تو انھیں شاہی کتابت کی خدمات تفویض ہوئیں، پھر منصب قضا پر مامور کئے گئے، اور مشہور و بلند مرتبہ ولایات میں ان کی تبدیلیاں عمل میں آتی رہیں۔

تاج المحلی میں ابو القاسم کا تذکرہ اس طرح کیا گیا ہے:۔

ابو القاسم عرصہ بیان کے شہسوار تھے، اور یہ شنیدہ نہیں بلکہ مشاہدہ ہے،

خوش بیانی کا پرچم ان کے سر پر کھلا رہتا تھا، صنایع وبدایع کے جامے میں وہ زیب تن تھے، اور اس کے دامن کو دراز کرکے تبختر سے چلتے تھے انھوں نے بادۂ عجائب کو پانی سے ممزوج کرکے ساغر کا دور چلایا اور جوانمردانِ علم وفن کے پاس شہ زوری سے گئے، مقصد بعید پر نظر ڈالی اور اسے حاصل کیا، جب کبھی معنوی ایجادات واختراعات کا ذکر آیا تو ان کا موجد اپنے آپ کو بتایا، غرض ان کی جدوجہد، ان کی پابندی، اور حل مشکلات میں ان کی آمادگی نے انھیں تحصیل علم اور حصول مقصد میں کامیاب بنایا، وہ قاضی، صدر شہر بلکہ صدر زمانہ تھے، شرعی احکام پر قادر، اور اصل وفرع کی دانست میں ماہر تھے اور مسائل کے امتیاز کرنے میں یدطولیٰ رکھتے تھے، ان کے رشحات قلم کا نمونہ، ان کے اختراعات کے ہوتے، اور ان کا بلیغ کلام عنقریب نظروں سے گزریگا، جس سے ہر ایک بردبار شخص کا قلم روشن ہوگا، اور ارباب بلاغت تسلیم ورضا کے ہاتھ اس کی طرف بڑھائیں گے۔

اشعار ابوالقاسم نے حکم اور امثال میں حسب ذیل اشعار کہے:

عز الهوی نقصان والرای الذی — خواہش کا غلبہ نقصان ہے اور جو رائے تمھیں اس
ینجیك منه أن نائیت حزیما — نجات دیگی یہ ہے کہ تم دور اندیشی کے ساتھ اس سے دور ہو جاؤ
فاذا رأیت الرای یتبع الهوی — پھر جب یہ دیکھو کہ رائے خواہش کا اتباع کرتی ہے تو
خالف وفاقهما تعد حکیما — ان دونوں کی موافقت سے خلاف کرو تو تم حکیم سمجھے جاؤگے
فکما ترد من الحلیم مراحما — جس طرح تم مرد حلیم کی مہربانیوں کے امیدوار رہتے ہو
خف من نطیحك ذی السفاهة شوما — اسی طرح اپنے احمق بدخواہ کی نحوست سے ڈرتے رہو
واحذر معادات الرجال توقیا — لوگوں کے شر سے محفوظ رہنے کے لئے انھیں دشمن بنانے سے
منهم ظلوما کنت أو مظلوما — احتیاط کرو خواہ تم ظالم ہو یا مظلوم
فالناس اما جاهل لا یتقی — اس لئے کہ لوگ یا ایسے جاہل ہوتے ہیں کہ
عارا ولا یخشی العقوبة لوما — کسی عار سے پرہیز اور کسی سزا سے خوف نہیں کرتے
او عاقل یرمی بسهم مکیدة — یا ایسے عاقل ہوتے ہیں کہ وہ مکر کا تیر اس طرح چلاتے ہیں
کالقوس یرمی سهمه مسموما — جس طرح کمان سے زہر آلود تیر چلتا ہے

فاحلم عن القسمين لتسلم منهما	پس دونوں قسم کے لوگوں سے اعراض کرو تو آپ محفوظ رہ کر
ولتسد فتدعى سيدا وحليما	سردار بن جاؤ گے اور سردار و حلیم سمجھے جاؤ گے
ودع المعادات التي من شانها	ایسی عداوتوں کو چھوڑ دو جن کی وجہ سے
ان لا تديم على الصفاء قديما	تم پرانی صاف دلی پر قایم نہیں رہ سکتے
أبت المغالبة الوداد فلا تكن	غلبہ حاصل کرنے کی خواہش دوستی کے منافی ہے
ممن يغالب ما حييت نديما	جب تک زندہ رہو اس شخص کے ندیم نہ بنو جو غلبہ حاصل کرنا چاہتا ہے
واذا منيت بقربه فاخفض له	اگر تم اس کے قرب میں مبتلا ہو جاؤ
بجناح ذلك ظاعنا ومقيما	تو سفر اور حضر میں اس کے سامنے عاجزی ظاہر کرو
ان العزيب لكالقضيب محاير	مرد غریب کٹی ہوئی شاخ کی طرح حیرانی میں رہتا ہے
ان لم يمل للريح عاد رميما	کہ اگر وہ ہوا کا ساتھ نہ دے تو منتشر کر مٹی ہو جاتی ہے
وارع الكفاف ولا تجاوز حده	اور قدر ضرورت کا لحاظ رکھو کہ اس کی حد سے تجاوز نہ کرو
ما لبعده يجني عليك هموما	ورنہ اس کے بعد تمہارے لئے اس کا نتیجہ رنج و غم ہوگا
وابسط يديك اذا اغنيت ولا تكن	اور حالت غنا میں اپنا ہاتھ کشادہ رکھو
فيما يكون به المديح ذميما	اور ایسی حالت پیدا نہ کرو جس میں مدح ذم ہو جائے

واذا بذلت فلا تبذر ان ذا التبذير — اور جب فیاضی کرو تو اسراف نہ کرو

يو مئذ اخوه رجيما	کیونکہ مسرف شیطان کا بھائی ہے
وعف الورود اذا تزاحم ورده	اور جب پانی کے پاس جانے سے روکے جاؤ تو جانے سے بچو
واحسب ورود الماء منه جحيما	اور وہاں سے پانی لینے کو جہنم سمجھو
واصحب كريم الاصل ذا فضل فمن	اور کریم الاصل و صاحب فضل کی صحبت اختیار کرو
يصحب لئيم الاصل عد لئيما	لئیم کے ساتھ صحبت رکھنے والا لئیم سمجھا جاتا ہے
فالفضل من لبس الكرام فمن عرا	فضل اہل کرم کا لباس ہے جو شخص اس سے عاری ہو
منه فليس كما يقول كريما	وہ اپنے قول سے کریم نہیں بنتا
ان المقارن بالمقارن يقتدى	ہم نشین ایک دوسرے کی اقتدا کرتے ہیں
مثل جرى بين الانام قديما	یہ ایک پرانی مثل ہے جو لوگوں میں جاری ہے
وجماع كل الخير في التقوى فمن	اور ساری نیکی کا مجموعہ تقویٰ ہے

يعد من حلى التقوى يعد عديما — جو شخص زیور تقوے سے محروم ہے وہ احمق سمجھا جائیگا

سپیدۂ پیری کے متعلق ایک مطول قصیدہ لکھا ہے جس کے ابتدائی اشعار یہ ہیں:-

لاح الصباح صباح شيب المفرق — وہ صبح جو بالوں کی سپیدی کی صبح ہے نمودار ہوئی

فاحمد سراك نجوت مما تتقي — پس اپنے جسم کے بلند حصے کا شکر کر جس سے تو ڈرتا تھا اس سے نجات ملی

هي شيبة الاسلام فاقدر قدرها — یہ اسلام کی سپیدی ہے اس کی پوری قدر کرو

قد اعتقتك وحق قدر المعتق — کہ اس نے تمھیں آزاد کر دیا اور آزاد کرنے والا قدر کا مستحق ہے

خطت لعبودك ابيضا في اسود — سپیدۂ پیری نے تیرے سر کی سیاہی میں سفید خط کھینچ دیا ہے

بالعكس من معهود خط مهرق — برعکس کتاب کے خط معہود کے

كالبرق راع لسيفة طرف الدجا — وہ سپیدۂ پیری مثل بجلی کے ہے جو اپنی تلوار سے تاریکی کے کنارے کو

فاعاد دهمته شعيات الابلق — خوف زدہ کر کے اس کی سیاہی کو ابلق رنگ بنا دیتی ہے

كالفجر يرسل للدجنة خيطه — وہ سپیدۂ پیری مثل فجر کے ہے جو رات کے پاس اپنا دھاگا بھیجتی ہے

ويجر ثوب ضيائه بالمشرق — اور اپنی روشنی کا کپڑا مشرق کی طرف سے کھینچتی ہے

كالماء يستره لقعر طحلب — وہ سپیدۂ پیری مثل پانی کے ہے جس کی تہ میں کائی چھپی ہوئی ہے

فتراه بين خلاله كالزئبق — اور تم اسے کائی کے جوف میں پارہ کی طرح دیکھتے ہو

كالحية الرقشاء الا انه — وہ سپیدۂ پیری مثل چتلے سانپ کے ہے مگر یہ کہ

لا يبرأ الملدوغ منه اذا رقي — جسے یہ سانپ ڈسے وہ جھاڑ پھونک سے اچھا نہیں ہوتا

كالزهر الا انه لم يبتسم — وہ سپیدۂ پیری مثل شگوفے کے ہے مگر یہ شگوفہ صرف ایسے درخت میں

الا بغصن ذابل لم يورق — پھوٹتا ہے جس کی شادابی رخصت ہو چکی اور جس میں پتے بھی نہیں

كتبسم الزنجي الا انه — وہ سپیدۂ پیری مثل زنگی کے تبسم کے ہے مگر یہ تبسم

يبكي العيون بدمعه المترقرق — آنکھوں کو چھلکتے ہوئے آنسوؤں کے ساتھ رلاتا ہے

وكذا البياض قذى العيون ولا ترى — اور جس طرح بیاض چشم سے گریہ ہوتا ہے

للعين ابكى من بياض المفرق — اس سے زیادہ گریہ بیاض سر کی وجہ سے ہوتا ہے

ما للغواني وهو لون خدودها — اگرچہ خوبصورت عورتوں کے رخسار کا رنگ سپیدی پیری کی مانند ہے

يجزعن من لألائه المتألق — تاہم وہ اس کی چمکدار نورانیت سے ڈرنے لگتی ہیں

ويخلنه لمع السيوف ومن يشم — اور وہ بالوں کی سپیدی کو تلواروں کی چمک سمجھتی ہیں، اور جو شخص

لمع السیوف علی المفارق بفرق	اپنے سر پر تلواروں کی چمک دیکھتا ہے وہ ڈرتا ہی ہے
ھو لیس ذالک ولا الذی انکرنه	سپیدئ پیری کوئی ایسی ویسی چیز نہیں ہے
کن خائفا ماخفن منه واتق	تم ان عورتوں کی طرح خائف رہو اور متقی بنو
داء یعز علی الطبیب دوائه	پیری ایک مرض ہے جسکی دوا طبیب کے لئے مشکل ہے۔
ویضیع خسرا فیه مال المنفق	اور اس میں خرچ کرنا رائیگاں جاتا ہے
لکنه والحق اصدق مقول	لیکن حق جو سچی بات ہے یہ ہے کہ سپیدئ پیری
شین المسیئ الفعل زین المتقی	بدکار کے لئے عیب اور نکوکار کے لئے زینت ہے

قطعہ دیگر

اقلی فما الفقر بالمرء عارا	اے نفس طاقت کم کر کہ انسان کے لئے فقر عار نہیں ہے
ولا دار من یالف الھون دارا	اور نہ اس شخص کا گھر گھر ہے جو ذلت سے مالوف ہے
وما یکسب العز الا الغنی	عزت نفس کے غناء سے حاصل ہوتی ہے
عن النفس فاتخذیه شعارا	تو غناء کو اپنا شعار بنالے
وما اجتمع الشمل فی غایرة	اور جس جماعت نے غناء کو چھوڑکر یکسی کی
فیحسن الا وساء انتشارا	وہ بدی ہوکر پھیل گئی
فدعها لغیرک لا تنظرے	تو کبھی اپنے سوا دوسرے کی طرف نظر نہ کر
فیالم قلبک منه انکسارا	ورنہ تیرا دل اس سے رنجیدہ ہوکر ٹوٹ جائے گا
وھزی الیک بجذع الرضی	اور رضا کے درخت کو اپنی طرف حرکت دے
تساقط علیک الامانی ثمارا	وہ تیرے اوپر تمناؤں کا پھل گرائے گا

قطعہ دیگر

العلم حسن و زین	علم خوبصورتی اور زینت ہے
والجھل قبح و شین	اور جہل بدصورتی اور عیب ہے
والمال عز و عیش	اور مال عزت اور زندگی ہے
والفقر ذل وحین	اور فقر ذلت اور موت ہے

والناس أعضاء جسم — اور انسان ایک جسم کے مختلف اعضا ہیں
فمنهم است و عین — کوئی سرین ہے اور کوئی آنکھ ہے
هذی مقالة حق — یہ سچی بات ہے جو ہم نے کہی
مابالذی قلت مین — وہ جھوٹ نہیں ہے

قطعہ دیگر

ان اراك الزمان وجها عبوسا — اگر زمانہ تمہارے ساتھ ترش روئی سے پیش آئے
فستلقاه من بعد ذلك طلقا — تو اس کے بعد تم اسے خندہ رو پاؤ گے
لا یهمنك حاله ان فی طر — اسکی حالت سے تم مغموم نہ ہو
فة عین ترتاح فیه و تشقی — چشم زدن میں تم اس میں راحت پا سکتے اور شقی ہو سکتے ہو
أی عز رایت أو أی ذل — تم نے کسی عزت یا ذلت کو دیکھا ہے
لذوی الحالتین فی الدهر یبقی — کہ وہ صاحب عزت اور ذلیل کے لئے زمانہ میں باقی رہی
سل نجوم الدجا اذا ما استنارت — رات کے ستاروں سے جبوقت روشن ہوں پوچھو
ما الذی فی وقت الظهیرة تلقی — کہ وہ دوپہر کے وقت ان کو کیا پیش آتا ہے
وتفکر وقل بغیر ارتیاب — اور غور کرکے بغیر کسی شک کے بول اٹھو
کل شئی یفنی ورر بك یبقی — کہ ہر شئے فانی اور صرف میرا رب باقی ہے

قطعہ دیگر

لوان أیام الشباب تعود لی — اگر میرا شباب اسی طرح واپس آجاتا
عود النضارة للقضیب المورق — جس طرح خشک شاخ پر سرسبزی و تازگی واپس آتی ہے
ما ان بکیت علی شباب قد زوی — تو ہم اس شباب پر جو جاتا رہا نہیں روتے
ولبقیت منتظرا لآخر مونق — اور دوسرے بالکہ کہنہانے کے منتظر رہتے

قطعہ دیگر

لك القلم الاعلی الذی طال فخره — آپ ہی کا قلم بلند اور فخر میں دراز ہے

وان لم یکن الا قصیرا مجوفا — اگرچہ وہ صرف چھوٹا اور مجوف ہے
تعلم منہ الناس ابدع حکمۃ — لوگوں نے اس سے نہایت نادر حکمت سیکھی ہے
فہا ہوا مضی ما یکون محرفا — اور وہ جس قدر محرف ہوتا ہے اسیقدر زیادہ رواں ہوتا ہے

قولہ در تشبیہ

کانما السوسن الذی انفتحت — گویا کہ وہ تروتازہ سوسن ہے
منہ کمائمہ المبیضۃ اللون — جس کے سفید رنگ کے شگوفے کہل گئے ہیں
بنان کف فتاۃ قط ما خضبت — یا وہ کسی نوجوان عورت کے ہاتھ کی انگلیاں ہیں
تلقی بہا من یراہا خیفۃ العین — جن میں نظر کے ڈر سے مہندی نہیں لگی گئی ہے

قولہ در تعریض نبو ارقم

اذا ما نزلت بہ بوادی الاشا — جب تم وادی آش میں اترو تو کہہ لیا کرو
فقل رب من لدغہ سلم — کہ اے رب اس کے ڈسنے سے مجھے محفوظ رکھ
وکیف السلامۃ فی موطن — جس سرزمین میں بنو ارقم کا کوئی گروہ موجود ہو
بہ عصبۃ من بنی ارقم — وہاں سلامتی کیونکر ہو سکتی ہے

قولہ در توریہ بہ فقہ

لی دین علی اللیالی قدیم — راتوں پر میرا پرانا قرض چلا آرہا ہے
ثابت الرسم منذ خمسین حجہ — جو پچاس برس سے ثابت ہے
اقاعد بالحکم علیہا — کیا میں ان کے خلاف فیصلے کے لئے بیٹھا رہوں
ام لمانی تقدم الدھر حجہ — یا رفتار زمانے میں ان کی کوئی حجت ہے

دیگر در قطعہ

نجوت بفضل اللہ مما اخافہ — اللہ کے فضل سے ہم جس سے ڈرتے تھے نجات پاگئے
ولولا وخیر العالمین شفیع — اور جبکہ خیر العالمین شفیع ہیں تو کیوں نہیں نجات پائے

وماصنعت فی الدنیا بغیر شفاعۃ — میں نے کوئی کام دنیا میں بغیر سفارش کے نہیں کیا
فکیف اذاکان الشفیع اُضیع — تو جب میرا شفیع موجود ہو تو اپنا کام کیوں ضائع کروں

ولہ

علیك بتقوی اللہ فیما ترومہ — جس امر کا قصد کرو اس میں اللہ کا ڈر اختیار کرو
من الامر تخلص بالمرام وبالاجر — اس سے تمہارا مقصود بھی حاصل ہوگا اور اجر بھی
ولا ترج غیراللہ فی نیل حاجۃ — حصول حاجت اور دفع ضرر میں اللہ کے سوا کسی دوسرے
ولا دفع ضرفی سرار ولا جھر — امید نہ رکھو خواہ ستری ہو یا جہری
فمن رام غیراللہ اشرك عاجلا — کیونکہ جس نے غیر اللہ کا قصد کیا اس نے شرک عاجل کیا
وفارقہ ایمانہ وھو لا یدری — اور اس کا ایمان جدا ہو جاتا ہے اور اسے اس کی خبر بھی نہیں ہوتی

وفات ابو القاسم نے باجہ میں وفات پائی، وہ اس زمانے میں یہاں کے قاضی تھے، ان کی لاش غرناطہ میں لائی گئی، اور باب البیرہ میں بروز چہارشنبہ بوقت عصر ربیع الاول کی آخری تاریخ ۴۲۵ھ میں دفن کی گئی۔

خالد بن عیسیٰ بن ابراہیم بن ابو خالد بلوی

نام سکونت خالد نام ہے، وادی منصورہ میں قنوریہ ایک قلعہ ہے وہاں کے رہنے والے تھے،

حالات خالد صاحب فضل، بیحد متواضع، منکسر مزاج، شریف صورت، خوش اخلاق، خوش معاشرت، اور ادب دوست تھے، اپنے اور دوسرے شہروں میں قضاء کی خدمت انجام دی، فریضہ حج ادا کیا، اور ایک جلد میں اپنا سفر نامہ لکھا، جس کی متعدد فصلوں میں جن جن لوگوں سے ملے انکے اور جہاں جہاں گئے وہاں کے حالات لکھے، یہ حالات زیادہ تر ابن عماد اصفہانی

اور صفوان وغیرہ کے کلام سے ماخوذ ہیں، جو نہایت پر لطف ہیں، جب وہ اپنے سفر سے اندلس میں واپس آئے تو امیر تونس نے کتابت کی خدمت پر انھیں مامور کیا، انھوں نے تھوڑے دنوں تک یہ خدمت انجام دی، آج کل وہ کسی مشرقی حصے کے قاضی ہیں۔

جب میں سلطان کی سواری کے ساتھ مشرقی بلاد کے دورہ پر گیا، اور اس دورے کا سفرنامہ لکھا تو اس کی ایک فصل میں خالد کا بھی تذکرہ لکھا، اس فصل کو لوگوں نے برزبان یاد کر کے اپنے فکاہات میں داخل کر دیا ہے، وہ فصل یہ ہے:

جب نور کا تڑکا ہوا، اور مشرقی دروازے سے صبح نمودار ہوئی، تو ہمارا سفر شروع ہوا، توفیق الٰہی نے ہماری قیادت کی اور اس کی عنایت سے فوائد و نتائج ہمارے ہر چہار طرف محیط ہو گئے، جم غفیر سے ملاقاتیں ہوئیں، ٹیلوں اور گھاٹیوں نے ہمیں سلام کیا، یہاں تک کہ ایک مختصر مرحلہ طے کر کے ہم فنوریہ پہونچے، وہ مرحلہ اتنا مختصر تھا جتنا وصل کا روز یا صبح و شام کا اتصال، پھر ہم نے اس شہر کے محفوظ و بلند اور مشہور قلعے کے مقابل شب باشی کی، یہاں کے باشندے اس کثرت سے پیدل اور سوار پورے ساز و سامان کے نکل کر ہمارے استقبال کو آئے جس کی مثال شاید عہد پیشیں میں گذری ہو، اور اس طرح صف بستہ وہ اس بقعہ میں مجتمع ہو گئے جس طرح بساط پر شطرنج کے مہرے چن دئے جاتے ہیں شہر کا کوئی بچہ ایسا نہ تھا جو اپنے باپ کے ساتھ نہ آیا ہو، قاضی شہر ابن ابو خالد بھی سوار ہو کر آئے، جن کے جسم پر سفید گلیم پڑی تھی، اور وہ اپنی شکل و زبان میں مشرقیوں کے مشابہ تھے، ان کی ریش میں مہندی اور مازو کا خضاب اور سر پر عمامہ تھا، اور اپنے حجازی سفر سے مشہور ہو گئے تھے، میں نے ان سے اس طرح مزاح کیا جس طرح کوئی ادیب دوسرے ادیب سے یا ایک ماہر شخص دوسرے ماہر شخص سے مزاح کرتا ہے، میں نے انھیں دو باتوں کا اختیار دے کر کہا کہ آپ کے متعلق میں نے دو قطعے نظم کئے ہیں، ایک مدح میں اور دوسرا ذم میں ہے، اگر آپ کی طبع فیاض اسے سننا چاہے تو وہ محسن کا ایک احسان ہوگا ورنہ ایک ادنیٰ شغل، انھوں نے کہا سنائیے دیکھوں آپ نے میری

کیا بات لکھی ہے، اور پھر اس کی تعریف کروں کہ آپ نے خطا کی ہے یا میں نے، ان کے کہنے سے میں نے اپنا ایک قطعہ سنایا وہ یہ ہے:۔

قالوا وقد عظمت مبرۃ خالد	لوگ کہتے ہیں کہ خالد کے عطایا رفیع القدر ہیں
قاری الضیوف بطارف و بتالد	اور وہ اپنے قدیم اور جدید مالوں سے مہمانوں کی ضیافت کرتا ہے
ماذا تمت بہ فجئت بحجۃ	وہ کونسا عمل ہے جسکی تکمیل کرکے آپ نے ایسی حجت قایم کی ہے
قطعت بکل مجادل و مجالد	جس سے ہر ایک صاحب جنگ و جدل ساکت ہے
ان یفترق نسب یولف بیننا	گو ہم میں اور ان میں نسب کا اختلاف ہے، لیکن
أدب أتاہ فی مقام الوالد	ان کے ادب نے جو باپ کے قایم مقام ہیں متحد کردیا ہے

دوسرے قطعے کے متعلق میں نے کہا کہ برق کی ایک ہی شعاع کافی ہوتی ہے، شرکا سن لینا ہی بس ہوتا ہے، اور ایک مشہور شخص تھوڑی سی تشبیہ پر اکتفا کرتا ہے جنھوں نے کہا آپ میری ضیافت کے محتاج نہیں ہیں، اور اگر آپ نے اس کا ارادہ بھی کرلیا ہے تو میں ایک مرغی پر آپ سے مصالحت کرنے کو تیار ہوں، میں نے کہا وہ تو نادر اور فوری رزق ہے، جلد لائیے اور دیر نہ کیجئے اس گفتگو کے بعد ذرا بھی دیر نہ گذری تھی کہ خالد کے خدام قلعے سے اترے، اور ایک نے جلد آکر مرغی کے آنے کی خوش خبری سنائی اخدام اس کو دلہن کی طرح سنوار کر اپنے سروں پر لائے، ایک نے کہا اس مرغی کی ماں یمنی تھی، دوسرے نے کہا اس کا بھائی خصی بناکر پایہ تخت کو بھیجا گیا ہے۔ پھر وہ سب علیحدہ علیحدہ باصرار انعام و بخشش کا مطالبہ کرنے لگے، میں نے کہا اے احمقو! اگر تم ایک پلاؤ تو میں اس کا کیا انعام دوں، یہ سن کر انھوں نے پھر کوئی سوال نہ کیا، اور ایک دوسرے کو ملامت کرتے ہوئے روانہ ہوگئے، اس مرغی کو ذبح کرنے کے لئے چھری نکالی گئی، اور وہ اپنی انتہائی عمر کو پہونچا دی گئی، میں نے کہا لوگو! قرۃ العین کے حاصل کرنے میں آپ کا میاب ہوگئے اب آپ کو اس کی بھی خوشخبری سناتا ہوں کہ اہل وطن سے ملنے کا وقت قریب آگیا ہے اور میں نے زاغ فراق کو ذبح کر دیا ہے۔

مدت مدید کے بعد مجھے خالد کے متعلق اطلاع ملی کہ وہ اپنی حق تلفی کے

شاکی ہیں، اور رنج سے مغموم ہیں، یہ سن کر میں نے انھیں ایک خط لکھا جس کا مضمون یہ ہے:-

خداوند تعالیٰ نے آپ جیسے عدیم النظیر اور شریف فقیہ کو جنھیں اپنے چچا اور بھائی سے عدالت ورثے میں ملی ہے ایسی عزت تک پہونچائے جو ان پر ہمیشہ سایہ فگن ہو اور ایسی ولایت عطا فرمائے جس کا تاج ان کے مفرق کو زینت بخشے۔

داؤد بن سلیمان بن داؤد بن عبدالرحمٰن ابن سلیمان بن عمر بن حوط اللہ انصاری حارثی ابدی

نام وکنیت داؤد نام، اور ابو سلیمان کنیت ہے،

اولیت استاذ ابو جعفر بن زبیر کہتے ہیں کہ ابو سلیمان کا خاندان علم وعفاف کے اوصاف سے متصف تھا، اس کی اصل اندہ سے شروع ہوتی ہے جو شرقی اندلس میں ایک قلعہ ہے، ابو سلیمان اپنے بھائی قاضی ابو محمد کے ساتھ یہاں سے منتقل ہو کر دوسری جگہ چلے گئے تھے۔

حالات ابن عبدالملک کہتے ہیں کہ ابو سلیمان قرارت کے حافظ اور قرآن شریف کے معلم عارف تھے، یہ علم انہوں نے اپنے والد اور اپنے بڑے بھائی ابو محمد سے بخوبی حاصل کیا تھا، اور وہ ثقہ محدث تھے، ان کی روایت وسیع تھی، وہ نہایت شغف اور کثرت سے اس کی سماعت روایت اور ضبط وعدل سے نقل کرتے تھے وہ حدیث کے طریقوں کے عارف تھے، انہوں نے طلب علم کے لئے اندلس کے مشرقی اور مغربی شہروں میں سیاحت کی اور سبتہ اور عدوہ کے دوسرے بلاد میں جو اندلس کے ماتحت تھے سیاحت کر کے ہر ایک بڑے اور چھوٹے شیخ سے ملنے اور ان سے استفادہ کرنے میں اپنی پوری توجہ صرف کی، جس سے وہ تحصیل علم میں اپنے ابنائے جنس پر

فائق ہوگئے، وہ عقد شرائط میں بصیرت اور فہم رکھتے تھے نکتہ آفرینی میں خاص ملکہ تھا، مدت دراز تک مالقہ کی مسجد وحید میں شرائط کی کتابوں میں منہمک رہے، علم دوست تھے، اور اہل علم سے محبت رکھتے تھے، لوگوں کو علمی فوائد سے مستفید کرنے کا بیحد شوق تھا، حدیث کی سماعت میں بہت صابر تھے، خوش اخلاق، خوش مزاج، متواضع، متقی، خلوت پسند، سادہ معاش، منکسر مزاج، نیک درایت، پاک نفس، کثیر الحیا، اور رقیق القلب تھے، اکابر ان کے مداح ہیں،

ابن زبیر کہتے ہیں کہ ابو سلیمان صاحب فضل و عدل، خوش خلق، پاک طینت، متواضع اور بڑے حیادار تھے۔

ابن عبد المجید کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ابو سلیمان کو حیا اور حسن خلق میں اکثر علما پر فضیلت دی تھی، اسی قسم کا قول عبد اللہ بن سلمہ کا بھی ہے۔

اساتذہ استاذ موصوف کہتے ہیں کہ ابو سلیمان نے مرسیہ، قرطبہ، مالقہ، اشبیلیہ، غرناطہ، سبتہ، اور اندلس و مغربی حدود کے دیگر شہروں میں علوم حاصل کئے، اور ان مقامات کے شیوخ سے استفادہ کیا، یہاں تک کہ ان میں اتنی جامعیت پیدا ہوئی کہ دوسرے لوگ اس سے محروم رہ گئے، البتہ اس جامعیت میں ان کے بھائی براہ کے شریک تھے۔

ابو سلیمان کے اساتذہ کے نام یہ ہیں:-

ابو سلیمان کے خود والد، ابو الحسن صالح بن یحییٰ بن صالح انصاری، ابو القاسم بن حسن، ابو عبد اللہ بن حمید، ابو زید سہیلی، ابو عبد اللہ محمد بن محمد بن عراق غافقی، ابو العباس یحییٰ بن عبد الرحمن مجریطی، ابن بشکوال، ابو بکر بن جد، ابو عبد اللہ بن زرقون، ابو محمد بن عبد اللہ، ابو عبد اللہ بن الفخار الحافظ، ابو العباس بن مضاء، ابو محمد بن بون، ابو محمد بن عبد الصمد بن یعیش غسانی، ابو بکر بن ابو جعفر بن حکم زاہد، ابو خالد بن یزید بن رفاعہ، ابو محمد عبد المنعم بن فرس، ابو الحسن بن کوثر، ابو عبد اللہ بن عروس، ابو بکر بن ابو زمنین، ابو محمد بن جمہور، ابو بکر بن البنا، ابو الحسن بن محمد بن عبد العزیز غافقی شقوری، قاضی ابو القاسم حوفی، ابو بکر بن حبیش بن محمد بن حبیش عبدری، ابو الولید جابر بن ہشام حضرمی، ابو بکر بن مالک شریشی،

ابو عبد البر حجزیری، ابو بکر بن عبد اللہ سکسکی، ابو الحجاج بن شیخ الفہری، ان کے علاوہ اور بھی اساتذہ ہیں جن کا ذکر موجب طوالت ہے۔

عہدۂ قضاء ابن ابو الربیع کہتے ہیں کہ میں ابن ابو حوط اللہ کی صحبت میں رہ چکا ہوں، ابو محمد علم میں اور ابو سلیمان حلم میں اپنے دوسرے بھائی اور لوگوں پر فوقیت رکھتے تھے۔

ابو سلیمان سبتہ، المریہ، جزیرہ خضراء کے قاضی تھے، اور مدت تک ان مقامات میں عہدہ قضاء پر فایز رہے، ۶۱۰ھ کے آخر میں بلنسیہ میں منتقل کئے گئے، اس پوری مدت میں وہ اپنے تمام حالات میں مشکور اور اپنے فیصلوں کی نزاہت و پاکیزگی میں مشہور رہے۔

ابو عبد اللہ بن سلمہ کا بیان ہے کہ جب ابو سلیمان کے پاس مدعی اور مدعی علیہ آتے تو وہ تواضع سے ان کے ساتھ پیش آتے، رشد و ہدایت کی باتیں کرتے، مدارات و ملاطفت فرماتے، اور حق کی طرف رغبت اور باطل سے نفرت دلاتے۔

وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز میں ابو سلیمان کی خدمت میں حاضر تھا، ایک شخص ان کے نزدیک از روئے احکام حد شرعی کا مستوجب تھا، جس سے خود ان پر دہشت طاری تھی، اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے، انھوں نے جھڑکیاں دے کر اس قسم کی حرکت پر اسے ملامت کی، اور اپنی رحمدلی اور رقت قلب کے سبب انھوں نے حکم دیا کہ اس ملزم کو ان کے پاس سے دوسری جگہ لیجا کر گواہوں کے سامنے اس پر حد جاری کی جائے۔

غرض ابو سلیمان ہر ایک پر شفقت کرتے تھے، آخر میں وہ مالقہ کے والی بنائے گئے، اور اسی عہدہ پر مامور تھے کہ ان کی وفات ہوئی۔

ولادت ابو سلیمان ۵۵۳ھ میں شہر آبذہ میں پیدا ہوئے۔

وفات ابو عبد الرحمن بن غالب بیان کرتے ہیں کہ روز شنبہ ۶ ربیع الآخر ۶۲۱ھ میں صبح کی نماز کے بعد ابو سلیمان نے وفات پائی، اسی روز بعد نماز عصر جبل فارہ کے دامن میں ایک روضہ میں جہاں انکے بھائی

ابو محمد مدفون تھے۔ دفن کئے گئے، لوگ جنازہ کے ساتھ ان کی ستائش و توصیف کرتے جاتے تھے، بیان کیا جاتا ہے کہ عورتیں اپنے اپنے گھروں سے نکل کر جنازے میں شریک ہو گئی تھیں، اور بچے بھی ان کے لئے دعائیں کرتے اور روتے جاتے تھے۔

رضوان نصری حاجب معظم

نام رضوان نام ہے، دولت نصریہ کے قابل فخر موالی اور اس کی نیکیوں میں سے تھے۔

اولیت رضوان رومی الاصل تھے، ایک دفعہ انھوں نے مجھ سے بیان کیا کہ وہ اہل قاصارہ میں سے ہیں، ان کا نسب دادھیالی جہت سے قشتالہ سے، اور ننھیالی واسطہ سے برجلونہ سے ملتا ہے، اور یہ دونوں خاندان اپنی قوم میں شریف ہیں، ان کے والد اپنے وطن میں جو قشتالہ کے تحت تھا ایک خون کے مرتکب ہوئے تھے جس کے خوف سے وہ دوسری جگہ میں جا کر پناہ گزیں ہوئے، مگر ان کا راز فاش ہو گیا اور وہ گرفتار کر لئے گئے، رضوان اس وقت بچہ تھے، وہ شاہی محل سرا میں لائے گئے، سلطان ابو الولید نے جو اس وقت تک بادشاہ نہیں بنائے گئے تھے ان کو خرید لیا، اور ہمیشہ اپنے ساتھ رکھا، وہ اپنے آقا کے عروج اقبال کے ساتھ ساتھ اپنے عروج کے مدارج بھی طے کرتے رہے، سلطان ابو الولید نے خاص طور سے اپنے شہزادہ کی تربیت ان کے سپرد کی، اور ان کی غیر معمولی امانت سے متاثر ہو کر ان کو اپنا مقرب خاص بنایا، ان کی صاف گوئی سے مشکل سے مشکل امور حل ہوئے، اکابر دولت کو اعلیٰ سے اعلیٰ انعام و اکرام انھیں کے ہاتھ سے دلوائے گئے، غرض سلطان ان کے بےحد حق خدمت اور ان کی فضیلت سے کافی واقف تھے، جب سلطان ابو الولید کا انتقال ہو گیا تو وہ سلطان کے فرزند کی حکومت سے وابستہ ہو کر شاہی جماعت کی حفاظت

رعایت اور حمایت ملکی میں مصروف ہوئے، وہ حرم کے پردہ دار اور دشمنوں کے حلق میں پھنسنے والی ہڈی تھے، بوقت مصائب سہارا، اور بوقت راحت باعث زینت تھے، خدا کی رحمت ان پر نازل ہو۔

حالات واوصاف

رضوان کی صورت نیلگوں تھی اور بال بھی نیلگوں تھے، قد وقامت میانہ، جسم مہیب، صورت پسندیدہ، جسمانی ساخت موزوں، اور سینہ کشادہ تھا، رائے میں اصابت، اور عقل میں پختگی تھی، بہت خوش وضع تھے، مصائب میں صابر وبے باک، اور سختیوں میں ثابت قدم رہتے تھے، بڑے تجربہ کار، بلند ہمت، اور خود دار تھے، پرحشمت، شرافت کی نشانی، اور پاکیزگی کی مثل تھے، سنت کے پابند اور جماعت کے عادی تھے، اور ہمیشہ قبلہ رو بیٹھتے تھے، ان کی قوت ادراک بہت تیز اور پرسکون تھی، ذہن روشن بظاہر غفلت آلودہ تھا، اور وقار ومتانت کے ساتھ روایتیں بھی کرتے تھے، اہم تاریخی واقعات پر حاوی، فقہ اور حدیث کے مسائل کے حافظ، اقلیموں کے نقشے اور ممالک کے جغرافیہ سے باخبر اور بڑے سیاست داں تھے، علماء کی قدر ومنزلت کرتے تھے، مزاج میں رفق ولینت اور تصنع کم تھا، اہل بدعت سے نفرت کرتے، ظاہر وباطن یکساں رکھتے، غذا اور لباس میں میانہ رو رہتے تھے۔

عادات واخلاق

تمام لوگ اس پر متفق ہیں کہ رضوان نے کبھی مسکر شئے کو ہاتھ نہیں لگایا، آرام طلبی نہیں کی، مشتبہات سے آلودہ نہ ہوئے، اور اپنی کسی خصلت میں کوئی ایسا عیب ظاہر نہ ہونے دیا جو ان کے منصب کو مجروح کرتا، کسی کو ناجائز سزا نہیں دی، غیظ وغضب میں بھی کسی کو نہ ستایا، تجارت اور زراعت کے علاوہ کسی اور ذریعے سے مال جمع نہیں کیا۔

یادگاریں

غرناطہ میں کوئی مدرسہ نہیں تھا، رضوان نے ایک مدرسہ قائم کرکے اس کو بہت سے فوائد کا باعث قرار دیا، اس پر ایسے مکانات وقف کئے جن کی آمدنی بہت تھی، اور چونکہ اس مدرسہ کا قیام تنہا ان کی

ذات سے وابستہ تھا اس لئے وہ مدرسہ اپنی خوبی عظمت، اور انتظام میں یگانۂ روزگار ہوگیا، انھوں نے پانی کا انتظام اور بندوبست کیا اور اس کی سیرابی کی آمدنی کو اسی مدرسہ پر وقف کر دیا، ربض البیازین (غرناطہ کی ایک وسطی آبادی) کی چاروں طرف بہت بڑی فصیل قایم کر کے تھوڑے دنوں میں یہاں کی نشیب و فراز زمین کو منتظم کر دیا، جس کی تکمیل ابھی اس عہد میں انجام کو پہونچی ہے سرحدی مقامات کے کمزور حصوں میں مستحکم برج بنوائے، اور وہاں کے چالیس سے زیادہ سابقہ برجوں کی مرمت کرائی، یہ برج البیرہ کی سرحد میں بحر شرقی اور حدود غرب کے درمیان میں واقع ہیں اور چمکتے ہوئے تاروں کی طرح روشنی کے مناروں کا کام دیتے ہیں، نیز انھوں نے جبل مورور سے نہر نکالی، اور یہ ان کے لئے ایک ایسی ہدایت تھی جو ان سے پہلے لوگوں پر آشکارا نہ ہوسکی، اسی طرح ان کے اور مخصوص کارنامے ہیں جن کا شمار نہیں ہوسکتا ہے۔

جہاد رضوان نے ۲۶ محرم ۷۳۳ھ میں شہر باغہ پر چڑھائی کی، یہ شہر اپنی شہرت اور موقع کی خوبی کے لحاظ سے اہمیت رکھتا تھا، انھوں نے اس کا سختی سے محاصرہ کر کے اس کی بیرونی امداد کا سلسلہ روک دیا، اور بزور شمشیر اس پر قبضہ کر کے اس کو فوجی چھاؤنی قرار دیا، اور یہاں ان لوگوں کو آباد کیا جو اس کی حمایت و حفاظت کر سکتے تھے، اس شہر کی فتح نہایت اہمیت و عظمت رکھتی تھی۔

اوائل محرم ۷۳۲ھ[1] میں شرقی دشمن سے جنگ کرنے کے لئے رضوان فوج لے کر نکلے اور منزلیں طے کرتے ہوئے بلاد قشتالہ، لورقہ اور مرسیہ سے گزر کر حصن المدور پر اپنی فوج اتاری، یہ حصن دشمن کے شر و فساد کا مامن بنگیا تھا، اس کے ہر چہار طرف شہر آباد تھے، اور یہ ایک تجارتی مقام تھا، وسط محرم سنہ مذکور میں جنگ کر کے انھوں نے اسے بزور فتح کیا، اور بکثرت مال غنیمت اور اسیران جنگ لے کر واپس آئے۔

رضوان کی جنگوں کی تعداد بہت ہے از انجملہ ایک وہ جنگ ہے جس میں

---

(۱) غالباً سنین کی تقدیم و تاخیر کی ترتیب ملحوظ نہیں ہے، یا شاید طباعت کی غلطی ہے ۱۲

انھوں نے مشہور امیر ابو مالک کو جبل فتح کے معرکہ میں کافی مدد دی تھی، جس میں ان کے صبر و سکون کا ایک واقعہ پیش آیا جو عام طور سے مشہور ہے اور جس کی منقبت بیان کی جاتی ہے، اور جس سے ان کے یقین صادق اور جہاد کی سچی نیت کا پتا چلتا ہے، وہ واقعہ یہ ہے کہ رضوان نماز میں مشغول تھے کہ عین اس حالت میں ایک تیر آکر ان کے ہاتھ میں لگا، تاہم انھوں نے اپنی نماز جاری رکھی اور دوسرے تیر کے آنے کی توقع تھی پھر بھی انھوں نے اپنے عمل نیک کو باطل نہیں کیا۔

خدمات اور مصائب

جب امیر محمد بن امیر المسلمین ابو الولید بن نصر جو رضوان کے خاص تربیت یافتہ تھے، مسند آرائے حکومت ہوئے، اور ان کے والد کے وکیل فقیہ ابو عبد اللہ بن محروق نے حکومت کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیا اور رضوان سے وفاداری اور اخلاص سندی کا عہد پیمان باندھا تو اس کے بعد ہی رضوان پر ایک تازہ مصیبت توڑی گئی، رجب ۷۲۸ھ میں ابن محروق نے ان کو گرفتار کرا کے المنکب کی بندرگاہ بھیجدیا، اور قلعے کے زندان میں جو زیر زمین تھا مقید کردیا اور اس قدر برا سلوک ان کے ساتھ روا رکھا کہ عوام کو ناگوار گذرا، جس کی وجہ سے وہاں کے حالات میں رخنہ پڑ گیا تو وہ بہ عبور دریا تلمسان بھجوا دیئے گئے، لوگ ابھی وہاں گئے ہوئے زیادہ دن گذرنے نہ پائے تھے کہ ابن محروق قتل کر دیے گئے، سلطان نے فی الفور رضوان کو اپنے پاس طلب کرکے سابقہ مرتبے پر انھیں مامور کیا، اور حسب منشاء عزت اور شاہی عنایات سے سرفراز کئے گئے، سلطنت کی کلیدان کے حوالہ کی گئی، تمام امور ان سے متعلق ہو گئے، سیاہ و سفید ہر قسم کا ملکی اختیار ان کو دیا گیا، اور کامل آزادی عطا کی گئی، ان کی یہ حالت ۷۳۲ھ تک برقرار رہی، مگر اس کے بعد سلطان کو ان سے تکدر پیدا ہو گیا، دفعۃً سلطان کی وفات ہو گئی جس کی وجہ سے اللہ تعالےٰ نے انھیں شاہی گرفت سے بچا دیا، پھر سلطان کے بھائی ابو الحجاج تخت نشین ہوئے، ان کے عہد میں بھی لوگوں کے اجماع اور اتفاق سے اوائل محرم ۷۳۴ھ میں وزارت

کے لئے وہ منتخب کئے گئے ان کی وزارت سے سب راضی ہوئے، اور عام و خاص نے خوشیاں منائیں، کیونکہ ان کی وجہ سے تمام منافستوں کا خاتمہ ہوگیا، اور جس قدر لوگ اس عہدہ کے لئے باہم حریف تھے انھوں نے بھی انکے توسط کو پسند کیا، اور بعض نفوس کو اس بات کی خوشی ہوئی کہ وہ ان کے کینے سے محفوظ رہے، غرض رضوان نے وزارت کا جائزہ لے کر حکومت کے دامن کو پھیلا دیا، حکمرانی کے تمام اختیارات تنہا اپنے ہاتھ میں لے لئے، احکام کے نفاذ، گورنروں کی ترقی و تنزل، گفت و شنید کے سوال وجواب اور فوج کی نقل و حرکت میں بیحد سعی کی، یہ حالت ۲۴ رجب ۷۶۰ھ تک قایم رہی مگر اس کے بعد امیر مذکور نے بغیر کسی مشہور و معروف لغزش اور غلطی کے انھیں ہولناک مصیبت میں مبتلا کردیا، جس کی وجہ شر انگیز منافست اور جھوٹی سازش کے سوا جس سے کہ کوئی شاہی دربار خالی نہیں ہے اور کچھ نہ تھی، نماز مغرب کے بعد وہ جامع حمراء کی محراب میں موجود تھے وہیں گرفتار کئے گئے، برہنہ تلواریں ان کے سر پر اٹھ گئیں تلواروں سے ان کا احاطہ کیا گیا، اور لوگ انھیں گھسیٹتے ہوئے حمراء کے ایک مکان تک لے گئے نیز سلطان کے چند معتبر آدمیوں نے ان کے گھر پر اچانک حملہ کرکے تمام سازوسامان پر قبضہ کرلیا، اور ان کی جائداد غیر منقولہ مستخلص میں ضم کردی گئی، چند دنوں کے بعد وہ المریہ کے قلعہ میں بھیج دئے گئے، وہاں قیدخانہ میں ان پر سختیاں کی گئیں، اور ان پر پہرے بٹھائے گئے، مگر یہ حالت اوائل ربیع الثانی ۷۶۰ھ تک رہی، اس کے بعد وہ سلطان کے نزدیک ناکردہ گناہ ثابت ہوئے، اور انھیں واپس بلانے کی چارہ ناچار ضرورت لاحق ہوئی، کیونکہ ان کی اخلاص مندی، امانت، اور رائے کے استفادہ سے سلطان محروم ہوگئے تھے، اس لئے جب سلطان نے خواب میں دیکھا کہ رضوان کے عفو تقصیر کا مسئلہ ان کے سامنے پیش کیا گیا ہے، تو انھیں معافی دے کر ان کی سابقہ عزت عطا کرکے جس قدر ان کا مال و متاع تلف ہوا تھا اسی قدر ان کے حوالہ کردیا، نیز وزارت کا عہدہ ان کے سامنے پیش کیا مگر انھوں نے اسکے قبول کرنے سے انکار کردیا، اور اس کی بجائے گوشہ نشینی کی لذت اور عافیت

کی ٹھنڈک کو ترجیح دی۔

جب سلطان مذکور نے غرہ شوال ۵۵ھ میں وفات پائی تو رضوان نے فسادات کی اصلاح اور مصائب کا سدباب کرکے سلطان مرحوم کے فرزند سعید اور ہمارے سلطان ابو عبداللہ کی بیعت لی، اور ان کی حکومت خوش اسلوبی سے قایم کرکے نہایت وفاداری سے خدمت انجام دینے لگے، اس وقت ان کا تجربہ پختہ ہو چکا تھا، عمر بھی زیادہ ہو چکی تھی، اور لقاء الٰہی کے خوف سے ان میں شفقت بہت زیادہ پیدا ہو گئی تھی، اس لئے انھوں نے جس قدر عدل، مدارات اصلح، اور فوجی امور کی اصلاح کے فرایض انجام دئے، وہ احاطۂ سوال سے باہر ہیں، اس عہد میں ان کے تمام حالات و اوصاف مسلسل ایک حالت پر قایم رہے، اور ان کی عمر نوے سال کے بین بین تھی، یہاں تک کہ وہ واصل بہ حق ہوئے۔

خدا ہی جانتا ہے کہ ان کی اس بلند تر منقبت اور سیرت بیان کرنے میں میرے لئے کوئی سبب اور داعی باعث نہیں ہے بلکہ یہ ایک سچی بات کا اظہار اور فضیلت کی حجت کو تسلیم کرنا ہے، میں نے اس بیان میں میانہ روی اختیار کی ہے، کیونکہ اللہ تعالے فرماتا ہے (واذا قلتم فاعدلوا) جب تم کچھ کہو تو عدل سے کام لو۔

وفات

۲۸ رمضان چہارشنبہ کی شب کو ۶۰ھ میں جبکہ رضوان آخری تنہائی شب کی زندہ داری سے فارغ ہو کر معمولی لباس میں ملبوس تھے، اور خالص نیت کے ساتھ امن و عافیت کی سانس لے رہے تھے کہ دفعتہً غداروں نے سلطان پر حملہ کرنے کے بعد ان کے گھر پر حملہ کیا، اور دیر تک تدابیر کرکے دروازے کو توڑ ڈالا اور اندر گھس کر زن و فرزند کے ساتھ ان کو قتل کر دیا، اور ان کا سر کاٹ کر اس شخص کے پاس لے گئے جو صاحب حکومت ہو گئے تھے۔

لوگوں نے رضوان کو قتل کرکے اسلام کے ایک ماہر سیاست کو کھو دیا جو بڑے صابر، عفیف، اور باکمال لوگوں میں آخری شخص تھے، اور جو تنہا سرزمین

اندلس پر بھاری تھے، دوسرے دن ان کا سر اور جسم باہم ملا کر الجوسے کے مقابل ایک مقام میں جو سبیکہ کے پس پشت اور قریب تر واقع ہے دفن کر دیا گیا، جنازے میں بہت تھوڑے لوگ شریک ہوئے، مگر بعد کو ان کی قبر متبرک سمجھی جانے لگی، نماز جنازہ کے وقت میں نے بخیال احتیاط آہستہ آہستہ حسب ذیل ابیات میں ان کو مخاطب کیا۔

أرضوان لا توحشك فتكة ظالم	اے رضوان کسی ظالم کے ظلم سے پریشان خاطر نہ ہو
فلامورد الا سيتلوه مصدر	ہر ایک آنے کی راہ کے ساتھ اس کے جانے کی راہ بھی ہے
ولله سترفي العباد مغيب	بندوں کے متعلق اللہ کا راز مخفی ہے
يشهر خافيه القضاء المقدر	جسے قضا و قدر ہی ظاہر کرتی ہے
سميك هرتاح السماك مسلم	تیرا ہمنام تجھ سے خوش ہے اور تجھ پر سلام کہتا ہے
عليك درضوان من الله اكبر	اور اللہ کی رضامندی سب سے بڑی چیز ہے
فحث المطاليس النعيم بمنقض	پس سواری کو آگے بڑھا نعیم گذر جانے والی نہیں ہے
ولا العيش في دار الخلود مكدر	اور نہ دار الخلود کے عیش میں کچھ کدورت ہے۔

زاوی بن زیری بن مناد صنہاجی

نام و کنیت زاوی نام، ابو مثنیٰ کنیت، اور الحاجب المنصور عرف ہے قبیلہ صنہاجہ سے تھے۔

اولیت زاوی کے باپ زیری اور ان کے ایک قریبی رشتہ دار بادیس بن منصور شاہ افریقیہ کے درمیان جو عداوت پیدا ہو گئی تھی اس کا ذکر اوپر گذر چکا ہے، اس عداوت کے باعث زاوی نے مظفر بن ابو عامر سے مراسلت کرکے اندلس میں چلے آنے کی اجازت طلب کی جو منظور ہو گئی، اور معاودے کے بعد صنہاجہ کی ایک جنگجو اور خونریز جماعت اپنی سیادت میں لے کر اندلس میں وارد ہوئے، اور اپنے تین بھتیجے ماکسن، حباسہ اور حبوس

کو بھی ساتھ لائے، اور یہ سب مظفر کی جماعت میں شریک ہو گئے، زاوی کو خصوصیت سے حجابت کی خدمت عطا کی گئی۔

جب محمد بن عبدالجبار ملقب بہ مہدی کے عہد میں خلافت کی بنیاد متزلزل ہوئی اور اس نے صنہاجہ کو ذلیل کرنا شروع کیا، اور نہایت بے رخی سے صنہاجہ اور عموماً تمام بربری قبائل کے ساتھ مغائرت برتی تو ایک فتنہ اٹھ کھڑا ہوا، یہی وہ فتنہ ہے جسے اہل اندلس بربری فتنہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں، تمام بربری قبائل نے متنفر ہوکر معاہدہ توڑ دیا، اور سلیمان بن الحکم کی بیعت کرکے اور عیسائیوں سے امداد لیکر بالعموم اہل اندلس اور بالخصوص اہل قرطبہ کا قتل عام شروع کیا، ہر طرف لوٹ مچائی، اور سرزمین اندلس اور اس کے پایہ تخت پر غالب آکر اس کے بڑے بڑے حصوں کو باہم تقسیم کرلیا، اور ہر ایک قبیلہ نے جس جس شہر میں اپنی گنجایش دیکھی وہ وہاں جا بسا، قبیلہ صنہاجہ بھی اپنے سردار زاوی کے ساتھ غرناطہ میں آیا، اور اس کو اپنا مسکن اور مامن بنایا، اور اس کی حمایت و حفاظت کے لیے سینہ سپر ہو گیا، زاوی یہاں کے بادشاہ قرار پائے، اور انھوں نے یہاں اپنے خاندان کے لئے سلطنت کی مضبوط بنیاد رکھی، چنانچہ یہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے غرناطہ کا شہر بسایا، یہاں عمارتیں بنوائیں، اور اس کو بہت زیادہ مستحکم کردیا، اور اس وقت تک اپنی مسلسل حکمرانی اور سکونت قایم رکھی، جب تک کہ ان سے موالی کی جنگ پیش نہیں آئی تھی جس میں امام مرتضیٰ موالی کو اپنی سرکردگی میں لے کر قرطبہ واپس جاتے ہوئے زاوی سے لڑے تھے، اور زاوی اس لشکر پر غرناطہ اور اس کے بڑے علاقہ میں غالب آئے تھے، اس جنگ کا ذکر انشاء اللہ مرتضیٰ کے نام اور موحدین کے باب میں آئے گا،

زاوی نہایت جنگ آزما سردار اور مصائب دور کرنے میں بہادر تھے، سیاست دانی، اصابت رائے، شجاعت، خودداری، اور عاقبت اندیشی میں مشہور تھے، اپنی قوم کی خدمت کرکے انھوں نے اور زیادہ شہرت و بزرگی حاصل کی تھی۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ زاوی کی تدبیریں نہایت استوار ہوتی تھیں، حکومت ان کی مساعد اور تقدیر ان کی معاون رہتی تھی، ان کی جنگ کے متعلق عجیب و غریب حکایتیں مشہور ہیں۔

زاوی کے بعض واقعات

ابو مروان بربری فتنہ کا تذکرہ کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ جب بربری گروہ اپنے امور میں باہمی مشاورت کے لئے قصر ہلال میں باہر نکل کر تاسی کے گرد جمع ہوا، اور قرطبہ سے نکل جانے کے لئے تیار ہوگیا، تو زاوی بن زیری بن مناد صنہاجی نے جو سرگروہ تھے تمثیل دینے کے لئے پانچ نیزوں کو ملاکر باندھا اور گروہ کے ایک سب سے زیادہ قوی شخص کو دیکر کہا کہ ان کو اپنی پوری طاقت سے توڑ ڈالو، اس نے ہر چند اپنا پورا زور صرف کیا مگر اس میں ناکام رہا، پھر زاوی نے اس سے کہا کہ ہر ایک نیزہ کو علیحدہ علیحدہ توڑو، اس ترکیب سے اس نے سب کو توڑ دیا، یہ دیکھ کر زاوی نے سب کو مخاطب کرکے کہا، اے بربرہ! تمھاری بھی بجنسہٖ یہی مثال ہے، اگر تم باہم متفق اور مجتمع رہے تو سب پر حاوی رہوگے، ورنہ تم میں پھوٹ پڑجانے سے تمھارا ایک فرد بھی زندہ باقی نہیں رہے گا، دشمن تمھارے تعاقب میں ہیں اس لئے تم جلد سے جلد اپنے معاملہ پر غور کرلو، سب نے جواب دیا کہ ہم اپنا ایک معتمد چاہتے ہیں اور اپنی ہلاکت کے خواہاں نہیں ہیں، زاوی نے کہا تم لوگ سلیمان کی بیعت کرو جو قرشی ہیں، وہ تمھاری تمام ذلتوں کو دور کرینگے، اور عام لوگوں کو اپنی قومیت کے نام پر ان کی طرف مائل کرو۔

جب سب سے سلیمان کی بیعت لی جاچکی تو زاوی نے کہا، لوگو! تمھاری یہ حالت دیر تک قایم نہیں رہ سکتی ہے، اس لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ ہر ایک قبیلہ کا سردار اپنے اپنے قبیلے کی قیادت کرے، اور سب کے سب باقاعدہ منتظم ہوکر سلطان کے کفیل ہوجائیں، چنانچہ میں قبیلہ صنہاجہ کو لے کر ان کا کفیل بنتا ہوں۔

غرض تمام چھوٹے چھوٹے قبیلوں نے اپنے اپنے سردار کا انتخاب کیا، قبیلۂ صنہاجہ نے زاوی کو اپنا سرگروہ بنایا اور پھر یہ سب بڑے قبائل کے تحت آگئے، اور متعدد طور سے انھوں نے اپنے اوپر امیر اندلس کی اطاعت وانقیاد کو لازم گردانا، تاآنکہ یہ قبائل خود ہی امارت کے وارث ہوگئے۔

توقیعات مذکور ہے کہ جب مرتضیٰ نے موالی عامریین کو لے کر بیرون غرناطہ زاوی سے جنگ کی تو اس نے پہلے زاوی کو اپنی اطاعت کی طرف مدعو کیا، اور ان سے خوش آیند وعدے کئے، جس وقت مرتضیٰ کا مراسلہ زاوی کے سامنے پڑھا گیا، تو انھوں نے اپنے کاتب سے کہا کہ اس رقعہ کی پشت پر سورۂ "قل یا ایہا الکافرون" لکھ کر بھیجدو، مرتضیٰ نے یہ جواب پڑھکر دوبارہ تہدید آمیز مراسلہ لکھا، زاوی نے اس کے جواب میں پوری سورۂ "الہاکم التکاثر حتی زرتم المقابر" لکھوا کر بھیجی، اس جواب سے مرتضیٰ کا غیظ وغضب اور زیادہ تیز ہوا، اور اس نے جنگ کا آغاز کردیا، مگر اس جنگ میں زاوی غالب آگئے۔

مورخ مذکور کا بیان ہے کہ تنہا قبیلۂ صنہاجہ باوجود اپنی قلت تعداد کے اپنے سردار کی قیادت میں لڑا، اور جنگی دریا میں نہنگ موت سے زورآزمائی کی، اس جنگ میں اہل اندلس کو ایسی شکست ہوئی اور مسلمان اور فرانسیسی اس طرح بھاگے کہ انھوں نے مڑکر بھی نہ دیکھا، بربروں کی تلواروں نے بے حد وشمار بھاگنے والوں کو قتل کیا، اور ان کو اتنا لوٹا جس کی کوئی نظیر نہیں، ہر ایک بربری سوار شکست خوردہ لوگوں میں سے دس دس کو پکڑ لایا، اور لوٹ میں عمدہ عمدہ سامان امراء اور رؤساء کے نفیس خیمے اس کثرت سے ان کے ہاتھ آئے جن کا حساب نہیں۔

ابن حیان کہتے ہیں کہ اس جنگ سے اہل اندلس پر اتنی بڑی مصیبت ٹوٹی جس نے ان کے تمام گذشتہ مصائب کو فراموش کرادیا، اور جس کے بعد پھر کبھی ان کی اجتماعی قوت قایم نہیں ہوئی، اور وہ برابر ذلیل وخوار سرگرداں رہے۔

اندلس سے زاوی کی روانگی

مورخ مذکور کا بیان ہے کہ زاوی نے لڑائیوں میں اندلس کے شرفا اور جنگ آزما لوگوں کی قوت و شوکت کی ہولناکیوں کا اس قدر مشاہدہ کیا تھا کہ اندلس کی حکمرانی ان پر آسان ہوگئی تھی، تاہم عاقبت اندیشی کے خیال سے انھوں نے اس ملک سے چلا جانا چاہا، اور اپنی قوم کی ایک جماعت کو بھی اس مقصد پر عمل کرنے کی دعوت دی، مگر اس نے ان کی ہمنوائی نہیں کی تو انھوں نے اپنے اہل و عیال اور لشکر کو ساتھ لیا اور جہاز پر سوار ہو کر اپنے وطن افریقیہ میں چلے گئے۔

دولت حمودیہ کا یہ عجیب و غریب واقعہ ہے کہ شیخ زاوی اندلس پر عظیم الشان فتح حاصل کرنے کے بعد اس ملک کی حکمرانی سے کبیدہ ہو گئے اور اپنے برادر زادہ معز بن بادلیس سے اجازت لے کر سمندر کو عبور کر کے اپنے وطن میں جا پہنچے، چونکہ زاوی کے بنو عم کی حالت قیروان میں ابتر ہو رہی تھی، اس لئے وہ ان کی واپسی کے مشتاق تھے، اور چونکہ زاوی کے تمام بھائیوں کا انتقال ہو چکا تھا اس لئے وہ لوگ زاوی جیسے خاندان کے ایک بزرگ کو اپنے پاس رکھنا چاہتے تھے، چنانچہ وہ بنو مناد کی مسند سیادت پر بٹھائے گئے، خاندان کی تمام عورتوں نے جن کی تعداد ہزار سے زیادہ تھی محرم ہونے کی وجہ سے ان سے پردہ اٹھا دیا، کیونکہ وہ عورتیں کچھ ان کے بھائیوں کی اور کچھ بھائیوں کی اولاد کی بیٹیاں تھیں۔

زاوی نے اندلس سے ۴۱۶ھ میں کوچ کیا، ابن حیان کہتے ہیں کہ اس مدبر شخص کے واقعات اور مشہور کارنامے بہ کثرت ہیں۔

زہیر عامری فتی منصور بن ابو عامر

نام زہیر نام ہے۔

حالات زہیر زیرک، مدبر اور سخت مذہبی شخص تھے، اور عورتوں کو زیادہ محبوب رکھتے تھے، خیران کے بعد جو المریہ کے حکمراں تھے ۳ر جمادی الاولی بروز جمعہ ۴۱۹ھ میں وہ یہاں کے بادشاہ بنائے گئے، انھوں نے نہایت عمدگی سے حکومت کے فرائض انجام دیئے۔

زہیر پہلے مرسیہ کے امیر تھے، خیران نے جب اپنی موت کے آثار محسوس کئے تو انھیں اپنے پاس طلب کیا، وہ ان کے پاس آگئے اور المریہ ہی میں موجود تھے کہ خیران نے انتقال کیا، ابن عباس زہیر کو اپنے ساتھ لیکر لوگوں کے پاس آئے اور کہا، لوگو! خلیفہ خیران کا انتقال ہو چکا ہے، اور وہ اپنے بھائی زہیر کو اپنا جانشین کر گئے ہیں، اب تمھاری کیا رائے ہے؟ لوگوں نے ان کے متعلق اپنی رضامندی ظاہر کی، زہیر نے ساڑھے دس سال تک حکومت کرنے کے بعد جام شہادت نوش کیا۔

مناقب ابوالقاسم غافقی کہتے ہیں کہ زہیر خوش سیرت تھے، انھوں نے المریہ میں ایک مسجد بنوائی تھی، جس کی تین سمت یعنی مشرق، مغرب اور جنوب میں عمارتوں کا اضافہ کیا تھا، ایک مسجد بجایہ میں بھی تعمیر کرائی تھی، وہ فقہاء سے مشورہ لیتے، اور ان کے قول پر عمل پیرا ہوتے تھے۔

قرطبہ پر بھی زہیر نے حکمرانی کی ہے، ۲۵ر شعبان بروز یکشنبہ ۴۲۵ھ میں وہاں کے قصر میں داخل ہوئے تھے، ساڑھے پندرہ ماہ تک ان کی وہاں حکومت قایم رہی۔

ابن عذاری کا بیان ہے کہ زہیر المعتی کے ملک کی وسعت ایک طرف قرطبہ اور اس کے مضافات تک، دوسری طرف شاطبہ اور اس کے حوالی تک، تیسری طرف بیاسہ تک اور چوتھی طرف الفرج تک تھی، الفرج سے طلیطلہ کی حد شروع ہوتی ہے۔

مورخین بیان کرتے ہیں کہ بادیس نے زہیر کے پاس تجدید مخالفت کے لئے اپنا ایک ایلچی روانہ کیا، زہیر اپنی خود نمائی کے نشہ میں اس قدر سرشار تھے کہ وہ حزم و احتیاط کی تمام باتیں بھول کر اور اپنی کثرت پر اعتماد کرکے

بہ عجلت تمام بادیس کی مملکت کی طرف خود روانہ ہو گئے، اور جس طرح کوئی بڑا بادشاہ اپنے کسی عامل کے پاس جاتا ہے ٹھیک اسی طرح انھوں نے اپنے آپ کو سمجھا، اور ہم پلہ لوگوں سے ملنے کے آئین و دستور کو ترک کر کے غیر محتاط طریقے پر شتر بے مہار کی طرح چلے، یہاں تک کہ بادیس کے ملک کی سرحد پر بھی نہ ٹھہرے، جہاں انھیں ٹھہر جانا تھا، اس کی اجازت کے بغیر آگے بڑھتے چلے گئے، اور جس قدر تنگ اور مشکل راستے تھے ان کو انجام پر غور کئے بغیر پس پشت ڈالتے گئے، جب وہ حدود غرناطہ میں داخل ہو گئے، اور شہر کے قریب پہونچے تو بادیس اپنی جماعت لے کر نکلا، مگر اس وقت اس نے ان سے لڑنا مناسب خیال نہیں کیا، اور انھیں اپنے پنجے میں گرفتار سمجھ کر ان سے حکمت عملی کے ساتھ پیش آیا، پہلے اس نے ان کا انتہائی اعزاز کیا. ان کی اور ان کی جماعت کی ضیافت اور داد و دہش میں سیر چشمی دکھائی، اور ہر ممکن طریقے سے انھیں مطمئن کرنے اور دھوکے میں رکھنے کی کوشش کی، بعد ازاں زہیر اور بادیس میں اور ان دونوں کے ارباب دولت میں باہم مکالمے شروع ہوئے، مگر پہلی ہی گفت و شنید میں اس قدر اختلاف رونما ہوا کہ زہیر اپنے معاملے میں حد سے زیادہ تجاوز کر گئے، بادیس بھی نبرد آزمائی پر آمادہ ہو گیا اس کے خدام نے بھی اس کی تائید کی، اس نے فی الفور گفت و شنید کے تمام مراتب اٹھا دئے، فوج کے چند دستوں کو آراستہ کیا، اور پل توڑ دیا تاکہ زہیر اس پر سے گزر کر واپس نہ جا سکیں، یہ دیکھ کر زہیر اور ان کی جماعت کے تمام لوگ ششدر ہو گئے، تاہم وہ خود ثابت قدم رہے، اور اگر وہ اسی طرح آخر تک قائم رہتے تو ان کے لئے نہایت عمدہ تدبیر تھی، غرض وہ ثابت قدمی سے کھڑے ہوئے اور جنگ کی، قلب لشکر میں خود موجود رہے، اور اپنے جانشین ہذیل کو چند سربرآوردہ لوگوں کے ساتھ موالی کی جماعت میں آگے رکھا، قبیلۂ صنہاجہ نے اپنے حریف کو اس طرح آراستہ دیکھا تو وہ زہیر کی صفوں کو چیر کر اندر گھس گیا، نہایت زور کا رن پڑا، خدا نے صنہاجہ کی چھوٹی سی جماعت کو اس جنگ میں فتحیاب کیا اور اس نے اپنی قدرت لوگوں پر ظاہر کی، زہیر اور ان کی

جماعت کو ہزیمت ہوئی، ان کا شیرازہ بکھر گیا، تلواریں برابر ان پر اپنا کام کرتی رہیں، اور ان کے بدن کے پرخچے اڑتے رہے، یہاں تک کہ زہیر بھی شہید ہو گئے، مگر ان کی لاش کا پتہ نہ چلا۔

بادیس کی جماعت کو مال، اسلحہ، زیورات، ساز و سامان، خیمے اور غلام اس کثرت سے غنیمت میں ہاتھ آئے کہ ان کا احاطہ نہیں ہو سکتا۔

بروز جمعہ آخر شوال ۴۲۹ھ میں بیرون غرناطہ قریۂ الفنت میں زہیر کی وفات ہوئی۔

طلحہ بن عبدالعزیز بن سعید بطلیوسی

اور ان کے دونوں بھائی ابوبکر و ابوالحسن بنو قبطرنہ

نام، وکنیت طلحہ نام اور ابو محمد کنیت ہے، ان کے دو بھائی تھے ایک ابوبکر دوسرے ابوالحسن۔

حالات یہ تینوں بھائی اندلس میں ادب کے سرچشمہ، شرافت، جلالت اور ظرافت میں مشہور تھے۔

ابوالحسن بن بسام ان میں سے ابوبکر کا ذکر کرتے ہیں کہ وہ کلام کے شہسوار، سیف و قلم کے حامل، اور معزز خاندان و اصیل گھرانے کے رکن تھے، اس خاندان کے ہر ایک پہلے شخص نے اپنے پچھلے شخص سے سلسلہ بسلسلہ علم حاصل کیا، اور بزرگوں سے ان میں علم وراثۃً منتقل ہوتا آیا۔

یہ تین بھائی بھی جوزا کے تین ستاروں کے مانند تھے، اور ستارہ شعریٰ سے بھی ان کا درجہ بلند تر تھا، ابو محمد اور ان کے دونوں بھائی شاہ لمتونہ کے ساتھ کاتب مقرر ہو کر غرناطہ میں آ گئے تھے، جیسے متعدد شخصوں نے بیان کیا ہے، میں نے بخیال اختصار صرف ابو محمد کے تذکرے پر اکتفا کیا

اوران کے دونوں بھائیوں کا ذکر تبعاً کردیا ہے۔

شاعری حسب ذیل اشعار ابو محمد کے ہیں،

ھلم الی روضنا یا زھیر	اے زہیر ہمارے باغ میں آجا
ولج الی سناء المنیٰ یا قمر	اور اے قمر تمناؤں کی بلندی پر نظر ہو
وفوق لا لنسلک سھم الاخا	اور اخوت کے تیر میں اپنے انس کا پیکان لگا
وفقد عطلت قوسہ والوتر	اس لئے کہ اس تیر کی قوس اور وتر معطل ہے
اذا لم تکن عندنا حاضراً	جب تو ہمارے پاس حاضر نہ رہے
فما لغصون الامالی ثمر	تو تمناؤں کی شاخیں بے ثمر ہیں
وقعت من القلب وقع المنیٰ	آرزو کی جگہ دل میں تو سما گیا ہے
وحزت من العین حسن الحور	اور آنکھ میں تو ہی سفیدی کا حسن بنا ہوا ہے

ابو نصر کہتے ہیں کہ ایک روز ابو محمد اپنے زمانۂ شوق میں دونوں بھائیوں کے ساتھ باغ بدیع میں شب باش ہوئے، یہ باغ وہ ہے جسے متوکل اپنی سیر و تفریح کے لئے پرتکلف رکھتے، اس کے عمدہ اوصاف سے شاداں ہوتے، اس کے پھول اور خوشبو پتوں کو توڑتے، بیداری اور خواب کے اوقات یہاں بسر کرتے، اسے جب یاد کرتے تو خوشی سے سر دھنتے، صبح و شام فرصت میں یہاں انس حاصل کرنا غنیمت سمجھتے، اس کے لب جو دور شراب کا جشن مناتے، اور اپنی جہری طاعت میں سر کو بھی افشا کردیتے تھے، الغرض اس باغ کی خوشگوار باد صبا میں ابو محمد اوران کے دونوں بھائیوں نے لذت اندوز ہوکر مسرت و شادمانی کی چادریں اوڑھ لیں، اور نشۂ شراب سے سرگراں ہوکر فرش پر گر پڑے، جب فجر کی چادر پر اوس پڑی، اور صبح کی پیشانی ہویدا ہوئی تو وزیر ابو محمد جاگ اٹھے اور فی الفور یہ دو شعر موزوں کئے:-

یا شقیقی دانی الصبح بوجہ	اے میرے دونوں بھائیو! صبح کا چہرہ صاف نمودار ہوگیا ہے
ستر اللیل نورہ وبھاؤہ	اور اس کی روشنی اور چمک نے رات کو چھپا دیا ہے
فاصطبحوا واغتنموا مسرۃ یوم	شراب صبوحی پیو اور آج کی مسرت کو غنیمت سمجھو
لست تدری بما یجیٔ مساؤہ	تمہیں نہیں معلوم شام کو کیا واقعہ پیش آئے گا،

دوسرے بھائی ابوبکر بھی جاگے اور یہ اشعار نظم کئے :-

یا أخی قم ترا لنسیم علیلا — اے بھائی! اٹھو اور بیمار بادِ نسیم کو دیکھو
باکرا لروض والمدام شمولا — وہ ٹھنڈی شراب کی طرح علی الصباح باغ میں آئی ہے
فی ریاض تعانق الزھر فیھا — وہ باغ جس کے پھول باہم گلے مل رہے ہیں
مثل ما عانق الخلیل الخلیلا — جیسے کوئی دوست اپنے دوست سے گلے ملتا ہے
لا تنم واغتنم مسرۃ یوم — سو نہیں بلکہ آج کی خوشی کو غنیمت تصور کرو
ان تحت التراب نوما طویلا — زمین کے نیچے بہت تک تو سونا ہی ہے

تیسرے بھائی ابوالحسن بھی بیدار ہو گئے، اور جب اونگھ ان کی آنکھوں سے دور ہوئی تو انھوں نے بھی یہ اشعار کہے :-

یا صاحبی ذرا لومی ومعتبتی — اے میرے دونوں رفیق! اپنی ملامت چھوڑ دو
قم نصطبح قھوۃ من خیر ما ذخروا — اٹھو اور شراب صبوحی کا بہتر ذخیرہ نوش کرو
وبادرا غفلۃ الایام واغتنما — زمانہ کی غفلت کو غنیمت سمجھ کر جلدی کرو
فالیوم خمر ویبدو فی غد خبر — آج شراب کا دن ہے اور کل رونا سخت ہوگا

ابوبکر ایک گائے کا مرثیہ کہتے ہیں، جس کو رتو والی قلموریہ نے لے لیا تھا، اور اس کے عوض میں اپنی زمین عاریۃً دی تھی۔

وأفقد بنیھا الرتو اُما حفیۃ — رتو نے اس گائے کو مجھ سے گم کردیا وہ ایسی دودھ دینے والی ماں تھی
اذا ھی حفت الفت بین وفدین — کہ جب بگڑ جاتی تو رنگ کے دو ٹیلوں کے درمیان مل جاتی تھی
تعنفنی امی علی ان رثیتھا — اس کے مرثیہ لکھنے پر میری ماں خفا ہوتی ہیں۔
وأنی قد اتبعتھا الدم من عینی — حالانکہ میں نے اس کی خاطر اپنی آنکھوں سے خون بہایا ہے
لما الفضل طوعا ارضعتنی حقبۃ — اس کو یہ فضیلت تھی کہ اس نے مجھے خوشی سے مدت تک دودھ پلایا تھا
وبالرغم امی ارضعتنی حولین — بخلاف اس کے میری ماں نے صرف دو سال مجبوراً دودھ پلایا ہے

محمد بن اسماعیل بن محمد بن فرج بن اسماعیل بن نصر

نام، کنیت، اولیت محمد نام اور ابو عبداللہ کنیت ہے دولت بنو نصر کا رئیس تھا، تاج و تخت شاہی پر حملہ کر کے خسران مبین کا مصداق ہوا، اس کی اولیت مشہور ہے۔

حالات نفاضۃ الجراب وغیرہ کتابوں میں مذکور ہے کہ یہ رئیس شیطان، بد صورت بلکہ مشارقہ کی اصطلاح میں حرفوش جیسی باتوں کا مرتکب شریر، کینہ، باغی، بدکار، فاسق، آوارہ، آبرو باختہ، اور بہت مسرف تھا، مشتبہ لوگوں سے اس کے تعلقات تھے، نوعمر لڑکوں کا دلدادہ تھا، حتیٰ کہ راستوں میں بھی وہ ان پر حاوی اور غالب رہتا تھا، وہ کتوں کا سردار، اور ان کے امراض کا معالج تھا، اور انھیں کتوں کی جماعت سے وہ اپنا شکار کرتا تھا۔

چونکہ شاہی خاندان میں قحط الرجال کی شکایت تھی اس لئے سلطان نے اپنی دختر کی شادی اس کے ساتھ کر کے اسے والی بنا دیا تھا، جب سلطان نے وفات پائی تو عنان حکومت بجائے اس رئیس کے حقیقی سالے کے سوتیلے سالے کے ہاتھ میں آئی جنھوں نے اس کی بدگوئی، بدصورتی، اور حکومت پر بار ہونے کے سبب سے قلعہ میں داخل ہونے اور امور سلطنت میں حصہ لینے کی اسے ممانعت کر دی، اور اسکی نعمتوں کو برقرار رکھ کر صرف شہر اور سکونتی مقامات میں آمدورفت کی اجازت دی، اس بنا پر اس نے اپنے حقیقی سالے کو تخت نشین کرنے کے لئے سلطان وقت کے خلاف اپنی ساس سے سازش کر کے مال و زر کی کافی امداد حاصل کی، اور چند شرر انگیز، بدکردار ڈاکو، لٹیرے، اور سفاک لوگوں کو اپنے سے ملا کر ان کم ظرف لوگوں کو دعوت دی جو صوبہ داری سے معزول کئے گئے تھے، یا ان کا درجہ گھٹایا گیا تھا، یا ان کے ایفاء وعدے میں تعویق ہوئی تھی، اور یا وہ اپنے مقاصد سے دور کر دئے گئے تھے، اور جسکی وجہ سے وہ سب موجودہ حکمراں سے رنجیدہ تھے،

چنانچہ ان میں سے کچھ لوگ رئیس کی امداد کے لئے تیار ہو گئے، تاہم یہ سب کے سب ابراہیم بن ابو الفتح جیسے شقی، جاہل اور بداطوار نہ تھے، بعد ازاں لوگوں نے قلعہ کی اندرونی باتوں کو حسب منشاء معلوم کر کے بیرون قلعہ اپنی جماعت ترتیب دی، اور رات کی تاریکی میں مخفی طور پر بعض وادی کی راہ سے قلعہ کی شہر پناہ کی دیوار کے اس حصہ میں پہنچے جہاں نہر کے اوپر ایک محراب بنی تھی جو قلعہ کی دیوار سے ملی ہوئی تھی، اور اس دیوار کی بلندی کا کچھ حصہ مرمت کے لئے منہدم کیا گیا تھا، ان لوگوں نے سیڑھیوں کے ذریعہ بآسانی اوپر چڑھ کر دیوار کو پھاندا اور قلعہ کے شہر میں آخری ثلث شب میں داخل ہو گئے، یہ چہارشنبہ کی شب اور ماہ رمضان کی ۲۸ تاریخ تھی پھر ان غداروں نے بڑی بڑی مشعلیں روشن کیں، لوگوں کو ستایا بادشاہ کے نائب رضوان نصری کو جو بڑے سیاست داں اور بقیہ شیوخ میں سے تھے قتل کر دیا، اور مجوزہ سلطان کو گھر سے باہر نکال لائے اور انھیں سلطان بنایا، اس طرح دنیاوی تحقیر کے ساتھ یہ رسم ادا ہوئی، مکار رئیس نہایت ارزل اور عجیب طریقہ سے شاہی زمرے میں داخل ہو کر سلطان کی ماں کی خدمتیں کرنے، اور سلطان کو ہلاکت خیز امور کی تعلیم دینے میں مصروف ہوا، سلطان کی خدمات و مشاغل کی سربراہی اپنے ذمہ لی، خرملی کے لباس میں ملبوس ہو کر سلطان کے پیش پیش رہنے لگا، اور سلطان کی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے سامان فراہم کرنے لگا، مگر جب اسے یہ معلوم ہو گیا کہ جب تک لوگ بغیر کسی جبر و اکراہ کے اس کے مطیع نہ ہو جائیں اس وقت تک اسے حکومت کا ملنا دشوار ہے تو اس نے نہایت لطیف حیلے سے سلطان کو لذات دنیاوی، شہوات نفسانی، اور خباثت میں مبتلا کر کے مار ڈالنے کی کوشش شروع کی، چنانچہ اس نے ایک طرف عوام کے سامنے سلطان کے حرکات سے اپنی بیزاری ظاہر کر کے ان کی وہ برائیاں کل بیان کیں جن سے لوگ سلطان سے متنفر ہو گئے، دوسری طرف اس نے نہایت ریاکاری سے سلطان کی حفاظت و حمایت کا بہانہ کر کے اپنی قوت و شوکت بڑھائی اور لوگوں سے خلا ملا پیدا کر لیا، بالآخر ۴ رشعبان ۷۶۱ھ میں اس نے سلطان کے سکونتی محل پر حملہ کر کے اور اپنے غدار دوستوں کو جوش دلا کر محل کا محاصرہ کر لیا،

سلطان کے منحوس وزیر نے بھی اس غداری میں شرکت کی، سلطان نے یہ
حالت دیکھی تو وہ اپنی حفاظت کے خیال سے ایک بلند برج پر چڑھ گئے، مگر
وہاں سے وہ اتارے گئے، اور ان کا سر تن سے جدا کیا گیا، جس کا بیان ان کے
نام میں پہلے گذر چکا ہے۔ سلطان کے قتل کے بعد سلطنت پر یہ رئیس مستولی ہوا،
اس وقت دو آدمیوں نے بھی اس کی مخالفت نہیں کی، اور چونکہ رومی طاغیہ قطالین
کے ساتھ برسرپیکار تھا، اس لئے رئیس نے اس کی مسالمت سے فائدہ اٹھایا
اور حکومت پر اپنے تسلط کو خوش آیند سمجھ کر رومیوں کے سامنے ایسے سخت اور
غیر معمولی شرائط پیش کئے کہ اس وقت ان کو رئیس کے پیش کردہ شرائط تسلیم کرنے
پڑے اگرچہ رومیوں نے اپنی فریب کاری مضمر رکھی، مگر امیر المومنین سلطان سابق
جو رئیس کی غداری سے تخت و تاج چھوڑ کر چلے گئے تھے اپنی حق طلبی اور حکومت
کی واپسی کے لئے اندلس کی طرف روانہ ہوئے، رئیس سخت حیرت زدہ ہوا اور مقابلہ
کے لئے اپنی فوج روانہ بھیجی جہاں سلطان سابق قیام فرما تھے، یہ فوج اس طرح
نامراد واپس آئی کہ اس کا نجات پانا مشکوک ہوگیا، اسی اثناء میں رومی طاغیہ نے
فرصت پاکر اپنے دندان آز تیز کئے اور رئیس سے جنگ چھیڑ دی، اللہ تعالے
نے اس جنگ میں دین اسلام کی نصرت فرمائی، رئیس نے ان قلعوں کا محاصرہ
کیا جن کو طاغیہ ہضم کرچکا تھا اور اکثر کو فتح کیا، اس فتح کے بعد رئیس نے لوگوں کو دکھانے
کے لئے اپنے فسق و فجور سے توبہ کی اور صوف کے کپڑے پہنے، مگر چونکہ اس کی
ہنگامہ آرائی اور اختلاف آفرینی میں انتہائی اسراف کی وجہ سے خزانہ بالکل خالی
ہوچکا تھا، ظروف و زیورات گلائے جاچکے تھے، حتیٰ کہ سرکاری جائداد غیر منقولہ
بھی فروخت ہوچکی تھی اور خود اس کے پاس بہت کم سرمایہ باقی رہ گیا تھا اس لئے
اس نے حکومت سے دست بردار ہوکر کہیں چلے جانے کا تہیہ کیا، اور جس وقت
سلطان سابق نے مغربی مالقہ کی طرف پیش قدمی شروع کی اور وہاں کے باشندے
ان کے مطیع ہوگئے تو یہ خبر سنتے ہی رئیس نے ان تمام جواہرات اور موتیوں
کو جن کی نظیر دیگر سلاطین کے خزانوں میں نہ تھی سمیٹ کر اور سرکشوں اور گمراہوں
کی ایک جماعت ساتھ لے کر شب چہارشنبہ، ۷ رجادی الآخری کو شہر غرناطہ سے

کوچ کیا، اور بغیر کسی عہد و پیمان کے شاہ قشتالہ کی طرف روانہ ہوا، اور یہ اُمید قایم کی کہ وہ مسلمان اور اسلامی شہروں کی تباہی میں شاہ قشتالہ کی اعانت کرکے اس کی حمایت میں محفوظ رہیگا مگر چونکہ شاہ قشتالہ اپنے اس پڑوسی کی بد حرکتوں سے نقصان اٹھا چکا تھا جس کا غصہ اس کے دل میں بھرا ہوا تھا اس لئے جوں ہی وہ شاہ قشتالہ کے پاس پہنچا اسی وقت وہ اور اس کی سرکش جماعت کے تین سو سے زیادہ آدمی گرفتار کر لئے گئے، جن میں غربی لشکر کا شیخ ادریس بن عثمان بن ادریس بن عبداللہ بن عبدالحق بھی تھا اور اس کے سوا دوسرے لوگ بھی تھے، طاغیہ کو ان لوگوں کی گرفتاری سے امید سے زیادہ عمدہ گھوڑے، قیمتی پٹکے، زریں سلاح، مضبوط لباس، بلند قیمت جوشن، سنہری خود، لباس فاخرہ، سیم و زر وافر، اور نفیس ذخیرے ہاتھ آئے۔

شاہ قشتالہ نے نو گرفتاروں میں سے ان لوگوں کا انتخاب کیا جو غرناطہ کے قلعہ میں دیوار پھاند کر داخل ہوئے تھے، اور تلواروں سے ان کے سر تن سے جدا کر دئے، اس وقت پے در پے لاشیں پر لاشیں کٹ کٹ کر گریں، بعد ازاں یہ تمام لاشیں مثلہ کرکے شہر کی گلیوں میں گشت کرائی گئیں، اور اس واقعہ کی پورے جزیرۂ اندلس میں منادی کی گئی، یہ واقعہ ۲ رجب ۷۶۳ھ کا ہے، اور بقیۃ السیف کو بھی پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر تازیانے لگوائے گئے، پھر شاہ قشتالہ نے مقتولین کے سروں کو بہ شتاب غرناطہ بھیجدیا جو قلعے کے اس حصے پر لٹکا دئے گئے جہاں سے وہ قلعے کے اندر داخل ہوئے تھے، کچھ دنوں کے بعد وہ تمام سر اتار کر مٹی میں دبا دئے گئے، اس طرح اس منحوس اور بھگوڑے رئیس کی حکومت کا خاتمہ ہوا، وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے بہرہ اندوز نہ ہو سکا، نہ اسے اچھی جگہ کی سکونت راس آئی، نہ اسے راحت نصیب ہوئی، نہ وہ موہبت الٰہی سے مالا مال ہوا، نہ اس کی فضیلت پر کوئی حجت قائم ہوئی، اور نہ اسے کسی قسم کی اعانت ملی، بلکہ وہ سراب کا رئیس، خراب (ویرانگی) کا سردار، اور شراب کا امام ثابت ہوا۔

ایک روز کا ذکر ہے کہ ایک بدوی عورت نے جس کے گھر میں چوری ہو گئی تھی رئیس کے پاس مرافعہ پیش کیا، رئیس نے جواب دیا کہ اگر چوری کی یہ واردات رات

کی بیان کی جاتی ہے تو بخدا یہ عورت جھوٹی ہے کیونکہ رات کو مجھ پر اور سب لوگوں پر
حمراء کا دروازہ بند کر دیا جاتا ہے، اور تمام دنیا اور شہر کے چور دروازے سے
باہر رہ جاتے ہیں۔
خدا ہم سب کو رنج و محن سے محفوظ اور راہ ہدایت پر قایم رکھے، اور
جادۂ مستقیم سے نہ بھٹکا سکے۔

وزراء دولت

رئیس کا وزیر محمد بن ابراہیم بن ابو الفتح فہری ایک گمراہ کن
بدبخت، احمق، جاہل اور مجہول شخص تھا، وہ اپنی بداندیشی
سے بے سبب بندگان الہی سے کینہ رکھتا، آداب اور قوانین شریعت کی مخالفت
کرتا، اور طبعاً وعادۃً خیر سے دور رہتا تھا، بلکہ وہ ریشم کا کیڑا، غداری کی چکی
کا خچر، اور روغن زفت کی مشک تھا، وہ اپنے ہاتھوں کو زدوکوب کے لئے زبان
کو آبروریزی کے لئے، آنکھوں کو گھورنے کے لئے، اور دل کو مال کی محبت
اور دم کشی کے لئے مصروف رکھتا تھا، وہ جس کسی سے ملتا تو اس طرح کہ شاید
وہ اس کے باپ کا قاتل ہے، اپنی نگاہ اس کی آستینوں پر جاکر ان میں سے
کوئی مخفی شے یا بگمان خود زر رشوت حاصل کرنا چاہتا، انجام کار خدا نے بے چین
لوگوں کی دعائیں سنیں، سائلوں کی تمنائیں پوری کیں، اور جلد تر اسے
اپنی فیصلہ کن اور شدید گرفت میں لے لیا، چنانچہ ۱۰ محرم سنہ کی رات سنہ
مذکور کو وہ، اس کا برادر عم زاد اور ان دونوں کے رفقا کار ایک ساتھ گرفتار کئے گئے
اور سب کے سب دریا میں غرق کر دئے گئے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہی فیصلہ تھا کہ وہ
سب فرعونی موت سے ہلاک ہوں، بے شک خداوند تعالیٰ کے فیصلے نہیں
بدلتے، وہ تمام جابروں پر قاہر اور تمام غالبوں پر غالب ہے، اور وہی ہے
جو پرہیزگاروں کی عاقبت بناتا ہے۔

بعد ازاں رئیس نے اپنی وزارت کے لئے محمد بن علی بن مسعود
کو منتخب کیا جو اس کی حکومت کے لئے دوسروں سے برتر، النسب اور امداد دینے
کے لئے سب سے زیادہ حقدار تھا، یہ فطرۃً جابر، بدتدبیر، بداندیش، اعتراض کن
و حیلہ سازی میں مشہور تھا، بڑے بڑے تجربہ کار اور زمانہ دیدہ لوگ اس منحوس

کی بدتدبیری، بدمعاملگی، بدزبانی، انتہائی حرص، بخل اور عتاب میں اس قدر مبتلا ہوئے کہ اس سے پہلے کبھی نہ ہوئے تھے، یہ وزیر بانگ زاغ اور دروغ گو تھا، قبیح باتیں سنتا اور بُرے جوابات دیتا، جب اس نے فوج کی قیادت کی تو اسے ناکامی کا منہ دیکھنا نصیب ہوا، یہاں تک کہ اس نے رئیس کی رفاقت میں راہ گریز اختیار کی، اور جب گرفتار ہوا تو ہاتھوں میں ہتکڑیاں اور پاؤں میں بوجھل بیڑیاں ڈال کر اسے بھی سخت سزا دی گئی، جس سے اس کا پرانا مرض مالیخولیا عود کر آیا اور اس کے لئے زشت موت کا باعث ہوا، اگرچہ اس مرض کی علامت اس کے عہد مسرت میں نمایاں نہیں ہوئی تھی، خداوند تعالیٰ ہم پر اپنی رحمت کا پردہ ڈالے، اور ہم سے زندگی اور موت میں اپنا جامۂ عنایت سلب نہ فرمائے۔

کتابت رئیس کا کاتب ابو محمد عبدالحق بن عطیہ ایک احمق بزدل اور کمزور شخص تھا جس کی حالت صدائے بازگشت کی مانند تھی، یہ شخص ہاں کی طرح رئیس کی موافقت و حمایت اور اس کے عیوب کی بیحد عذر خواہی کرتا تھا، علانیہ منبروں پر خفیہ فسق و فجور کی مجلسوں میں، اور تحریراً رقعوں میں جو جاہلیت کے رقعوں سے بڑھ کر ہوتے تھے رئیس کی تدبیروں کو مستبدانہ طور پر انجام دیتا تھا،

قضاء ہمارے شیخ ابو البرکات رئیس کے قاضی تھے جو باوجود پیرانہ سالی اور ناتوانی کے دنیاوی مزخرفات سے دھوکا کھا گئے تھے، خدا کی ان پر مہربانی ہو، اور وہ انہیں رشد و ہدایت الہام فرمائے،

شیخ الغزاۃ ادریس بن عثمان بن ادریس بن عبدالحق بن محمد ایک معزز جاگیردار تھا جس کا باپ بھی بہت مشہور تھا، جس وقت اس جاگیردار کی شکایت سلطان یگانۂ روزگار فارس بن علی کو پہنچی تو وہ اپنا خبر کو سن کر اپنی جان کے خوف سے افریقیہ روانہ ہو گیا، وہاں سے دریا کو عبور کر کے شاہ برجلونہ کے دربار میں آیا، اور پھر وہاں سے دولت نصریہ میں پہنچ کر غدار رئیس کے پاس حاضر ہوا، جس نے اسے شیخ الغزاۃ مقرر کر کے اس کی شان بڑھائی، جب یحییٰ بن عمر نے اس کی یہ منزلت اور اپنی حالت مشکوک دیکھی تو وہ ارض روم بھاگ گیا جس کا تذکرہ اس کے نام میں آئے گا۔

غرض ادریس نے رئیس کے عہد میں شیخ الغزاۃ کے عہدہ پر متمکن ہو کر ظاہری شوکت اور شہرت کے ساتھ خدمت انجام دی، اور رئیس کی نگاہ میں معزز رہا، اور جب رئیس نے راہ گریز اختیار کی تو وہ بھی وفاداری سے ہمرکاب ہوا، اور جس طرح دوسرے لوگ گرفتار ہوئے وہ بھی گرفتار کیا گیا، مگر کچھ عرصہ تک معتقد رہ کر قید و محن سے رہا کر دیا گیا، جس کے بعد وہ مسلمانوں کے پاس چلا آیا، یہ راحت بعد تکلیف کی وہ خبر ہے جس سے بڑھکر کوئی خبر نہیں ہوسکتی ہے، اس واقعہ کا کچھ اشارہ اس کے نام میں آئیگا، پھر وہ مستقل طور سے مغرب میں رہنے لگا، یہاں تک کہ اس نے وفات پائی، خدا کی اس پر رحمت نازل ہو۔

ملوک ہم عصر رئیس کے عہد میں مغرب کے دارالسلطنت شہر فاس میں امیر المومنین سلطان ابو سالم ابراہیم بن علی بن عثمان بن یعقوب بن عبدالحق حکمراں تھے، جو سراپا خیر، آبائی کریم، رقیق القلب، فضائل میں مشہور، نوادر ادب و صنائع میں اللہ کی نشانی، اور عہد ولیعہدی میں بھی سب کے محبوب تھے ان کا تذکرہ حرف الف میں گزر چکا ہے، ۲۱ ذیقعدہ ۷۶۲ھ میں یہ قتل کئے گئے ان کے بعد ان کے حیلہ ساز بھائی ابو عامر تاشفین بن علی نے اواخر صفر ۷۶۳ھ تک حکمرانی کی پھر فاس کے بلد جدید میں امیر محمد زیان بن امیر ابو عبدالرحمن ابن علی بن عثمان جن کا تذکرہ اپنے موقع پر کیا گیا ہے والی قرار پائے، اور بعد ازاں ۷۶۸ھ میں سلطان ابو فارس بن سلطان کبیر ابو الحسن بن سعید بن یعقوب بن عبدالحق نے عنان حکومت ہاتھ میں لی جواب تک مسلسل حکمرانی کرتے آتے ہیں اور یہ امید کیجاتی ہے کہ وہ تمام پراگندہ اجزا کی شیرازہ بندی کر کے حکومت میں تجدید کی روح پیدا کرینگے۔ تلمسان میں ابو عمران موسیٰ بن یوسف بن عبدالرحمن بن یحییٰ بن یغمراسن بن زیان کی حکومت تھی، افریقیہ میں امیر ابراہیم بن امیر المومنین ابو یحییٰ بن حفص حکمراں تھے اور وہاں کے عرف میں خلیفہ تھے۔ قشتالہ میں بطرہ بن الہنشہ بن ہرانده بن شانجہ بادشاہ تھا جو مسلمانوں کے شکریہ کا مستحق ہے اسی کی وجہ سے مسلمانوں کو غداروں سے راحت نصیب ہوئی۔

ارغون میں بطرہ بن شانجہ کی حکمرانی تھی۔

رندہ میں اس متغلب رئیس کے مزاحم ابو عبداللہ محمد بن امیر المسلمین ابو الحجاج بن امیر المسلمین ابو الولید بن نصر فرمانروا تھے، جو درحقیقت امیر المسلمین، سلطنت کے حقدار، چوگان حکومت کے مالک، حسن انجام کے ولی، درخت خباثت کے کاٹنے والے، اور اہل دین کے فریاد رس ہیں، اور بیعت بھی باقاعدہ انھیں کی لی گئی ہے۔

ولادت اس منحوس رئیس کی ولادت کی تاریخ یکم رجب ۷۳۲ھ ہے۔

وفات ۲ رجب ۷۶۳ھ میں اشبیلیہ کے میدان طبلاطہ میں رئیس قتل کیا گیا، اور اس کا سر اس کے غدار رفقاء کے سروں کے ساتھ غرناطہ بھیج دیا گیا، اور یہاں وہ سولی پر لٹکایا گیا، اس واقعہ کے متعلق میں نے یہ شعر نظم کئے ہیں۔

فی غیر حفظ اللہ من ھامۃ — وہ سر اللہ کی حفاظت میں نہیں ہے
ھام بھا الشیطان فی کل وادی — جسے شیطان ہر وادی میں گھما رہا ہے
لا حلقت ذکرا ولا رحمۃ — جس نے انسان کے منہ میں ذکر
فی فم انسان ولا فی فؤادی — اور دل میں رحمت نہیں پیدا کی

محمد بن اسماعیل بن فرج بن اسماعیل بن یوسف ابن محمد بن احمد بن خمیس بن نصر خزرجی

نام، اولیت محمد نام ہے، یہ اپنے باپ کے بعد اندلس میں امیر المسلمین بنائے گئے، ان کی اولیت معروف و مشہور ہے۔

حالات سلطان محمد اپنی عزت، سیادت اور جمال و خصال کی وجہ سے شاہان ذی شان میں شمار کئے جاتے تھے، یہ شیریں لقا نیک شمائل، فصیح اللسان، خوش طبع اور فیاض واقع ہوئے تھے، اور ان کی شجاعت

ضرب المثل تھی، بعض وقت وہ جوش شجاعت میں ہلاکت کی حد تک پہنچ جاتے تھے، گھوڑوں کی پشت پر وہ نمدے کی طرح رہتے اور اتنے بڑے شہسوار تھے کہ میدان اسپ سواروں سے بھر جاتا تھا مگر کوئی ایک بھی گھوڑا دوڑانے میں ان سے زیادہ واقف کار نظر نہیں آتا تھا، وہ شکار کے بھی دلدادہ تھے، گھوڑوں کی ہر ایک علامت، مقامات سفر کا رخ اور سمت بھی پہچانتے تھے، ادب سے دلچسپی رکھتے، اشعار سے مسرور ہوتے، بلند پایہ شعراء پر تنقید کرتے، اور خود بھی اچھے اشعار کہتے تھے،

۲۷ رجب بروز سہ شنبہ ۴۲۵ھ میں ان کے والد کی ہلاکت کا واقعہ پیش آیا، اسی روز ان کی جانشینی کی بیعت لی گئی، مگر سن شباب کے پہونچنے تک ان کی کفالت کی گئی انھوں نے اپنی کم سنی میں جبکہ ہنوز سبزہ آغاز نہیں ہوا تھا اپنے وزیر کو جو حکومت پر غالب اور متسلط ہو گیا تھا قتل کرا دیا جس سے ان کا رعب و دبدبہ پیدا ہوا اور لوگ ان کی سطوت سے ڈرنے لگے اور چونکہ وہ میدان کے کام، راستوں کی تلاش اور لوگوں سے ملنے ملانے کے لئے باہر بھی رہے اس لئے ان کی تصویر سب کے دل و دیدہ میں پھرتی تھی۔

ذکاوت قاید ابو القاسم بن وزیر ابو عبد اللہ بن عیسیٰ نے جو سلطان کے جد کے وزیر تھے مجھ سے بیان کیا کہ ایک روز سلطان کے روبرو متنبی، امرؤ القیس اور ابراہیم بن سہل کے متبائن اشعار پڑھے گئے، متنبی کا شعر یہ ہے۔

الا خدد الله ورد المخدود	خدا گالوں کے رخساروں کو کاٹ ڈالے
وقد قدود الحسان القدود	اور خوبصورت قد والوں کے قد کے ٹکڑے کرے۔

امرؤ القیس کا شعر یہ ہے،

وان کنت قد ساءتك مني خليقة	اگر تمہیں میری کوئی عادت بری معلوم ہوئی
فسلي ثيابي من ثيابك والنسلي	تو میرا دل جو تمہارے دل سے وابستہ ہو گیا ہے

اور ابراہیم بن سہل کا شعر یہ ہے

انی لہ من دمی المسفوک معتذر
اقول حملتہ فی سفکہ تعبا

اس نے میرا خون بہایا ہے پھر بھی وہ معذور ہے
کیونکہ میں نے اسے اس خونریزی میں تھکا دیا ہے

سلطان نے فی البدیہ اپنی رائے ظاہر کی کہ ان اشعار میں وہی فرق ہے جو ایک عربی بادشاہ، ایک شاعر، اور ایک ذمی یہودی کے نفوس میں ہے، ہر نفس بقدر اپنی فکر کے مسرور ہے، سلطان نے یہ یا اسی مفہوم کا کوئی اور کلام کہا تھا۔

اولو العزمی

سلطان نے جب شہر قبرہ پر چڑھائی کی، اور شہر کے دامن تک پہنچ کر یہاں کے قلعے پر جو مسلمانوں اور عیسائیوں کے نزدیک نہایت اہم اور مشہور تھا نفط سے گولہ اندازی کی اور بزور شمشیر اسے فتح کرلیا تو ہم لوگوں نے سلطان کی خدمت میں باریاب ہوکر فتح کی تہنیت پیش کی، سلطان نے اپنا رخ پھیر لیا اور کہا، تم لوگ کس چیز کی تہنیت دینے آئے ہو کیا تم نے فلاں جگہ ہمارا پھریرا اڑتے دیکھا ہے؟ اس جملہ سے سلطان کی مراد یہ تھی کہ اشبیلیہ کے مینار پر بڑا جھنڈا اڑتا، ان کی اس ہمت اور اولو العزمی پر ہم سبھوں کو تعجب ہوا۔

شجاعت

ایک دفعہ سلطان نے قسم کھائی کہ وہ قلیل جماعت سے جسکی تعداد متعین کردی شہر بیانہ پر حملہ کریںگے، یہ سن کر لوگ متحیر اور مبہوت ہوگئے اور سمجھے کہ ایک نئی مصیبت سر پر آنے والی ہے، کیونکہ اس شہر کے استحکام، جماعت محافظین کی بہتات سواروں کی کثرت، محافظت پر چیدہ افراد کے تعین، اور بوقت فریاد قریب تر ملک سے کمک کی آمد کے امکان نے اس شہر کو اہم تر بنادیا تھا سلطان نے ان خصوصیات کا خیال کئے بغیر کفار کے دروازے پر روز روشن میں حملہ کردیا، مدافعت کرنے والی جماعت مقابلہ کو باہر آئی، مگر عیسائی سوار یہ سمجھ کر کہ بقیہ حملہ آور پوشیدہ ہیں وہ اس چھوٹی سی حملہ آور جماعت کا محاصرہ کرنے سے رک گئے، یہ دیکھ کر مسلمانوں نے ان پر حملہ کردیا اور انھیں ذلیل و خوار کرکے ان کے روبرو شہر کے اندر داخل ہوگئے، سلطان کے ہاتھ میں ایک چھوٹا بیش قیمت اور جڑاؤ نیزہ تھا جسے انھوں نے ایک شخص کو پھینک کر مارا، اس نے نیزہ اٹھالیا اور وہ باب شہر کی طرف بھاگا، سلطان نے منع کردیا کہ کوئی اسے قتل نہ کرے اور اس سے نیزہ بھی واپس نہ لے،

اگر اس کی موت کا نشانہ خطا کر گیا ہے تو جانے دو خود یہ نیزہ اس کا علاج کریگا،
غرض سلطان خطرہ کی ایک سخت گرہ سے بچ کر نکلے،

جہاد اور مناقب

سلطان کی حکمرانی کی مدت باوجودیکہ تھوڑی ہے تاہم انھوں نے کافروں سے متعدد جہاد کیے، اور خود نقل و حرکت کر کے کئی شہروں پر قبضہ کیا، شہر قبرہ کی فتح میں دشمن کی فوج کو شہر سے باہر میدان میں ہزیمت دیکر کشتوں کے پشتے لگادیے، شہر باعوزہ کی فتح کا سہرا بحکم الٰہی انھیں کے سر پر باندھا گیا، حصن قشتالر پر بھی مسلمان غالب ہوئے، حصن قشرہ جو قرطبہ سے متصل واقع ہے اس کا محاصرہ خود سلطان نے کیا، اور اگر عیسائیوں کی کمک نہ پہنچ گئی ہوتی تو قریب تھا کہ وہ اس پر بھی غالب آجاتے، جبل الفتح کو دشمن کے پنجے سے چھڑانا سلطان کے مناقب اعظم میں سے ہے، کیونکہ اس شہر کو مسلمانوں کے قبضے میں آئے ہوئے تھوڑا عرصہ گذرا تھا کہ طاغیہ نے اس کا محاصرہ کر کے ایک اہم مقام پر قبضہ کر لیا تھا، اور شہر پناہ کی دیواروں کو مجانیق سے منہدم کر کے اہل شہر کو سخت مصائب میں مبتلا کر رکھا تھا، سلطان نے اس کے ساتھ مدارات کا سلوک کر کے اس کو اس کے ارادے سے باز رکھا، اسے تحایف بھی دیے، اور جس جگہ دشمن کمزور تھا وہاں پہنچکر صلح کر کے یہاں سے چلے جانے پر مجبور کر دیا، سلطان کا جبل الفتح کو دشمن کے دانتوں اور پنجوں سے چھڑانا اسلام کی شاندار کامیابی اور عظیم الشان فتح تھی۔

حوادث سلطنت

محرم ۷۲۲ھ میں سلطان کے خود سر وزیر اور قبائل بربریہ کے امیر و شیخ الغزاۃ عثمان بن ابو العلاء میں سخت کشیدگی پیدا ہوگئی تھی جس کے نتیجہ میں سازشیں رونما ہوئیں، عام مسلمانوں پر فتنہ کا موسلا دھار مینہ برسا، اور بکثرت لوگ ہلاک ہوئے، اس وقت سلطان نے اندلس سے باہر چلا جانا مناسب خیال کیا اور المریہ کے ساحل تک جا پہنچے، مگر راستہ پر انھیں مشکلات سے دوچار ہونا پڑا، اور سلاطین نے بھی اپنے قرب وجوار میں ان کے قیام کو پسند نہیں کیا

اس لئے سلطان نے حصن اندرش کے باشندوں کے معاملات میں دخل دے کر انہیں اپنا مطیع بنایا، اور پھر اطراف کے لوگوں کو اپنی طرف دعوت دی، دعوت کے دیتے ہی مرض نے مہلک صورت اختیار کی، لوگوں کا تشدد بڑھ گیا، اور فتنہ و فساد کی گھنگھور گھٹا چھا گئی، نیز خزانہ جو دشمن کی مدافعت کے لئے جمع کیا تھا صرف ہو چکا تھا، یہ حالت دیکھ کر سلطان نے اپنے چچا ابو سعید کو جو تلمسان میں تھے اپنے پاس طلب کیا، چنانچہ وہ حسب طلب آ گئے اور اواخر صفر ۷۶۲ھ میں انہوں نے سلطان کی تحریک دعوت کا علم بلند کیا۔

اس اثناء میں طاغیہ نے مسلمانوں کی خانہ جنگی کو غنیمت سمجھ کر سرحد دیبہ پر جو جہاد کا مرکز اور دشمن کے حلق میں پھنسنے والی ہڈی تھی تسلط قایم کر کے اطراف کے تمام قلعوں پر قبضہ کر لیا، جس سے سلطان کے لئے خوف کا دائرہ زیادہ وسیع اور شر و فساد کا مرض لاعلاج ہو گیا، مزید براں آخر سال میں شاہ مغرب نے رندہ، مربلہ اور ان کے مضافات کے علاقوں کو اپنے تصرف میں لے لیا، ناچار سلطان نے شیخ الغزاۃ سے خط و کتابت شروع کی، اور جب شیخ نے صلح اور اطاعت قبول کر لی تو حالت روبہ اصلاح ہوئی، شیخ کے قبائل کو وہ تمام علاقے جو عدوہ تک تھے جاگیر میں دیے گئے اور یہ تمام قبائل مقررہ شرائط کے تحت خدمت اور حمایت کے لئے اپنے مسکن وادی آش میں منتقل ہو گئے۔

اوائل ۷۶۳ھ میں سلطان نے اپنے وزیر کو قتل کر کے شیخ کو دوبارہ غرناطہ میں ان کی اپنی جگہ پر مامور کیا، اور قائد و حاجب ابو النعیم رضوان کو جبالیہ فنیلہ سے اپنے پاس طلب کیا، جنہوں نے نہایت خوش اسلوبی سے حکومت کے انتظامات درست کر دیئے۔

۲۲ ذی الحجہ ۷۶۳ھ جب سلطنت کے حالات درست ہو گئے تو سلطان بنفس نفیس سمندر کو عبور کر کے شاہ مغرب سلطان کبیر ابو الحسن بن عثمان سے جا کر ملے شاہ مغرب نے ان کی بڑی خاطر و تواضع کی، اندلس کی سرحد تک پہنچانے آئے۔ اور تحائف میں مغربی گھوڑے، عمدہ عمدہ سامان، اور وافر

ذخیرہ ساتھ کر دیا جن کی مقدار اتنی تھی کہ ان سے پہلے کسی بادشاہ کو اتنے تحائف نہ دیئے گئے تھے، سلطان کی فوج جبل فتح میں آکر ٹھہر گئی تھی، اور حاجب ابو نعیم نے اپنی نیابت میں سلطان کے بڑے بھائی کو کمک لیکر بھیجا تھا، چنانچہ بحکم الہی یہ مقام بہ آسانی فتح ہوکر بروز سہ شنبہ ۱۲ ذی الحجہ ۷۳۳ھ میں دوبارہ سلطان کی قلمرو میں داخل ہوگیا۔

وزراءِ دولت جس روز سلطان کے والد غنی باللہ سلطان ابو الولید مقتول ہوئے اسی روز سلطان مقتول کے وزیر ابو الحسن علی بن مسعود بن یحییٰ بن مسعود محاربی کو بھی کئی زخم لگے، اسی خوں آلودہ حالت میں انھوں نے لوگوں سے سلطان کی بیعت لی، اور اپنے لئے منصب وزارت کا جائزہ حاصل کیا، مگر چند ہی دنوں میں ان کا زخم ناسور بن کر دماغ کی ہڈی تک پہونچ گیا، ہر چند انھوں نے زخم کے علاج میں صبر کے ساتھ تکلیفیں گوارا کیں تاہم وہ جانبر نہ ہو سکے، اس واقعے کا تذکرہ ان کے نام کے ذیل میں آئے گا۔

پھر سلطان کے والد کے وکیل محمد بن احمد محروق جو غرناطہ کے رہنے والے تھے ترقی کر کے بروز دوشنبہ غرہ شہر ۷۲۳ھ میں وزارت اور حجابت کے عہدہ پر فائز ہوئے اور ۲ محرم بوقت عصر ۷۲۹ھ میں سلطان کے حکم سے قتل کر دئے گئے، ان کا تذکرہ بھی آیندہ آئیگا، بعد ازاں قائد ابو بکر عتیق بن یحییٰ بن المول جو سلطنت کے سربرآوردہ لوگوں میں سے تھے، سلطان کے وزیر بنائے گئے اور ۱۷ رجب ۷۲۹ھ تک اس عہدہ پر مامور رہنے کے بعد وہ عدوہ بھیجدئے گئے، اور ان کی جگہ پر ابو نعیم جو سلطان کے والد کے مولی تھے سلطان کے آخر عہد تک وزارت، حجابت، اور نیابت کی خدمات انجام دیتے رہے، مگر یہ سلطان کی نظروں میں مشتبہ تھے، چنانچہ انھوں نے عصام نامی ایک مملوک کے ذریعہ سلطان سے جو مزاحمت کی اس کا ذکر انشاء اللہ اپنے موقع پر آئے گا۔

کاتب سلطان کے عہد میں ہمارے شیخ یگانۂ روزگار ابو الحسن علی بن جیاب جن کا تذکرہ اپنے موقع پر انشاء اللہ تعالے آئے گا عہدۂ کتابت کے رئیس تھے وہ سلطان کے والد کے عہد میں بھی کاتب رہ چکے تھے، اور

بعد کو سلطان کے بھائی کے دور حکومت میں بھی انھوں نے کتابت کی خدمت انجام دی۔

قضاۃ

شیخ و فقیہ ابوبکر بن مسعود رحمہ اللہ جو سلطان کے والد کے قاضی اور وزیر تھے سلطان کے عہد میں ۷۲۰ھ تک منصب قضا پر فائز رہے بعد ازاں وہ سلطان کی طرف سے شاہ مغرب کے پاس سفارت کی خدمت پر بھیجے گئے اور ابھی وہ شہر سلا ہی میں پہنچے تھے کہ ان کی وفات ہوگئی ان کی تدفین اسی شہر کے مقبرے میں عمل میں آئی، میں نے ان کی قبر وہاں دیکھی ہے، خدا کی ان پر رحمت نازل ہو، ۷۳۱ھ میں ان کے فرزند ابو یحییٰ مسعود نے بھی انتقال کیا، شیخ کی جگہ پر ابو عبداللہ محمد بن یحییٰ بن ابوبکر اشعری جو خاتمہ فقہاء اور صدر علماء تھے احکام شرعیہ کے قاضی بنائے گئے، اور وہ اس عہدہ پر سلطان کے بھائی کے آخر عہد تک قائم رکھے گئے۔

سلطان کی والدہ

سلطان کی ماں رومیہ تھیں، علوہ نام تھا، یہ اپنے ہم سنوں میں سلطان کے والد کے نزدیک زیادہ معزز تھیں، سلطان اپنی ماں کی پہلی اولاد تھے، سلطان کے والد کے آخر عہد حکومت میں ان کی ماں ناز میں آکر کوئی ایسی بات کر بیٹھی تھیں جس سے ان کے والد کشیدہ ہو گئے تھے، ان کی ماں کی وفات ان کے بھائی کے عہد میں ہوئی۔

ملوک ہم عصر

فاس میں سلطان کبیر ابو سعید عثمان بن ابو یوسف یعقوب بن عبدالحق حکمراں تھے، یہ مشہور جواد، کوہ وقار، بحر سخاوت اور عافیت و سعادت کے بہی خواہ تھے، انھوں نے بہت سے کار خیر انجام دئے علماء و صلحاء کو اپنا مقرب بنایا، انھیں اپنی بارگاہ سے قریب تر رکھا، ان کی ہدایات پر عمل کیا، اور مسلمانوں کی اپنے کثیر عطیات سے امداد کی، ان اوصاف کی وجہ سے اقطار عالم میں ان کا غلغلہ بلند تھا، ان کے کار خیر کی دھوم تھی، اور قدر کی نگاہوں سے وہ دیکھے جاتے تھے، نیز وہ خونریزی کے انسداد اور عزت و حرمت کی حمایت میں مشہور تھے، بروز جمعہ ۲۵/ ذی الحجہ ۷۳۱ھ

میں ان کی وفات ہوئی، ان کے بعد ان کے فرزند جانشین ہوئے، یہ بھی فضل و مجد، اور سطوت و شوکت میں اپنے والد کے مشابہ تھے، بلکہ وہ اپنے رعب و دبدبہ، غالب عزم، غایت سنجیدگی، اور مسلسل جد وجہد کرنے میں اپنے والد پر فوقیت رکھتے تھے، ان کی صولت سے دشمن رام تھے، انھوں نے زیادہ دنوں تک حکمرانی کی، جس کی مدت سلطان کے عہد اور پھر ان کے بھائی کے عہد حکومت کے ایک بڑے حصہ تک وسیع تھی۔

۲ — تلمسان میں امیر عبد الرحمٰن بن موسیٰ کی امارت تھی، یہ بنو عبد الواد کے خاندان سے تھے، اونچے اونچے محلوں اور عمارتوں کی تعمیر امیر کا خاص کارنامہ ہے، امیر نے سلطان کی پوری مدت حکومت اور پھر ان کے برادر کے ابتدائی عہد تک حکمرانی کی،

۳ — تونس میں امیر ابو یحییٰ زکریا بن امیر ابو اسحٰق بادشاہ تھے، یہ اپنی قومی عمارت کے سنگ بنیاد، قومی جوارح کے صقر (شکرا)، اور قومی میدان سبقت کے اسپ تیز رفتار تھے، سلطان کی تمام مدت اور پھر ان کے بھائی کے ابتدائی عہد تک وہ حکمراں رہے۔

۴ — عیسائی بادشاہوں میں طاغیہ ہنشہ بن ہراندہ، بن شانجہ بن الفنش بن ہراندہ بادشاہ تھا، اس کی تیز تلوار دین اسلام پر ہمیشہ کھنچی رہتی تھی، اور وہ اکثر اسلامی شہروں پر حتیٰ کہ قسطنطینیہ اور تارکونیہ پر بھی حاوی اور متسلط ہوگیا تھا، اس کا زمانہ سلطان کی حکومت اور ازاں بعد ان کے بھائی کے آخری عہد تک تھا، اور سلطان ہی کے عہد میں اس عیسائی بادشاہ نے مسلمانوں پر ترکتازیاں کرکے جزیرۂ خضراء وغیرہ پر قبضہ کرلیا تھا۔

۵ — ارغون میں الفنش بن جائمش بن القبیل بن بطرہ بن جائمش حکمراں تھا، اور بلنسیہ پر بھی یہ متسلط تھا، اس کا دور حکومت سلطان کے آخری عہد اور ان کے بھائی کے ابتدائی عہد تک تھا،

میں نے اس بیان میں حتیٰ الامکان چوٹی کے آدمیوں کا استقصاء کیا ہے لیکن جن لوگوں کو نظر انداز کردیا ہے ان کی تعداد بہت ہے، اور احاطہ کرنا صرف

خدا کی شان ہے۔

ولادت

۸ محرم ۷۳۳ھ میں سلطان پیدا ہوئے۔

وفات

سلطان کی مخالفت میں ہنوز قبائل عدوہ کے فوجی افسروں کے سینے جوش زن اور ان کے دل غیظ و غضب سے پُر تھے، کیونکہ سلطان اپنی عادت کے مطابق بغیر کسی خوف کے لوگوں کو مغلظات دشنام سناتے، اور بسا اوقات اپنے قابل اعتماد مخصوصوں کو بھی تہدید آمیز باتیں کہہ دیتے تھے، اس لئے جب طاغیہ جبل الفتح سے چلا گیا، اور اس کے دوسرے روز شنبہ ۱۲ ذی الحجہ کو سلطان نے دریائی راستہ سے اپنے گھر کے ساحل تک جانے کا ارادہ کیا، مگر پھر اخراجات کی کمی اور طے مسافت کی جلدی کا خیال کرکے وادی یاروا کی راہ اختیار کی، جو جبل الفتح کے سامنے واقع ہے تو اس سفر کے منازل میں کچھ لوگ گھات میں جا کر بیٹھ گئے، جس وقت سلطان ٹھیک وسط راہ میں پہنچے تو لوگ اپنی کمیں گاہوں سے نکل کر ان پر حملہ آور ہوئے وہ اس وقت ایک خچر پر سوار تھے جسے شاہ روم نے تحفہ دیا تھا، پہلے وہ لوگ بدزبانی اور ہرزہ سرائی سے پیش آئے اور اپنا پہلا وار سلطان کے وکیل پر کیا جو اسی وقت راہی ملک عدم ہو گئے، بعد ازاں ان میں سے کسی ایک نے نہایت چابکدستی سے سلطان کو ایک نیزہ مارا، اور پھر زیان نامی سلطان کے والد کا ایک خبیث دنی الطبع، اور دیو ہیکل مملوک سلطان کے پاس آیا جو قتل کرنے کے لئے پہلے سے متعین کیا گیا تھا اسی نے فوراً سلطان کا خاتمہ کر دیا، یہ واقعہ اس پہاڑی کے دامن میں پیش آیا جو وادی یاروا میں جبل الفتح کی سمت جاتے ہوئے جانب یسار واقع ہے غداروں نے مقتول سلطان کے جسم سے لباس اتار لیا، اور برہنہ لاش کو میدان میں بری طرح پڑا چھوڑ دیا، اس وقت سلطان کو ان کی نعمتوں نے دغا دی، ان کے اسلحہ کام نہ آسکے، اور ان کے انصار و معاونین نے انھیں ذلیل و رسوا کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔

پھر لوگوں سے مقتول سلطان کے بھائی سلطان ابوالحجاج کی بیعت لی گئی، اور جب وہ اس سے فارغ ہو گئے تو چند سر برآوردہ اشخاص اسی روز پائے تخت

کو روانہ کیے گئے، اور مقتول سلطان کی لاش مالقہ بھیجی گئی، جہاں وہ اسی طرح
منیہ السید سے متصل ایک باغ میں دفن کردی گئی۔

سلطان کی وفات بروز چہارشنبہ بوقت چاشت ۱۳؍ذی الحجہ ۷۳۳ھ
کو واقع ہوئی، ایک مدت کے بعد ان کی قبر پر قبہ تعمیر کیا گیا۔ بالین مزار پر سنگ خام
کی تختی پر یہ عبارت کندہ ہے:۔

"یہ قبر سلطان ابو عبداللہ محمد کی ہے، جو جلیل القدر، بلند ہمت،
شجاع، جواد، مقدس، اور صاحب مجد بادشاہ تھے اور جو سلطان
اعظم، مجاہد اکبر، صاحب فتوح سلالۂ انصار نبی صلی اللہ علیہ وسلم،
امیر المومنین، ناصر الدین، ابو الولید بن نصر کے فرزند تھے، خدا
ان کی روح کو پاک اور قبر کو ٹھنڈا رکھے، سلطان ابو عبداللہ کی تاریخ
ولادت ۸؍محرم ۷۱۵ھ ہے ۷۲۶ھ میں جس روز ان کے والد شہید
کیے گئے ان کی بیعت کی گئی، اور ۱۳؍ذی الحجہ ۷۳۳ھ میں انکی
وفات ہوئی، خدائے حی و قدوس کی ان پر رحمت نازل ہو۔ نیز یہ
اشعار مرقوم ہیں:۔

یا قبر سلطان الشجاعة والندی	اے بہادر اور فیاض بادشاہ کی قبر
فرع الملوك الصيد أعلام الهدى	یہ بادشاہ سربلند بادشاہوں کی اولاد ہے
وسلالة السلف الذي آثاره	اور ایسے سلف کی اولاد ہے جن کے آثار ان لوگوں میں مشہور ہیں
مشهورة لمن اقتدى ومن اهتدى	جو ان کی اقتدا کرتے اور ہدایت حاصل کرتے ہیں
سلف لانصار النبي نجاره	ان کے مورث اعلیٰ انصار رسولؐ میں سے تھے
قد حل منه في المكارم محتدا	جن کے ذریعہ سے یہ بھی مکارم میں داخل ہوگئے
متوسط البيت الذي قد أسسه	وہ اس خاندان کا رئیس تھا جس کی بنیاد ایسے
سادات ملك أوحدين وأوحدا	سرداران ملک نے رکھی جو یگانہ روزگار تھے
بيت بناه محمدون ثلاثة	اس خاندان کو آل نصر کے تین محمدوں نے بنایا
من آل نصر أورثوه محمدا	ان محمدوں نے اس کا وارث چھوڑا
أودعت وجها قد تهلل حسنه	ہم نے ایسے چہرے کو جس کا حسن چمک کر اپنی حالت کا

بدرا بآفاق الجلالۃ ھر بدا	بدر بن گیا تھا مربد (اونٹ باندھنے کی جگہ) کے مٹا کر دیا
بدر یسیح علی العفاۃ مواھبا	وہ ایسا بدر تھا جو انعام مانگنے والوں پر اکہرے اور دُہرے
مثنی الایادی السابغات وموحدا	انعامات کا لمکا مینہ برسا دیتا تھا
بیکیلث مذعوربك استعدی علی	اے بادشاہ تجھ کو وہ مظلوم روز ا ہے جس کے
اعدائہ فسقیتہا کاس الردی	دشمنوں کو تو نے موت کا پیالہ پلا دیا تھا
أما سماحك فہو اسنی دیۃ	خونبہا دینے میں تیری سخاوت بہت بلند تھی
أما جلالك فہو اسمی مصعدا	ساتھ ہی تیرا جلال بھی بہت عالی تھا
جادت ثراك من الالہ سحابۃ	تیری خاک پر اللہ کی رضامندی کے بادل آئیں
برضاہ عنك تجود ھذا المعہدا	اور اس مہد (قبر) کو سیراب کریں

قتل کا محضر

سلطان کو قتل کرکے قاتلین نے اپنی شرارت سے متفقاً سلطان کی وفات کے متعلق ایک محضر تیار کیا جس میں سلطان کی اصلی دیانت کو عیب ناک کرنے والی باتیں، ان کے دین کو کمزور کرنے والے اغراض، اور ان کے خون کو مباح کرنے والے عیوب لکھے، اگرچہ سلطان کا خون وہ خون تھا جس کی حمایت و حفاظت کے لیے بکثرت اسباب موجود تھے۔ بہرحال ان قاتلین میں ابوالعلاء کی اولاد، ان کے داماد، اور خود سلطان کے شیوخ خدام شریک تھے، ان شیوخ میں وہ شخص بھی تھا جو سلطان کے بھائی کے عہد میں الشیخ ذہول مسافرین حرکات کے بعد وکیل بنایا گیا، اور اس محضر کی تحریر ہمارے شیخ ابوالحسن بن جیاب نے لکھی اور یہ ایک ایسی بدی تھی جس کا ارتکاب کرکے انھوں نے اپنے روشن فضائل کو محو کردیا، سلطان کے دیگر خدام اور ممالیک نے بھی اس پر اپنے دستخط ثبت کیے، بعد ازاں اس محضر کو مغرب میں بھیجدیا، جس کا اثر یہ ہوا کہ وہاں اسباب قتل کے متعلق فیصلہ کرنے میں عجلت نہ کی گئی، اور واقعہ قتل کے وجوہ و علل قابل سماعت قرار دیے گئے، اگرچہ سلطان مرحوم کی مجاہدانہ زندگی اور دینی کام کی اقاسع کی وہ حالت تھی جس سے بیان کردہ مذموم حرکات اور عیوب کی تکذیب ہوتی تھی، انجام کار اللہ تعالے نے تھوڑے ہی دنوں کے بعد

عبداللہ کی اولادوں کو جو سلطان کی مخالف تھیں مصائب میں گرفتار کردیا، ان پر نکبت کی تیز و تند آندھی چلی، اور دستِ انتقام نے ان کی تمام نعمتوں کا استیصال کردیا، جس کے بعد سے پھر ان کی حالت کبھی درست نہیں ہوئی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم سب پر غالب ہے۔

مرثیہ سلطان کا مرثیہ ان آزاد نفوس نے لکھا جن کے طبایع میں رقت اور احساس میں لطافت تھی اور جن میں شریفانہ وفاداری اور اعتقاد کا صادق جذبہ موجود تھا، ان لوگوں نے اپنے مراثی میں سلطان کی موثر انداز میں خوبیاں بیان کیں، اور وہ باتیں لکھیں جو نہایت حزن انگیز تھیں، ہم حسب عادت ان مراثی میں سے شیخ و کاتب قاضی ابوبکر بن شیرین کے چند شعر مختصراً یہاں لکھتے ہیں، جو نہایت پاکیزہ اور خوش اسلوب کلام ہے اور اس میں نوحہ و مرثیہ کا پورا حق ادا کیا گیا ہے، نیز اس میں سلطان مرحوم کے خدام اور ان لوگوں پر تعریض کی گئی ہے جنھوں نے سلطان پر حملہ کیا تھا، اشعار یہ ہیں:-

استقلا و دعانی	وہ دونوں ہم کو منازل کے درمیان
طائفا بین المغانی	گھومتا ہوا چھوڑ کر چلے گئے

ولہ

عینی ابکی لمیت غادروہ	میری آنکھ اس میت کو روتی ہے جسے لوگ
فی ثراہ ملقی وقد غدروہ	قبر میں ڈال کر اور چھوڑ کر چلے گئے
دفنوہ ولم یصل علیہ	لوگوں نے اس کو دفن کردیا اور کسی نے اس پر
احد منہم ولا غسلوہ	نہ نماز پڑھی اور نہ اس کو غسل دیا
انما مات یوم مات شہیدا	وہ جس دن مرا شہید ہی مرا
فاقاموا رسما ولو یقصدوہ	پھر لوگوں نے اسکی یادگار قائم کی، اگرچہ ان کا یہ ارادہ نہ تھا

محمد بن محمد بن یوسف بن محمد بن احمد بن محمد ابن نصر بن قیس خزرجی

نام وکنیت محمد نام اور ابو عبداللہ کنیت ہے۔

اولیت ابو عبداللہ محمد کی اولیت معروف ومشہور ہے۔ بنو نصر کے شاہان غالبین میں تیسرے تاجدار تھے۔

حالات محمد ثالث اپنے خاندان میں شہرت، ہمت، اور بزرگی کے لحاظ سے اعلیٰ فرد تھے، ان کی شکل ملیح اور چہرہ سے امارت ٹپکتی تھی، طبعاً سعید، محمود، ذکی اور فہیم تھے، وہ اپنے والد کے عہد میں نہایت عیش پسند رہے، ان کی زندگی ہی میں سیاست دانی سے بہرہ اندوز ہوئے اور ان کی زیر نگرانی امور سلطنت میں حصہ لیا، جس کی وجہ سے وہ فخر وشرف، اور علم وادراک میں یگانۂ روزگار ہو گئے اور جب انھوں نے اپنے والد کے بعد عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی تو امنیں کی سیرت اور روش پر حکمرانی کی، اور زمانے کے شدائد کا مقابلہ کیا، ملک کی خدمت کا ان کی آنکھوں پر بالالتزام اتنا بار پڑتا تھا کہ وہ مکدر رہتے تھے، کیونکہ کام کرنے کے لئے انھیں راتوں کو جاگنا پڑتا تھا جس کے لئے بڑی بڑی شمعیں جلائی جاتی تھیں، ان شمعوں میں اوقات درج کئے جاتے تھے، جن سے ایک ساعت، چوتھائی شب، اور ساری رات کا گزرنا بالالتزام معلوم ہوتا تھا، وہ اپنے گھر کے ایک گوشہ میں سب کی نظروں سے جدا کام کرتے تھے، غرض سعادت ان کی خادمہ فیروزمندی ان کی کنیز، اور ان کے عہد حکومت کا ہر روز عید تھا اور تمام ہمعصر ملوک ان سے صلح کے جویاں رہتے تھے، وہ شعر بھی کہتے، سنتے، اور شعراء کو انعام وصلہ بھی دیتے تھے، نیز وہ علماء کے قدرداں تھے، اور ہر نیک کام پر شرفا اور رؤساء کو متعین کرتے تھے، خود ہر قسم کے تجربہ اور واقفیت سے مالامال تھے، اور ندرت پسند تھے، ان کی توقیع عمدہ

اور خط ملیح تھا، البتہ قساوت اور سختی ان پر غالب تھی،

اشعار محمد ثالث کے اشعار نہایت عمدہ ہوتے تھے، بلکہ شعرگوئی میں اکثر سخنور بادشاہوں پر فضیلت رکھتے تھے، ان کے خدام میں سے کسی نے ان کے کلام کا ایک مجموعہ مرتب کیا ہے، جو میری نظروں سے بھی گذرا ہے اسی مجموعے کے اسطول کلام سے میں نے حسب ذیل اشعار نقل کئے ہیں

واعدلی وعداً وقد اخلفا	اس نے مجھ سے وعدہ کیا اور وعدہ خلافی کی
اقل شیٔ فی الملیح الوفا	خوبصورت شخص میں سب سے کم جو چیز ہوتی ہے وہ وفا ہے
وحال عن عهدی و لم یرعه	جو عہد اس نے مجھ سے کیا تھا اس سے پھر گیا اور اس کی رعایت نہیں کی
ماضرہ لو انه انصفا	اگر وہ انصاف کرتا تو اس کا کیا نقصان تھا
ما بالها لم تتعطف علی	اس کا کیا حال ہے کہ اپنے عاشق پر جب تک
صاحب لها مازال مستعطفا	وہ مہربانی چاہتا رہا وہ مہربان نہیں ہوا
یستطلع الانباء من نحوها	وہ عاشق اس کی خبروں کو دریافت کرتا رہتا تھا
ویرکب البرق اذا ما هفا	اور جب بجلی کوندتی تھی تو اس کو دیکھتا رہتا تھا
خفیت سقماً عن عیون الوری	ہم خلق کی آنکھوں سے بیاری کے حیلے سے چھپ گئے
وبان حبی بعد ما قد خفا	اور ہماری محبت مخفی رہنے کے بعد ظاہر ہو گئی
للّٰه کم لیله بتها	اللہ جانتا ہے کہ ہم نے کتنی راتیں اس طرح بسر کی ہیں
أدیر من ذلك اللمی قرقفا	کہ اس لب لعلیں سے شراب کا دور چلاتے رہے ہیں
متعتنی بالوصل منها و ما	اس نے ہم کو اپنے وصل سے متمتع کیا اور ہم نے
اخلفت وعداً خلت ان یخلفا	جس وعدے کی نسبت سمجھا تھا کہ خلاف کرے گا اس کو خلاف نہیں کیا

دیگر

ملکتك وانی امرؤ	میں تیرا مالک ہو گیا ہوں اور میں وہ شخص ہوں
علی ملك الارض قد اوقفا	کہ مجھ پر دنیا کی بادشاہت وقف کر دی گئی ہے
اوامری فی الناس مسموعة	میرے احکام لوگوں میں سنے جاتے ہیں
ولیس منی فی الوری اسرفا	اور خلق میں مجھ سے زیادہ کوئی مسرف نہیں ہے

یرھب سیفی فی الوغی مصلتا	لڑائی میں میری کھچی ہوئی تلوار سے لوگ ڈرتے ہیں
ویتقی عزما اذا ارھفا	اور جس وقت وہ تیز کی جاتی ہے اس وقت اس کے عزم سے ڈرتے ہیں
وترتجی یمنای یوم الندی	فیاضی کے وقت میرے ہاتھوں سے بہت کچھ امید رکھی جاتی ہے
تخالھا السحب غدت وکفا	تم ان کو بادل سمجھو گے کہ آئے اور برس گئے
نحن ملوك الارض من مثلنا	ہم شاہانِ عالم نے اپنے مثل بادشاہوں سے
حزنا تلید الفخر والمطرفا	موروثی اور مکتسب فخر حاصل کیا ہے
نخاف اقداما ونرجی ندا	ہم لوگوں کی پیشقدمی سے خوف اور فیاضی سے امید رکھی جاتی ہے
للہ ما ارجی وما اخوفا	اللہ ہی جانتا ہے کہ مجھ سے کیا خوف اور کیا امید رکھی جاتی ہے
لی رایۃ فی الحرب کم غادرت	حالتِ جنگ میں میرا ایک علم ہوتا ہے جس نے دشمنوں کے
ربع العدا اقاعا بھا صفصفا	بہتیرے منازل کو ہموار میدان بنا چھوڑا ہے
یالیت شعری والمنی جمۃ	آرزوئیں بہت ہیں کاش کسی طرح معلوم ہو
والدھر یوما ھل یری منصفا	کہ زمانہ کسی دن انصاف سے کام لیگا
ھل یرتجی العبد تدانیکم	کیا بندہ آپ کے قریب پہونچنے کی امید رکھے
ویصبح الدھر لہ مسعفا	اور سمجھے کہ زمانہ اس کی تمنا بر لائے گا

مناقب سلطان محمد ثالث کے مناقب اعظم میں حمرا کی شاندار اور حسین مسجد جامع کی تعمیر ہے، جس میں انتہائی کاریگری سے بیل بوٹے بنائے گئے ہیں، اور نہایت پائداری سے چاندی کا ملمع کیا گیا ہے اور اس مسجد کے مقابل میں حمام بھی ہے اطراف کے کفار سے جزیہ وصول کر کے اس مسجد کی تعمیر میں صرف کیا گیا تھا، اس کی تعمیر وہ مخصوص اور واحد منقبت و سربلندی ہے جس کی وجہ سے سلطان اپنی قوم کے تمام متقدمین اور متاخرین پر فوقیت رکھتے ہیں۔

جہاد سلطان نے اپنی تخت نشینی کے بعد ہی شہر منظر پر حملہ کر کے اسے بزورِ شمشیر فتح کیا، اور یہاں کے تمام لوگ ان کے قبضے میں آگئے جن میں اس شہر کی سرگروہ والیہ بھی تھی جو بہت خوبصورت اور رومی خواتین میں فرد شمار کی جاتی تھی، چنانچہ وہ عمدہ پوشاک میں ملبوس قیدیوں کے ساتھ

ساتھ سواری پر غرناطہ لائی گئی، اور بعد ازاں شاہ مغرب کے پاس تحفۃً بھیجدی گئی، جسے شاہ نے اپنے لئے مخصوص رکھا، یہ اتنی عظیم الشان فتح تھی کہ سلطان کی سحر کرآرائی کا شہرہ دور دور تک پھیل گیا۔

قساوت قلبی

سلطان نے اپنی حکمرانی کے ابتدائی دور میں اپنے والد کے ممالیک کی ایک جماعت کو جن سے وہ بہت بدظن ہو گئے تھے حمرا کے چاہ زندان میں ڈال کر اس کے قفلوں کی کنجیاں اپنے پاس رکھ لیں، اور محافظ کو تہدید کی کہ وہ انھیں کچھ غذا نہ دے ورنہ وہ قتل کردیا جائے گا، یہ تمام زندانی چند دنوں تک اسی چاہ میں پڑے رہے، یہاں تک کہ بھوک سے ان کی فریادیں بلند ہونے لگیں، جن کی آواز اوپر والوں نے سنی، آخرکار ناتوانی سے ان کی آواز پست ہوگئی، اور نوبت اس حد تک پہونچ گئی کہ آخری شخص کو اپنے مردہ رفیق کے بدن کا گوشت کھانا پڑا۔

ایک روز ان زندانیوں کے محافظ کو ان کے حال پر ترس آگیا تھا اس نے ان کے لئے مخفی طور سے تھوڑی سی روٹیاں چاہ میں گرادیں جو ان کی ضرورت کے لحاظ سے بالکل ناکافی تھیں، اس کی خبر کسی طرح سلطان کو ہوگئی، انھوں نے محافظ کو اس چاہ زندان کے دہانہ پر ذبح کرادیا جس کا خون ان زندانیوں پر جاگرا خدا ہم سب کو اس قسم کی بلاؤں سے محفوظ رکھے۔

زمانہ تک اس بد واقعہ کا چرچا لوگوں میں جاری رہا، سلطان کے نزدیک ان ممالیک کا جرم کیا تھا اس کا علم خدا ہی کو ہے۔

وزارت

سلطان نے وزارت کے عہدہ پر اپنے باپ کے وزیر ابوسلطان عزیز بن علی بن عبد المنعم دانی کو جن کا تذکرہ انشاء اللہ تعالٰے اپنے موقع پر آئے گا برقرار رکھا، مگر یہ اپنی زندگی سے بیزار ہو چکے تھے اس لئے جب وہ مرنے لگے تو یہ دو شعر زبان پر لائے:-

مات ابوزید فوا حسرۃ	افسوس ابوزید مرگیا
ان لم یکن مات منہ جمعہ	گو وہ اجتماع کے روز نہیں مرا
مصیبۃ لا غفر اللہ لی	اس دن کی مصیبت ایسی تھی جس سے خدا مجھے نہیں بخشیگا

ان کنت احببت لها دمعه   اگرچہ اس کے لئے میں نے آنکھوں سے آنسو بھی بہائے ہیں

وزیر موصوف کی وفات کے بعد کچھ عرصہ تک وزارت کی خدمات سلطان کے حاشیہ نشین انجام دیتے رہے، جن میں ایک مشہور اور باہمت قاید ابو بکر بن معول نے بھی ان خدمات کو نہایت انبساط کے ساتھ انجام دیا، انھوں نے سلطان کے عہد میں بہت عروج حاصل کیا تھا۔

سلطان کے ایک مخصوص قاری عشرابن بکرون نامی جو ایک ظریف اور محتاط شیخ تھے بیان کرتے ہیں کہ سلطان نے ابو بکر بن معول کو مستقل وزیر بنانے کا پختہ ارادہ کر لیا تھا، مگر چونکہ سلطان کی عادت تھی کہ وہ ہر کام میں فال لیتے تھے جس کا انھیں بالالتزام وسوسہ رہتا تھا، اس بنا پر فقیہ ابو عبداللہ بن الحکیم نے جو اس عہد کے بلند پایہ صاحب قلم اور کاتب تھے، اور عہدۂ وزارت کے لئے ابو بکر بن معول کے مقابلہ میں اپنے آپ کو ترجیح دیتے تھے چوگان وزارت کو خود حاصل کرنا چاہا، انھوں نے مجھے اپنے پاس طلب کیا، اور اپنا ما فی الضمیر ظاہر کر کے مجھ سے خواہش کی کہ میں سلطان کے نزدیک ایسی آیتیں پڑھوں جن سے ان کے مقصد کے مطابق فال نکلے۔

چنانچہ جب میں اسی غرض کے لئے سلطان کی خدمت میں باریاب ہوا تو اعوذ باللہ کے بعد میں نے یہ آیت پڑھی:۔

یا ایھا الذین امنوا لا تتخذوا بطانۃ من دونکم لا یالونکم خبالا ودوا ما عنتم قد بدت البغضاء من افواھھم"

اس آیت نے سلطان کے سامعہ کو اس قدر متاثر کیا کہ وہ اپنے پختہ ارادہ سے باز آ گئے، اور وزارت کے عہدہ پر اپنے کاتب ابو عبداللہ بن الحکیم کو ذیقعدہ ۷۰۳ھ میں مامور کر دیا، اور تمام امور مملکت ان کے حوالہ کر دئے، مگر زیادہ دن نہیں گزرنے پائے کہ ابن الحکیم سلطان کی حکومت پر غالب آ گئے، اور انھوں نے تمام معاملات کو الٹ دیا جس کا ذکر انشاء اللہ اپنے موقع پر آئیگا۔

کتابت سلطان کے عہد میں وزیر مذکور عہدۂ کتابت کے تنہا مجسس تھے اس عہد میں بلحاظ فضل وادب الفنن وظرافت کاتبین کی ایک

ایسی جماعت برسرکار تھی جس پر سلاطین کی مجالس کو فخر ہو سکتا ہے، مثلاً ایک ہمارے شیخ بھی تھے جو کتابت و خطابت میں وزیر موصوف کے ثانی تھے اور جو بعد کو انھیں کے عہدہ پر مامور کیے گئے، دیگر ممتاز کاتبین کے نام یہ ہیں:-

شیخ فقیہ قاضی ابو بکر بن شیریں، وزیر و کاتب ابو عبد اللہ بن عاصم، فقیہ و ادیب ابو اسحٰق بن جابر، وزیر و شاعر اغرابو عبد اللہ لوشی، فقیہ و رئیس ابو محمد حضرمی، قاضی و کاتب ابو الحجاج طرطوشی، شاعر مکثر ابو العباس عراق وغیرہم۔

قضاۃ سلطان کے عہد میں قاضی عدل و خاتمۂ ارباب فضل شیخ و فقیہ ابو عبد اللہ محمد بن ہشام الشی قاضی جماعت تھے، ۷۰۳ھ میں ان کی وفات ہوئی، قاضی ابو جعفر احمد بن محمد بن احمد بن محمد بن احمد قرشی ملقب بہ ابن فرکون بھی قاضی تھے جو سلطان کے آخر عہد تک منصب قضا پر فائز رہے، ان کی تعریف اور فضیلت کا بیان اوپر گذر چکا ہے۔

ملوک ہم عہد سلطان محمد ثالث کے ہم عہد ملوک کی تفصیل یہ ہے:-

ا۔ فاس میں ابو یعقوب یوسف بن یعقوب المنصور بن عبد الحق بڑے دبدبہ، شوکت اور مرتبہ کے سلطان تھے، اور ان کی عزت و شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی، انھوں نے دولت مرینیہ کی بنیاد ڈالی، خراج کی وصولی کا انتظام کیا، قرابتمند اور دوسرے لوگوں کی پرخطر شوکت کا استیصال کیا، بغرض جہاد اپنے والد کے دور حکومت میں اور پھر اپنے عہد میں اندلس میں وارد ہوئے، اوائل ذیقعدہ ۶۹۸ھ میں تلمسان کا محاصرہ کرکے اس پر قبضہ کیا، ان کے دور حکومت کی کل مدت اکیس سال اور چند ماہ ہے، ان کے بعد ان کے پوتے ابو ثابت عامر بن امیر ابو عامر عبد اللہ بن یوسف بن یعقوب نے سخت نزاع اور اختلاف کے بعد عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی، اس نزاع میں اکابر لوگوں کی ایک جماعت مقتول ہوئی، جن میں سے بعض کے نام یہ ہیں:-

امیر ابو یحیٰی بن سلطان ابو یوسف، امیر ابو سالم بن سلطان ابو یعقوب۔

سلطان ابو ثابت نے صفر ۷۰۸ھ تک حکومت کی، ان کے بعد ان کے بھائی

ابوالربیع سلیمان حکمران ہوئے، ان کا دورِ حکومت سلطان محمد ثالث کے انتہائی عہد اور ان کے بھائی نصر کے ابتدائی عہد تک تھا، انشاء اللہ تعالیٰ اس کا بیان اپنے موقع پر مذکور ہوگا،

۲ــــ تلمسان میں امیر ابوسعید عثمان بن یغمراسن بادشاہ تھے، ان کے بعد ان کے بھائی ابوعمران موسیٰ نے بادشاہت کی، اور پھر ان کے فرزند ابوتاشفین عبدالرحمن کو حکومت ملی جن کا دورِ حکومت سلطان محمد ثالث کے بھائی نصر کے عہد تک قائم رہا

۳ــــ تونس میں سلطان ابوعبداللہ محمد بن واثق یحییٰ بن مستنصر ابوعبداللہ بن امیر ابوزکریا بن ابوحفص کی حکومت تھی، یہ نہایت فاضل، محمود سیرت، مشہور فضیلت، پاک دامن، پاک طینت، اور صاحب عقل وحشمت سلطان تھے، انھوں نے اپنی توجہ صالحین اور نیکوکاروں پر ہمیشہ مبذول رکھی جن میں ابومحمد مرجانی زیادہ مخصوص تھے، جن کی بزرگی اور برکت سلطان تونس پر ظاہر وباہر تھی، اس لیے وہ ان سے ارتباط رکھتے اور اپنے امور میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے جس کی وجہ سے سلطان موصوف کے عہد میں رعایا برکت وصلاح سے کبھی خالی نہ رہی، ربیع الاول ۷۰۹ھ میں سلطان تونس نے وفات پائی، ان میں اور سلطان محمد ثالث میں باہم رسم تہدیہ ومراسلت جاری تھی۔

۴ــــ قشتالہ میں ہرانده بن شانجہ بن ادفونش بن ہرانده بادشاہ تھا، اس کی حکمرانی اشبیلیہ، قرطبہ، مرسیہ اور جیان پر بھی تھی، لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ جس وقت اس کے باپ کا انتقال ہوا تو یہ بچہ تھا، اور عیسائیوں کے دستور کے مطابق دوسرے شخص کی کفالت میں تھا، سلطان محمد ثالث کے عہد تک اس نے امن وامان اور صلح قائم رکھی، اور ہر ایک متنفس کو اطمینان سے سانس لینے کا موقع ملا، سلطان کے بھائی کے عہد میں اس کا انتقال ہوا۔

۵ــــ ارغون میں جایمش بن الفنش بن بطرہ کی بادشاہت تھی۔

حوادث

۷۰۳ھ میں سلطان نے اپنے ایک قریبی رشتہ کے ایک رئیس ابوالحجاج ابن نصر والی شہر وادی آش میں ایک سخت ناپسندیدہ بات دیکھی جس کی بنا پر وہاں کی گورنری سے انھیں معزول کردینا چاہا،

رئیس مذکور اس وقت غرناطہ ہی میں موجود تھے ، چونکہ وہ وادی آش کی حکومت پر کافی اقتدار حاصل کر چکے تھے ، اس لئے یہ اطلاع پاتے ہی وہ فوراً اونٹ پر سوار ہو کر وہاں سے روانہ ہو گئے ، جب ان کے چلے جانے کی خبر مشتہر ہوئی تو سلطان نے سوار فوج کو روانہ کیا جو سایہ کی طرح ان کے پیچھے پڑ گئی ، سلطان نے فتنہ کے اشتعال کے خوف سے گورنری کے جدید فرامین نافذ کئے ، اور وادی آش کے لوگوں کو رئیس کے خلاف میں جنگ کرنے پر آمادہ کیا ، چنانچہ وہاں کے لوگوں نے جس وقت رئیس مذکور کی جنگی تیاری کی خبر سنی تو وہ فوراً ان سے جنگ کرنے کے لئے آمادہ ہو گئے ، اور ان کا محاصرہ کر کے اس طرح ان کو مصائب میں مبتلا کر دیا کہ وہ مغلوب ہو گئے اور گرفتار ہو کر پا بہ زنجیر سلطان کے پاس لائے گئے سلطان نے اپنے ایک برادر عم زاد کو ان کے قتل کا حکم دیا ، جنہوں نے اسی وقت رئیس مذکور کی گردن اڑا دی ، اسلطان کی یہ بڑی فتح تھی ، کیونکہ اس تدبیر سے وہ ایک فتنۂ عظیم میں مبتلا ہونے سے بچ گئے ۔

ﷺ ہجری میں لوگوں کو یہ اہم خبر معلوم ہوئی کہ سبتہ اور اس کے تمام قلعے رئیس ابو طالب عبداللہ بن ابوالقاسم رئیس و فقیہ بن امام و محدث ابوالعباس عزفی کے قبضہ سے نکل کر سلطان کی مملکت میں داخل ہو گئے ، وہاں کے باشندوں کے تمام اہل و ذخائر برباد کر دئے گئے اور متعدد رؤساء پایۂ تخت غرناطہ میں منتقل کئے گئے ، اس واقعہ کا بیان اگر اللہ تعالے نے توفیق دی تو ابو طالب کے نام میں آئیگا ۔

یہ واقعہ غرۂ محرم ﷺ ہجری میں پیش آیا ، اس کے بعد ایک روز جبکہ دربار عام تھا اور فوج آراستہ و پیراستہ کی گئی تھی ، تو سبتہ کے باشندے بارگاہ سلطانی میں باریاب ہو کر زمین بوس ہوئے اور ان کے شاعروں نے قصائد سے اور خطیبوں نے منثور کلام سے سلطان کو اپنی طرف مائل کیا ، سلطان نے ان کے خوف و دہشت کو دور کر کے انہیں تسلی و تسکین دی ، اور ان کا مسکن اپنے جوار میں بنا کر ماہانہ تنخواہیں ان کے نام جاری کر دیں ، اور مختلف فصلوں میں ان کے پاس دورے کرتے رہے ، بعد کو ان لوگوں کا جو حال ہوا وہ عام طور سے معلوم ہے ۔

غزل | ﷺ ہجری میں بر بنا عید الفطر فریب سے سلطان کا محاصرہ کیا گیا ، وہ اس وقت

اپنی آنکھوں کی تکلیف میں مبتلا اور اپنی آرامگاہ میں آرام فرماتھے، اس لئے موقع پاکر سلطنت کے بعض سربرآوردہ لوگوں کی ایک جماعت نے باہم سازوباز کرکے وزیر وفقیہ ابو عبداللہ بن حکیم کو قتل کردیا، اور سلطان کے بھائی ابو الجیوش نصر کو امیر بنایا، اور سلطان کے گھر کا احاطہ کرکے پہرے بٹھادئے، جسوقت یہ خبر لوگوں کے کانوں میں پہونچی وہ سن کر حیران ہوگئے، غوغائیوں کا سیلاب امنڈ آیا، شور بدہ سروں نے محرا میں آکر حادثے کی اصلیت دریافت کی، اور پھر وہ وزیر کے گھر میں گھس کر تاخت وتاراج میں مشغول ہوگئے، اس گھر میں اس قدر مال وزر تھا جو وصف سے باہر ہے، سلمانوں کے ہات سے مال و دولت کی غارتگری کا یہ بدترین واقعہ نہایت عبرت انگیز تھا، شام کو جب لوگوں نے اپنی تمام کارروائیوں سے فراغت پائی تو معزول سلطان کو قصر شاہی سے دوسرے گھر میں منتقل کردیا، اور چند گواہ جو عزل کی گواہی دے سکیں ان کے پاس بھیجے، لوگ کہتے ہیں کہ معزول سلطان نے اس سخت مصیبت اور فکر کی حالت میں اپنے عزل کے وثیقہ پر دستخط کردئے، پھر وہ قصر سید میں جو بیرون غرناطہ واقع ہے منتقل کئے گئے اور پھر چند دنوں کی اقامت کے بعد وہ یہاں سے منکب کے شہر میں بھیجدئے گئے یہاں ان کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا اس کا ذکر انشاءاللہ آیندہ آئیگا۔

ظرافت سلطان محمد ثالث کے ایک خاص آدمی جو سلطان کے ساتھ عزل سے پیشتر قصر نجد میں اقامت گزیں تھے بیان کرتے ہیں کہ اس قصر کے سقف پر چند کوّے اڑکر آئے، چونکہ سلطان ہرایک چیز میں نیک وبدفال لیا کرتے تھے، جس کا اشارہ قاری عشر میں اوپر گذرچکا ہے اس لئے ان کووں میں سے ایک کو جس کی آواز نہایت کرخت تھی اور وہ برابر کائیں کائیں کرتا رہتا تھا مارنے کے لئے ممالیک میں سے چند تیراندازوں کو مختلف قسم کی کمانیں دے کر متعین کیا، جنھوں نے کووں کے ایک غول کو مارکر گرادیا مگر اس خبیث کوے پر سب کے نشانے خطا کرگئے، جب سلطان حمراء کے سکونتی مکان میں آئے تو وہ خبیث کوا یہاں بھی نمودار ہوا اور پھر جب

سلطان معزول ہونے کے بعد قصر شنیل میں رکھے گئے تو اس کوے نے یہاں بھی تعاقب کیا، اور چھت پر سلطان کے روبرو آ بیٹھا، سلطان اٹھ کھڑے ہوئے اور اس کو مخاطب کرکے اس طرح گویا ہوئے:۔

"اے منحوس! اے محروم کوے تونے ہم سے ہماری حکومت چھڑوادی، اب تیرا ہم سے مطالبہ کیا ہے؟ ہمارے اور تیرے درمیان اب کوئی گفتگو نہیں ہوسکتی، حرماں نصیب لوگوں کے پاس جا، اور ان کے ساتھ مشغول ہو"

راوی کا بیان ہے کہ سلطان باوجودیکہ رنجیدہ حال تھے تاہم ان کی شیریں گفتاری اور سبک روحی نے ہم لوگوں کو ہنسا دیا۔

وفات اوپر گذر چکا ہے کہ سلطان محمد ثالث شہر منکب میں بھیجے گئے تھے، اواخر جمادی الاخری ۷۱۳ھ میں سلطان نصر مرض سکتہ میں مبتلا ہوئے جس سے ان کی زندگی مشکوک ہوگئی، اور سب ان کی موت کی توقع کرنے لگے، ارکان دولت کے مشورے کے بعد طے پایا کہ معزول سلطان جو منکب میں ہیں دوبارہ حکمرانی کے لئے مدعو کئے جائیں، چنانچہ اس تصفیہ پر عمل کیا گیا، اور وہ بعجلت محافہ میں سوار کراکے غرناطہ میں لائے گئے، رجب ۷۱۳ھ میں وہ یہاں پہونچے، مگر مقدرات الٰہی سے ان کے بھائی نصر کو مرض سے افاقہ ہو چکا تھا اس لئے دوبارہ ان کی حکمرانی کی کارروائی تکمیل کو نہ پہونچی، اور جس گھر میں وہ ٹھہرائے گئے تھے وہاں سے وہ اپنے بھائی کے ایک بڑے گھر میں منتقل کردئے گئے، یہ ان کا آخری زمانہ تھا کہ وہ اپنے بھائی سے ملے پھر اوائل شوال ۷۱۳ھ میں ان کی وفات کی خبر مشتہر ہوئی۔

بیان کیا جاتا ہے کہ اس گھر میں ایک حوض تھا جس میں وہ ڈبو دئے گئے سبیکہ کے قبرستان میں جوان کا خاندانی مقبرہ تھا اپنے جد غالب باللہ کے پہلو میں مدفون ہوئے، لوگوں نے اس حادثے کا ماتم کیا،

لوح مزار کی عبارت کا ترجمہ یہ ہے:۔

یہ سلطان فاضل اور امام عادل کی قبر ہے، جو انتقیاء کے

علم، اور سلوک صالحین کے ایک فرد تھے، وہ راہ الٰہی کے
مجاہد، خشوع اور خضوع کے اوصاف سے متصف، خدا کے
پسندیدہ، اور اس سے ترساں تھے، ظاہر اور باطن میں اسی کا
خیال کرتے، اور زبان و دل کو اسی کی یاد سے معمور رکھتے،
مخلوق کی ریاست، اور حق کی اقامت میں تقویٰ اور رضوان کے
مسالک پر چلتے، شفقت و رحم کے ساتھ قوم کی کفالت کرتے،
بہتر سیرت، سچی طبیعت، اور نور بصیرت سے یمن و امان کے
کے ابواب کو اس پر کھولتے، ان میں انابت کی شان تھی
اور ان کا عمل روز حساب کے لئے باعث نور تھا، آثار سنیہ
اور اعمال طاہرہ کے مالک تھے، کفار سے خالص نیت اور راسخ
عزیمت کے ساتھ جہاد کرتے، میزان عدل قایم کرتے اور حلم
و فضل کی شاہراہ روشن رکھتے، اور حرمت اسلام کے محافظ
دین مصطفوی کے ناصر، اپنے اجداد انصار کے پیرو، ان کے
اعمال خیر، جہاد، اور بلاد و بندگان الٰہی کی نگرانی کو اپنے لئے
خدا کے دربار تک پہونچنے کا وسیلہ قرار دیتے تھے، وہ مسلمانوں
کے امیر، سرکشوں کے سرکوب تھے، اور فضل الٰہی سے منصور
رہتے تھے، ان کی کنیت ابو عبداللہ تھی، امیرالمسلمین غالب
باللہ، سلطان اعلیٰ امام ہدیٰ، سحاب سخاوت، محی سنت،
حسن امت، مجاہد فی سبیل اللہ، ناصرلدین اللہ ابو عبداللہ کے
بیٹے، اور امیرالمسلمین غالب باللہ ابو عبداللہ بن یوسف
بن نصر، کے پوتے تھے، خدا ان کی روح اور خوابگاہ کو مکرم
فرمائے، اور اپنی نعمت رضوان سے مالا مال کرے، آمین
سلطان کی تاریخ ولادت چہار شنبہ ۲۳ رشعبان ۸۳۸ھ[1] ہے، خدا ان کو

---

[1] سنہ ولادت غلط ہے، مترجم

ابرار کے درجہ میں رکھے، اور اس جماعت میں شریک فرمائے جن کے لئے دار عقبیٰ ہے، وصلی اللہ علی سیدنا محمد المختار وعلیٰ آلہ وسلم تسلیماً۔

لوح مزار کی دوسری جانب یہ اشعار کندہ ہیں:—

رضا الملك الأعلى يروح ويغتدي	سبح جہے بادشاہ کی رضامندی صبح وشام
على قبر مولانا الامام المؤيد	مولانا امام مؤید کی قبر پر آیا کرے
مقر العلى والملك والبأس والندى	جو بلندی، سلطنت، خوف، اور فیاضی کی جائے قرار ہے
فكوسن من معنى كريم ومشهد	اور اس ذات کی جائے قرار ہے جس نے بہتیرے شریف مقصد اللہ منشہود کو
ومثوى الهدى والفضل والعقل والتقى	اور جو ہدایت، فضل، عقل اور تقویٰ کی جائے قیام ہے
فبورك من مثوى زكى وملحد	اس پاک قبر پر برکت نازل ہو
فيا عجبا طود الوقار جلالة	کس قدر تعجب خیز امر ہے کہ ایک باعظمت کوہ وقار
طوى تحت الهباء الصفيح المنضد	سطح زمین کے فنا کر دینے والے طبقات کے نیچے چھپ گیا
وواسطة العقد الكريم الذى له	وہ عقد کریم کا ایسا واسطہ تھا
مآثر فخر بين مثنى وموحد	جس کے فخر کے آثار ایک ایک دو دو نمایاں ہیں
محمد المرضى سليل محمد	یعنی محمد بالفیض امام محمد کے بیٹے
امام الهدى نجل الامام محمد	اور امام محمد کے پوتے ہیں
فيا نخبة الاملاك غير منازع	اے بادشاہوں کے منتخب بغیر اختلاف کے
ويا علم الاعلام غير منفد	اور اے علم الاعلام بغیر انتقاد کے
بكتك بلاد كنت تحمى ذمارها	وہ تمام شہر تیرے لئے روتے ہیں جن کی حفاظت
بعزم أصيل ورأى مسدد	تو اپنے عزم مستحکم اور رائے درست کے ساتھ کرتا تھا۔
وكم معلم للدين أوضحت رسمه	اور تو نے دین کے بہت سے نشانوں کو واضح کیا تھا۔
يكون لك فى الفردوس ارفع مقعد	اس لئے فردوس میں تیرا مقام سب سے زیادہ بلند ہو
كأنك ما سست البلاد واهلها	کیا تو نے ملک اور اہل ملک کی سیاست
بسيرة ميمون النقيبة مهتد	ایک ممدوح اور ہدایت یافتہ شخص کی طرح نہیں کی؟
كأنك ما قدت الجيوش الى العدى	کیا تو نے افواج کو دشمن کی طرف روانہ کر کے
نصيرتهم تحت القنى المتقصد	ان کو تباہ نہیں کر دیا؟

وفتحت من أقطارهم كل مبهم	اور دشمن کے ممالک کے ہر ایک پیچیدہ حصے کو فتح کر کے
فتحت به باب النعيم المخلد	بہشت دوام کا دروازہ نہیں کھولا ؟
كانك ما انفقت عمرك فى الرضى	کیا تو نے اپنی عمر غزوات کی تجدید
بتجديد غزوات وتشييد مسجد	اور مسجد کی تعمیر کے ذریعہ رضائے الٰہی میں بسر نہیں کی
وانصاف مظلوم وتامين خائف	کیا تو نے مظلوم کے لئے انصاف خوفزدہ کے لئے امن
واصراخ مذعور واسعاف مجتدى	وحشت زدہ کے لئے مدد اور سائل کا سوال پورا کرنے میں عمر صرف نہیں کی؟
كانك ما أحييت للخلق سنة	کیا تو نے خلق کے فائدہ کے لئے
تجادل عنها باللسان وباليد	دست و زبان سے جھگڑ کر کوئی سنت قائم نہیں کی ؟
كانك ما امضيت فى الله عزمة	کیا تو نے ہندی تلوار سے مدافعت کر کے
تدافع فيها بالحسام المهند	اللہ کی راہ میں کوئی اولوالعزمی کا کام نہیں کیا ؟
فان تجهل الدنيا عليك واهلها	اگر دنیا اور اہل دنیا تیری نسبت ان امور سے جاہل ہیں
بذالك ثواب الله يلقاك فى غد	تو ہوا کریں فردائے قیامت میں ان کی جزا اللہ سے تجھ کو ملے گی
تعوضت ذخرا من مقام خلافة	تو نے خلافت سے جو ذخیرہ عوض میں پایا
مقيم منيب خاشع متعبد	وہ انابت، خشوع، عبادت اور قیام ہے
وكل الورى من كان أو هو كائن	ساری مخلوق جو اس وقت موجود ہے یا آئندہ ہونے والی ہے
صريع الردى ان لم يكن فكان قد	ہلاک ہوگی اگر اس وقت نہیں ہے تو عنقریب ہوگی۔
فلا زلت جارا للرسول محمد	تو دار نعیم میں اور اللہ کی رضامندی میں
بدار نعيم فى رضى الله سرمد	محمد رسول اللہ کا ہمسایہ بن کر رہ
وهذى القوافى قد وفيت بنظمها	ان قوافی کی نظم کو میں نے انجام دیا ہے
فياليت شعرى هل تصيخ لمنشد	کاش مجھے معلوم ہوتا کہ تو پڑھنے والے کو سن رہا ہے ۔

محمد بن محمد بن یوسف بن محمد بن احمد بن محمد ابن محمد بن خمیس بن نصر انصاری

نام محمد نام ہے، بنو نصر کے ملوک غالبین میں دوم تاجدار، اس دولت کے اساس، اور اس خاندان کے جواں میر تھے۔

اولیت محمد ثانی کی اولیت ان کے والد کے تذکرہ میں معلوم ہو گی، جو بحولہ تعالیٰ اس کتاب کی شروط اور ترتیب کی بنا پر آیندہ آئیگا۔

حالات ہماری ایک تالیف "کتاب طرف البحر" میں مذکور ہے کہ سلطان محمد ثانی جلالت، دبدبہ اور دانشمندی میں فرد سلاطین تھے، سلطنت کے نظم ونسق کی اصلاح، اہل خدمت کے القاب کی وضع، ان کے مراتب کی تحدید تعیین، رجال حکومت کی قدر شناسی، ملکی محاصل کا بندوبست، اور مالگزاری کی توفیران کے اہم کارنامے ہیں، وہ ان تمام امور پر اپنی استوار سیاست، زبردست عقل، وافر حکمت، طویل تجربہ، اور برتر فہم و فراست سے حاوی تھے۔

ان کی شباہت ملیح، اور جسمانی خلقت کامل تھی، اور وہ بلند ہمت واقع ہوئے تھے، انھوں نے اپنے والد کے عہد میں وزارت کی خدمت انجام دی، اور جب ان کی وفات ہوئی تو عنان حکومت اپنے ہات میں لے کر اپنے والد ہی کے مسلک پر گامزن ہو گئے، انھوں نے اپنے والد کے انصار کے ساتھ نیک سلوک کیا اور دشمنوں کے ساتھ مدارات کی، اور جس قدر عطیات و صدقات ان کے والد کے عہد میں جاری تھے ان کو بحال رکھا، اور وہ اپنے خط کی پاکیزگی، توقیعات کی عمدگی، علماء، اطباء، صیدلین، کاتبین اور شعراء کی قدر دانی، سخن سنجی، نادرہ گوئی میں اپنے والد پر فوقیت رکھتے تھے۔

جب سلطان محمد ثانی کی تخت نشینی کی رسم ادا ہوئی تو دریائے فتن میں ایک تلاطم بپا ہوا، باغیوں نے ہر طرف سر اٹھایا، یہاں تک کہ ان فتنہ پردازوں کے

شور و غوغا سے اندلس کی سرزمین دہل گئی، ان کے ساتھ کافرکتوں نے بھی حملہ کیا، سلطان نے ان تمام مصائب کا صبر و استقلال اور مردانگی سے مقابلہ کیا اور انکے دور کرنے میں اپنی پوری حکمت و سیاست صرف کی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلطنت کی فضا صاف ہوگئی، اور انھیں زیادہ دنوں تک زندہ رہنے کا موقع ملا، وہ ملک میں بہت مشہور ہوئے، اور ان کے غزوات نے کافی عظمت و اہمیت حاصل کی، انشاء اللہ تعالیٰ سلطان کے دیگر اہم واقعات آیندہ بیان ہونگے۔

اشعار و توقیعات

میں نے سلطان کے اکثر اشعار دیکھے ہیں، وہ چوٹی کے شعراء اور سخن سنج ملوک و امراء کے کلام سے نسبتہً فروتر ہیں، مثلاً وہ اپنے ایک کلام میں وزیر کو مخاطب کرتے ہیں:

تذکر عزیزلیال مضت	گزشتہ عزیز راتوں کو اور دونوں ہاتھوں سے ہمارے
واعطاءنا المال بالراحتین	مال کے دینے کو یاد کرو
وقد نصلت نا ملوک الجھا	ہمارے پاس چاروں طرف اور دونوں عددہ
ت وما لوا الینا من العدتین	سے ملوک آیا کرتے تھے
واذ سأل السلم منا معین	اور جب ہم سے کوئی معاون صلح کا خواستگار ہوتا
فلو یحظ الا بخفی حنین	تو اسے حنین کے دو جوتوں کے سوا کچھ نہ ملتا

توقیعات کی تعداد بھی بے شمار ہے، اور وہ اب تک لوگوں کے پاس کثرت سے موجود ہیں، ایک وہ توقیع ہے جسے انھوں نے کسی کے رقعہ پر لکھی تھی، رقعہ نویس نے اپنی شہادت میں کچھ تصرف کرنے کی درخواست کی تھی اور اس پر وہ مصر تھا، توقیع یہ ہے:-

یموت علی الشہادۃ وھوحی	وہ زندہ ہے مگر شہادت پر مر رہا ہے
الھی لا تمتہ علی الشہادۃ	اے خدا اسے شہادت پر نہ مار

٭ الھی، کو دراز خط میں لکھا تھا تاکہ دعاء کا خشوع ظاہر ہو۔

ایک دفعہ لشکر کے کچھ لوگ گھروں میں اتارے گئے، ان میں سے ایک نے کسی شخص کی بیوی کو دق کیا، اس نے اس کی شکایت لکھ کر سلطان کی خدمت میں رقعہ پیش کیا، سلطان نے رقعہ کی پشت پر یہ توقیع لکھی:-

"یخرج ھذا النازل"　　گھر سے وہ نکال دیا جائے،
ولایعوض بشئی من المنازل"　　اور معاوضہ کا کوئی منصب اسے نہ دیا جائے

اولاد ذکور
سلطان کے تین بیٹے تھے، ایک ابوعبداللہ حسن کا تذکرہ اوپر گزر چکا ہے، یہ ولی عہد تھے، دوسرے فرج یہ اپنے بھائی کے عہد میں قتل کئے گئے، اور تیسرے نصر یہ اپنے بھائی کے بعد امیرالمومنین بنائے گئے۔

اولاد اناث
سلطان کے چار بیٹیاں تھیں، اور ان کی شادیاں قرابت مندوں سے شاہانہ تزک واحتشام اور دنیاوی ساز وسامان کے ساتھ کی گئی تھیں، ان کے نام یہ ہیں:-
فاطمہ، میمونہ، شمس، اور عائشہ، ان میں فاطمہ سلطان کے نواسہ اسمٰعیل کی ماں تھیں، یہ وہ اسماعیل ہیں جنھوں نے سنہ ہ میں سلطان کے بیٹوں سے حکومت چھین لی تھی۔

وزارت
سلطان کے فاضل اور جلیل القدر وزیر ابوسلطان نہایت دولتمند تھے، لوگوں کے خیال میں وہ سلطان سے سن وشکل، ذاتی فضائل، دینی متانت اور طبعی صحت میں تقریباً مشابہ تھے، راعی اور رعایا میں ان کا واسطہ خوش اسلوبی سے قایم تھا، حکومت کے تمام وسائل اور تمام محکموں پر وہ حاوی تھے، ان کا زمانۂ وزارت سلطان کے عہد حکومت اور پھر ان کے ولی عہد کے ابتدائی دور حکومت تک مسلسل قایم رہا۔

کتابت
سلطان کے عہد میں کتابت اور النشار کی ریاست عالیہ پر متعدد کاتب مامور کئے گئے تھے، بعض کے نام یہ ہیں:-
ابوبکر بن ابوعمر لوشی، یہ سلطان کے والد کے عہد میں بھی کاتب تھے، ابوعلی حسن، ابوحسین یہ دونوں محمد بن یوسف بن سعید لوشی کے بیٹے تھے، پہلے حسن اور بعد کو حسین کاتب بنائے گئے، یہ دونوں تیرانداز تھے، اور دونوں کی وفات تقریباً ایک ہی زمانہ میں ہوئی، فقیہ ابوالقاسم محمد بن محمد قائد انصاری بھی کاتب تھے، یہ شیوخ اور ادباء صدور میں آخری شخص تھے، اور اس وقت تک

کتابت کی خدمت انجام دیتے رہے جب تک انھوں نے خواہش نفسانی میں مبتلا ہوکر اور اسباب نفرت پیدا کر کے سلطان کو ملول نہ کر دیا، لوگوں کا یہ گمان ہے کہ ایک روز انھوں نے سلطان کے روبرو قے کر دی تھی، جس سے سلطان نے ان کا درجہ گھٹا کر عام کاتبوں کے زمرے میں داخل کر دیا تھا، ان کی وفات سلطان کی ملازمت کے زمانے میں ہوئی، وزیر ابو عبد اللہ بن حکیم بھی کاتب تھے، انھوں نے سلطان کے آخری عہد تک اس خدمت کو انجام دیا۔

قضاء سلطان نے منصب قضاء پر فقیہ و عدل ابو بکر بن محمد بن فتح اشبیلی ملقب بہ اشبرون کو مامور کیا، جو سلطان کے والد کے عہد میں بھی قاضی تھے، سلطان کے دور حکومت میں پہلے وہ سوق کی خدمت پر بحال کیے گئے، اس خدمت کے زمانے میں ایک روز ان کا گزر ایک نشہ باز شخص کے پاس سے ہوا، جو منہ سے فحش باتیں نکال رہا تھا اور اپنی عربدہ جوئی سے لوگوں پر حملہ کرنا چاہتا تھا، لوگ اس کے پاس سے علیحدہ ہو گئے مگر فقیہ ابو بکر اس کے پیچھے پڑ گئے، وہ ان سے درشتی سے پیش آیا، انھوں نے اسے اپنے قابو میں کر لیا اور اس پر حد قایم کر کے اسے سخت سزا دی، اس کی جب شہرت ہوئی تو شرطہ اور سوق دونوں خدمتیں ان کے سپرد کی گئیں، اور بعد کو وہ قاضی بنا دیے گئے، اس خدمت کو بھی انھوں نے انتہائی تندہی سے انجام دیا، جب ان کی وفات ہوئی تو ان کی جگہ پر فقیہ و عدل ابو عبد اللہ محمد بن ہشام قاضی مقرر کیے گئے، ان کی مدت قضاء سلطان کے آخری دور حکومت تک قایم رہی، خدا ان پر رحم فرمائے۔

جہاد سلطان نے متعدد جہاد کیے، جس کی غب دیجور کو اپنی صبح نصرت سے بدلتے اور اپنے صبر و ثبات کے جوہر دکھاتے رہے، اس تالیف میں اتنی گنجایش نہیں ہے کہ ان تمام جہاد اور معرکہ آرائیوں کا استقصار کیا جا سکے، ان جنگوں میں ایک جنگ معران ہے جو محرم ۶۹۵ھ میں واقع ہوئی، اس کا واقعہ یہ ہے کہ سلطان کو جب رومی طاغیہ شانجہ بن اد ونش کے مرنے کی خبر پہونچی تو وہ اتنی سرعت سے کفار پر حملہ آور ہوئے کہ وہ سب کے سب دہشت زدہ ہو گئے، اس جہاد میں سلطان نے اہل اندلس کو شرکت کی ترغیب دی اور تنڈی دل فوج لے کر حملے کیے

شہر قیجانہ کی طرف بڑھے اور دشمن سے سخت مقابلہ کیا، بحکم الٰہی یہ شہر فتح ہوگیا، اور اس کے تمام قلعے سلطان کے قبضہ میں آگئے، یہ فتح نہایت عظیم الشان تھی، سلطان نے ان قلعوں میں مسلمانوں کا لشکر اور محافظین کا ایک دستہ متعین کردیا جو برابر دشمن کا ناطقہ بند کرتا رہا۔

۶۹۹ھ کے موسم گرما میں سلطان نے شہر قبذاق پر چڑھائی کی، اور حملہ کرکے فاتح شہر میں داخل ہوگئے، یہاں کے وہ باشندے جن کی زندگی ہنوز باقی تھی قلعہ میں جاکر پناہ گزیں ہوئے، یہ نہایت مضبوط اور مشہور قلعہ تھا سلطان نے اس کا اس طرح محاصرہ کیا کہ محصورین ذلیل وخوار ہوگئے، ان کے پائے ثبات میں لغزش پیدا ہوئی، اور وہ اوندھے منہ گر پڑے، حالانکہ یہ لوگ اس قلعہ میں فضائی عقاب سے بھی زیادہ محفوظ تھے، غرض سلطان کو یہاں کی حکمرانی بھی حاصل ہوئی، یہ قلعہ بلحاظ اپنی جائے وقوع کی اہمیت، استحکام کی شہرت، میدان کی سرسبزی اور پانی کی خوش گواری کے بے نظیر تھا نیز وہ بلاد کفر کا رہگزر تھا، اور وہاں کی تمام مخفی باتوں کو آشکارا کرتا تھا اس کا اس طرح آسانی سے فتح ہوجانا نادرالوجود واقعات اور لطف الٰہی کی شہادتوں میں سے تھا، یکشنبہ ۸ رشوال ۶۹۹ھ کو بوقت ظہر یہ قلعہ فتح ہوا، سلطان نے بہادر مسلمانوں کو اس میں داخل کرکے اس کے گرد خود اپنے ہاتھوں سے خندق کھودنی شروع کی، مسلمانوں نے جو گھوڑوں کی پشت پر سوار تھے جب یہ دیکھا تو وہ بھی گھوڑوں سے اتر کر خندق کھودنے لگے، اور بات کی بات میں حسب دلخواہ خندق کھد گئی۔

ہمارے شیخ ابوالحسن بن جیاب نے اس فتح کی تہنیت میں سلطان کو ایک قصیدہ سنایا تھا جس کے دو شعر یہ ہیں:۔

عدوك مقهور وحزبك غالب	تیرا دشمن مغلوب ہوا اور تیری جماعت غالب رہی
وأمرك منصور وسهمك صائب	اور تیری حکومت کو نصرت ہوئی اور تیرا تیر نشانہ پر جا لگا
وشخصك مهما لاح للخلق اذعنت	تیری ذات جب لوگوں کے سامنے ظاہر ہوتی تھی
لهيبته عجم الورى والاعارب	تو ہیبت سے تمام عجم اور عرب کے لوگ رام ہو جاتے تھے

یہ قصیدہ مطول ہے۔

ملوک ہم عہد | سلطان کے ہم عصر ملوک کی تفصیل یہ ہے۔

۱- مغرب میں سلطان ابو یوسف یعقوب بن عبد الحق ملقب بہ منصور حکمراں تھے، یہی وہ سلطان ہیں جنھوں نے موحدین کی حکومت پر قبضہ کرکے اس خاندان کی جڑ کو زمین سے اکھیڑ کر پھینک دیا تھا، تین دفعہ یا اس سے زیادہ وہ اندلس میں آئے، اور دشمن سے جہاد کیا، جس کا بیان اوپر گزر چکا ہے، ان میں اور سلطان محمد ثانی میں کبھی صلح کبھی مخالفت اکبھی عتاب کے واقعات پیش آتے رہے، ان باتوں کا علم ان قصاید سے ہوتا ہے جو اب تک متداول اور مشہور ہیں، ان میں سب سے پہلا قصیدہ فقیہ وصدر کاتب ابو عمر بن مرابط کے عہد میں لکھا گیا تھا۔ جس کا مقصد جہاد کے لئے عوام کو برانگیختہ کرنا تھا، اس کا ایک شعر یہ ہے۔

هل من معيني في الهوى أو منجدى — کیا محبت میں میرا کوئی معین و مددگار ہے
من متهم في الارض او من منجد — خواہ وہ نشیب ملک کا رہنے والا ہو یا بلند کا

محرم ۶۸۵ھ میں جب سلطان مذکور نے اپنے عنفوان عمر میں بعہد سلطان محمد ثانی جزیرۂ خضرا میں وفات پائی تو ان کے فرزند ابو یعقوب یوسف جانشین ہوئے، یہ بھی بلند ہمت، بلند عزیمت، اور رفیع القدر سلطان تھے، سلطان محمد ثانی کے عہد میں وہ اندلس آئے، اور المریہ کے میدان میں باہم ملاقات کرکے معاہدہ کی تجدید کی، اور دوستانہ تعلقات کو مستحکم کیا، مگر بعد کو دونوں میں پھر ایسی وحشت پیدا ہوئی جو مجاز اوّلی کی بندرگاہ وشہر طریف پر دشمن کے تصرف وتغلب کا باعث ہوئی۔ سلطان ابو یعقوب کی حکومت سلطان محمد ثانی کی آخر مدت اور پھر اسکے فرزند کے عہد تک یکساں قایم رہی۔

۲ — تلمسان میں ابو یحییٰ یغمر اسن کی حکومت تھی، ان کا نسب نامہ یہ ہے:۔ یغمر اسن بن زیان بن ثابت بن محمد بن وہب بن طالع اللہ بن علی۔ یغمر اسن اپنی جرأت، شجاعت، سیاست، جودت رائے، اور دانشمندی کے اعتبار سے ابنائے زمانہ میں یکتا تھے، ان میں اور مرینی میں متعدد جنگیں واقع ہوئیں جن میں یہ اکثر غالب رہے، اور شاذونادر مغلوب ہوئے، ان کے بعد ان کے فرزند عثمان جانشین قرار پائے، جن کی حکومت سلطان محمد ثانی کے آخر عہد تک قایم تھی۔

۳۔ افریقیہ میں خلیفہ ابو عبداللہ بن ابوزکریا بن ابو حفص ملقب بہ مستنصر کی امارت تھی، یہ اپنے رعب، دبدبہ، شوکت، جبروت، اور شہرت میں ضرب المثل تھے، ۶۷۵ھ میں ان کی وفات ہوئی، پھر ان کے فرزند واثق تخت نشین ہوئے ان کے بعد امیر اسحاق کو حکمرانی ملی، جن کا تذکرہ اوپر گذر چکا ہے، پھر اس خاندان سے ابن ابو عمارہ نے حکومت چھینی، اور پھر اس سے ابو حفص عمر بن ابوزکریا بن عبدالواحد نے حکومت حاصل کی، بعد ازاں سلطان فاضل، خلیفہ نیک سیرت، ابو عبداللہ محمد بن واثق یحییٰ بن مستنصر ابو عبداللہ بن امیر ابوزکریا اس تاج و تخت کے وارث قرار پائے۔

۴۔ عیسائیوں کے ملک قشتالہ میں الفنش بن ہراندہ حکمراں تھا، جب اس کے بیٹے شانجہ نے باپ کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تو اس عیسائی بادشاہ کی استدعا پر سلطان مغرب اندلس میں وارد ہوئے، کیونکہ اس نے اپنے بیٹے کی جنگ کے مقابلہ میں جو صورت اختیار کرنا کے ایک مقام احواز صخرہ میں واقع ہوئی، سلطان مغرب سے امداد طلب کی تھی، یہ واقعہ عام طور سے مشہور ہے۔

اس عیسائی بادشاہ کے بعد اس کا بیٹا شانجہ حکمراں ہوا جس کی حکومت سلطان محمد ثانی کے دور حکومت کے ساتھ ساتھ قائم رہی، اور ان دونوں میں بڑے بڑے معرکے بھی ہوئے، ۶۹۳ھ میں شانجہ کا انتقال ہوگیا اور اس کا فرزند ہراندہ جانشین کیا گیا جس کی حکومت سترہ سال تک رہی چونکہ اسے صغر سنی میں حکومت ملی تھی اس وجہ سے اہل اندلس کو آرام سے سانس لینے کی فرصت نصیب ہوئی اس نے اپنے ملک میں سلطان محمد ثانی کے آخر عہد تک حکومت کی۔

۵۔ ارغون میں الفنش بن جایمش بن بطرہ بن جایمش کی حکومت تھی جو بلنسیہ پر بھی متسلط تھا، جب اس کا انتقال ہوا تو اس کا فرزند جایمش حاکم بنایا گیا، اس نے سلطان محمد ثانی کے فرزند نصر کے عہد میں المریہ پر جنگ کی، نصر کے آخر دور حکومت تک وہ زندہ رہا وہ اپنی حکمت عملی، دانائی، اور طاقت میں بے مثل تھا۔

سلطان محمد ثانی کے عہد میں اکثر فتنہ، فساد، بنو اشقیلولہ اور دیگر رؤساء کی جنگ اور اختلاف کی گرم بازاری تھی، وادی آش میں ابو محمد اور ابوالحسن کی دو ریاستیں تھیں، مالقہ اور قمارش میں ابو محمد عبداللہ کی ایک ریاست تھی،

اور ایک دوسرے رئیس ابو اسحٰق بھی قمارش میں تھے، جب رئیس ابو محمد عبد اللہ نے وفات پائی اور ان کے فرزند جو سلطان کے بھانجے بھی تھے مالقہ میں باپ کے جانشین کئے گئے تو وہ سلطان سے منحرف ہوکر امداد طلب کرنے کے لئے شاہ مغرب کے پاس گئے، سلطان نے ان کی ریاست کو جو مالقہ میں تھی ضبط کرکے یحییٰ بن عمر بن یحلی کو تفویض کردیا۔

وادی آش کے دونوں رئیسوں نے ایک مدت تک صبر و استقلال سے سلطان کے تشدد کو برداشت کیا، مگر آخرکار وہ بھی کمربستہ ہوکر سلطان سے لڑنے کے لئے آمادہ ہوئے اور وادی آش سے نکل کر شاہ مغرب کے پاس چلے گئے، اور جاتے ہوئے قطر کتامہ میں لوگوں پر دست درازیاں کیں، اگر اللہ تعالےٰ نے ان کے حالات کے لکھنے کا موقع دیا تو ان جنگوں کا بیان انشاء اللہ تعالےٰ ان کے کارناموں کے ذیل میں آئے گا۔

انھیں رؤسار کی جنگ کے زمانہ میں سلطان مجاہد ابو یوسف یعقوب بن عبد الحق فی سبیل اللہ جہاد کی نیت سے ۶۷۰ھ کے اوائل میں اندلس میں وارد ہوئے، اس وقت عیسائی بادشاہ اور اس کے فرزند کے درمیان آتش جنگ و جدال مشتعل تھی۔ اس جہاد میں مسلمانوں کو غنیمت کے بہت سامان ہاتھ آئے،

سلطان مغرب عیسائی بادشاہ کی دعوت پر اندلس میں وارد ہوئے، اور سلطان محمد ثانی بھی اس عیسائی بادشاہ کے پاس پہونچے، اور ان کی مجلس میں عیسائی بادشاہ اور اس کے مخالفین مجتمع ہوئے جس میں ان کی باہمی نزاعیں طے کی گئیں، اس موقع پر غازیوں کو بھی ان کے حقوق اور صلے عطا کئے گئے، سلطان محمد ثانی اپنے پایۂ تخت میں واپس آگئے۔

دوسرے سال سلطان نے شاہ مغرب سے جو مقابلۂ زعیم وقت تھے جنگ کی اور ان کے زور کو توڑا، گو اس جنگ کے بعد شاہ مغرب عدوہ چلے گئے مگر پھر اوائل ربیع الاوّل ۶۷۴ھ میں وہ دوبارہ سمندر کو عبور کرکے شہر طریف میں داخل ہوگئے اور پھر شہر اشبیلیہ پر چڑھائی کی، سلطان نے اپنی فوج کو قرطبہ کے میدان میں جمع کیا، مگر جنگ چھڑنے سے پیشتر دونوں میں صلح ہوگئی، اور دونوں نے باہم صفا

کیا، اس واقعہ کو زیادہ دن نہ گزرنے پائے تھے کہ حالات میں پھر تغیر پیدا ہوا اور ملک اندلس فتنہ و فساد کا آماجگاہ بن گیا، یہ دیکھ کر شاہ مغرب نے چہارشنبہ ۲۹ رمضان ۶۷۷ھ میں شدید جنگ کر کے مالقہ پر قبضہ کر لیا، مگر ایک شخص کی بدولت یہ شہر دوبارہ اندلس کی حکومت میں داخل ہو گیا۔

سلطان کے عہد میں رومی طاغیہ نے جزیرۂ خضراء پر حملہ کیا اور ایک اہم مقام پر قبضہ کر کے چاہتا تھا کہ اس جزیرہ کو فتح کرے مگر اللہ تعالےٰ نے اس کی مدافعت کا سامان پیدا کر کے مسلمانوں کی ایک چھوٹی سی جماعت کی تائید فرمائی اور اس پر اتنا احسان عظیم کیا کہ اس کی مصیبت کی رات کٹ گئی اور مصائب دور ہو گئے، یہ واقعہ وسط ربیع الاوّل ۶۷۸ھ میں پیش آیا۔

ولادت سلطان محمد ثانی غرناطہ میں ۶۳۳ھ میں پیدا ہوئے۔

وفات ہماری تالیف طرفۃ العصر میں ہے کہ ۷۰۱ھ تک ملک کے حالات اسی طرح رونما ہوتے رہے یہاں تک کہ ۸ شعبان روز یکشنبہ سنہ مذکور میں سلطان مصلی پر فریضۂ عصر ادا کر رہے تھے اور ایک مومن کی طرح، انتہائی خشوع و خضوع کی شان میں قبلہ رو تھے کہ دفعۃً ان کی روح پرواز کر گئی۔

لوگوں کا گمان ہے کہ ان کی موت کا سبب وہ مادہ تھا جو ان کے دماغ سے اکثر نازل ہوتا تھا اسی مادہ کی گلوگیری سے ان کا دم گھٹ گیا اور بعض لوگوں کا گمان ہے کہ سلطان نے اپنی وفات کے روز شام کے وقت ولی عہد کے گھر کی پکی ہوئی روغنی روٹی کھائی تھی یہی روٹی ان کی موت کا سبب تھی، اصل حقیقت کیا ہے اس کی خبر خدا ہی کو ہے۔

سلطان کی لاش خاندانی گورستان کی بجائے ان کے خانہ باغ میں جو مسجد اعظم کے مشرقی حصہ میں ہے دفن کی گئی، یہ پہلی قبر تھی جو یہاں بنائی گئی پھر دوسری قبر ان کے نواسے سلطان ابوالولید کی یہاں تعمیر کی گئی، اور تیسری قبر اسی خاندان کے ایک معزز رکن سلطان ابوالحجاج بن الولید کی بھی یہاں بنی، خداوند تعالیٰ ان سب پر اپنے عفو کی چادر ڈالے اور اپنی وسیع رحمت اور فضل میں ان کو شریک فرمائے۔ آمین۔

صحت نامہ اخبار غرناطہ

حصۂ اوّل

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
دیباچہ	۱۳	دن و رات	دن رات	۱۴۳	۹	بدرالدجا	بدرالدجیٰ
۶	۲۵	زرغیز	زرخیز	۱۴۷	۱۵	عارنانہ	عارفانہ
۳۷	۱۴	رستی	رہتی	۱۴۹	۶	برارت	برأت
۴۳	۱۶	سفرح	مفرح	۱۵۶	۸	یلبیہ	یلبہ
۵۰	۹	ججش	جحش	۱۵۸	۱۰	لیلۃ	لیلہ
۵۷	۱۴	مُلّاخی	ملاحی	۱۷۱	۵	جباستہ	جبانتہ
۷۰	۱۷	موتی	ہوتی	۱۸۱	۸	سلک	مسلک
۷۶	۴	سلوت	سلوک	۱۹۳	۷	ہوتی	ہوئی
۹۰	۱۱	بے رقبہ	بے رتبہ	"	۱۱	کھاتے	کھائے
۱۰۴	۴	موسم	بعض موسم	۱۹۴	۲۰	یۂ	یہ
۱۰۹	۱۹	اوریہی شخص	اور یہی شخص	۲۰۵	۱۱	ترخون	ترخوں
"		وسیع عورت کا	وسیع مملکت	"	۱۴	بیوقوں	بیوقوفوں
		مالک ہوتا ہے	کا بانی ہوتا ہے	۲۰۷	۱۲	سمجھانے	سمجھاتے
۱۳۱	۲۵	واُمار	دانار	"	۲۳	متنفر	متنفر
۱۳۲	۴	×	وہ	۲۱۰	۵	التمس	الشمس
"	۲۳	جھولتی	جھومتی	۲۱۹	۲	نلم	قلم

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۲۴۵	۱۱	جزا	رجزؑ	۳۲۹	۳	شریک کبا	شریک کیا
۲۴۸	۲۰	یرلوع	یربوع	۳۳۰	۱۴	رفیق یدیر	رفیق بدیر
۲۵۵	۲۳	اے دو امام	اے دو امام	۳۴۴	۱۳	ہوئیں تھیں	ہوئی تھیں
۲۵۸	۱۷	قبضہ	قبضتہ	۳۴۸	۱۶	نقل لیا	نقل کیا
۲۷۳	۲۴	بہاتے	بہائے	۳۵۴	۹	ملق	ملقی
"	۲۵	ہرائی	مرائی	۳۷۴	۷	فاحفض لہ	فاخفض لہ
۲۹۰	۲۰	عیداللہ بن ہو	عبداللہ بن ہود				
۳۲۱	۹	ہادیس	بادیس				